ضیاء العارفین

ترجمہ

منہاج العابدین

مصنف

امام محمد بن محمد الغزالی علیہ الرحمہ

مترجم

علامہ مفتی عطاء المصطفیٰ اعظمی علیہ الرحمہ

پیشکش

تاج الشریعہ فاؤنڈیشن، کراچی

www.muftiakhtarrazakhan.com 0092 303 2886671

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شرف انتساب

و

ایصال ثواب

میں اپنے اس ترجمہ 'منہاج العابدین مسمی بہ 'ضیاء العارفین کو ان تمام علمائے دین وفقہاء ومحدثین کرام اور حضور سیدی ومرشدی آقائے نعمت مفتی اعظم ہند آل رحمن محی الدین ابو البرکات مصطفیٰ رضا خان اور جدی وسیدی صدر الشریعہ بدر الطریقہ حضرت علامہ مفتی حکیم محمد امجد علی اعظمی قدست اسرارہم کی ارواح طیبات کے نام ایصال ثواب کرتا ہوں جن کے نوک قلم کی سیاہی شہیدوں کے خون سے بڑھ کر درجہ رکھتی ہے

اور

خصوصا اپنی دادی ماجدہ اہلیہ محترمہ صدر الشریعہ رحمہا اللہ تعالیٰ جو اس ترجمہ کے دوران اللہ کو پیاری ہوگئیں کی روح کو ایصال ثواب کرتا ہوں کہ انہیں کی تعلیم وتربیت اور انہیں کی کاوشوں کے طفیل میں کسی لائق ہوا اور انہیں کی کاوشوں کا نتیجہ ہے کہ صدر الشریعہ کی صلبی نسلیں فصل بہار کی طرح لہلہا رہی ہیں

عطاء المصطفیٰ اعظمی

تاریخ افتتاح ترجمہ: بروز پیر ۲/ جمادی الاخریٰ ۱۴۱۵ھ، ۶/ نومبر ۱۹۹۴ء

تاریخ انتہاء ترجمہ: بروز بدھ ۳/ ذی الحجہ ۱۴۱۵ ہجری ۳/ مئی ۱۹۹۵ء

باسمہٖ تعالیٰ

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

تعارف مصنف

عموماً کسی ذات کا تعارف و تذکرہ لوگوں کے درمیان اس کی شہرت یا اس کی مقبولیت کے لئے ہوتا ہے لیکن کچھ شخصیتیں ایسی خصوصیت و اہمیت کی حامل ہوتی ہیں کہ ان کی ذات کسی تعارف و تذکرہ کی محتاج نہیں ہوتیں بلکہ ان پر اللہ تبارک و تعالیٰ کا خاص فضل و کرم ہوتا ہے اور انہیں قبولیت عامہ سے سرفراز فرماتا ہے کہ ان کے اوصاف حمیدہ اور مناقب جلیلہ اور کمالات عظیمہ کا تذکرہ کائنات کے گوشے گوشے میں ہوتا رہتا ہے حتیٰ کہ ایسے لوگ ہر خاص و عام کے دلوں میں اپنا مقام بنا لیتے ہیں اور سب لوگ ان کی مدح سرائی کرتے ہیں اور ان کے عقیدت مند ہوجاتے ہیں چنانچہ حدیث مبارک ناطق ہے عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ اذا احب عبدا دعا جبرئیل فقال انی احب فلانا فاحبہ قال فیحبہ جبرئیل ثم ینادی فی السماء فیقول ان اللہ یحب فلانا فاحبوہ فیحبہ اھل السماء ثم یوضع لہ القبول فی الارض (صحیح مسلم بحوالہ مشکوۃ ص ۴۲۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے سے محبت کرنے لگتا ہے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام کو بلا کر فرماتا ہے کہ میں فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں تم بھی اس سے محبت کرو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا پھر جبرئیل علیہ السلام بھی اس بندے سے محبت کرنے لگتے ہیں اور پھر آسمانوں میں اعلان کردیتے ہیں کہ اے آسمان والو! خداوند تعالیٰ فلاں بندے

سے محبت کرتا ہے تم بھی اس سے محبت کرو تو آسمانوں کے تمام فرشتے بھی اس بندے سے محبت کرنے لگتے ہیں اور پھر اللہ تعالیٰ زمین والوں کے دلوں میں بھی اپنے اس مقبول ومحبوب بندے کی محبت پیدا فرما دیتا ہے۔

نام و نسب اور ولادت: انہیں مقدس اور عظیم شخصیتوں میں سے امام الھمام مقتدی الخاص والعام حجۃ الاسلام و برکات الانام وقطب رحا دائرۃ الاسلام ابو حامد محمد بن محمد غزالی رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی بھی ہے امام غزالی طاہران ضلع طوس ایران میں ۴۵۰ھ مطابق ۱۰۵۸ء میں پیدا ہوئے آپکی کنیت ابو حامد اور لقب حجۃ الاسلام اور نام محمد ہے آپ کے والد ماجد خود تو عالم نہ تھے لیکن صوفیاء کی صحبت میں بیٹھنے کا بہت شوق تھا ان کی دلی خواہش وآرزو تھی کہ میرے دونوں بیٹے علم وفضل کے گھوارہ میں تربیت پا کر علم دین کی خدمت کریں چنانچہ انہوں نے اپنے دونوں صاحبزادوں حضرت امام محمد غزالی اور حضرت امام احمد غزالی کو کچھ سرمایہ کے ساتھ اپنے ایک بزرگ دوست کے سپرد کر دیا اور وصیت کی کہ ان دونوں کی تعلیم وتربیت کا خیال رکھا جائے امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے والد ماجد کی وصیت کے مطابق وہ بزرگ ان دونوں حضرات کو تعلیم و تربیت دلاتے رہے جب ان کے والد ماجد کا دیا ہوا سرمایہ ختم ہو گیا اور جب مزید وسعت نہ رہی تو انہوں نے کہا کہ تعلیم حاصل کرنے کے لئے کسی مدرسے میں داخل ہو جائیں اگرچہ اس زمانہ میں باقاعدہ مدارس دینیہ نہ تھے مگر بڑے بڑے ائمہ فن صاحبان ذوق کو اپنے اپنے گھروں یا مسجدوں میں تعلیم دیا کرتے تھے چنانچہ امام غزالی علیہ رحمۃ الباری نے فقہ کی ابتدائی کتب احمد بن محمد راز کافی سے پڑھیں اس کے بعد جرجان چلے گئے اور وہاں حضرت امام ابو نصر اسمٰعیلی کی خدمت میں رہ کر علم دین

حاصل کرتے رہے امام ابونصر اسمٰعیلی کے ملفوظات وغیرہ تین سال میں مکمل حفظ کرنے کے بعد چونکہ قرب و جوار میں کوئی خاطر خواہ اور تشفی بخش درسگاہ نہیں تھی اس لئے علوم و فنون کے عظیم شہر نیشا پور کی عظیم الشان درسگاہ مدرسہ بیہقیہ میں امام الحرمین ابوالمعالی کے حلقہ درس میں شامل ہوئے کیونکہ خراسان، عراق اور فارس کے تمام ممالک میں صرف دو ہی بزرگ امام الکل اور استاذ الکل تسلیم کیے جاتے تھے اور نیشا پور قریب تھا اس لئے امام غزالی نے مدرسہ بیہقیہ نیشا پور کا انتخاب کیا جہاں خود ان کے ہونے والے استاد الحرمین ابوالمعالی عبدالملک ضیاء الدین جوینی نے بھی تعلیم حاصل کی تھی اپنی خداداد ذہانت و فطانت کے باعث امام الحرمین حضرت ابوالمعالی کی نظر میں بہت ممتاز بن گئے اور امام غزالی علیہ الرحمہ نے اپنے استاذ حضرت ابوالمعالی کی زندگی میں ہی شہرت حاصل کر لی تھی اسی پر بس نہیں بلکہ حضرت ابوالمعالی اپنے اس شاگرد رشید پر بڑا فخر محسوس کرتے تھے انہیں وجوہات کی بنا پر امام الحرمین نے مدرسہ نظامیہ نیشا پور (جس کو نظام الملک نے قائم کیا تھا اور امام الحرمین حرمین سے واپسی کے بعد اس مدرسہ کے صدر رہے) کی صدارت ۴۸۴ھ میں امام غزالی کے سپرد کر دی اور یہ مدرسہ اپنے زمانے میں دنیا کی سب سے عظیم درسگاہ کی حیثیت رکھتا تھا جہاں تمام مروجہ علوم و فنون کی اعلیٰ تعلیم و تربیت کا انتظام تھا۔

اساتذہ: امام الحرمین ابوالمعالی حضرت علامہ عبدالملک ضیاء الدین جوینی، امام ابونصر اسمٰعیلی، احمد بن محمد راز کانی، حافظ عمر بن ابی الحسن الرواسی کے اسماء گرامی قابل ذکر ہیں حافظ عمر جو کہ مشہور و معروف محدث تھے ان ہی سے صحیح بخاری و صحیح مسلم کی سند حاصل کی اور حافظ ابن عساکر لکھتے ہیں کہ امام غزالی نے بخاری ابو اسماعیل حفصی سے پڑھی۔

تلامذہ: حجۃ الاسلام امام غزالی علیہ الرحمہ کے بے شمار شاگرد تھے جن میں سے اکثر اپنے وقت کے متبحر عالم، فقیہ، محدث، مفسر اور مصنف کی حیثیت رکھتے تھے۔ حضرت امام کے شاگردوں میں محمد بن تومرت، علامہ ابوبکر عربی، قاضی ابونصر، احمد بن عبداللہ، امام ابوسعید یحییٰ، ابوطاہر امام ابراہیم، ابوطالب عبدالکریم رازی (جنہیں احیاء العلوم ازبر یاد تھی) ابوالحسن علی بن مظہر دینوری اور ابوالحسن علی بن مسلم (جن کا لقب جمال الاسلام تھا) کے اسماء گرامی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

فنی مہارت: امام صاحب کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار علوم وفنون سے نوازا تھا امام غزالی علیہ الرحمہ کے حالات زندگی کے تمام گوشوں پر نظر ڈالنے کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ بچپن ہی سے صالح الفکر، صائب الرائے شخصیت کے حامل تھے آپ کا بچپن ذکی الطبع اور قوی الفکر انسان کے شباب سے کسی طرح کم نہ تھا تمام علوم دینیہ اور فنون عربیہ اور ان کے مبادی میں ماہر نظر آتے ہیں علم وفن کے کسی میدان میں آپ کی جولانی قلم پر کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا حدیث، علم فقہ و اصول فقہ، اخلاقیات، فلسفہ، تصوف، منطق، علم کلام، وعظ و نصیحت وغیرہ علوم ہی نہیں بلکہ جملہ علوم عقلیہ ونقلیہ میں آپ کی شان یکساں نظر آتی ہے اور اس شان میں آپ کو انفرادیت و یگانگت حاصل ہے۔

شب معراج حضرت موسیٰ علیہ السلام اور امام غزالی کا مکالمہ

آپ کی علمیت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ پیدائش سے پانچ سو سال پہلے عالم ارواح میں حبیب کبریا محمد مصطفیٰ ﷺ کی نگاہ کرم سے نوازے گئے متعدد کتابوں میں یہ واقعہ درج ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام

سے ملاقات فرمائی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل کا مشاہدہ کرنا چاہا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امام غزالی کو بلایا امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مکالمہ کیا اور اس پر خصوصی انعام سے نوازے گئے جس کو حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے شمائم امدادیہ میں تحریر فرمایا ہے: منقول ہے کہ شب معراج کو جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقی ہوئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے استفسار فرمایا کہ علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل جو آپ نے فرمایا ہے کیسے صحیح ہوسکتا ہے؟ حضرت حجۃ الاسلام امام غزالی حاضر ہوئے اور سلام باضافہ الفاظ برکاتہ ومغفرتہ وغیرہ عرض کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ طوالت بزرگوں کے سامنے کرتے ہو، تو امام غزالی نے عرض کی کہ حضور آپ سے حق تعالیٰ نے صرف اس قدر پوچھا تھا ما تلك بيمينك يا موسیٰ تو آپ نے کیوں جواب میں اتنا طول دیا کہ ھی عصای اتو کوا علیھا و احش بھا علی غنمی و لی فیھا مارب اخریٰ الآیۃ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ادب یا غزالی ادب کرواے غزالی (شمائم امدادیہ ص ۱۳۲ مطبوعہ قومی پریس لکھنؤ)

صاحب نبراس حضرت علامہ عبد العزیز پھرہاروی شارح شرح عقائد نسفیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی شہرہ آفاق کتاب نبراس شرح شرح عقائد نسفیہ میں فرماتے ہیں کہ امام قطب زماں ابوالحسن شاذلی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے سامنے امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر فخر فرما رہے ہیں اور موسیٰ علیہ السلام سے یہ ارشاد فرما رہے ہیں کہ کیا آپ کی

امتوں میں کوئی غزالی جیسا عالم ہے بعض لوگ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ پر انکار کیا کرتے تھے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب میں انہیں کوڑے مارے چنانچہ وہ بیدار ہوئے تو کوڑوں کا اثر ان کے جسم پر تھا (نبراس ص ۳۸۸)

اسی واقعہ کو امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے محاضرات میں سیدنا امام شاذلی صاحب حزب البحر رضی اللہ عنہ سے اس طرح نقل فرمایا کہ میں ایک مرتبہ مسجد اقصیٰ میں سو گیا تو خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ مسجد اقصیٰ کے باہر وسط حرم میں ایک تخت بچھایا گیا اور فوج در فوج مخلوق کا اژدھام ہونا شروع ہوا میں نے دریافت کیا کہ یہ کیسا اجتماع ہے معلوم ہوا کہ تمام رسل و انبیاء علیہم السلام سید عالم نور مجسم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں منصور حلاج کی سوء ادبی کے بارے میں شفاعت کے لئے حاضر ہوئے ہیں میں نے جو تخت دیکھا تو اس پر ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تنہا رونق افروز ہیں اور تمام انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام مثلاً حضرت ابراہیم و حضرت عیسیٰ مسیح و حضرت نوح علیٰ نبینا وعلیہم الصلاۃ والسلام سب زمین پر بیٹھے ہوئے ہیں میں وہاں ٹھہر گیا اور ان مقدس حضرات کی گفتگو سننے لگا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا حضور! آپ نے فرمایا ہے کہ **علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل** میری امت کے علماء انبیائے بنی اسرائیل کی طرح ہیں تو آپ ان میں سے کوئی ایک عالم دکھائیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف اشارہ فرمایا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے ایک سوال کیا امام غزالی علیہ الرحمہ نے اس کے دس جواب دئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا جواب سوال کے مطابق ہونا چاہئے ایک سوال کا ایک جواب دینا تھا آپ نے دس جواب کیوں دیئے؟ امام غزالی نے

عرض کیا حضور! (معاف فرمائیں) اللہ تعالیٰ نے آپ سے بھی ایک ہی سوال کیا تھا جیسا کہ قرآن مجید میں ہے **وما تلك بيمينك يا موسىٰ** اے موسیٰ! تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا ہے؟ آپ نے اس کے کئی جواب دیئے کہ یہ میرا عصا ہے میں اس پر ٹیک لگاتا ہوں اوراس سے اپنی بکریوں کے لئے پتے جھاڑتا ہوں اوراس کے علاوہ میرے اور کام بھی اس سے سرانجام ہوتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کے سوال کا ایک جواب کافی تھا کہ یہ میرا عصا ہے امام شاذلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہ منظر دیکھ کر کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تنہا تخت پر جلوہ افروز ہیں اور تمام رسول وانبیاء بالخصوص حضرت ابراہیم خلیل اللہ، حضرت موسیٰ کلیم اللہ، حضرت عیسیٰ روح اللہ اور حضرت نوح نجی اللہ علیہم السلام جیسے اولوالعزم انبیاء کرام سب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے زمین پر جلوہ افروز ہیں کتنی بڑی عظمت وجلالت محمدی کا مظاہرہ ہے میں سوچ بچار میں لگا ہوا تھا اوراپنے دل میں (بحالت خواب) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قدرومنزلت پر متعجب تھا کہ ناگہاں کسی نے مجھے پاؤں سے ٹھوکر ماری جس کی ضرب سے میں بیدار ہو گیا میں نے اسے جو دیکھا تو وہ مسجد اقصیٰ کا منتظم تھا اوراس وقت مسجد اقصیٰ کی قندیلیں روشن کر رہا تھا اس نے مجھ سے کہا کیا تعجب کرتا ہے یہ سب حضور ہی کے نور سے پیدا ہوئے ہیں۔

یہ سن کر مجھ پر بے ہوشی طاری ہو گئی نماز کے لئے جماعت کھڑی ہوئی تو اس وقت مجھے افاقہ ہوا میں نے اس منتظم مسجد اقصیٰ کو تلاش کیا مگر آج تک اسے نہ پایا (روح البیان ج۵ ص۷۵)

ایک شبہ کا ازالہ: شاید کسی کے دل میں یہ شبہ پیدا ہو کہ امام غزالی نے حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو (معاذ اللہ) لاجواب کر دیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ شبہ محض اس لئے پیدا ہوا کہ مکالمہ کے وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت امام غزالی

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی حیثیت ملحوظ نہ رکھی گئی اصل واقعہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس وقت بحیثیت ممتحن تھے اور حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے امتحان دینے والے طالب علم کی حیثیت سے کھڑے تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بطور امتحان سوال فرمایا اور امام غزالی نے اس کا صحیح جواب دیا اگر کوئی طالب علم ممتحن کے سوال کا صحیح اور معقول جواب دے دے تو کوئی عقلمند یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس نے ممتحن کو لاجواب کردیا اور امام غزالی کے متعلق یہ کہنا غلط بلکہ قطعاً غلط ہوگا کہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لاجواب کردیا بلکہ یہی کہا جائے گا کہ امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بارگاہ کلیمی میں امتحان دے کر خود کامیاب ہو گئے۔

ایک اور شبہ کا ازالہ: اس مقام پر یہ شبہ بھی غلط ہوگا کہ امام غزالی کا جواب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سوال کے جواب کے مطابق نہ تھا اور ایک سوال کے متعدد جوابات بظاہر خلاف اصول معلوم ہوتے ہیں ایسی صورت میں امام غزالی علیہ الرحمہ کے جوابات اور ساتھ ہی موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے جوابات سب محل نظر ہو جائیں گے اس شبہ کے غلط ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جواب سوال کے مطابق ہونا یقیناً ضروری ہے لیکن جوابات کا تعدد مطابقت کے خلاف نہیں البتہ یہ سوال ضرور ہوسکتا ہے کہ ایک سوال کے کئی جواب دینے میں کیا حکمت ہوگی؟ جس کے جواب میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس کی حکمت کلام کو لمبا کرنا ہے تاکہ شرف مکالمہ زیادہ دیر تک حاصل ہوتا رہے۔

گویا امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ جواب دیا کہ اے کلیم اللہ! جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخاطب کرکے یہ سوال کیا تھا کہ تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا چیز ہے تو آپ نے اللہ تعالیٰ کے اس خطاب کو اپنے لئے باعث

عزت وافتخار جانا اور یہ سمجھا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے کلام فرما کر مجھے اپنا کلیم بنایا لہذا ایک سوال کے کئی جواب دے کر کلام کو لمبا کر دوں تا کہ لذت مکالمہ زیادہ دیر تک حاصل ہوتی رہے علی ھذا القیاس اے کلیم اللہ! جب آپ نے مجھے مخاطب فرما کر سوال فرمایا تو میں نے آپ کے خطاب کو باعث صد افتخار جانا اور یہ محسوس کیا کہ میں کتنا خوش نصیب ہوں کہ خدا کے کلیم سے ہم کلام ہو رہا ہوں آپ نے کلیم اللہ ہونے پر فخر کیا اور میں نے کلیم اللہ کے کلیم ہونے کو موجب شرف جانا اور لذت مکالمہ سے زیادہ دیر تک لطف اندوز ہونے کے لئے کلام کو لمبا کر دیا۔

تصانیف: امام غزالی نے مختلف موضوعات پر بے شمار کتابیں لکھیں اور ہر کتاب اپنے موضوع کے اعتبار سے کافی اہمیت کی حامل ہے اور خاصی ضخیم ہے ان میں سے چند مشہور کتابوں کے نام درج کئے جاتے ہیں

۱) فقہ: بسیط، وجیز، بیان القولین الشافعی، خلاصۃ الرسائل، تعلیقہ فی فروع المذھب، اختصار المختصر، غایۃ الغور، مجموعہ فتاوی۔

۲) اصول فقہ: تحصین الماخذ، شفاء العلیل، منتخل فی علم الجدل، منخول مستصفی، ماخذ فی الخلافیات، مفصل الخلاف فی اصول القیاس۔

۳) علم کلام: تہافۃ الفلاسفہ، المنقذ من الضلال، الجام العوام، اقتصاء المستظھری، فضائح الاباحیۃ وحقیقۃ الروح، القسطاس المستقیم، القول الجمیل فی الرد علی من غیر الانجیل، مواھم

الباطنية، تفرقة بين الاسلام و الزندقة، الرسالة القدسية۔

۴) تصوف و اخلاق: منهاج العابدين الى جنة رب العالمين، کیمیائے سعادت، احیاء علوم الدین، القصد الاقصى، اخلاق الابرار و النجاة من الاشرار، جواهر القرآن، جواهر القدس فى حقيقة النفس، مشكوٰة الانوار فى لطائف الاخيار، مزاج السالكين، نصيحة الملوك، بداية الهدايه، ايها الولد۔

۵) منطق: معيار العلم، محك النظر، ميزان العمل۔

۶) فلسفه: مقاصد الفلاسفة

چند دیگر مشہور کتب کے نام یہ ہیں

المقصد الاسنىٰ فى شرح اسماء الحسنىٰ، اربعين، المرشد الامين، تلبيس ابليس (علامہ ابن جوزی نے بھی اسی نام سے ایک کتاب لکھی ہے) قانون الرسول، عجائب صنع الله، القربة الى الله، المجلس الغزالية، تنبيه الغافلين، الفرق بين الصالح و غير الصالح، مكاشفة القلوب، اسرار الحروف و الكلمات اسکے علاوہ بھی آپ نے مختلف عنوانات پر بہت سی کتب تصنیف فرمائیں۔

وصال: حجۃ الاسلام امام غزالی علیہ رحمۃ المتعالی پچپن سال کی عمر پا کر ۱۴ جمادی الآخریٰ ۵۰۵ھ کو مقام طاہران میں وصال فرمائے اور وہیں مدفون ہوئے۔

علامہ ابن جوزی نے امام غزالی علیہ الرحمہ کے وصال کا واقعہ امام موصوف کے حقیقی بھائی امام احمد غزالی کی روایت سے نقل کیا ہے کہ پیر کے دن اٹھ کر وضو کیا اور

نماز فجر ادا کی پھر کفن منگوایا اور اسے بوسہ دے کر اپنی آنکھوں سے لگایا اور کہا **سمعاً و طاعۃً** آقا کا حکم سر آنکھوں پر پھر قبلہ رو ہو کر پاؤں پھیلا دیئے اور داعیٔ اجل کو لبیک کہہ کر دنیا سے رخصت ہو گئے۔ آپ کی وفات سے تمام امت مسلمہ کو سخت صدمہ پہنچا بہت سے عربی اور فارسی شعراء نے آپ کی وفات پر قصیدے بھی لکھے۔

بکیٰ علی حجۃ الاسلام حین ثوی
من کل حیٍّ عظیم القدر اشرفہ

نصیب حجۃ الاسلام دیں سرائے سنج
حیات پنجہ و پنج وفات یا نصیب پنج

این سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان رحمت والا

نحمدہ و نصلی و نسلم علی حبیبہ الکریم

حضرت شیخ فقیہ، نیک، زاہد، عبد الملک بن عبد اللہ (اللہ تعالیٰ انکی مغفرت فرمائے) نے فرمایا کہ میرے شیخ اعظم، نیک بخت، امام زاہد، سعادت یافتہ، توفیق یافتہ، حجۃ الاسلام، (اسلام کی دلیل) دین اسلام کی زینت، دین اسلام کے اہل، شرف الامۃ ابو حامد محمد بن محمد بن محمد غزالی طوسی (محلہ غزالہ شہر طوس نیشاپور کے رہنے والے ہیں) نے یہ مختصر کتاب مجھے پڑھ کر سنائی۔ اللہ تعالیٰ ان کی روح کو مقدس و پاکیزہ فرمائے اور جنت میں ان کے درجات بلند فرمائے۔ امام موصوف کی یہ آخری تصنیف ہے اور یہ ایسی کتاب ہے کہ جس کا امام موصوف نے اپنے مخصوص احباب کے علاوہ کسی کو املاء نہیں کرایا۔

تمام خوبیاں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو ساری کائنات کا مالک ہے جس نے تمام موجودات کو اپنی حکمت کاملہ سے ترتیب دیا جو وسعت دینے والا ہے کرم کرنے والا ہے جو تمام معاملات پر غالب ہے۔ بہت مہربان ہے۔ جس نے انسان کو بہترین صورت پر پیدا فرمایا اور آسمان و زمین کو اپنی قدرت کاملہ سے بے مثال بنایا اور دونوں جہان میں اپنی حکمت کاملہ سے احکامات نافذ فرمائے اور جن وانس کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا فرمایا اور ارادہ کرنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ ظاہر اور واضح ہے اور غور و خوض کرنے والوں کے لئے اس کی ذات پر روشن دلیل موجود ہے لیکن جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت فرماتا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں

سے بخوبی واقف ہے تمام رسولوں کے سردار حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور آپ کی نیک اور پاکیزہ آل پر قیامت تک درود و سلام نازل ہوتے رہیں اور آپ کی عظمت قائم رہے۔

اے میرے پیارے بھائیو! اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اپنی رضامندی کی توفیق عطا فرمائے۔ جان لو کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت علم کا نتیجہ ہے اور زندگی کا حاصل اور طاقتور بندوں کا ماحصل ہے اور اولیاء کرام کی پونجی ہے اور متقیوں کا راستہ ہے اور معززین ومکرمین کا حصہ اور ہمت والوں کا مقصد اور برگزیدہ وباکمال حضرات کا طریقہ اور انسانوں کا پیشہ اور بصیرت والوں کی پسندیدہ چیز ہے سعادت و نیک بختی اور جنت کا راستہ ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَ اَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ (پ ١٧ سورۃ الانبیاء آیت ٩٢) اور میں تمہارا پروردگار ہوں لہذا تم میری عبادت کرو۔

اور اللہ تعالیٰ دوسرے مقام پر فرماتا ہے (جنتیوں سے جنت میں داخل ہوتے وقت کہا جائے گا) اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّ كَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا (پ ٢٩ سورۃ الدھر آیت ٢٢) یہ (جنت کی نعمتیں) تمہارا بدلہ ہیں اور تمہاری کوشش (جو تم نے دنیا میں کی) مقبول ہوگئی۔ لیکن جب ہم عبادت میں غور وفکر کرتے ہیں اور اس کے طریقہ پر ابتدا سے لے کر مقاصد کی انتہا تک غور وخوض کرتے ہیں جو اس پر عمل پیرا ہونے والوں کی تمنائیں ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ یہ طریقہ بہت ہی دشوار اور انتہائی مشکل ہے۔ اس راستہ میں بہت سی گھاٹیاں ہیں اور شدید مشقتوں کا سامنا ہے لمبی مسافت ہے بڑی بڑی آفتوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے سخت دشواریاں اور رکاوٹیں ہیں اور اس (عبادت کے راستے) میں ہلاکت وتباہی یقینی ہے اور اس راستے میں بے انتہا دشمن اور لٹیرے

ہیں اوراس راستے کے پیرو بہت کم ہیں اس راستے کا ایسا مشکل و پیچیدہ ہونا ضروری بھی ہے اس لئے کہ یہ جنت کا راستہ ہے اور جنت میں جانا کوئی آسان کام نہیں چنانچہ عبادت کی مشکلیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان کی تصدیق کرتی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: اَلاَ وَ اِنَّ الْجَنَّةَ حُفَّتْ بِالْمَكَارِهِ وَ اِنَّ النَّارَ حُفَّتْ بِالشَّهَوَاتِ خبردار! جنت مشقت اور خلاف نفس کام کرنے سے حاصل ہوتی ہے اور لوگ جہنم میں نفسانی خواہشات کی پیروی کی وجہ سے جائیں گے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اَلاَ اِنَّ الْجَنَّةَ حَزْنٌ بِرَبْوَةٍ وَ اِنَّ النَّارَ سَهْلٌ بِسَهْوَةٍ خبردار! یقینا جنت اپنی بلندی کے اعتبار سے سخت ہے اور دوزخ اپنی پستی کے لحاظ سے نرم و آسان ہے یعنی سخت اور پتھریلی زمین میں کھیتی کرکے پھل حاصل کرنا انتہائی مشکل ہے۔

پھر عبادت کی راہ میں ان تمام مشکلات کے ساتھ بندہ بہت کمزور ہے اور زمانہ انتہائی دشوار ہے اور دین کے معاملات تنزلی اور پستی کی طرف جارہے ہیں اور فرصت بہت کم ہے اور دنیاوی مشاغل و مصروفیات بہت ہیں اور عمر بہت کم ہے اور بندہ نیک عمل کرنے میں کوتاہی ولا پرواہی کرتا ہے یعنی خشوع و خضوع اور خلوص نیت وغیرہ کا خیال بہت کم رکھتا ہے اور ان اعمال کا پرکھنے والا انتہائی بصیر ہے (ان تمام دشواریوں کے ساتھ ساتھ) موت قریب ہے اور آخرت کی منزل و مسافت دور وطویل ہے اور ان تمام مشکلات کا توشہ صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت و رضامندی ہے اور اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں اور یہ توشہ آخرت جمع کرنے کا وقت تیزی سے گزر رہا ہے جسکی واپسی کی کوئی امید نہیں ہے لہذا جو شخص توشہ آخرت حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا تو یقینا

وہ عذاب سے نجات پا گیا اور اس نے ہمیشہ ہمیش اور ہر زمانہ کی سعادت حاصل کر لی اور جس نے اس توشہ کو کھو دیا اور آخرت کا توشہ جمع نہ کیا وہ بلاشبہ نقصان و گھاٹے میں رہا اور نقصان اٹھانے والا اور تباہ و برباد ہو گیا اور اللہ کی قسم اس وقت یہ عبادت جتنی مشکل و دشوار ہے اور اس میں جتنے عظیم خطرات ہیں اسی وجہ سے اس راستہ کو اختیار کرنا دشوار ہے اور اسی لئے اس راستہ کے چلنے والے بہت کم ہیں پھر اس راستہ پر استقلال کے ساتھ گامزن رہنے والوں کی تعداد بہت کم ہے اور منزل مقصود تک پہنچنے والے اور مطلوب میں کامیاب ہونے والے تو بہت ہی کم ہیں لیکن وہی لوگ اللہ کے محبوب ہیں جنہیں اللہ بزرگ و برتر نے اپنی معرفت و محبت کے لئے چن لیا ہے اور انہیں معاصی سے اپنی توفیق و حفاظت کے ذریعے محفوظ کر لیا' پھر انہیں اپنے فضل و کرم سے اپنی رضا و خوشنودی عطا کی اور جنت تک پہنچا دیا۔ اس لئے ہم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سوال کرتے ہیں کہ وہ اپنی رحمت سے تمہیں اور بالخصوص ہمیں کامیاب و کامران لوگوں میں شامل فرما لے (آمین)

اور جب اس طریقہ عبادت کو اتنا دشوار ترین پایا تو ہم نے غور و فکر کیا اور اس راستہ کے قطع کرنے والے اسباب پر اچھی طرح غور و خوض کیا اور ان چیزوں کی طرف توجہ کی جن چیزوں کا عبادت کے وقت بندہ محتاج ہوتا ہے مثلاً عبادت کی استعداد اور قوت کا ہونا اور آلات اور علم و عمل کی تدبیر' اس امید پر کہ اللہ تعالیٰ اسے اپنی حسن توفیق سے سلامتی کے ساتھ پایۂ تکمیل تک پہنچا دے اور ہلاک کر دینے والی گھاٹیوں میں گرنے سے بچ جائے اور پھر ہلاک و برباد ہونے والوں کے ساتھ ہلاک نہ ہو جائے۔ (ہم ہلاکت کی گھاٹیوں میں گرنے سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں)

اسی (صعوبت کی) وجہ سے ہم نے اس راستہ پر چلنے اور اس کی منزل طے کرنے کے متعلق کئی مختلف کتابیں تصنیف کیں مثلاً (۱) احیاء العلوم الدین (۲) القربۃ الی اللہ تعالیٰ (۳) معراج السالکین (۴) القسطاس المستقیم (۵) کیمیائے سعادت وغیرہا جو کتابیں علمی دقائق اور مخفی امور پر مشتمل ہیں اور ان میں ایسی تحقیقات ہیں جو عوام کی سمجھ سے بالاتر ہیں جب عوام ان نفیس بحثوں کو نہ سمجھ سکے تو اپنی کم فہمی کی وجہ سے ان پر نکتہ چینی کرنے لگے اور جن باتوں کو وہ اچھی طرح نہیں سمجھ سکتے تھے ان کے متعلق فضول گفتگو کرنی شروع کر دی' اللہ رب العلمین کے کلام سے بڑھ کر فصیح و بلیغ کوئی کلام نہیں ہو سکتا اور اس کلام کی مثال و نظیر نہیں مل سکتی مگر اعتراض کرنے والوں نے اس کے متعلق بھی کہہ دیا کہ اِنَّهٗ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ یعنی یہ تو اگلوں کے قصے کہانیاں ہیں۔

کیا تم نے امام زین العابدین علی بن حسین بن علی بن ابی طالب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کا یہ قول نہیں سنا۔ فرماتے ہیں

اِنِّیْ لَأَکْتُمُ مِنْ عِلْمِیْ جَوَاهِرَهٗ
کَیْلَا یَرٰی ذَاكَ ذُوْ جَهْلٍ فَیَفْتَتِنَا

میں اپنے بہت سے علمی جواہر پارے پوشیدہ رکھتا ہوں تا کہ جہلاء اس کی وجہ سے فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائیں

وَ قَدْ تَقَدَّمَ فِیْ هٰذَا أَبُوْ حَسَنٍ
اِلَی الْحُسَیْنِ وَ وَصّٰی قَبْلَهُ الْحَسَنَا

یعنی اس سلسلے میں مجھ سے پہلے میرے جد امجد ابو حسن حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ بھی امام حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو وصیت فرما گئے ہیں کہ

يَا رُبَّ جَوْهَرِ عِلْمٍ لَوْ أَبُوْحُ بِهٖ
لَقِيْلَ لِي أَنْتَ مِمَّنْ يَعْبُدُ الْوَثَنَا

اے لوگو! اگر میں اپنے علمی جواہر پارے ظاہر کر دوں تو مجھ سے کہا جائے گا کہ تو تو کوئی بت پرست ہے

وَ لَاسْتَحَلَّ رِجَالٌ مُسْلِمُوْنَ دَمِي
يَرَوْنَ أَقْبَحَ مَا يَأْتُوْنَهٗ حَسَنَا

اور مسلمان میرے ان علوم و معرفت کے اسرار کو سن کر میرے خون کو حلال سمجھ بیٹھیں گے (مجھے قتل کر ڈالیں گے) اور میرے قتل کی اس بدترین حرکت کو اچھا خیال کریں گے۔

اور زمانے کے لوگوں نے ارباب دین سے جن کا اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں بلند و بالا مقام ہے، اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق کی طرف رحمت کی نگاہ سے دیکھنے اور فضول باتوں کی پرواہ نہ کرنے کا تقاضہ کیا تو میں نے اس ذات اقدس کی بارگاہ میں التجا کی، جس کے قبضہ قدرت میں تمام مخلوقات اور تمام احکام ہیں کہ مجھے ایک ایسی کتاب تصنیف کرنے کی توفیق عطا فرمائے کہ جس پر ارباب حل و عقد کا اجماع و اتفاق ہو جائے یعنی سب کے سب متفق ہوں اور اس کے پڑھنے سے سب کو فائدہ حاصل ہو چنانچہ اس ذات نے میری یہ التجا قبول فرمالی جو مضطر کی پکار کو سنتا ہے جب وہ پکارتا ہے اور اس نے مجھے اپنے فضل و کرم سے اس کے اسرار و رموز (انوکھے اور نرالے رازوں) پر مطلع فرما دیا اور میرے دل میں ایسی عجیب و غریب ترتیب و تدوین کا القا فرمایا کہ ایسی تدوین میں اپنی گزشتہ ان تصنیفات میں جو علوم دینیہ کے حقائق پر مشتمل ہیں قائم نہ کر سکا اور یہ وہ

تصنیف ہے کہ جس کا میں خود مداح ہوں تو میں اللہ ہی کی توفیق سے شروع کرتا ہوں۔

سب سے پہلے جو چیز بندے کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف متوجہ کرتی ہے اور جس کے ذریعے اس کے راستہ پر چلنے کا عزم کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے کے دل میں عبادت کا سماوی اشارہ اور اس کی طرف سے نیک اعمال کی توفیقِ خاص ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس قول میں اسی توفیق و خیال کی طرف اشارہ ہے ارشاد فرماتا ہے۔ اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ (پ۲۳ سورۃ الزمر آیت ۲۲) یعنی کیا اللہ تعالیٰ نے جس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیا تو وہ اپنے رب کی طرف سے نور (یقین و ہدایت) پر ہے۔ اور اسی بات کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اشارہ فرمایا ہے ارشاد فرماتے ہیں: اِنَّ النُّوْرَ اِذَا دَخَلَ الْقَلْبُ انفَسَحَ وَ اُنْشَرَحَ فَقِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلْ لِذٰلِكَ مِنْ عَلَامَةٍ يُعْرَفُ بِهَا؟ فَقَالَ: التَّجَافِيْ عَنْ دَارِ الْغُرُوْرِ، وَ الْاِنَابَةُ اِلٰى دَارِ الْخُلُوْدِ، وَ الْاِسْتِعْدَادُ لِلْمَوْتِ قَبْلَ نُزُوْلِ الْمَوْتِ نور جب مومن بندہ کے دل میں داخل ہوتا ہے تو دل اس کی وجہ سے کشادہ اور وسیع ہو جاتا ہے صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دل کی کشادگی اور وسعت کی کیا علامت ہے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا دنیا سے علیحدگی و کنارہ کشی اور آخرت کی طرف رجوع اور موت آنے سے پہلے موت کی تیاری کرنا۔

تو سب سے پہلے بندے کے دل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جب یہ خیال آتا ہے کہ میں یقینی طور پر اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی قسم قسم کی نعمتوں میں ڈوبا ہوا پاتا ہوں مثلاً زندگی، قدرت، عقل، قوت گویائی اور تمام بلند صفات ولذات کی چیزیں (آنکھ، کان،

ناک وغیرہ) اور اس نے میرے لئے ایسے اسباب مہیا فرما دیئے ہیں کہ جن کے ذریعے میں اپنے آپ کو تکلیف دہ اور نقصان دہ چیزوں سے محفوظ رکھ سکتا ہوں ان آفتوں سے اپنے آپ کو بچا سکتا ہوں۔ اور میرے دل میں یہ بات بھی آتی ہے کہ جس انعام واکرام کرنے والے نے مجھے اتنی ساری نعمتیں عطا فرمائی ہیں وہ مجھ سے ان نعمتوں کا شکر اور اپنی اطاعت وفرماں برداری کا مطالبہ بھی کرے گا اگر میں نے اس کی نعمتوں کے بدلے اس کا شکر اور اس کی اطاعت وفرماں برداری نہ کی تو مجھ سے اپنی یہ نعمتیں چھین لے گا اور اس ناشکری کی وجہ سے مجھے اپنے عذاب وعقاب میں مبتلا فرما دے گا اس لئے اس نے اپنی معرفت واطاعت کے آداب سکھانے کے لئے میری طرف ایسا رسول بھیجا جن کو ایسے معجزات عطا فرمائے جو انسان کی سمجھ سے بالاتر اور طاقت انسانی سے باہر ہیں اس رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں خبردار کیا کہ اے بندو! ہمارا پروردگار ایک ہے جسکی عظمت بہت بلند وبالا ہے وہ قادر مطلق ہے، ہر چیز کا جاننے والا ہے، ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے، ہمیشہ سے متکلم ہے (اس کا کلام قدیم ہے) جو چاہتا ہے حکم فرماتا ہے (اچھائی کا حکم دیتا ہے) اور بری باتوں سے منع فرماتا ہے، وہ ایسا قادر مطلق ہے کہ اگر میں اس کی نافرمانی کروں تو وہ مجھے عذاب دے گا اور اگر اطاعت و فرماں برداری کروں تو مجھے ثواب عطا فرمائے گا، وہ میری پوشیدہ باتوں کو اور جو میری فکر وخیال میں آتا ہے اس کو بھی خوب جانتا ہے اور اس نے فرماں برداروں کے لئے ثواب اور جنت عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے اور نافرمانوں کو عذاب وعقاب سے ڈرایا ہے اور اس نے احکام کی پابندی لازم قرار دی ہے تاکہ ان مذکورہ تمام باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے بندے کے دل میں یہ بات بیٹھ جائے کہ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے اور میں

ایک ممکن و فانی چیز ہوں اور مجھ میں کوئی ذاتی کمال وخوبی نہیں ہے اور اپنے متعلق یہ رائے قائم کرنا عقلاً کوئی محال بھی نہیں ہے اور نہ ہی زیادہ غور وفکر کی ضرورت ہے جب بندہ ان باتوں کا خیال رکھے گا تو بندہ اپنے پروردگار سے ڈرتا رہے گا اور اس پر گھبراہٹ طاری رہے گی اور یہی گھبراہٹ بندے کو خواب غفلت سے بیدار کرتی ہے اور گھبراہٹ کا یہ مقام اللہ کی ربوبیت اور اس کے انعام واکرام کرنے پر حجت ودلیل قائم کرتا ہے اور اس وقت انسانوں کے حیلے بہانوں کے تمام دروازے بند ہوجاتے ہیں اور یہی خیال انسان کو ارشادات باری تعالیٰ میں غور وفکر اور اسے قبول کرنے پر مجبور کرتا ہے پھر بندہ حیران و پریشان ہوکر اپنی نجات کا راستہ تلاش کرنے لگتا ہے اور بندہ نجات اور امان حاصل کرنے کے طریقے ڈھونڈنے لگتا ہے اور اپنے دل و دماغ سے سوچ کر اور دوسروں سے معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہے تو بندہ امن اور نجات حاصل کرنے کے لئے اس کے سوا اور کوئی راستہ نہیں پاتا کہ وہ اپنی عقل سے دلائل میں غور وفکر کرے اور کائنات کے وجود سے کائنات کے بنانے والے کے وجود پر دلیل حاصل کرے تاکہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اللہ کے متعلق جو امور پوشیدہ ہیں اس پر علم یقین ہوجائے اور یہ معلوم ہوجائے کہ میرا کوئی پروردگار ہے جس نے ہمیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر (اچھی باتوں کا حکم دینے اور بری باتوں سے منع کرنے) کا مکلف بنایا اور یہی (غور وفکر کرنا اور دلائل قائم کرنا اور اپنے رب کے متعلق علم یقین حاصل کرنا) پہلی گھاٹی ہے جو عبادت کی راہ میں پیش آتی ہے اور یہ علم ومعرفت کی گھاٹی ہے اور یہ علم ومعرفت اس لئے ضروری ہے تاکہ بندے کو دین اور عبادت کے معاملات پر بصیرت حاصل ہوجائے اور بندہ بغیر کسی رکاوٹ کے عبادت کی راہ طے کرلے اور

دلائل میں حسن نظر اور مکمل غور وخوض کرے اور علماء حق، رہبران شریعت اور پیشوایان امت اور سرداران ائمہ سے اس گھاٹی کے متعلق سیکھے اور ان کی معلومات سے فائدہ اٹھائے اور ان علماء حق سے نیک دعائیں لے تاکہ بندہ ان علماء کی دعاؤں اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی توفیق سے اس گھاٹی کو طے کرلے اور اس معرفت کے ذریعہ غیبی امور کا علم یقین حاصل ہوجائے اور وہ علم یقین یہ ہے کہ بندہ کا ایک معبود حقیقی ہے جس کا کوئی شریک نہیں اسی نے بندوں کو پیدا کیا اور اسی نے اپنے بندوں کو طرح طرح کی نعمتوں سے نوازا اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بندوں کو اپنی نعمتوں کے بدلے شکر بجالانے کا حکم دیا اور ظاہر (صوم وصلوۃ) و باطن (حبِ الٰہی، خوف الٰہی) میں اطاعت وفرمانبرداری کا حکم فرمایا اور ہر قسم کی نافرمانی سے بچنے کا حکم دیا اور اطاعت وفرماں برداری کرنے والوں کے لئے ہمیشہ ہمیشہ جنت میں رہنے کا وعدہ فرمایا اور نافرمانوں اور روگردانی کرنے والوں کو ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہنے کا فیصلہ فرمایا۔ اس وقت یہ معرفت ویقین بالغیب بندے کو اپنے رب کی اطاعت وفرماں برداری کے لئے ابھارتی اور تیار کرتی ہے اور نعمتوں کو عطا کرنے والے آقا عز وجل کی عبادت کی طرف توجہ اور ترغیب دلاتی ہے جس بندے نے اس ذات کی طلب وجستجو کی تو اس نے اس ذات کو پالیا اور جہالت کے بعد اس ذات کو پہچان لیا لیکن بندے کو یہ نہیں معلوم کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کیسے کی جاتی ہے اور اس کی ظاہری و باطنی اطاعت وفرماں برداری میں کن کن چیزوں کی ضرورت پیش آتی ہے اس لئے بندہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اس معرفت کے خوف کے بعد کوشش کرتا ہے یہاں تک کہ وہ ان امور شرعیہ (پاکی، نماز وغیرہ) کو جو ظاہری و باطنی طور پر لازم وضروری ہیں سیکھ لیتا ہے پھر جب بندہ فرائض شرعیہ کے ساتھ علم ومعرفت

اچھی طرح جان لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے اور اسے اپنا مشغلہ بنانے کے لئے تیار ہو جاتا ہے لیکن جب وہ غور کرتا ہے تو اپنے آپ کو قسم قسم کے جرائم اور گناہ و معاصی میں مبتلا پاتا ہے اور یہ حال اکثر لوگوں کا ہے جب بندہ اپنے کو گناہوں اور معاصی اور نافرمانیوں میں مبتلا پاتا ہے تو کہتا ہے کہ میں کیسے اللہ تعالیٰ کی عبادت کروں۔ میں تو بہت بڑا گناہگار روسیاہ کار ہوں چنانچہ مجھے سب سے پہلے اللہ رب العزت کی بارگاہ میں سچے دل سے توبہ کرنا واجب وضروری ہے تاکہ اللہ تعالیٰ میرے گناہوں کو معاف فرمادے اور معاصی کی قید و بند سے چھٹکارا مل جائے اور گناہوں کی نجاست و پلیدی سے صاف ستھرا فرمادے تاکہ میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرماں برداری کے لائق ہو جاؤں اور اللہ تعالیٰ کی قربت کے فرش پر بیٹھ سکوں چنانچہ اس مقام پر بندے کو توبہ کی گھاٹی متوجہ کرتی ہے۔

توبہ کی گھاٹی (مشکل راستہ)

منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے بندے کو توبہ کی گھاٹی کو عبور کرنا انتہائی ضروری ہے اس لئے کہ بغیر توبہ کیے منزلِ مقصود تک نہیں پہنچ سکتے لہٰذا بندے پر لازم ہے کہ توبہ کے تمام حقوق وشرائط کے ساتھ توبہ کرے اور پوری احتیاط کے ساتھ توبہ کی گھاٹی کے منازل کو طے کرے پس جب بندہ سچی توبہ سے فارغ ہو جاتا ہے اور سچی توبہ کی سعادت حاصل کر کے عبادتِ الٰہیہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو عبادت میں بھی طرح طرح کی رکاوٹوں اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے ہر رکاوٹ اپنی نوعیت کے اعتبار سے بندے کو عبادت کرنے سے روکتی ہے اور مشکل پیدا کرتی ہے۔

ان مشکلات و رکاوٹوں میں غور و فکر کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ یہ رکاوٹیں

چار قسم کی ہیں (۱) دنیا (۲) مخلوق (۳) شیطان (۴) نفس
لہٰذا سب سے پہلے ان چاروں مشکلات ورکاوٹوں کو عبادت کی راہ سے دور کرنا انتہائی ضروری ہے ورنہ بندہ اپنے مقصد یعنی عبادت میں ہرگز کامیاب نہیں ہوسکتا اس لئے میں بندوں کو ان رکاوٹوں کو دور کرنے والی چیزوں کی طرف بھی متوجہ کرتا ہوں۔

مشکلات کی گھاٹی

ان رکاوٹوں کو دور کرنے کے چار طریقے ہیں۔
(۱) دنیا سے قطع تعلق اور علیحدگی اختیار کرنا (۲) مخلوق سے علیحدگی اختیار کرنا
(۳) شیطان سے جنگ کرنا (۴) نفس پر دباؤ ڈالنا۔
لیکن نفس پر سختی کرنا سب سے زیادہ مشکل ہے اس لئے کہ بندہ نفس سے بالکل بے نیاز نہیں ہوسکتا ہے اور نہ ہی بندہ ایک مرتبہ میں نفس پر مکمل غلبہ حاصل کرسکتا ہے اور نہ ہی شیطان کی طرح نفس پر حد سے زیادہ سختی کرسکتا ہے اس لئے کہ نفس ہی عبادت کی منزل طے کرنے کے لئے سواری اور آلہ وذریعہ ہے لیکن بندہ جس عبادت کا قصد و ارادہ کرتا ہے اور جس کی طرف متوجہ ہوتا ہے ان امور میں نفس کی موافقت کی امید بھی نہیں کی جاسکتی اس لئے کہ نیکی اور بھلائی کی مخالفت کرنا اور برائی سے محبت کرنا نفس کی فطرت میں داخل ہے مثلاً لہو ولعب سے شغف رکھنا اور اس کی اتباع کرنا لہٰذا نفس سے کام لینے کے لئے اسے تقویٰ کی لگام ڈالنی ضروری ہے تاکہ نفس بندے کا مطیع وفرماں بردار بن کر رہے نہ کہ سرکش و باغی ہوکر۔ پھر اسے نیکی اور بھلائی کے کاموں میں استعمال کیا جائے تاکہ اسے ہلاکت وفساد کی جگہوں سے بچایا جاسکے پھر جب بندہ اس مشکل وادی کو اللہ تعالیٰ کی مدد واعانت سے طے کرکے عبادت الٰہیہ کی طرف متوجہ ہوتا

ہے تو پھر چند دوسرے عوارض اور رکاوٹیں حائل ہوجاتی ہیں۔ جو اسے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف متوجہ نہیں ہونے دیتیں۔ دل جمعی اور یکسوئی پیدا نہیں ہونے دیتیں۔ یہ موانع وعوارض بھی چار ہیں۔

(۱) پہلا عارضہ: پہلا عارضہ رزق ہے جس کا نفس مطالبہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میرے لئے رزق اور غذا بھی ضروری ہے اگر تم نے دنیا سے کنارہ کشی اور مخلوق سے علیحدگی اختیار کرلی تو تمہیں رزق اور غذا کہاں سے ملے گی۔

(۲) دوسرا عارضہ: دوسرا عارضہ وہ خطرات وخیالات ہیں جو بندے کے دل میں ہر اس چیز کے متعلق پیدا ہوتے ہیں جن سے وہ ڈرتا ہے یا جس چیز کی وہ امید رکھتا ہے یا جسے وہ پسند کرتا ہے یا جسے وہ ناپسند کرتا ہے اور بندہ دل میں پیدا ہونے والے امور کے نتائج پوشیدہ ہونے کی وجہ سے اس کی بھلائی و برائی سے بے خبر و ناآشنا ہوتا ہے چنانچہ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بندہ انہیں خیالات میں کھوجاتا ہے اور بسا اوقات بندہ فساد اور ہلاکت وتباہی میں پڑجاتا ہے۔

(۳) تیسرا عارضہ: تیسرا عارضہ یہ ہے کہ جب بندہ خلوص دل سے اللہ رب العزت کی عبادت کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو ہر طرف سے مصائب وآلام اور دشواریاں آڑے آتی ہیں خصوصاً جب بندہ مخلوق کی مخالفت اور شیطان سے جنگ وجدال اور نفس کی مخالفت کرنے پر آمادہ وتیار ہوجاتا ہے تو ان مصائب اور مشکلات کو برداشت کرتے وقت بارہا غصہ پینا پڑتا ہے اور بہت سی سختیاں جھیلنی پڑتی ہیں اور بہت سے حزن وملال کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور قسم قسم کی مصیبتوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔

(۴) چوتھا عارضہ: چوتھا عارضہ یہ ہے کہ قضاء وتقدیر الٰہیہ کا پیش آنا ہے جو

مختلف طریقوں سے بندے پر وارد ہوتی ہیں کبھی آرام کبھی تکلیف اور نفس کبھی ناراضگی کی طرف مائل ہوتا اور کبھی فتنوں کی طرف سبقت کرتا ہے لہٰذا عبادت میں یکسوئی پیدا کرنے کے لئے ان عوارض وموانع کا بیان کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں۔

عوارض اربعہ کی گھاٹی

ان چاروں عوارض وموانع کو عبور کرنے کے لئے بھی چار چیزیں ضروری ہیں۔

(۱) روزی کے حصول میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات پر اعتماد و بھروسہ کرنا۔

(۲) خطرات اور خیالات و تفکرات پیش آئیں تو اپنے معاملات اللہ تعالیٰ کے سپرد و حوالے کرنا۔

(۳) مصائب و آلام پیش آنے پر صبر و تحمل سے کام لینا۔

(۴) قضاء و تقدیر الٰہی پر راضی رہنا۔

چنانچہ بندہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی حسن توفیق و تائید سے ان عوارض ومشکلات کی گھاٹی کو پار کر کے عبادت کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو دیکھتا ہے کہ میرا نفس نیک کام کے کرنے میں بہت کمزور اور سست ہے اور نیکی و بھلائی کی سکت نہیں ہوتی اور نیکیوں کی طرف کوئی رغبت نہیں ہوتی بلکہ زیادہ تر اس کا رجحان غفلت اور نیکیوں سے نفرت اور سستی و کاہلی اور آرام وراحت اور نافرمانیوں اور لغو و بیہودہ باتوں کی طرف ہوتا ہے اس لئے ایک چلانے والے (رہبر) کی ضرورت ہوتی ہے جو نفس کو ان برائیوں سے روکے اور بھلائی اور اطاعت وفرماں برداری کے راستوں پر چلائے اور اس کے اندر عبادت کا شوق وجذبہ پیدا کرے اور ایک منع کرنے والے (واعظ) کی بھی ضرورت ہے جو نفس کو برائیوں اور نافرمانیوں سے باز رکھے اور برائیوں سے باز رکھنے والی اور

عبادت کا ذوق پیدا کرنے والی دو چیزیں ہیں (۱) رجاء (امید) اور (۲) خوف

رجاء: رجاء یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی عبادت و فرمانبرداری کے بدلے بہت بڑے اجر وثواب کی امید رکھے اور اللہ تعالیٰ نے جن قسم قسم کی عمدہ نعمتوں کے عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے ان پر یقین رکھے اور اس اجر عظیم اور جنت کی عمدہ عمدہ نعمتوں کو یاد کرے یہ محرک نفس کو اطاعت و فرماں برداری کی ترغیب دیتا ہے اور نفس کے اندر طاعت الٰہی اور اعمال صالحہ کی تحریک پیدا کرتا ہے اور عبادت کا شوق وجذبہ دلاتا ہے۔

خوف: خوف یہ ہے کہ بندہ ہر وقت اللہ عزوجل کے دردناک عذاب سے ڈرتا رہے اور ان سزاؤں سے ڈرتا رہے جن کی اللہ تعالیٰ نے نافرمانوں اور گنہگاروں کو دینے کی وعید فرمائی ہے اور جب بندے کے دل میں خوف بیٹھ جاتا ہے تو اللہ کی طرف سے ایک ڈرانے والا مقرر ہوتا ہے (اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک واعظ مقرر ہوتا ہے) جو بندے کو نافرمانیوں سے ڈراتا ہے اور بندے کو اس نافرمانی سے دور کرتا اور بھگاتا ہے اس گھاٹی کا نام عقبہ البواعث (روکنے والی گھاٹی) ہے۔

جب بندہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے خوف ورجاء کی اس گھاٹی کو طے کر لیتا ہے تو اب بندے کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے میں یکسوئی اور دلجمعی حاصل ہوجاتی ہے اور بندے کو کوئی دشواری اور مشکل نہیں پیش آتی اور نہ کوئی مشاغل نظر آتے ہیں بلکہ وہ اپنے اندر ایسے اوصاف وجذبات پاتا ہے جو بندے کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کی ترغیب دیتے ہیں اور اس کی اطاعت وفرماں برداری اور اچھے عمل کی دعوت وتبلیغ کرتے ہیں تو اب بندہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے میں کیف وسرور پاتا ہے اور کمال شوق ورغبت کے ساتھ عبادت میں مصروف ہوجاتا ہے اور اسے عبادت پر دوام وہمیشگی نصیب ہوجاتی

ہے مگر اچانک اس عظیم عبادت کے دوران دو اور بڑی آفتیں ظاہر ہوتی ہیں۔
(۱) ریاء (۲) عجب۔ کبھی بندہ اپنی اطاعت سے لوگوں کے سامنے دکھاوا کرنے لگتا ہے چنانچہ یہی دکھاوا اس کی عبادت کو تباہ و برباد کر دیتا ہے اور کبھی دکھاوے سے بچ کر اپنے آپ کو نیک و پاکیزہ خیال کر کے اپنی عبادتیں اور نیکیاں ضائع کر لیتا ہے اس لئے اس مقام پر ان باتوں کا بیان کرنا بھی ضروری ہے۔ جسے عقبۃ القوادح (عبادت کو ہلاک کرنے والی چیزیں یعنی ریاء و عجب) کہتے ہیں۔

برائیوں کی گھاٹی

اخلاص اور اللہ تعالیٰ کے احسانات و انعامات ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے بندہ اس مشکل وادی کو بھی اللہ کے فضل و کرم اور اس کے اذن اور اس کی رحمت و عنایت کے طفیل پوری احتیاط اور بیداری کے ساتھ عبور کر لیتا ہے تا کہ اس کی عبادتیں اور نیکیاں ریاء و عجب جیسی آفتوں سے محفوظ و سالم رہیں۔
ریاء: محض دکھاوے کے لئے نیکی کرنا۔ عجب: اپنی عبادت و نیکی کو دوسروں پر عمدہ ظاہر کرنا چنانچہ جب بندہ ان تمام دشوار کن گھاٹیوں سے گزر جاتا ہے تو بندہ عبادت کے اس مقام کو حاصل کر لیتا ہے جیسا کہ عبادت کا حق ہے اور اس کی عبادت تمام عیوب و نقائص سے پاک ہو جاتی ہے لیکن جب بندہ اپنے دل میں سوچتا ہے تو اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے احسانات کے سمندر میں اور بے شمار نعمتوں میں ڈوبا ہوا پاتا ہے مثلاً عبادت اور ان مشکل گھاٹیوں کو عبور کرنے کی توفیق اور گناہوں سے بچنے کی توفیق اور طاقت و قوت اور دشمنوں سے حفاظت اور دوسری مخلوقات پر عظمت و بزرگی وغیرہ وغیرہ تو ان احسانات اور نعمتوں کو یاد رکھنا اس کے دل میں خوف پیدا کرتا ہے کہ کہیں ان

انعامات کے بدلے شکر ادا کرنے سے غافل نہ ہوجائے اور کفران نعمت میں مبتلا ہوکر اللہ تعالیٰ کے مخلص بندوں کے عالی مرتبہ سے نہ گرجائے اور یہ نعمتیں اس سے چھین نہ لی جائیں اور اللہ تعالیٰ کے الطاف کریمانہ اور اس کی حسن نظر سے محروم نہ ہوجائے اس لئے ان انعامات واکرام کے بدلے اللہ تعالیٰ کی حمد وشکر پر بھی روشنی ڈالنی ضروری ہے

حمد وشکر کی گھاٹی

بندہ اس مرحلہ کو بھی شروع کرے تو اللہ تعالیٰ کے کثیر انعامات کے بدلے جس قدر ممکن ہو حمد وشکر کرکے اس گھاٹی کے مرحلے کو بھی عبور کرلیتا ہے جب اس گھاٹی سے فارغ ہوجاتا ہے تو بندہ اپنے مقصود ومطلوب کو اپنے قریب اور سامنے پاتا ہے تو بندہ اپنے سلوک میں زیادہ خوش نہیں ہوتا یہاں تک کہ فضیلت کی وسعت اور شوق ومحبت کے میدان میں پہنچ جاتا ہے پھر خوشنودی کے باغوں اور انس کے چمنستانوں میں اور روحانی خوشیوں میں سیر کرنے لگتا ہے اور اُسے اللہ تعالیٰ کا قرب خاص مل جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے مناجات کرنے والوں کی مجلس میں جگہ پالیتا ہے اور خاص انعامات و اکرامات حاصل کرلیتا ہے پھر بندہ ان نعمتوں سے لطف اندوز ہوتا رہتا ہے۔ اور بندہ دنیا میں اپنی زندگی کے بقیہ ایام اس شخص کی طرح بسر کرتا ہے کہ جسم دنیا میں ہوتا ہے اور دل آخرت کی راحت کا خواہش مند ہوتا ہے ایسا بندہ ہر وقت ملک الموت کا منتظر (دنیا سے کوچ کرنے منتظر) رہتا ہے حتیٰ کہ اس کا دل ساری دنیا سے بالکل اچاٹ ہوجاتا ہے اور دنیا کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور موت کی تمنا وآرزو کرتا ہے اور ملاء اعلیٰ کی طرف جاملنے کا کامل شوق پیدا ہوجاتا ہے چنانچہ اچانک اللہ رب العالمین کے قاصد اس کے پاس آتے ہیں اور راضی رب کی جانب سے راحت ورحمت اور جنت کی

خوشبو اور جنت کی خوشخبری و بشارت دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ خوش و راضی ہے ناراض نہیں ہے پھر اسے پاک نفس اور انتہائی مسرت انگیز بشارت اور انتہائی انس و محبت کے ساتھ اس دار فانی کے فتنوں سے اللہ رب العزت کی بارگاہ میں لے جاتے ہیں اور جنت کے باغات میں ٹھہراتے ہیں تو یہ بندۂ مومن وہاں اپنی عاجز و حقیر جان کے لئے طرح طرح کی دائمی نعمتیں اور بہت بڑا ملک دیکھتا ہے اور فضل و کرم اور مہربانی فرمانے والا آقا جل ذکرہ اسے اپنا لطف خاص اور بے شمار رحمتیں عطا فرماتا ہے اور مرحبا کہتا ہے اور اپنا قرب اور ایسے انعام و اکرام سے نوازتا ہے کہ جن کے اوصاف اور خوبی بیان کرنے والے بیان کرنے سے عاجز و قاصر ہیں اسی طرح ہمیشہ روز بروز اعلیٰ سے اعلیٰ عمدہ سے عمدہ اور قسم قسم کی نعمتوں میں اضافہ و زیادتی ہوتی رہتی ہے تو ایسا بندہ کتنی بڑی سعادت و نیک بختی کا مالک ہوجاتا ہے اور کتنی عظیم کامیابی حاصل کر لیتا ہے اور قابل رشک اور بہترین شان والا ہوجاتا ہے اور یہ بندہ ہزارہا مبارکبادیوں کے لائق ہے کہ اس کا انجام بہت بہتر ہے ہم بھی اللہ رب العزت کی بارگاہ میں التجا کرتے ہیں جو رحیم و کریم ہے کہ ہم سب پر بھی یہ احسان عظیم فرمائے اور ہمیں بھی اس نعمت عظمیٰ سے نواز دے (آمین) اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے یہ کوئی دشوار و مشکل چیز نہیں۔ بارگاہ ایزدی میں یہ بھی دعا ہے کہ وہ ہمیں ان لوگوں میں سے نہ بنائے کہ جن کو ان نعمتوں کے اوصاف سے سوائے زبانی سننے اور سرسری معلومات کے کوئی فائدہ نہیں پہنچا اور ہم یہ بھی دعا کرتے ہیں کہ وہ قیامت کے دن ہمارے علم کو ہم پر حجت نہ بنائے اور التجا کرتے ہیں کہ وہ اپنی مرضی و مشیت کے مطابق ہمیں اس علم پر عمل کرنے اور اس عمل پر ثابت قدم رہنے کی توفیق عطا فرمائے بے شک وہی سب سے بہتر رحم و کرم کرنے والا ہے اور

ہمارے سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی آل اور ان کے اصحاب پر درود وسلام نازل ہوں اور اللہ تعالیٰ انہیں شرافت وکرامت عطا فرمائے۔

اس کتاب کی وہی ترتیب ہے جسے میرے معبود حقیقی نے عبادت کے سلسلے میں الہام و القاء فرمایا لہٰذا اب اللہ تعالیٰ کی توفیق سے یہ بات اچھی طرح جان لو کہ اس ترتیب کا حاصل یہ ہے کہ اس میں کل سات گھاٹیاں ہیں (۱) علم کی گھاٹی (۲) توبہ کی گھاٹی (۳) مشکلات کی گھاٹی (۴) عوارض کی گھاٹی (۵) عبادات پر ابھارنے کی گھاٹی (۶) عبادتوں میں عیوب ونقائص اور خرابی پیدا کرنے والی چیزوں کی گھاٹی (۷) حمد وشکر کی گھاٹی۔

اس کتاب منہاج العابدین میں انہی سات گھاٹیوں کا پورا پورا تذکرہ ہے۔

اب ہم ان گھاٹیوں کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ مختصر الفاظ میں تمام نکات بیان ہوجائیں ان شاء اللہ عزوجل ہم ہر گھاٹی علیحدہ علیحدہ باب میں بیان کریں گے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی توفیق عطا فرمانے والا ہے اور اسی کے فضل وکرم سے صحت و درستگی برقرار رہ سکتی ہے۔

لا حول و لا قوۃ الا باللہ العلی العظیم یعنی گناہوں سے بچنے کی طاقت نہیں مگر اللہ کی توفیق سے اور اطاعت وفرماں برداری کرنے کی قوت نہیں مگر اللہ کی توفیق سے۔

پہلی گھاٹی علم کے بیان میں

میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ابتداء کرتا ہوں کہ اے ہلاکت و بربادی سے نجات کے طلب گار اور پروردگار عالم کی خالص عبادت کے آرزومند! سب سے پہلے

تم پر علم دین و شریعت حاصل کرنا لازم وضروری ہے اس لئے کہ علم دین ہی تمام چیزوں کی اصل و بنیاد ہے اور عبادت کا دار و مدار اسی پر ہے (بغیر علم اللہ تعالیٰ کو نہیں پہچان سکتے) اللہ تعالیٰ تمہیں اطاعت وفرماں برداری اور نیکیوں کی توفیق عطا فرمائے۔

جان لو کہ علم اور اللہ تعالیٰ کی عبادت یہ دونوں ایسے جوہر ہیں کہ مصنفین کی تمام تصنیفات اور معلمین کی تمام تعلیمات اور واعظین کے تمام مواعظ و خطابات اور مفکرین کے تفکرات غرض اس کائنات میں جو کچھ بھی تم دیکھ یا سن رہے ہو سب کچھ اسی علم اور عبادت الٰہیہ کی بنیاد پر ہے بلکہ آسمانی کتابوں کا نزول اور انبیاء علیہم السلام کی بعثت اور آسمانوں اور زمینوں اور تمام مخلوقات کی پیدائش بھی انہیں دونوں چیزوں کی وجہ سے ہے۔ قرآن کریم کی ان دو آیتوں کا بغور مطالعہ کرو۔ ایک مقام پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّ مِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ؕ یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۙ وَّ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا ۠ (پ۲۸ سورۃ الطلاق آیت ۱۲) ترجمہ: وہی اللہ تعالیٰ ہے جس نے سات آسمان بنائے اور اسی کی مثل (سات) زمینیں بنائیں۔ اللہ کے احکام و فیصلے انہیں کے درمیان جاری ہوتے ہیں تاکہ تم جان لو کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ کرسکتا ہے اور اللہ کا علم ہر چیز کو احاطہ کیے ہوئے ہے۔

یہی ایک آیت علم کی فضیلت ثابت کرنے کے لئے کافی ہے خاص کر علم توحید کے لئے دوسرے مقام پر ارشاد فرماتا ہے: وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ۠ (پ۲۷ سورۃ الذاریٰت آیت ۵۶) ترجمہ: اور میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت (معرفت) کے لئے پیدا کیا۔ اور یہ آیت کریمہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کی بزرگی

کے ثبوت کے لئے کافی ہے اور اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ بندے پر اپنے رب کی عبادت لازم ہے لہٰذا علم اور عبادت ہی کو سب سے زیادہ عظمت والی چیز سمجھنا چاہئے اس لئے کہ دنیا و آخرت پیدا کرنے سے یہی دونوں مقصود و مطلوب ہیں اس لئے بندے کو انہی دو کے ساتھ مشغول رہنا ضروری ہے اور انہیں دونوں کے حصول میں مشقتیں برداشت کرتا رہے اور انہیں دونوں چیزوں میں غور و فکر کرتا رہے۔

علم کے فضائل: خبردار! بے شک ان دونوں (علم و عبادت) کے سوا تمام دنیاوی امور لغو و باطل ہیں جس میں کوئی بھلائی نہیں اور کوئی حاصل نہیں۔ جب تم علم اور عبادت کی اہمیت و فضیلت جان چکے تو جان لو کہ ان دونوں میں علم عبادت سے اشرف و افضل ہے اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اِنَّ فَضْلَ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِيْ عَلٰى اَدْنٰى رَجُلٍ مِنْ اُمَّتِيْ (سنن الترمذی) عالم کی فضیلت عابد پر ویسی ہی ہے جیسی میری فضیلت میری امت کے ادنیٰ شخص پر۔

دوسری جگہ حضور سید العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: نَظْرَةٌ اِلَى الْعَالِمِ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ عِبَادَةِ سَنَةٍ صِيَامِهَا وَ قِيَامِهَا (سنن الترمذی) یعنی عالم کو ایک نظر دیکھنا میرے نزدیک ایک سال کی عبادت اور ایک سال روزہ رکھنے اور نوافل پڑھنے سے بہتر ہے۔

تیسرے مقام پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: اَلَا اَدُلُّكُمْ عَلٰى اَشْرَفِ اَهْلِ الْجَنَّةِ قَالُوْا بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ هُمْ عُلَمَآءُ اُمَّتِيْ ۝ یعنی کیا میں تمہیں سب سے زیادہ بلند مرتبہ والا جنتی نہ بتادوں؟ صحابہ نے عرض کیا ہاں کیوں نہیں یا رسول اللہ! بتادیجئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وہ میری امت کے علماء ہیں۔

مذکورہ بالا احادیث سے واضح ہو گیا کہ علم عبادت سے افضل جوہر ہے لیکن علم کے ساتھ ساتھ عبادت بھی ضروری ہے ورنہ اس کا علم پانی کا بلبلا ہے۔ بیشک علم حقیقت میں درخت کے مثل ہے اور عبادت علم کے پھل کے مانند ہے تو درخت افضل اس لئے ہے کہ وہی اصل ہے لیکن کامل نفع علم کے پھل یعنی عبادت ہی سے حاصل ہوتا ہے جب علم کے بغیر نفع حاصل نہیں ہوسکتا تو بندہ پر واجب وضروری ہے کہ وہ علم اور عبادت دونوں سے حصہ حاصل کرے اسی وجہ سے خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اے مسلمانو! علم دین اس طرح حاصل کرو کہ عبادت کو نقصان نہ پہنچائے اور اللہ کی عبادت اس طرح کرو کہ علم کے لئے نقصان دہ نہ ہو۔

اور جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ بندے کے لئے علم اور عبادت دونوں ہی ضروری ہیں تو یقینا پہلے علم دین کا حصول زیادہ لائق ومناسب ہے اس لئے کہ علم ہی عبادت کی اصل و بنیاد اور رہنما ہے اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: اَلْعِلْمُ اِمَامُ الْعَمَلِ وَ الْعَمَلُ تَابِعُهٗ یعنی علم عمل کا امام اور پیشوا ہے اور عمل علم کا تابع و پیروکار ہے۔ جب علم عمل کی اصل ومتبوع ہے تو علم کو عبادت الٰہیہ پر دو وجہ سے تقدّم حاصل ہے۔

(۱) اس لئے کہ عبادت کا راستہ ہموار ہو جائے اور عبادت تمام عیوب ونقائص اور تمام عوارض وموانع سے محفوظ ہو جائے اس لئے کہ بندے پر لازم ہے کہ پہلے اپنے معبود حقیقی کو پہچانے پھر اس کی عبادت میں مصروف ہو اور جب تک بندہ اپنے معبود حقیقی کو نہ جانے تو اللہ کی عبادت کیسے کرسکتا ہے؟ جبکہ بندہ کو اللہ کے اسمائے حسنیٰ اور اس کے صفات ذاتیہ اور اس کے حقوق وواجبات نہ معلوم ہوں اور کونسی باتیں اس کی شان کے

خلاف ہیں کیونکہ بسا اوقات جہالت کی وجہ سے بندہ اللہ تعالیٰ کے متعلق ایسی صفتوں پر اعتقاد رکھتا ہے جو قطعاً اس کی شان کے لائق نہیں ہوتیں اور اس برے اور غلط اعتقاد کی وجہ سے (معاذ اللہ) تمام عبادتیں ضائع و برباد ہو جاتی ہیں (بلکہ ایمان کے برباد ہو جانے کا اندیشہ ہے) اور ہم نے ان عظیم خطرات کو اپنی کتاب ''احیاء علوم الدین'' میں سوءِ خاتمہ کے بیان میں پوری تفصیل کے ساتھ وضاحت کر دی ہے۔

اب اس کے بعد تم پر لازم و ضروری ہے کہ ان تمام فرائض و واجبات شرعیہ (نماز روزہ وغیرہ) کا علم حاصل کرو جن کا تمہیں حکم دیا گیا ہے تاکہ تم انہیں صحیح طور پر ادا کر سکو اور تمام ناجائز و خلافِ شرع باتوں کا جاننا بھی ضروری ہے تاکہ تم ان سے بچ سکو اور جب تک اطاعت و فرماں برداری اور عبادت کی حقیقت اور اس کی ادائیگی کا طریقہ معلوم نہ ہو تو صحیح طور پر ادائیگی کرنا کیسے ممکن ہے اور جب تک یہ نہ معلوم ہو کہ فلاں فلاں چیزیں گناہ کی ہیں اس وقت تک بندہ ان چیزوں سے کیسے بچ سکتا ہے لہٰذا عبادات شرعیہ مثلاً پاکی، نماز، روزہ وغیرہا کی حقیقت اور ان کے احکام و شرائط کا جاننا انتہائی ضروری ہے تاکہ انہیں صحیح طور پر ادا کیا جا سکے کیونکہ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ برسہا برس اور مدتوں لاعلمی کی وجہ سے تم اپنے کسی عمل کو نیک گمان کرتے رہتے ہو لیکن حقیقت میں وہ عمل تمہاری طہارت اور نمازوں کو فاسد کر دیتا ہے اور ان کی طہارت اور نمازیں سنت کے خلاف ہو جاتی ہیں اور ادا کرنے والے کو اس بات کا علم بھی نہیں ہوتا اور بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان امور کی ادائیگی میں کوئی ایسا مشکل مسئلہ پیش آ جاتا ہے کہ نہ وہ خود جانتا ہے اور نہ ہی بروقت کوئی حل کرنے والا ملتا ہے چنانچہ دقت و پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

پھر ان ظاہری عبادتوں کا دار و مدار عبادت باطنی پر بھی ہوتا ہے، جو دل کی کاوشوں کا نتیجہ ہے اس لئے توکل، تفویض، رضا، صبر، توبہ اور اخلاص وغیرہا کی حقیقت کا جاننا بھی ضروری ہے جن کا مفصل بیان ان شاء اللہ تعالیٰ عنقریب آئے گا اور ان کے ساتھ ساتھ ان امور کا جاننا بھی ضروری ہے جو توکل وغیرہ کی ضدیں ہیں مثلاً غصہ و ناراضگی، امل، ریاء اور تکبر وغیرہا تا کہ ان امور سے بچا جا سکے۔

اور اللہ تعالیٰ نے اپنی مقدس کتاب میں اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان فیض ترجمان سے ان امور کے کرنے نہ کرنے کی تصریح فرمادی ہے۔ چنانچہ توکل کے متعلق اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَ عَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ (پ۶ سورۃ المائدۃ آیت۲۳) اگر تم ایمان رکھتے ہو تو اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کرو۔

شکر کے متعلق فرماتا ہے: وَ اشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝ (پ۱۴ سورۃ النحل آیت۱۱۴) اور تم اللہ کی نعمت کا شکر ادا کرو اگر تم اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرتے ہو۔

اور صبر کے متعلق ارشاد فرماتا ہے: وَ اصْبِرْ وَ مَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۝ (پ۱۴ سورۃ النحل آیت۱۲۷) اور تم صبر کرو اور تم اللہ تعالیٰ ہی کی توفیق سے صبر کرتے ہو۔

اور تفویض کے متعلق ارشاد فرماتا ہے: وَ اذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَ تَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ۝ (پ۲۹ سورۃ المزمل آیت۸) سب اپنے رب کے نام یاد کرو سے جدا ہو کر صرف اسی اللہ کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔

اس قسم کی اور بھی بہت سی آیتیں ہیں جن میں صفات باطنہ اور اخلاق فاضلہ سے متصف ہونے کا حکم دیا گیا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے نماز، روزہ وغیرہ ظاہری احکام و فرائض کا

اپنی کتاب میں حکم فرمایا ہے اسی طرح توکل، رضا، صبر اور توبہ وغیرہا کا بھی قرآن میں حکم فرمایا ہے۔

تو جب توکل اور اخلاص وغیرہ کا بھی جاننا لازم وضروری ہے تو صرف نماز و روزہ وغیرہ ہی پر سارا زور دینا اور باطنی اوصاف واخلاق حمیدہ کو اختیار نہ کرنا صحیح نہیں کیونکہ اللہ رب العزت نے ہی ظاہری اور باطنی دونوں قسم کے احکام کا ایک ہی کتاب قرآن کریم میں حکم فرمایا ہے لیکن تم نے باطنی اوصاف سے لاپرواہی اختیار کر رکھی ہے اور تم ایسے لوگوں کے متعلق فتوے لکھنے میں مصروف ہو جنہوں نے دنیا کو ہی اپنا مقصود و مطلوب بنالیا ہے اور اسی پر بس نہ کیا بلکہ انہوں نے نیکی کو برائی اور برائی کو نیکی کا درجہ دے دیا ہے۔

بڑے افسوس کا مقام ہے کہ تم نے ایسے لوگوں کے لئے فتویٰ لکھنے میں مشغول ہوکر اپنے آپ کو ان پاکیزہ علوم سے بے پرواہ کرلیا ہے جن علوم کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی مقدس کتاب میں نور، حکمت اور ھدایت ورہبری وغیرہ جیسے عظیم الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے اور تم کسب حرام کو پیشہ بنانے والوں اور رات دن ذلیل دنیا جمع کرنے والوں کے خلاف کچھ نہیں کہتے۔

اے بھلائیوں اور نیکیوں کے دعوے کرنے والو! تمہیں اس بات کا خوف وڈر نہیں ہے کہ تم نے اہم ترین فرائض کو پس پشت ڈال رکھا ہے اور نفل نمازیں اور نفلی روزوں میں مشغول ہو۔ اے فرائض چھوڑ کر نفلیں ادا کرنے والو! یاد رکھو ان نوافل کی کوئی وقعت وحیثیت نہیں جب تک کہ فرائض نہ ادا کرو اور اکثر وبیشتر ایسا بھی ہوتا ہے کہ تم ایسے گناہوں پر قائم رہتے ہو جو تمہیں جہنم کا ایندھن بنا دیتے ہیں اور تم مباح و

جائز کھانے پینے اور نیند وغیرہ سے پرہیز کرتے رہتے ہو جبکہ انہیں چیزوں کی بدولت عبادت میں تقویت ملتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا قرب بھی حاصل ہوتا ہے تو ایسی پرہیز گاری فضول اور لا حاصل ہے اور ان تمام باتوں سے سخت بدتر چیز یہ ہے کہ تم دنیاوی امیدوں میں مصروف ہو جبکہ دنیاوی امیدیں خالص گناہ و معصیت ہیں لیکن جہالت کی وجہ سے تم دنیا کی ان امیدوں کو نیت خیر گمان و خیال کرتے ہو اس لئے کہ تم دنیاوی امیدوں اور نیت خیر کے فرق سے بے خبر و نابلد ہو نیز یہ کہ یہ دونوں بظاہر ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں۔

اسی طرح بے صبری اور ناراضگی کے متعلق بھی آیات قرآنیہ وارد ہیں۔

کبھی کبھی تم انتہائی بے چینی اور آہ و زاری کی حالت میں رہتے ہو اور اُسے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عاجزی اور گڑگڑانا خیال کرتے ہو حالانکہ خالص دکھاوے اور ریاء میں ہو اور تم اس خالص ریاء کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی حمد و ثناء سمجھتے ہو یا تم یہ گمان کرتے ہو کہ میں لوگوں کو بھلائی کی طرف بلا رہا ہوں اور تم ان نافرمانیوں کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بارگاہ میں طاعت و عبادت شمار کرتے ہو اور اس طرح ان گناہوں کو نیکیاں اور سزا اور عقوبت کو اجر عظیم اور بہت بڑا ثواب سمجھتے ہو جبکہ تم بہت بڑے نقصان اور بڑے دھوکے میں ہو اور نری غفلت میں ہو۔

اللہ کی قسم بے علم و بے بصیرت عمل اور عبادت کرنے والوں کے لئے سب سے بڑی مصیبت یہی ہے۔

پھر ان تمام نقصان و غفلت کے بعد واضح ہو کہ دلی کوششوں اور باطنی اوصاف کا اعمالِ ظاہرہ یعنی نماز، روزہ سے ایک خاص تعلق ہے کہ عبادتوں کی صحت و فساد کا دار و مدار ان

ہی کاوشوں پر ہے یعنی اگر باطن خراب ہے تو ظاہری اعمال بھی خراب ہوں گے اور باطن صحیح ہوگا تو ظاہری اعمال بھی صحیح ہوں گے مثلاً اخلاص، ریاء اور عجب اور احسانات وغیرہ لہٰذا جو شخص ان باطنی اوصاف اور کاوشوں اور عبادات ظاہرہ میں باطنی اوصاف کی تاثیر اور ریاء وغیرہ سے اپنی عبادتوں کو محفوظ رکھنے کے طریقے نہ پہچانے تو بہت کم لوگ اپنی عبادتوں کو درست و محفوظ رکھ سکیں گے۔

اور اس جہالت ولاعلمی کی وجہ سے لوگ اپنی ظاہری اور باطنی عبادتوں کو ضائع اور برباد کر لیتے ہیں اور ان کے ہاتھوں میں سوائے شقاوت (بدبختی) اور کدورت کے کچھ باقی نہیں رہتا اور یہی سب سے بڑا خسارہ اور نقصان ہے۔

اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علم کی فضیلت کے متعلق فرماتے ہیں 'یقینا عالم کا سونا جاہل کی نماز سے بہتر ہے کیونکہ بغیر علم عمل کرنے والا اصلاح اور درستگی سے زیادہ فساد و خرابی کر دیتا ہے جو ثواب کے بجائے عذاب کا سبب بن جاتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علم کی فضیلت میں یہ بھی ارشاد فرمایا: بے شک علم نیک بختوں کو عطا کیا جاتا ہے اور بد بخت لوگ علم سے محروم کر دیئے جاتے ہیں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہے کہ جاہل کی شقاوتوں سے پہلی شقاوت یہ ہے کہ اس نے علم تو حاصل نہیں کیا محض بے علم عبادت کی مشقت و پریشانی اور دقت اٹھاتا رہا تو ظاہر ہے کہ ایسی عبادت سے جسمانی مشقت کے سوا کچھ اجر و ثواب نہیں ملتا اور اس سے بڑھ کر اور کوئی نافرمانی اور روگردانی نہیں ہو سکتی ایسے علم اور عمل سے اللہ تبارک و تعالیٰ کی پناہ لینی چاہیئے جس سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہو اسی وجہ سے باعمل اور زاہد علماء کا اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام انسانوں سے زیادہ مرتبہ اور بلند

درجہ ہوتا ہے اور علم ہی اس بلند مرتبہ کی اصل و بنیاد ہے اس لئے کہ علم ہی پر طاعت و عبادت کا دارومدار ہے اور اہل بصیرت اور اصحاب توفیق و تائید کا بھی یہی نظریہ ہے۔

مذکورہ بالا بیان سے یہ بات روز روشن سے زیادہ واضح ہوگئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت بغیر علم ادا نہیں کی جاسکتی اور نہ ہی محفوظ و سالم رہ سکتی ہے لہٰذا عبادت کرنے سے پہلے علم دین حاصل کرنا ضروری ہے اسی لئے عبادت پر علم کو مقدم کرنا واجب ہے۔ اور عبادت پر علم کے مقدم ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ علم دین حاصل کر لینے سے دل میں اللہ تعالیٰ کی خشیت اور خوف پیدا ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُاط (پ۲۲ سورۃ الفاطر آیت۲۸) اللہ کے بندوں میں سے علماء ہی اللہ سے ڈرتے ہیں۔ اس لئے کہ جسے اللہ تعالیٰ کی معرفت نہیں ہوتی اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا ڈر بھی نہیں ہوتا اور نہ ہی ایسا شخص کما حقہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم و اطاعت بجا لاسکتا ہے لہٰذا علم ہی ایسی دولت ہے کہ جس سے اللہ تعالیٰ کی معرفت و پہچان ہوسکتی ہے اور علم ہی کے ذریعہ اس کی عظمت و کبریائی اور اس کی ہیبت دل میں پیدا ہوسکتی ہے اور علم ہی تمام طاعات و عبادات کا ثمرہ و نتیجہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی توفیق اور علم ہی کے سبب انسان ہر قسم کی معصیت سے بچ سکتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرماں برداری اور گناہوں سے بچنے کے علاوہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عبادت سے بندے کا کوئی اور مقصود و مطلوب نہیں لہٰذا اے آخرت کے راستے پر چلنے والے! سب سے پہلے تم اپنے اوپر علم دین کا حصول لازم و ضروری کرلو اور اللہ تعالیٰ ہی اپنے فضل وکرم سے ہدایت عطا فرمانے والا ہے۔

سوال: شاید تم کہو کہ صاحبِ شریعت حضرت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

ہے: ہر مسلمان پر علم دین کا حاصل کرنا فرض ہے پس وہ کونسا علم ہے جس کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے اور عبادت کی درستگی کے لئے کتنے علم کی ضرورت ہے۔

جواب: عبادت کی صحت کے لئے جن علوم کا حصول فرض ولازم ہے وہ تین ہیں (۱) علم توحید (۲) علم سر (جسکا تعلق دل اور دلی کاوشوں سے ہے) (۳) علم شریعت۔ پھر ان تینوں علوم سے اتنی مقدار میں حاصل کرنا ضروری ہے جس سے ضروری امور کی مکمل معرفت ویقین حاصل ہوجائے۔

(۱) علم توحید: (علم توحید میں مندرجہ ذیل تین امور کا جاننا ضروری ہے)

(۱) علم توحید سے اتنا حاصل کرنا ضروری ہے کہ جس سے دین کے اصول معلوم ہوجائیں اور وہ اصول یہ ہیں کہ تمہیں معلوم ہوجائے کہ ہمارا معبود برحق ایک ہے جو ہر چیز کو جانتا ہے اور تمام ممکنات اس کی قدرت کے زیرنگیں ہیں جو چاہتا ہے کرتا ہے، ہمیشہ سے زندہ ہے، ازل سے متکلم ہے، سب کچھ دیکھتا اور سنتا ہے، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ وہ تمام صفات کمالیہ کا ہمیشہ سے جامع ہے اور ہمیشہ رہے گا اس کی ذات تمام عیوب ونقائص سے پاک ومنزہ ہے اور زوال سے مبرا ہے حدوث مثلاً جہات وغیرہ سے بھی پاک ہے اور صرف وہی قدیم ہے۔

اور یہ بھی یقین ہوجائے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے خاص بندے اور رسول ہیں جو اللہ تعالیٰ کے احکامات بیان فرمانے اور دنیا اور آخرت کے امور کی تمام خبریں دینے میں برحق ہیں۔

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت وطریقہ کے کچھ مسائل واصول جاننا بھی ضروری ہیں اور جب تم کتاب اللہ اور احادیث نبویہ میں کچھ نہ پاؤ تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے دین

میں اپنے آپ کو بدعتوں سے محفوظ رکھو اس لئے کہ بدعت مذمومہ میں مبتلا ہوکر بہت بڑے خطرے میں پڑ جاؤ گے۔

اور توحید کے تمام دلائل کی اصل اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی کتاب (قرآن کریم) میں موجود ہے اور ہمارے مشائخ کرام رضی اللہ عنہم نے توحید کے دلائل کو اپنی تصنیف ''اصولِ دین'' کی کتابوں میں وضاحت کے ساتھ بیان فرمادیا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ جس چیز سے جاہل رہ کر گمراہی اور ہلاکت میں پڑنے کا خطرہ واندیشہ ہو ان چیزوں کا علم حاصل کرنا بہت ضروری ہے اور اسی میں نجات ہے اور یہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کی توفیق سے ہے۔

(۲) علم سر: علم سر سے اس قدر علم حاصل کرنا ضروری ہے کہ جس سے دل کی صفائی کے اسباب معلوم ہوجائیں اور ان چیزوں کا علم حاصل ہوجائے جن سے دل کو پاک و ستھرا کرنا ضروری ہے تاکہ دل میں اللہ تعالیٰ کی خشیت اور اس کی عظمت و کبریائی بیٹھ جائے اور اعمال و نیتوں میں اخلاص پیدا ہوجائے اور اعمال و عبادات ہر قسم کی مہلک آفتوں سے محفوظ ہوجائیں۔ان شاء اللہ تعالیٰ عنقریب ان تمام باتوں کا تذکرہ ہماری اسی کتاب میں آئے گا۔

(۳) علم شریعت: علم شریعت سے اتنا علم سیکھنا ضروری ہے کہ جس سے ہر وہ کام جس کی ادائیگی تم پر فرض ہے معلوم ہوجائے تاکہ ان کاموں کو شریعت کے مطابق ادا کرسکو مثلاً پاکی، نماز، روزہ لیکن حج اور زکوۃ اور جہاد کے احکام ومسائل ان لوگوں کو جاننا ضروری ہے، جن پر یہ فرض ہوں تاکہ انہیں صحیح طور پر ادا کرسکیں اور جن لوگوں پر حج وغیرہ فرض نہیں انہیں ان کے احکام و جزئیات کا جاننا فرض نہیں ہے۔تو یہ ان تین علوم

کی وہ مقدار ہے جن کا حصول لامحالہ بندے پر لازم وضروری ہے اب علم کی فرضیت متعین ہوگئی کہ اس کے بغیر چھٹکارا نہیں ہے۔

سوال: کیا مجھ کو علم توحید کے دلائل اور ان کا اتنا حصہ حاصل کرنا بھی فرض ہے کہ جن کے ذریعے میں تمام باطل مذاہب کو مٹادوں اور اسلام کی حقانیت ان پر ثابت کرسکوں اور ان دلائل کے ذریعے تمام بدعتوں کی جڑ کاٹ دوں اور ان باطل فرقوں پر سنن نبویہ کی حقانیت واضح کردوں۔

جواب: اے پیارے سائل! ان تمام دلائل وتفصیلات کا جاننا فرض کفایہ ہے (بعض لوگوں کے حاصل کر لینے سے سب کے ذمہ سے ساقط ہوجاتا ہے) لیکن تم پر اتنا ہی علم حاصل کرنا ضروری ہے جس کے ذریعہ تم اصول دین میں اپنے عقیدوں کو درست کرسکو اس کے علاوہ اور کچھ نہیں یعنی علم توحید کے تمام جزئیات اور باریکیوں اور تمام مسائل پر مہارت وعبور حاصل کرنا فرض نہیں ہاں اگر تمہیں دین کے بنیادی مسائل میں کوئی شک وشبہ ہوجائے کہ جس کی وجہ سے تمہیں اپنے عقائد میں مشتبہ ہوجانے کا خوف اور خطرہ لاحق ہوجائے تو مختصر گفتگو کے ذریعے کسی عالم سے وہ شبہ زائل کراسکتے ہو اور جنگ و جدال سے ہمیشہ پرہیز کرتے رہو اس لئے کہ جنگ وجدال محض ایک مہلک بیماری ہے جس کا کوئی علاج نہیں اس لئے ہمیشہ اس سے بچنے کی کوشش کرنی چاہئے کیونکہ جو شخص اس مہلک بیماری میں مبتلا ہوجاتا ہے تو اگر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت ومہربانی سے اسے نہ ڈھانپے تو اس کی کامیابی وکامرانی مشکل ہوجاتی ہے۔

پھر اے پیارے مخاطب! یہ بھی جان لو کہ جب دنیا کے ہر خطے میں اہل سنت مبلغین اور علماء موجود ہیں جو ہر قسم کے شبہات اور وسوسوں کو زائل کر کے اہل حق کے

دلوں کو پاک وستھرا کرتے رہتے ہیں اور گمراہوں اور باطل فرقوں کا رد بلیغ فرمانے میں مصروف ہیں اور ان کا رد کرنے میں ٹھوس معلومات اور مہارت تامہ رکھتے ہیں اس لئے ان تمام تفصیلات کا جاننا تمہارے ذمہ سے ساقط ہو گیا۔

اسی طرح علم سر کے تمام نکات اور باریکیوں کی معلومات اور قلبی عجائب کی تہ تک پہنچنا ضروری نہیں ہاں اتنا علم حاصل کرنا ضروری ہے کہ جس کے ذریعے اپنی عبادتوں کو عیوب ونقائص اور فساد وخرابی سے محفوظ رکھ سکو تا کہ عبادتیں صحیح طریقہ سے ادا کرسکو مثلاً اخلاص اور حمد وشکر اور توکل وغیرہ اور اس کے علاوہ دیگر معلومات حاصل کرنا ضروری نہیں۔

اور اسی طرح علم شریعت کے تمام ابواب مثلاً خرید وفروخت، اجارہ، نکاح، طلاق اور قصاص ودیت کے تمام مسائل کا سیکھنا بھی ضروری نہیں بلکہ ان تمام جزئیات کا حاصل کرنا فرض کفایہ ہے۔

سوال: کیا علم توحید کی یہ ضروری معلومات کسی استاد سے سیکھے بغیر انسان صرف اپنی نظر وفکر سے حاصل کرسکتا ہے؟

جواب: اے پیارے سائل! ان مسائل کے سیکھنے میں استاد سے مدد لینی ضروری ہے اس لئے کہ استاد مشکل مقامات کو واضح کرتا ہے اور علم توحید کی پیچیدگیوں کو آسان کرتا ہے اور تحصیل علم میں آسانیاں اور سہولتیں مہیا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں جس پر چاہتا ہے اپنے فضل وکرم کی خاص بارشیں فرماتا ہے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی معلم حقیقی ہے جسے چاہتا ہے دین کا معلم بننے کا شرف عطا فرماتا ہے اس کے بعد یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ یہ علم کی گھاٹی اگرچہ بہت سخت اور مشکل گھاٹی ہے مگر اس علم کے بغیر

مطلوب ومقصود (عبادت، نجات) کا حاصل کرنا ناممکن ہے اس کے منافع بہت زیادہ ہیں لیکن اس گھاٹی کو طے کرنا بھی بہت کٹھن اور دشوار ہے اور اس میں بڑے بڑے خطرات بھی ہیں بہت سے لوگوں نے اس گھاٹی سے اعراض وروگردانی کی تو وہ گمراہ ہو گئے اور بہتوں نے اس گھاٹی پر چلنے کی کوشش کی مگر وہ پھسل گئے اور کتنے راستہ سے بھٹکنے والے لوگ اس گھاٹی میں حیران و پریشان ہیں (ہدایت نہیں پاتے) اور بہت سے اس گھاٹی کو عبور کرنے والے لاپتہ ہو گئے اور بہتوں نے اللہ تعالیٰ کی تائید وتوفیق سے بہت کم مدت میں پار کرلیا اور بعض دوسرے ایسے بھی ہیں جو ستر سال سے اس وادی کے طے کرنے میں کوشاں ہیں۔ تمام معاملات اللہ عزوجل کے قبضہ قدرت میں ہیں لیکن علم کا نفع بہت زیادہ ہے جیسا کہ ہم نے پہلے بھی ذکر کیا ہے کہ بندے کے لئے اس علم کا حصول انتہائی ضروری ہے اور عبادت کے تمام معاملات علم ہی پر موقوف ہیں (کیونکہ اعمال بغیر علم کے پورے نہیں ہو سکتے) خاص کر علم توحید اور علم سر۔

علم کے متعلق ایک روایت منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السّلام کی طرف وحی بھیجی اے داؤد! علم نافع حاصل کرو تو حضرت داؤد علیہ السّلام نے عرض کیا کہ اے میرے معبود! کونسا علم نفع بخش ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا علم نافع وہ علم ہے جس سے تم میرے جلال اور میری عظمت اور میری بڑائی اور ہر چیز پر میرے کمال قدرت کو پہچانو اس لئے کہ یہی علم تمہیں مجھ سے قریب کر دے گا۔

اور امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں یہ بات پسند نہیں کرتا کہ میں بچپن میں فوت ہو کر جنت میں داخل ہو جاؤں اور بڑا ہو کر اپنے رب کی معرفت حاصل نہ کروں اس لئے کہ جس کو اللہ تعالیٰ کی معرفت جتنی

زیادہ ہوگی اس کے دل میں اتنا ہی زیادہ اللہ تعالیٰ کا خوف ہوگا اور جس کے دل میں خوف الٰہی زیادہ ہوگا وہ سب سے زیادہ عبادت کرے گا اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رضا کے لئے سب سے زیادہ بندوں کے ساتھ بھلائی کرے گا۔ لیکن علم کی گھاٹی کی دشواری یہ ہے کہ تم اپنے اندر علم حاصل کرنے میں اخلاص کا ملکہ پیدا کرنے کی کوشش کرو (حصول علم میں سب سے زیادہ خلوص کو مدنظر رکھو) اور روایت کی نسبت معرفت و درایت کی طلب زیادہ کرو اور جان لو کہ علم کی گھاٹی میں بہت بڑے بڑے خطرے ہیں لہٰذا جس نے علم اس لئے حاصل کیا کہ لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرے اور علم کے ذریعے امراء اور اغنیاء کی مجلس میں بیٹھنے کا خواہش مند ہو اور علماء سے مقابلہ کرے اور علم کے ذریعے دنیا کی پونجی حاصل کرے تو ایسے شخص کی نیت فاسد ہے اور اس کی یہ تجارت تباہ کن ہے جس میں کوئی فائدہ نہیں اور اس کی یہ خرید وفروخت نقصان دہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ لِيُفَاخِرَ بِهِ الْعُلَمَآءَ أَوْ لِيُمَارِيَ بِهِ السُّفَهَآءَ أَوْ لِيَصْرِفَ بِهِ وُجُوْدَ النَّاسِ اِلَيْهِ أَدْخَلَهُ اللهُ النَّارَ جس نے علم اس لئے حاصل کیا کہ علماء سے مقابلہ کرے گا یا جاہلوں سے جھگڑا کرے گا یا اس لئے کہ لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسے جہنم میں داخل فرمائے گا۔

حضرت ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں میں نے تیس سال مجاہدہ کیا تو علم اور اس کے خطرات سے زیادہ سخت کسی اور چیز کو نہیں پایا۔

اور تمہیں اس بات سے بھی بچنا چاہئے کہ کہیں شیطان تمہارے لئے زیب وزینت کے سامان مہیا کر کے قیل وقال اور اس وہم میں نہ مبتلا کردے کہ جب علم میں اتنے خطرات پیش آتے ہیں تو تمہیں علم حاصل ہی نہیں کرنا چاہئے لہٰذا تمہیں ایسے وہم سے

بچنا چاہیے اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: أُطْلِعْتُ لَيْلَةَ الْمِعْرَاجِ عَلَى النَّارِ فَرَأَيْتُ أَكْثَرَ أَهْلِهَا الْفُقَرَاءَ قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ مِنَ الْمَالِ؟ قَالَ لَا، بَلْ مِنَ الْعِلْمِ معراج کی رات میں نے دوزخیوں کو دیکھا تو مجھے ان میں فقراء اور محتاج زیادہ نظر آئے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا مال و دولت کے محتاج۔ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ علم کے محتاج۔ لہٰذا جو شخص علم حاصل نہ کرے تو وہ عبادات اور ان کے ارکان صحیح طریقہ سے ادا نہیں کرسکتا اور اگر کوئی شخص بغیر علم اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عبادت آسمانوں کے فرشتوں جیسی کرے گا تو وہ نقصان اور خسارہ ہی میں رہے گا اس لئے جس طرح بھی ہو علم ضرور حاصل کرو اور اس کے حاصل کرنے میں حیران و پریشان اور سست نہ بنو ورنہ گمراہی کے خطرات سے دوچار ہو جاؤ گے (ہر قسم کی گمراہی سے اللہ کی پناہ)

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ جب تم اللہ عزوجل کی وحدانیت کے دلائل اور اس کی کاریگری میں غور وفکر کرو گے اور خوب تدبر اور تامل کرو گے تو تمہیں یقین ہو جائے گا کہ ہمارا اور تمہارا معبود حقیقی ایک ہے جو سب کچھ کرسکتا ہے، ہر چیز کا علم رکھتا ہے، جو ہمیشہ زندہ ہے، اور جو چاہتا ہے کرتا ہے، جو ہر بات کو سنتا ہے اور دیکھتا ہے، جو ازل سے متکلم ہے جس کا کلام اور علم اور ارادہ حدوث سے منزہ ومبرا ہے اور ہر قسم کے عیب ونقص سے پاک ہے، جو ممکنات کی صفات (جسم وغیرہ) سے موصوف نہیں ہوسکتا، جن اوصاف سے مخلوق متصف ہوسکتی ہے ان اوصاف سے اس کی ذات کو متصف نہیں کرسکتے اور نہ اس کی ذات کسی بات میں مخلوق کی مشابہ ہے اور نہ مخلوق کسی بات میں اس کی ذات کے مشابہ ہے اور اس کی ذات مکان و جہت سے پاک ہے اور نہ ہی اس پر حوادثات و

تغیرات اور آفات آسکتے ہیں۔

اور اسی طرح جب تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات اور آپ کے خصائل اور نبوت کی علامتوں اور نشانیوں میں غور وفکر کرو گے تو تمہیں یقین کامل ہو جائے گا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ کی وحی پہنچانے میں صادق الامین ہیں اور تمہیں اس بات کا بھی یقین ہو جائے گا کہ سلف صالحین کا یہ عقیدہ ہے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار بغیر جہت و مکان کے ہوگا حق ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ بغیر کسی جہت وحدود کے موجود ہے اور اس بات کی حقانیت بھی روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گی کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام مخلوق نہیں ہے اور قرآن حروف تہجی اور آواز کا نام نہیں ہے اس لئے کہ اگر یہی حروف اور آواز قرآن ہوتے تو وہ بھی مخلوقات میں سے ہوتا کہ یہ حادث ہے اور یہ باطل ومردود ہے۔

اور غور وفکر کرنے سے یہ بھی عیاں ہو جائے گا کہ ملک وملکوت (عالم دنیا وعالم بالا) میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور قضا سے ہی ہو رہا ہے کسی وسوسہ ڈالنے والے کے وسوسے اور کسی ناظر کی نظر سے کچھ نہیں ہوتا اور ہر چیز کا وجود اسی کے ارادے اور مشیت سے ہوتا ہے خیر وشر بھی اسی کی طرف سے ہے اور نفع ونقصان اور ایمان وکفر بھی اللہ تعالیٰ ہی کی جانب سے ہیں۔

اور تمہیں اس بات کا بھی علم یقین ہونا چاہئے کہ کسی مخلوق کے لئے اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب اور لازم نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی کو ثواب عطا فرمائے تو یہ اس کا فضل وکرم اور احسان ہے اور اگر کسی کو عذاب دے تو یہ اس کا عدل وانصاف ہے۔

اور تمہیں یہ بھی یقین ہو جائے گا کہ امور آخرت کے متعلق جو ارشادات واحکامات

ہمارے آقا حضور سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان حق ترجمان سے صادر ہوئے ہیں وہ سب حق وصحیح ہیں جن کی تصدیق کرنا ہم سب پر واجب ہے مثلاً حشر (قیامت کے دن ساری مخلوق کا جمع ہونا) ونشر (قیامت کے دن ساری مخلوق کا اپنی قبور وغیرہ سے زندہ ہوکر اٹھنا) اور عذاب قبر اور منکر نکیر کا سوال کرنا' میزان (جس سے آخرت میں اعمال تولے جائیں گے) اور پل صراط سے گزرنا وغیرہا کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جو ارشادات واحکامات ہیں سب سچ اور حق ہیں یہ سب وہ اصول ہیں جن کو سلف صالحین نے اپنے اعتقادات کے مطابق بیان کیا اور خود بھی اس پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہے اور سب کو قائم رہنے کی ترغیب دی اور ان تمام اصولوں پر بدعات اور نفسانی خواہشات کے پیدا ہونے سے پہلے ہی اجماع واتفاق ہو چکا دین میں بدعت وخلاف شرع بات ایجاد کرنے اور بغیر دلیل خواہشات کی پیروی کرنے سے ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں پھر جب تم دل کے اعمال اور باطنی اسباب اور ان ممنوعہ چیزوں میں غور وخوض کرو گے جن ممنوعات کا بیان ہماری اسی کتاب (منہاج العابدین) میں آئے گا تو تمہیں ان چیزوں کی پہچان ہوجائے گی جن کی تمہیں عبادت میں ضرورت پڑتی ہے مثلاً پاکی اور نماز' روزہ وغیرہ کے مسائل سیکھنا اور جب تمہیں ان باتوں کا پوری طرح علم ویقین حاصل ہوجائے گا تو تم اللہ تعالیٰ کے وہ فریضے جو تم پر فرض ہیں' صحیح طریقے سے ادا کر لوگے اور تم امت محمدیہ کے راسخین علماء کے زمرے میں شامل ہوجاؤ گے اب اگر تم نے اپنے علم کے مطابق اچھی طرح عمل کیا اور اپنی آخرت سنوارنے اور آباد کرنے کی طرف توجہ دی تو تم عابد ہونے کے ساتھ ساتھ ایک صاحب بصیرت عالم بھی ہوگئے اب تم بفضلہٖ تعالیٰ جاہل وغافل نہ رہے اور نہ کسی کے مقلد رہے بلکہ اب تو تم بڑے فضل

وشرف کے مالک ہو گئے اور تمہارے علم کی بہت زیادہ قیمت ہے اور اس پر تمہیں بہت زیادہ اجر وثواب ملے گا اور یقیناً تم نے علم کی گھاٹی کو عبور کرلیا اور اس کے علاوہ تمام امور تم نے چھوڑ دیئے اور اللہ تعالیٰ کی توفیق سے تم نے اس کا حق ادا کر دیا آخر میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بارگاہ میں التجا ہے کہ وہ تمہیں اور ہمیں اپنی حسن توفیق سے دین حق پر قائم رکھے اور آسان فرمائے اس لئے کہ وہی سب سے زیادہ مہربان ہے۔ اور عبادت کرنے اور گناہوں سے بچنے کی طاقت وقوت نہیں ہے مگر اللہ بزرگ وبرتر ہی کی توفیق سے۔

دوسری گھاٹی توبہ کے بیان میں

اے اللہ تعالیٰ کی عبادت کے طلبگار! علم کے حصول کے بعد عبادت میں مشغول ہونے سے پہلے اپنے تمام گناہوں سے توبہ کرنا ضروری ہے اللہ تعالیٰ تمہیں توبہ کی توفیق عطا فرمائے اور تم پر توبہ کرنا دو وجہ سے لازم وضروری ہے۔

(۱) توبہ اس لئے لازم ہے تاکہ توبہ کے سبب تمہیں اللہ تعالیٰ کی عبادت وطاعت کی توفیق نصیب ہو اس لئے کہ گناہوں کی نحوست و بدبختی بندے کو عبادتوں سے محروم کر دیتی ہے اور ذلت ورسوائی مسلط کر دیتی ہے یقین جانو کہ گناہ ایک ایسی زنجیر ہے جو بندے کو اللہ عزوجل کی عبادت کی طرف چلنے سے روک دیتی ہے اور اللہ کی طاعت کی طرف سبقت کرنے سے روکتی ہے کیونکہ گناہوں کا بوجھ بھلائیوں کے کرنے میں سکون اور طاعات میں تازگی پیدا نہیں ہونے دیتا اور ظاہر ہے گناہوں پر اصرار کرنا اور بار بار گناہ کرتے رہنا دلوں کو سیاہ کر دیتا ہے چنانچہ انسانوں کے دل گناہوں کی تاریکی اور قساوت میں مبتلا ہو جاتے ہیں جس میں خلوص اور دل کی صفائی اور عبادت کی لذت و

حلاوت پیدا نہیں ہوسکتی تو جو شخص اپنے گناہوں سے توبہ نہ کرے پھر اگر اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رحمت اس پر شامل حال نہ ہو تو یہ گناہ رفتہ رفتہ اسے کفر اور بدبختی تک پہنچا دیں گے جو شخص شقاوت و بدبختی میں مبتلا ہو تو اس پر تعجب ہے کہ اس نحوست و بدبختی کے باوجود اسے اللہ تعالیٰ کی عبادت و طاعت کی توفیق کس طرح حاصل ہوسکتی ہے اور گناہوں پر اصرار کرنے والا اور برائیوں پر اڑا رہنے والا شخص اللہ تعالیٰ کی طاعت و عبادت کا کیسے دعویٰ کرسکتا ہے اور گناہوں کی گندگیوں اور نجاستوں سے آلودہ ہونے والا شخص اللہ عزوجل کی مناجات کا قرب کیسے پاسکتا ہے اسی وجہ سے حدیث پاک میں صادق ومصدوق رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب بندہ جھوٹ بولتا ہے تو دونوں فرشتے اس کے منہ کی بدبو کی وجہ سے ایک میل دور ہوجاتے ہیں۔

جھوٹ اور غیبت کرنے والی زبان اللہ عزوجل کا ذکر کرنے کے لائق کیسے ہوسکتی ہے اس لئے یقینا گناہوں پر اصرار کرنے والے بندے کو نیکیوں کی توفیق نہیں ہوسکتی اور نہ ہی ایسے شخص کے اعضاء میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے تازگی وسکون پیدا ہوسکتا ہے اور اگر ایسے شخص کو عبادت کی توفیق حاصل ہو بھی گئی تو وہ عبادت زیادہ کارگر نہیں ہوگی اور نہ ہی ایسی عبادت میں لذت وحلاوت اور صفائی ہوگی اور یہ سب خرابیاں گناہوں کی بدبختی اور توبہ نہ کرنے کی وجہ سے ہوتی ہیں اور کسی کہنے والے (حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے یقینا سچ کہا ہے جب تم رات کو نماز تہجد اور دن کو روزہ رکھنے کی طاقت وقوت نہیں پاؤ تو سمجھ لو کہ تم کاہل ومنحوس ہوچکے ہو اور گناہوں کی نحوست و بدبختی تم پر مسلط ہوچکی ہے۔

(۲) اور توبہ لازم وضروری ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ توبہ کے بغیر عبادت مقبول نہیں

ہوتی جس طرح قرض خواہ (قرضہ دینے والے) کا قرض ادا کرنے سے پہلے قرض خواہ کے نزدیک ہدیے اور تحفے کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی اور نہ ہی وہ اسے قبول کرتا ہے بالکل اسی طرح پہلے اپنے گناہوں کا اقرار اور ان سے توبہ کرنا فرض و لازم ہے اسی طرح جس کے ذمہ فرائض ہوں تو اسے کثرت سے نوافل ادا کرنا کیسے مقبول ہوسکتا ہے یوں ہی اگر کوئی شخص حرام وممنوع کام کرتا رہے اور اسے ترک نہ کرے اور مباح اور حلال کاموں میں احتیاط و پرہیز کرتا رہے تو اس پرہیز کا کیا فائدہ اور وہ شخص اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کیسے مناجات ودعا اور ثناء کرسکتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہے اور یہ گناہوں پر اصرار کرنے والوں کا ظاہری حال ہے اور اللہ ہی مددگار ہے۔

توبہ کے معنی اور اس کی شرطوں کا بیان

سوال: توبہ نصوح کے کیا معنی ہیں اور بندے کو کونسا کام کرنا چاہئے کہ تمام گناہوں سے پاک ہوجائے؟

جواب: اے پیارے! دل کے کاموں میں سے ایک کام توبہ کرنا ہے اور توبۃ النصوح کی تعریف علماء کرام رضی اللہ عنہم نے اس طرح کی ہے۔

تنزیہ القلب عن الذنب یعنی دل کو گناہوں سے پاک وصاف کرنا۔

اور ہمارے شیخ ابوبکر طرطوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے توبہ کی تعریف یوں فرمائی ہے گناہوں کو چھوڑ دینے کا اس طرح قصد کرنا کہ جیسا گناہ ہوچکا ہے آئندہ ایسا نہیں کرے گا، اور گناہ ترک کرنا خالص اللہ تعالیٰ کی عظمت کے لئے اور اس کی ناراضگی سے بچنے کے لئے ہو۔

حضرت شیخ کی تعریف کے مطابق توبہ کی چار شرطیں ہیں۔

(۱) پہلی شرط یہ ہے کہ گناہ کے ارتکاب سے باز رہنا اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے دل میں یہ پختہ ارادہ کر لے اور عزم مصمم کر لے کہ آئندہ کبھی گناہوں کی طرف نہیں لوٹے گا لیکن اگر کوئی شخص گناہ چھوڑ دے مگر اس کے دل میں یہ خیال ہے کہ کبھی کر لے گا یا یہ کہ شروع سے گناہ چھوڑنے کا پختہ ارادہ ہی نہیں ہے بلکہ شبہ و تردد میں ہے تو ایسا شخص کبھی کبھی پھر گناہوں میں مبتلا ہو جاتا ہے ایسا شخص وقتی طور پر اگر چہ گناہوں سے باز رہتا ہے مگر اسے توبہ کرنے والا نہیں کہا جا سکتا۔

(۲) دوسری شرط یہ ہے کہ جس گناہ سے توبہ کر رہا ہے اس جیسا گناہ پہلے ہو چکا ہو اس لئے کہ اگر اس جیسا گناہ اس سے سرزد نہیں ہوا ہے بلکہ صرف آئندہ کے لئے اس سے بچنا چاہتا ہے تو ایسے شخص کو توبہ کرنے والا نہیں کہیں گے بلکہ اسے متقی و پرہیزگار کہیں گے کیا تمہیں نہیں معلوم کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کفر سے بچنے والا تو کہہ سکتے ہیں مگر کفر سے توبہ کرنے والا ہرگز ہرگز نہیں کہہ سکتے اس لئے کہ آپ معصوم ہیں (آپ سے گناہ سرزد ہی نہیں ہو سکتا چہ جائے کہ کفر) آپ سے کسی بھی حالت میں اور کبھی بھی معاذ اللہ کفر صادر ہو ہی نہیں سکتا بلکہ کفر کا شائبہ بھی نہیں ہو سکتا۔ ہاں امیر المومنین فاروق اعظم کو کفر سے توبہ کرنے والا کہہ سکتے ہیں اس لئے کہ آپ پہلے حالت کفر میں رہ چکے ہیں۔

(۳) توبہ کی تیسری شرط یہ ہے کہ وہ گناہ جو اس سے سرزد ہوا ہے درجہ اور مرتبہ میں پہلے گناہ کے مثل نہ ہو جسے چھوڑنے کا ارادہ رکھتا ہے اور نہ یہ کہ صورت میں برابر ہو کیا تمہیں نہیں معلوم کہ شیخ فانی (انتہائی بوڑھا) جس نے جوانی میں زنا کیا یا ڈاکہ ڈالا وہ اب بڑھاپے میں ان گناہوں سے توبہ کر سکتا ہے اور یقیناً یہ اس کی توبہ قابل قبول ہوگی اس لئے کہ توبہ کا دروازہ اس کے لئے بند نہیں ہوا اور اسے زنا کاری اور ڈاکہ زنی کے

چھوڑنے پر اختیار نہیں اس لئے کہ وہ اس وقت عملی طور پر یہ گناہ کر بھی نہیں سکتا تو وہ جب زنا یا ڈاکہ زنی کے ترک کرنے پر قدرت نہیں پاتا اس لئے یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ اپنے اختیار سے ان گناہوں کو چھوڑ رہا ہے یا ان سے باز آ گیا ہے کیونکہ وہ اب ان گناہوں کے ارتکاب سے عاجز ہو چکا ہے ان گناہوں پر اسے قدرت نہ رہی لیکن وہ بوڑھا شخص اب بھی درجہ ومرتبہ میں زنا اور ڈاکہ جیسے دوسرے حرام وممنوع کاموں پر قادر ہے مثلاً جھوٹ بولنا، کسی پر زنا کی تہمت لگانا، غیبت وچغلی کرنا وغیرہ اس لئے کہ یہ سب بھی گناہ ہیں اگرچہ ہر ایک گناہ اپنی اپنی نوعیت کے اعتبار سے مختلف ہے لیکن یہ تمام گناہ ایک ہی درجہ اور رتبہ کے ہیں مگر یہ گناہ بدعت کے مرتبہ سے کم ہیں اور بدعت کا مرتبہ شرک اور کفر کے مرتبہ سے کم ہے لہٰذا زنا کاری اور ڈکیتی اور وہ تمام گناہ مذکورہ جن کے ارتکاب سے وہ بوڑھا عاجز ہے ان سب سے توبہ کرنا توبہ ظاہری ہے نہ کہ حقیقی

(۴) اور توبہ کی چوتھی شرط یہ ہے کہ گناہوں سے توبہ کرنا محض اللہ عزوجل کی عظمت و بزرگی کے لئے ہو اور اس کی ناراضگی اور دردناک عذاب سے بچنے کے لئے ہو کسی دنیاوی غرض یا لوگوں کے ڈر سے یا طلب تعریف کے لئے (لوگ مجھے اچھا کہیں) یا لوگوں میں مشہوری کے لئے یا قدرومنزلت کے لئے یا کمزوری نفس یا محتاجی وغیرہ کی وجہ سے نہ ہو۔

یہ توبہ کے ارکان اور اس کی شرائط ہیں جب یہ ارکان اور شرائط مکمل طور پر پائے جائیں گے تو یہ سچی اور حقیقی توبہ ہوگی۔

توبہ کے تین مقدمات ہیں جن کا توبہ سے پہلے ہونا ضروری ہے۔

(۱) گناہوں کی حد درجہ برائی بیان کرنا۔

(۲) اللہ عزوجل کے سزا کی شدت اور دردناک عذاب' اس کی ناراضگی اور اس کے ایسے غضب کا ذکر کرنا جس کی بندہ میں طاقت وقوت نہیں۔

(۳) اللہ تعالیٰ کے عذاب وغضب کی سختی میں اس کا اپنی کمزوری اور بے حیائی کو یاد رکھنا اس لئے کہ جو شخص سورج کی تپش اور سپاہی کے تھپڑ اور چیونٹی کے ڈنک کو برداشت نہیں کرسکتا تو وہ دوزخ کی آگ کی تپش اور عذاب کے فرشتوں کے کوڑے کی مار اور ایسے زہریلے سانپوں کے ڈنک جو بختی لمبی گردنوں والے اونٹوں کی طرح ہیں اور خچر جیسے بچھوؤں کے ڈنک کیسے برداشت کرسکتا ہے جن سانپوں اور بچھوؤں کو جہنم کی آگ سے غضب اور ہلاکت کی جگہ میں پیدا کیا گیا ہم بار بار اللہ تعالیٰ کے غضب اور اس کے عذاب سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔

جب تم ان تین دہشتناک وخوفناک باتوں پر مداومت کروگے اور رات و دن کے ہر حصہ میں ان کی یاد تازہ کرتے رہوگے تو تمہیں گناہوں سے ضرور بالضرور خالص و سچی توبہ نصیب ہوجائے گی اللہ تعالیٰ سب کو اپنے فضل وکرم سے توبہ کی توفیق عطا فرمائے۔

سوال: کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے توبہ کے متعلق یہ نہیں فرمایا کہ اَلنَّدَمُ تَوْبَۃٌ یعنی گناہوں پر پشیماں وشرمندہ ہونا توبہ ہے اور توبہ کے جو ارکان وشرائط اور مقدمات آپ نے بیان کئے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو ان کا کوئی تذکرہ ہی نہیں فرمایا؟

جواب: اولاً یہ جان لینا چاہئے کہ صرف ندامت وپشیمانی کو توبہ نہیں کہا جاتا ہے اس لئے کہ گناہوں پر نادم وپشیمان ہونا بندے کے اختیار وقدرت میں نہیں کیا تم یہ نہیں دیکھتے کہ بندہ اپنے کام پر نادم وشرمندہ ہوتا ہے حالانکہ دل اس ندامت کو پسند نہیں کرتا معلوم ہوا کہ ندامت وشرمندگی بندے کے اختیار میں نہیں لیکن توبہ تو بندے کے اختیار

وقدرت میں ہے اسی وجہ سے اسے توبہ کا حکم بھی دیا گیا ہے اس وضاحت سے ثابت ہوا کہ ندامت و پشیمانی عین توبہ نہیں ہے تو اس سے ظاہر ہوا کہ مذکورہ حدیث کے وہ معنی نہیں ہیں جو ظاہری الفاظ سے سمجھ میں آتے ہیں بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی عظمت اور اس کے دردناک عذاب کے خوف سے جو ندامت بندے کے دل میں پیدا ہوتی ہے وہ بندے کو خالص و سچی توبہ کرنے پر ابھارتی ہے اس لئے کہ ایسی ندامت سچی اور خالص توبہ کرنے والوں کے صفات واحوال میں سے ہے۔

جب گناہگار بندہ توبہ کے مذکورہ تینوں مقدمات کو بار بار یاد کرے گا تو یقینا اسے اپنے گناہوں پر ندامت وشرمندگی ہوگی اور یہی ندامت اسے گناہوں کے چھوڑنے پر مجبور کرے گی اور یہ ندامت آئندہ بھی اس کے دل میں قائم وباقی رہے گی جو کہ بندے کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گریہ وزاری پر ابھارے گی۔

معلوم ہوا کہ یہی ندامت توبہ کے اسباب اور توبہ کرنے والوں کی صفات میں سے ہے اسی لئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسی ندامت کا نام ہی توبہ فرمادیا ندامت کے یہ معنی اچھی طرح سمجھ لو اللہ تعالیٰ تمہیں سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

سوال: ایسا کیسے ہوسکتا ہے کہ انسان سے کوئی گناہ صغیرہ یا کبیرہ سرزد ہی نہ ہو حالانکہ انبیاء کرام صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہم جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی تمام مخلوقات سے اشرف و اعلیٰ ہیں ان کے بارے میں بھی علماء کا اختلاف ہے کہ آیا انہیں یہ مرتبہ ملا یا نہیں؟

جواب: جان لو کہ انسان کا ایسے درجے پر فائز ہوجانا کہ اس سے کوئی صغیرہ یا کبیرہ گناہ سرزد نہ ہو ممکن ہے محال نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اپنی رحمت خاصہ سے نوازتا ہے تو اس کے لئے یہ درجہ آسان ہوجاتا ہے۔

پھر توبہ کی شرطوں میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ بندہ قصداً گناہ نہ کرے اگر بھول چوک میں کوئی گناہ ہوجائے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے معاف کردے گا اور جسے اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے تو اس کے لئے گناہوں سے محفوظ رہنا آسان ہوجاتا ہے۔

سوال: پھر اگر تم توبہ نہ کرنے کا یہ حیلہ بہانہ کرو کہ مجھے اپنے نفس پر اعتماد نہیں اس لئے کہ میں جانتا ہوں کہ میرا نفس توبہ کرنے کے بعد بھی گناہوں سے باز نہیں رہے گا اور نہ توبہ پر قائم رہے گا اس لئے توبہ کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے؟

جواب: سنو! ایسا گمان کرنا شیطان کا کھلا دھوکہ وفریب ہے اس لئے کہ یہ تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ توبہ کے بعد گناہ میں مبتلا ہوہی جاؤ گے ہوسکتا ہے کہ توبہ کے بعد ہی تمہیں موت آجائے اور گناہ کرنے کا موقع ہی نہ ملے اور باقی رہا یہ سوال کہ ہوسکتا ہے کہ گناہ میں مبتلا ہوجاؤں تو اولاً اس کا کچھ اعتبار نہیں پھر تمہارے لئے ضروری ہے کہ سچے دل سے اور عزم مصمم کے ساتھ توبہ پر قائم رہو اور تمہیں اس ارادے پر استقامت دینا اللہ کا کام ہے پس اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے تمہارے ارادے پر تمہیں قائم رکھے تو یہی مقصود ومطلوب ہے اور اگر خدانخواستہ تم اس ارادے میں ثابت قدم نہ رہے تو تمہارے گزشتہ گناہ تو معاف ہوگئے اور تمہیں اپنے گزشتہ گناہوں کے عذاب سے چھٹکارا اور نجات مل چکی ہے اور گزشتہ گناہوں سے پاک وصاف ہوچکے ہو توبہ کے بعد اگر کوئی گناہ سرزد بھی ہوگیا تو تمہارے ذمے اس کئے ہوئے گناہ کے علاوہ کوئی گناہ نہیں ہوگا اور گزشتہ گناہوں کا معاف ہوجانا بھی بہت بڑا نفع اور عظیم الشان فائدہ ہے لہٰذا تمہیں توبہ کرنے کے بعد گناہ ہوجانے کا خوف توبہ سے باز نہ رکھے اس لئے کہ خالص توبہ کرنے سے تمہیں دو بڑی بھلائیوں میں سے ایک بھلائی یقیناً حاصل ہوگی یا تو ہمیشہ

کے لئے سچی اور خالص توبہ نصیب ہوجائے گی یا گزشتہ گناہ معاف ہوجائیں گے اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق وہدایت کا مالک ہے۔

گناہوں سے نکلنے اور چھٹکارا حاصل کرنے کا طریقہ

یاد رکھو کہ گناہوں کی کل تین قسمیں ہیں:

(۱) اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے فرض کردہ احکام کو چھوڑنا مثلاً نماز، روزہ، زکوۃ اور کفارہ وغیرہ ان کے چھوڑنے کا گناہ صرف زبانی توبہ سے معاف نہ ہوگا بلکہ حتی الامکان اس کی قضا لازم ہے۔

(۲) وہ گناہ جنکی قضاء تو نہیں ہوسکتی مگر وہ بھی تمہارے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے درمیان ہی ہوں جیسے شراب خوری، گانا بجانا اور سود کھانا وغیرہا اس قسم کے گناہوں کی معافی کا طریقہ یہ ہے کہ ان گناہوں پر نادم و پشیماں ہو اور آئندہ اس قسم کے گناہوں سے باز رہنے کا پختہ ارادہ کرلے۔

(۳) وہ گناہ جو تمہارے اور دوسرے بندوں کے درمیان ہیں (بندوں کی حق تلفی) اور اس گناہ کا معاملہ بہت زیادہ مشکل اور دشوار ہے اس گناہ کی پانچ قسمیں ہیں (۱) مال کے متعلق (۲) نفس کے متعلق (۳) عزت وآبرو کے متعلق (۴) اس چیز کی حفاظت کے متعلق جس کی پردہ دری کرنا حرام ہو (۵) دین کے متعلق

(۱) جن کا تعلق مال ودولت سے ہے (غصب یا غبن یا خیانت وغیرہ کی ہو) تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر قدرت ہو تو واپس کردینا واجب ہے اور اگر غربت ومفلسی کی وجہ سے واپس کرنے سے عاجز ہو تو صاحبِ مال سے اپنے لئے جائز وحلال کرالے (معاف کرالے) اور اگر مال کا مالک موجود نہیں (اس کا پتہ نہ چلے) یا اس کا انتقال ہوگیا

(اس کے ورثا بھی نہ ہوں) تو اس کی طرف سے جو میسر ہو صدقہ کر دے اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو کثرت سے نیکیاں کرے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گریہ وزاری کرے تا کہ کل قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے تمہاری طرف سے راضی کر لے۔

(۲) اور وہ گناہ جن کا تعلق کسی کی جان سے ہے (کسی کو قتل کر دیا، تہمت لگائی) یا کسی کی ذات سے وابستہ ہے تو اس کے بدلے قصاص یا اس کے اولیاء سے معاف کرانا ضروری ہے اور اگر اس کے اولیاء و وارث نہ ہوں تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گریہ وزاری کرے اور خلوص سے دعا مانگے تا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس مقتول کو تم سے راضی کر دے۔

(۳) اور اگر یہ گناہ کسی کی عزت و آبرو سے متعلق ہو کہ تم نے کسی کی غیبت و چغلی کی ہے یا کسی پر بہتان لگایا ہے یا کسی کو گالی دی ہے تو اس قسم کے گناہوں کی معافی کا طریقہ یہ ہے کہ تم نے جس کے ساتھ یہ گناہ کئے ہیں اس کے سامنے اپنے آپ کو جھٹلاؤ اور اس سے اپنی زیادتی و غلطی کو معاف کرالو جبکہ فتنہ وغیرہ کا اندیشہ نہ ہو اور اگر اس کے سامنے اپنی زیادتی کا اعتراف کرنے اور طلب معافی میں غصہ و فتنہ پیدا ہونے کا صحیح خطرہ و خدشہ ہو تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی بارگاہ میں گریہ وزاری کرو اور اس کے لئے کثرت سے استغفار کرو تا کہ اللہ تعالیٰ اس کو تم سے راضی کرا دے اور تمہاری زیادتی کے بدلے اس کے لئے زیادہ سے زیادہ بھلائی عطا فرمائے۔

(۴) اور اگر یہ گناہ عزت و آبرو سے متعلق ہو کہ تم نے کسی کے اہل و عیال کے ساتھ خیانت کی ہے یا اس طرح کی کوئی اور بری حرکت کی ہے تو ایسے گناہ نہ تو اس کے سامنے ظاہر کئے جا سکتے ہیں اور نہ معاف کروائے جا سکتے ہیں اس لئے کہ ان کے ظاہر کرنے

سے سخت فتنہ برپا ہونے کا اندیشہ ہے لہٰذا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حضور گریہ وزاری کے سوا کوئی چارہ نہیں تاکہ اللہ رب العزت جل مجدہ اس کو تم سے راضی کردے اور اس خیانت وبرائی کے بدلے اس کو خیر کثیر عطا فرمائے اور اگر فتنہ وغیرہ کا خوف نہ ہو اگرچہ ایسا کم ہوتا ہے تو اس کے سامنے اظہار کر کے معاف کرالو۔

(۵) اور اگر ان گناہوں کا تعلق دین سے ہو کہ کسی مسلمان کو کافر یا بدعتی یا گمراہ کہہ کر بلاؤ تو یہ بہت سخت گناہ ہے تو ایسے گناہوں کی معافی کے لئے ضروری ہے کہ جس کو تم نے اس جیسے کلمات سے پکارا یا کہا اس کے سامنے اپنے جھوٹے ہونے کا اعتراف واقرار کرو (بلکہ کافر کہنے کی صورت میں ازسرنو ایمان بھی لے آؤ اور شادی شدہ ہو تو دوبارہ نکاح بھی کرو مترجم) اور اگر وہ نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گڑگڑا گڑگڑا کر توبہ واستغفار کرو اور اپنے کیے پر نادم وشرمندہ ہو تاکہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس شخص کو تم سے راضی کردے۔

خلاصئہ کلام یہ ہے کہ جہاں تم گناہ کے ذریعے تکلیف دیئے جانے والوں کو راضی کرسکتے ہو تو وہاں اس کو راضی کرنا ضروری ہے اور جہاں یہ نہ کرسکو تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بارگاہ میں گریہ وزاری کر کے معافی وبخشش طلب کرو اور صدقہ وخیرات کرو تاکہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تم دونوں کے درمیان رضامندی کرادے اس لئے کہ یہ رضامندی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے اور اس کے فضل عظیم اور احسان عمیم سے امید کامل ہے کہ وہ تمہاری سچی گریہ وزاری دیکھ کر تمہارے مدمقابل شخص کو اپنے فضل وکرم کے خزانوں سے عطا فرما کر اس کو تم سے راضی کردے۔ بے شک یہی بندوں کے حق میں بھلائی ہے اس لئے اس کو لازم جانو اور اسے ضرور بروئے کار لاؤ

جب تم توبہ کے مذکورہ بالا تمام ارکان و شرائط پر جو ہم نے بیان کیے مکمل طریقہ سے عمل پیرا ہو جاؤ گے اور آئندہ اپنے دل کو ہر قسم کے گناہوں سے پاک رکھنے کا پختہ عہد کر لو گے تو تمہارے تمام گزشتہ گناہ معاف ہو جائیں گے اور اگر آئندہ تمہارا دل اس عہد پر قائم رہے لیکن تم گزشتہ قضائیں ادا نہ کر سکو یا ناراض لوگوں کو راضی نہ کر سکو تو یہ گزشتہ گناہ بھی تمہارے ذمہ ہی لازم ہوں گے اور باقی سارے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے غرض یہ کہ اس توبہ کے بیان میں بہت طویل شرح و وضاحت کی ضرورت ہے جس کی اس مختصر کتاب میں گنجائش نہیں ہے اور اگر تمہیں مزید وضاحت درکار ہو تو ہماری کتاب "احیاءُ علومِ الدین" کے توبہ کے بیان اور ہماری ہی کتاب "القربة الی اللهِ تعالیٰ" اور کتاب "العالیةُ القصوی" کا بغور مطالعہ کرو وہاں تمہیں بہت سے فوائد اور عجیب و غریب نکات معلوم ہو جائیں گے لیکن یہاں صرف اتنا ہی بیان کیا گیا ہے جس کی انتہائی سخت ضرورت ہے جنہیں معلوم کیے بغیر چارہ کار نہیں۔

فصل: پھر یقینی طور پر معلوم ہونا چاہئے کہ یہ توبہ کی گھاٹی بہت ہی سخت و دشوار ترین گھاٹی ہے اس کی بہت زیادہ اہمیت ہے اور اس گھاٹی سے غافل و بے علم ہونا سخت نقصان دہ ہے۔

توبہ کی اہمیت و ضرورت کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے جو استاد ابو اسحاق اسفرائنی علیہ الرحمہ سے منقول ہے استاد ابو اسحاق راسخ فی العلم اور باعمل عابدوں اور زاہدوں میں سے ہیں حضرت ابو اسحاق فرماتے ہیں کہ میں نے تیس سال تک اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا مانگی کہ اے اللہ رب العزت! تو مجھے سچی اور خالص توبہ کی توفیق عطا فرما تیس برس گزرنے کے بعد میں اپنے دل میں تعجب کرنے لگا اور بارگاہ ایزدی میں عرض کیا اے

اللہ تعالیٰ تو پاک اور بے عیب ہے میں نے تیری بارگاہ میں تیس برس تک ایک حاجت کی التجا کی لیکن تو نے اب تک میری وہ حاجت پوری نہیں کی جب میں سو گیا تو خواب میں دیکھا کہ ایک شخص مجھ سے کہہ رہا تھا تم اپنی تیس سالہ دعا پر تعجب و حیرت کرتے ہو کیا تمہیں یہ نہیں معلوم کہ تم اللہ سے کتنی بڑی چیز مانگ رہے ہو؟ تم اس بات کا سوال کر رہے ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنا دوست و محبوب بنا لے کیا تم نے اللہ عزوجل کا یہ ارشاد نہیں سنا فرماتا ہے: اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَ یُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِیْنَ ۝ (پ۲ سورۃ البقرۃ آیت ۲۲۲) بے شک اللہ تعالیٰ بہت توبہ کرنے والوں اور پاک وستھرا رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ تو کیا تم اس محبت کو معمولی سمجھتے ہو۔

اے غافل مسلمانو! ان ائمہ کرام کے حالات کا غور سے مطالعہ کرو کہ وہ لوگ توبہ اور اپنے دلوں کی اصلاح کے لئے کتنا اہتمام کرتے تھے اور کس قدر کوشاں رہتے تھے اور توشہ آخرت کی تیاری میں کتنے مصروف رہتے تھے۔

توبہ میں تاخیر کرنا سخت نقصان دہ ہے اس لئے کہ اولاً گناہ سے قساوت قلبی پیدا ہوتی ہے پھر رفتہ رفتہ گناہ کا انجام یہ ہوتا ہے کہ انسان کفر و گمراہی و بدبختی میں مبتلا ہو جاتا ہے کیا تم ابلیس، بلعم بن باعوراء وغیرہما کا انجام بھول گئے لٰہذا ان کے انجام کو مدنظر رکھتے ہوئے ڈرتے رہو اس لئے کہ ان دونوں سے بھی ابتداء ایک ہی گناہ سرزد ہوا تھا آخر نتیجہ یہ ہوا کہ کفر و گمراہی میں مبتلا ہو کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہلاک اور تباہ و برباد ہو گئے لٰہذا تم پر لازم ہے کہ توبہ کے متعلق تم ہمیشہ اپنے اندر بیداری اور جانفشانی پیدا کرو اگر تم نے جلد توبہ کر لی تو عنقریب تمہارے دل سے گناہوں کے اصرار کی بیماری کا قلع قمع ہو جائے گا اور گناہوں کے بوجھ سے تمہاری گردن آزاد ہو جائے گی اور

گناہوں کی وجہ سے جو دل میں قساوت اور سختی پیدا ہوتی ہے اس سے ہرگز بے خوف نہ ہو بلکہ ہر وقت اپنے دل کے حال پر نظر رکھو۔

بعض صالحین علیہم الرحمہ نے فرمایا ہے کہ بے شک دل گناہوں کی وجہ سے سیاہ ہو جاتا ہے اور دل کے سیاہ ہونے کی علامت و پہچان یہ ہے کہ گناہوں سے کوئی گھبراہٹ و جھجک نہیں ہوتی اور اللہ تعالیٰ کی طاعت و عبادت کے لئے کوئی موقع نہیں ملتا اور نہ ہی وعظ و نصیحت سے کوئی فائدہ پہنچتا ہے اے میرے عزیز! تم کسی گناہ کو حقیر و معمولی نہ سمجھو اور گناہ کبیرہ کے اصرار کے باوجود تم اپنے آپ کو توبہ کرنے والا گمان نہ کرو۔

حضرت کہمس بن حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ مجھ سے ایک گناہ سرزد ہو گیا تو اس گناہ پر چالیس سال تک برابر روتا رہا لوگوں نے پوچھا اے ابو عبد اللہ! وہ کونسا گناہ تھا؟ تو انہوں نے فرمایا کہ ایک دن میرا ایک دینی بھائی مجھ سے ملاقات کے لئے آیا تو میں نے اس کی مچھلی سے خاطر کی جب وہ کھا کر فارغ ہوا تو میں نے اٹھ کر اپنے پڑوسی کی دیوار سے مٹی لے کر اپنے اس مہمان کے ہاتھ دھلائے۔ لہٰذا اے لوگو! تم اپنے آپ کو گناہ سے ٹوکتے رہو اور اس کا محاسبہ بھی کرتے رہو اور توبہ و استغفار کی طرف سبقت اور جلدی کرو اور اس میں کسی قسم کی سستی اور کوتاہی نہ کرو اس لئے کہ موت کا وقت کسی کو نہیں معلوم اور دنیا محض دھوکہ و فریب ہے نفس اور شیطان دونوں تمہارے کھلے دشمن ہیں جو تمہیں گمراہ کرنے کی تاک میں لگے رہتے ہیں (لہٰذا تم ان سب سے بچتے رہو) اور ہر وقت اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی بارگاہ میں گریہ و زاری کرتے رہو۔ اور اپنے باپ حضرت آدم علیہ السلام کے حال کو ہر وقت یاد

کرتے رہا کرو کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا اور ان میں اپنی خالص روح پھونکی (اور انہیں عزت و وقار کا تاج پہنایا) اور انہیں فرشتے عزت و وقار کے ساتھ جنت میں لے گئے پھر آپ سے صرف معمولی سی لغزش سرزد ہوئی تو اپنے بلند و بالا مقام سے نیچے (جنت سے نکال کر زمین پر) بھیج دیئے گئے یہاں تک کہ ایک روایت میں آیا ہے کہ اس لغزش کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے پوچھا! اے آدم تمہارا پڑوس کیسا تھا؟ آدم علیہ السلام نے عرض کی اے میرے پروردگار! میرا پڑوس بہت ہی اچھا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرے پڑوس سے چلے جاؤ اور اپنے سر سے میری کرامت و بزرگی کا تاج اتار دو اس لئے کہ میری نافرمانی (لغزش) کرنے والا میرے پڑوس میں رہنے کا حقدار نہیں ہوسکتا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اپنی اس لغزش پر دوسو سال تک روتے رہے جب جا کر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور ان کی اس لغزش کو معاف فرمایا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی یہ شان اپنے نبی اور صفی و دوست کے متعلق ہے جو بلند و بالا درجات کے حامل ہیں تو عام لوگوں کا کیا حال ہوگا جو بے شمار گناہ کے مرتکب ہو چکے ہیں۔ یہ (حضرت آدم علیہ السلام کی دوسو برس تک خلوص کے ساتھ گریہ وزاری) واقعی و حقیقی توبہ کرنے والے کی عاجزی اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں رجوع کرنا ہے تو گناہوں پر اصرار کرنے والے غفلت میں رہنے والے کو کس قدر زیادہ گریہ و زاری کی ضرورت ہوگی۔ کسی شاعر نے اسی بات کو کیا خوب انداز میں بیان کیا ہے۔

يَخَافُ عَلٰى نَفْسِهٖ مَنْ يَّتُوْبُ

فَكَيْفَ تَرٰى حَالَ مَنْ لَّا يَتُوْبُ

جو لوگ ہر وقت توبہ و استغفار میں مصروف رہتے ہیں وہ اپنے نفس پر ڈرتے رہتے ہیں تو ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جو توبہ ہی نہیں کرتے بلکہ اپنی عاقبت سے بھی غافل رہتے ہیں۔

پھر تم اگر توبہ کرنے کے بعد توبہ توڑ ڈالو اور دوبارہ پھر گناہ کرنے لگو تو توبہ کی طرف تیزی کے ساتھ سبقت کرو اور اپنے نفس کو توبہ کی طرف متوجہ کرکے کہو کہ اے نفس! دوبارہ خلوص نیت کے ساتھ توبہ کرلے ممکن ہے یہ تمہاری آخری توبہ ہو شاید تم بغیر گناہ کیے مر جاؤ اسی طرح بار بار توبہ کرتے رہو اور جس طرح تم نے بار بار گناہ کرنا اپنا معمول و دستور بنالیا ہے تو اسی طرح گناہ کے بعد توبہ کرنا بھی اپنا معمول بنالو اور گناہ کرنے کے بعد توبہ کرنے سے عاجز و سست نہ ہو جاؤ اور توبہ کرنے سے کبھی بھی منہ نہ پھیرو اور توبہ توڑنے کی وجہ سے شیطان تمہیں توبہ کرنے سے نہ روکے اور تم اس کے دھوکہ و فریب میں ہرگز نہ آؤ اس لئے کہ توبہ کرنا نیکوں کی پہچان ہے کیا تم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد مبارک نہیں سنا: تم میں سب سے بہتر شخص وہ ہے جس سے گناہ سرزد ہو جائے تو فوراً اپنے گناہ سے توبہ کرلے۔ یعنی گناہ میں زیادہ مبتلا ہونے والا اس سے زیادہ توبہ کرنے والا ہو اور اللہ عزوجل کی بارگاہ میں اپنے گناہوں پر نادم ہو کر ڈرتے ہوئے اور مغفرت چاہتے ہوئے زیادہ رجوع کرے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اس فرمان کو ہر وقت یاد رکھے: وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ (پ۵ سورۃ النساء آیت ۱۱۰) جو بُرے کام کرے یا اپنی جان پر ظلم کرے پھر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے تو اللہ تعالیٰ کو ضرور بخشنے والا مہربان پائے گا۔ لہٰذا ان باتوں کو اللہ تعالیٰ کی توفیق سے یاد رکھنا چاہیے۔

فصل: معافی مانگنے کا طریقہ: خلاصۂ کلام یہ کہ جب تم توبہ و استغفار کے ذریعے اپنے دل کو تمام گناہوں سے پاک وصاف کرلو اور آئندہ کے لئے پختہ اور سچے دل سے ارادہ کرلو کہ اب کبھی بھی گناہ نہ کروگے مگر جن گناہوں کا سرزد ہونا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے علم میں مقدر ہے اور اس خلوص کے ساتھ توبہ کرو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دل کے ارادے کو سچا اور خالص بنادے اور جہاں تک ہوسکے اپنے خصم (جس کو تم سے تکلیف پہنچی ہے) کو راضی کرلو اور حتیٰ الامکان قضاء شدہ نمازیں اور روزے وغیرہ بھی قضاء کرلو اور جو فوائت قضاء نہیں کرسکتے تو ان کی معافی کے لئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بارگاہ میں گریہ وزاری کروتاکہ تمہارے بقیہ گناہ اور غلطیاں معاف ہوجائیں اس کے بعد غسل کرکے پاک وصاف کپڑے پہنو اور انتہائی خشوع وخضوع کے ساتھ چار رکعت نفل نماز ادا کرو اور اپنی پیشانی ایسی تنہائی کی جگہ رکھو جہاں اللہ تعالیٰ کے سوا تمہیں کوئی نہ دیکھ رہا ہو پھر اپنے سر پر مٹی ڈالو اور اپنے چہرے کو جو تمام اعضاء سے عزیز اور اعلیٰ ہے اس طرح خاک آلود کرو کہ آنکھوں سے آنسو جاری ہوجائیں اور دل نقص عبادت کی وجہ سے سخت غمزدہ ہو اور خوف الٰہی کی وجہ سے تمہارے رونے کی آواز بلند ہو اور جہاں تک ہوسکے اپنا ایک ایک گناہ یاد کرو اور ندامت وخلوص کے ساتھ تائب ہو اور اپنے گناہ گار نفس کو گناہوں پر ملامت کرو اور اپنے نفس کو زجر وتوبیخ کرتے ہوئے اس سے یوں مخاطب ہو اے نفس! کیا اب بھی تجھے اللہ تعالیٰ سے شرم نہیں آتی؟ کیا ابھی تک تمہاری توبہ کا وقت نہیں آیا؟ کیا تیرے اندر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے دردناک عذاب کے برداشت کرنے کی طاقت وقوت ہے؟ کیا تو اپنے اوپر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ناراضگی کا خواہش مند ہے؟ اسی طرح بے شمار بار اپنے گناہوں کو یاد

کر کے اپنے نفس کو ان الفاظ سے مخاطب کرتے رہو اور گڑگڑا گڑگڑا کر روؤ پھر اپنے مہربان پروردگار کی بارگاہ میں دعا کے لئے ہاتھ پھیلاؤ اور عاجزی کے ساتھ یہ دعا کرو

اِلٰهِي عَبْدُكَ الْاٰبِقُ رَجَعَ اِلٰى بَابِكَ ٥ عَبْدُكَ الْعَاصِيْ رَجَعَ اِلَى الصُّلْحِ ٥ عَبْدُكَ الْمُذْنِبُ اٰتَاكَ بِالْعُذْرِ ٥ فَاعْفُ عَنِّيْ بِجُوْدِكَ وَ تَقَبَّلْنِيْ بِفَضْلِكَ وَ انْظُرْ اِلَيَّ بِرَحْمَتِكَ ٥ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ مَا سَلَفَ مِنَ الذُّنُوْبِ ٥ وَ اعْصِمْنِيْ فِيْمَا بَقِيَ مِنَ الْاَجَلِ ٥ فَاِنَّ الْخَيْرَ كُلَّهُ بِيَدِكَ وَ اَنْتَ بِنَا رَؤُفٌ رَّحِيْمٌ ٥ اے اللہ تعالیٰ! تیرا بھاگا ہوا بندہ تیری بارگاہ میں حاضر ہے اور تیرا گنہگار و نافرمان بندہ معافی کے لئے آ گیا اور تیرا گنہگار و خطا کار بندہ عذر لے کر تیرے دربار میں موجود ہے تو اپنے فضل و کرم سے مجھے معاف فرما دے اور میرا عذر قبول فرما لے اور مجھ پر اپنی نظر رحمت فرما اے اللہ تبارک و تعالیٰ! میرے گزشتہ تمام گناہ معاف فرما دے اور بقیہ زندگی کے ایام میں مجھے ہر قسم کے گناہ و معاصی سے محفوظ رکھ اس لئے کہ تو ہی ہر بھلائی کا مالک ہے اور تو ہی ہم پر مہربان اور نرمی فرمانے والا ہے۔

پھر یہ دعائے شدت و کرب کرے

دعائے شدت و کرب: يَا مُجْلِيَ عَظَائِمِ الْاُمُوْرِ يَا مُنْتَهِيْ هِمَّةِ الْمَهْمُوْمِيْنَ ٥ يَا مَنْ اِذَا اَرَادَ اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ٥ اَحَاطَتْ بِنَا ذُنُوْبُنَا اَنْتَ الْمَذْخُوْرُ لَهَا يَا مَذْخُوْرًا لِكُلِّ شِدَّةٍ ٥ كُنْتُ اَدَّخِرُكَ لِهٰذِهِ السَّاعَةِ ٥ فَتُبْ عَلَيَّ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ٥ اے تمام عظیم الشان کاموں کے ظاہر کرنے والے! اے مشکلات کے حل کرنے والے! اے غمزدوں اور پریشان حالوں کے ماویٰ و ملجا! اے وہ قادر مطلق ذات جس کی شان عظمت یہ ہے کہ

جب کسی چیز کا ارادہ فرمائے تو لفظ کن فرمادے تو وہ چیز موجود ہو جاتی ہے ہمارا یہ حال ہے کہ ہمیں گناہوں نے گھیر لیا ہے تو ہی تمام گناہوں کا احاطہ فرمانے والا ہے اے تمام کاموں کے احاطہ کرنے والے! میں ان تمام گناہوں کو لے کر تیری بارگاہ میں حاضر ہوں تو میری توبہ قبول فرمالے، بے شک تو ہی توبہ قبول فرمانے والا، رحم کرنے والا ہے۔

اس کے بعد کثرت سے آہ وزاری کرے اور ذلت وخواری کا خوب اظہار کرے اور یہ دعا کرے: یَا مَنْ لَا یَشْغَلُهٗ شَأْنٌ عَنْ شَأْنٍ وَّلَا سَمْعٌ عَنْ سَمْعٍ ۝ یَا مَنْ لَا تُغَلِّطُهٗ كَثْرَةُ الْمَسَائِلِ ۝ یَا مَنْ لَا یَبْرَمُهٗ اِلْحَاحُ الْمُلِحِّیْنَ ۝ اَذِقْنَا بَرْدَ عَفْوِكَ وَّ حَلَاوَةَ مَغْفِرَتِكَ بِرَحْمَتِكَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ ۝ اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ اے وہ ذات! جسے ایک کام دوسرے کام سے باز نہیں رکھ سکتا اور نہ ایک بات کا سننا دوسری بات کے سننے سے روک سکتا ہے اے وہ ذات جسے مسائل کی کثرت وزیادتی مغالطہ میں نہیں ڈال سکتی اور نہ دعا میں اصرار کرنے والوں کا اصرار اسے رکاوٹ میں ڈال سکتا ہے، ہمیں اپنی معافی کی راحت وٹھنڈک عطا فرمادے اور اپنی بخشش کی حلاوت وچاشنی عطا فرما اے سب سے بہتر رحم فرمانے والے ہم پر رحم وکرم فرما۔ بے شک تو سب کچھ کرسکتا ہے۔

پھر اس دعا کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی آل پر درود وسلام کا نذرانہ پیش کرے پھر تمام مسلمانوں مردوں اور عورتوں کے لئے مغفرت کی دعا کرے اور اللہ عزوجل کی عبادت کی طرف رجوع کرے۔

جب تم نے مذکورہ بالا دعائیں اور بارگاہ الٰہی میں گریہ وزاری اور توبہ واستغفار وغیرہ کی ساری منزلیں طے کرلیں تو یقیناً تم نے خالص اور سچی توبہ کرلی ہے اور تم گناہوں سے

ایسے پاک ہوگئے ہو جیسے آج ہی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے ہو اب اللہ سبحانہ و تعالیٰ تمہیں اپنا دوست بنالے گا اور تمہیں بے حساب اجر و ثواب عطا فرمائے گا اور تم پر اپنی رحمتوں اور برکتوں کی اتنی بارشیں فرمائے گا جسکی خوبیاں بیان کرنے والے بیان نہیں کرسکتے اور تمہیں امن و خلاصی کی دولت حاصل ہوگئی اور تمہیں اللہ تعالیٰ کے غضب اور نافرمانی کی سزا سے نجات و چھٹکارا مل گیا اور دنیا اور آخرت میں گناہوں کی آفت سے رہائی مل گئی اور تم نے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے اذن سے توبہ کی گھاٹی عبور کرلی اور اللہ تعالیٰ ہی اپنے فضل و احسان سے ہدایت کا مالک و مددگار ہے۔

تیسری گھاٹی مشکلات کے بیان میں

اے عبادت کے طلب گار! توبہ کے بعد عبادت میں رکاوٹ ڈالنے والی چیزوں اور موانع کو دور کرنا بھی تم پر لازم وضروری ہے تاکہ تمہاری عبادت صحیح و درست ہوسکے اور ہم پہلے بیان کرچکے ہیں کہ موانع عبادت چار ہیں:

(۱) دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے: اس رکاوٹ کو دور کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ دنیا سے علیحدگی اور جدائی اختیار کرلو اور دل سے دنیا کی محبت نکال دو اور یہ جدائی و علیحدگی دو باتوں کی وجہ سے تم پر لازم وضروری ہے۔

(۱) دنیا سے علیحدگی کی پہلی وجہ: دنیا سے علیحدگی کی پہلی وجہ یہ ہے کہ تم زیادہ سے زیادہ عبادت کرسکو اور عبادت درست و صحیح ہو اس لئے کہ دنیا کی رغبت و خواہش تمہارے ظاہر و باطن کو اللہ تعالیٰ کی عبادت سے روک دیتی ہے۔ تمہارے ظاہر کو اس طرح کہ تم دنیا کی طلب میں لگے رہو گے اور باطن کو اس طرح کہ تمہارے دل میں ہر

وقت حصول دنیا کے ارادے اور وسوسے ابھرتے رہیں گے اور یہ طلب وارادہ دونوں عبادت میں رکاوٹ بنیں گے کیونکہ نفس ایک ہے اور دل بھی ایک ہی ہے تو جب یہ ایک چیز میں مشغول ہوں گے تو اس کی ضد میں کس طرح مشغول ہوسکیں گے۔ دنیا و آخرت کی مثال دو پستان کی طرح ہے اگر تم ایک تھن کو راضی کرو گے تو دوسرا تھن ناراض ہوجائے گا اور دنیا اور آخرت کے درمیان مشرق و مغرب کے برابر فاصلہ و دوری ہے اگر تم ایک طرف مائل و متوجہ ہوگے تو دوسری سے دور ہوجاؤ گے بندے کا ظاہر عبادت سے پھر کر طلب دنیا میں مشغول ہوجاتا ہے اس کا ثبوت اس روایت سے ہوتا ہے جو حضرت ابو درداء عویمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: زَاوَلْتُ اَنْ اَجْمَعَ بَیْنَ الْعِبَادَۃِ وَ التِّجَارَۃِ فَلَمْ یَجْتَمِعَا فَأَقْبَلْتُ عَلَی الْعِبَادَۃِ وَ تَرَکْتُ التِّجَارَۃَ یعنی میں نے عبادت اور تجارت دونوں کو جمع کرنے کی کوشش کی لیکن یہ دونوں جمع نہ ہوسکیں نتیجہ یہ ہوا کہ میں نے عبادت کو اختیار کرلیا اور تجارت کو چھوڑ دیا۔

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں: لَوْ کَانَتَا مُجْتَمِعَیْنِ لِأَحَدٍ غَیْرِی لَاجْتَمَعَتَا لِی لِمَا أَعْطَانِیَ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ مِنَ الْقُوَّۃِ وَ اللَّیْنِ یعنی اگر عبادت و تجارت میرے سوا کسی اور شخص کے لئے جمع ہوسکتیں تو میرے لئے بھی ضرور جمع ہوجاتیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے قوت و نرمی دونوں عطا فرمائی ہیں۔

پھر جب یہ حقیقت ہے کہ عبادت و تجارت دونوں کا اجتماع مشکل ہے تو فنا ہونے والی دنیا کا نقصان برداشت کرلو اور سلامتی و حفاظت والی چیز یعنی آخرت کو اختیار کرلو۔ اور بندے کا باطن دنیا میں مشغول ہوتا ہے تو اس کے ثبوت میں نبی کریم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان مروی ہے فرماتے ہیں: مَنْ اَحَبَّ دُنْیَاہُ أَضَرَّ بِاٰخِرَتِہٖ وَمَنْ اَحَبَّ اٰخِرَتَہُ أَضَرَّ بِدُنْیَاہُ فَاٰثِرُوْا مَا یَبْقٰی عَلٰی مَا یَفْنٰی یعنی جس نے دنیا کو پسند کیا اس نے آخرت کا نقصان کیا اور جس نے آخرت کو پسند کیا اس نے دنیا کا نقصان کیا لٰہذا پائیدار اور باقی رہنے والی چیز اختیار کرو اور چند دن کی عیش وعشرت کو چھوڑ دو۔

ان روایتوں سے تم پر یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ جب تک تمہارا ظاہر و باطن دنیا کے حصول میں مشغول رہے گا تو کما حقہ تمہیں اللہ تعالیٰ کی عبادت میسر و نصیب نہیں ہوگی مگر جب تم دنیا سے بے پرواہ ہوجاؤ گے اور اپنے ظاہر و باطن کو دنیا سے علیحدہ و فارغ کر دو گے تو تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کی عبادت آسان ہوجائیگی بلکہ ظاہری و باطنی اعضاء تمہارے معاون و مددگار ہوجائیں گے۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا زَھِدَ فِی الدُّنْیَا اِسْتَنَارَ قَلْبُہٗ بِالْحِکْمَۃِ وَتَعَاوَنَتْ أَعْضَاؤُہٗ فِی الْعِبَادَۃِ جب بندہ دنیا سے علیحدگی اور بے رغبتی اختیار کرلیتا ہے تو اس کا دل حکمت سے منور و درخشاں ہوجاتا ہے اور اس کے اعضاء عبادت کے سلسلے میں معاون و مددگار ہوجاتے ہیں۔

لٰہذا تم اس دائمی اور باقی رہنے والی چیز پر فنا ہونے والی چیز کو ترجیح نہ دو۔

(۲) دنیا سے علیحدگی کی دوسری وجہ: دنیا سے علیحدگی اور فارغ ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ تمہارے عمل کی قدر و قیمت بڑھ جائے گی اور اس کی عظمت و شرافت میں اضافہ و زیادتی ہوجائے گی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: رَکْعَتَانِ مِنْ رَجُلٍ عَالِمٍ زَاھِدٍ قَلْبُہٗ خَیْرٌ وَاَحَبُّ اِلَی اللہِ جَلَّ جَلَالُہٗ مِنْ عِبَادَۃِ الْمُتَعَبِّدِیْنَ اِلٰی

اٰخِرِ الدَّھْرِ یعنی ایسے عالم کی دو رکعت نماز جس کا دل زہد و تقویٰ کا پیکر ہو اللہ تعالیٰ کے نزدیک قیامت تک پرتکلف عبادت کرنے والوں کی عبادت سے بہتر واعلیٰ ہے۔

تو جب دنیا میں رہ کر دنیا سے علیحدگی اختیار کرنے سے عبادت کی قدر و منزلت میں اضافہ ہوجاتا ہے تو عبادت کرنے والے پر لازم ہے کہ دنیا سے بے رغبتی و علیحدگی اختیار کرلے۔

سوال: زہد کے کیا معنی ہیں اور اس کی حقیقت کیا ہے؟

جواب: علمائے اہل سنت کے نزدیک زہد کی دو قسمیں ہیں:

(۱) وہ زہد جو بندے کی قدرت واختیار میں ہے۔ (۲) وہ زہد جو بندے کے اختیار میں نہیں ہے۔ پہلی قسم زہد مقدور ہے (جو بندے کی قدرت واختیار میں ہے) جو تین چیزوں کا مجموعہ ہے۔

(۱) بندہ کے پاس دنیا کی جو چیز نہیں ہے بندہ اس کی طلب وخواہش نہ کرے۔

(۲) دنیا کی جو چیزیں بندے کے پاس موجود ہیں اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں تقسیم کردے۔

(۳) دنیا کی چیزوں کا ارادہ اور قصد کرنا ہی چھوڑ دے۔

جس شخص کے اندر یہ تینوں صفتیں ہوں وہ زاہد ہے۔

زہد کی دوسری قسم یعنی جو بندے کے قدرت واختیار میں نہیں ہے وہ یہ ہے کہ زاہد کا دل دنیا و مافیہا کے حصول کے شوق سے ٹھنڈا پڑ جائے اور بے پرواہ ہوجائے پھر وہ زہد جو بندے کی قدرت واختیار میں ہے وہ اس زہد کے لئے مقدمہ وتمہید ہے جو زہد بندے کے قدررت واختیار میں نہیں ہے یعنی زہد غیر مقدور زہد مقدور کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔

جب بندہ دنیا کی ان چیزوں کو جواس کے پاس نہیں ہیں طلب نہیں کرتا اور جو کچھ دنیا کے ساز و سامان ہیں انہیں اللہ کی راہ میں تقسیم کردیتا ہے اور دنیا کی آفتوں اور پریشانیوں کو یاد کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت کے عظیم ثواب کے لئے اس کا دل دنیا کی چیزوں کا ارادہ واختیار (پسند کرنا) چھوڑ دیتا ہے تو اس کی وجہ سے دنیا کی خواہش وچاہت اس کے دل سے نکل جاتی ہے اور طلب دنیا سے اس کا دل پھر جاتا ہے اور یہی زہد حقیقی ہے۔

پھر یادرکھو کہ ان مذکورہ تین باتوں میں سے تیسری بات یعنی طلب دنیا اور اسکی چاہت کا دل سے نکال دینا بہت دشوار اور مشکل مرحلہ ہے اس لئے کہ بہت سے حضرات ایسے ہیں جو بظاہر اور اوپر اوپر سے تو دنیا کو ترک کردیتے ہیں اور دنیا سے اپنی بے رغبتی کا اظہار کرتے ہیں مگر ان کے دلوں میں دنیا کی چاہت ومحبت چٹکیاں لیتی رہتی ہیں تو ایسا شخص کشمکش بلکہ بہت بڑی مصیبت و پریشانی میں مبتلا رہتا ہے جبکہ تمام معاملات اسی تیسری بات پر موقوف ہیں۔

کیا تم نے اللہ بزرگ و برتر کا یہ ارشاد نہیں سنا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِیْنَ لَا یُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ وَ لَا فَسَادًا (پ۲۰ سورۃ القصص آیت۸۳) ہم آخرت کا گھر صرف ان لوگوں کو دیں گے جو دنیا میں سرکشی اور فساد کا ارادہ بھی نہیں کرتے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے جنت عطا فرمانے کا حکم سرکشی اور فساد کا ارادہ نہ کرنے پر موقوف و معلق فرمایا طلب اور فعل مقصود پر معلق نہ فرمایا یعنی جو لوگ فساد کا ارادہ نہیں کرتے انہیں جنت ملے گی لیکن جو لوگ فساد کا ارادہ رکھتے ہیں اگرچہ

نہیں کرتے پھر بھی انہیں جنت نہیں ملے گی۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد: مَنۡ كَانَ يُرِيۡدُ حَرۡثَ الۡاٰخِرَةِ نَزِدۡ لَهٗ فِىۡ حَرۡثِهٖ ۚ وَمَنۡ كَانَ يُرِيۡدُ حَرۡثَ الدُّنۡيَا نُؤۡتِهٖ مِنۡهَا وَمَا لَهٗ فِى الۡاٰخِرَةِ مِنۡ نَّصِيۡبٍ ۝ (پ۲۵ سورۃ الشوریٰ آیت۲۰) جو آخرت کی کھیتی کا ارادہ رکھتا ہے تو ہم اس کے لئے اس کی کھیتی بڑھا دیتے ہیں (نیکیوں کی توفیق دے کر) اور جو دنیا کی کھیتی چاہتا ہے تو ہم اسے دنیا کی کھیتی میں سے کچھ دے دیں گے اور آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہوگا۔

اور تیسری جگہ اللہ رب العزت جل مجدہ ارشاد فرماتا ہے: مَنۡ كَانَ يُرِيۡدُ الۡعَاجِلَةَ عَجَّلۡنَا لَهٗ فِيۡهَا مَا نَشَآءُ (پ۱۵ سورۃ بنی اسرائیل آیت۱۸) جو جلدی والی چیز چاہے (دنیا کا طلب گار ہو) ہم اسے اس میں جلد دیدیں گے جو چاہیں۔

چوتھے مقام پر ارشاد فرماتا ہے: وَمَنۡ اَرَادَ الۡاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعۡيَهَا وَهُوَ مُؤۡمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعۡيُهُمۡ مَّشۡكُوۡرًا ۝ (پ۱۵ سورۃ بنی اسرائیل آیت۱۹) اور جو آخرت چاہے اور اس کی ہی کوشش کرے اور وہ ایمان والا ہو تو اسی کی کوشش کام آئی۔

کیا تم نہیں دیکھتے ان تمام آیتوں میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے صرف ارادہ ہی کی طرف اشارہ فرمایا ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ ارادہ بہت بڑی چیز ہے لیکن بندہ جب پہلی دو باتوں (۱۔ دنیا کی ان چیزوں کو جو اس کے پاس نہیں اسے طلب نہیں کرتا۔ ۲۔ اور جو کچھ دنیا کی چیزیں ہیں انہیں اللہ کی راہ میں تقسیم کردیتا ہے) پر مواظبت اور استقامت اختیار کرتا ہے تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے فضل وکرم سے امید ہے کہ طلب دنیا کے ارادہ اور اختیار کو بھی دل سے نکال دے اس لئے کہ وہی بزرگ و برتر ذات اپنے بندوں پر فضل وکرم کی بے حساب بارشیں فرمانے والی ہے۔

پھر وہ چیز جو ترک دنیا اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال تقسیم کرنے پر ابھارتی ہے اور جو اس سلسلے میں تمہارے لئے آسانی فراہم کرتی ہے وہ چیز یہ ہے کہ دنیا کی آفتوں اور اس کے عیوب ونقائص کو ہر وقت ذہن میں دہراتے رہو۔

دنیا کی آفتوں اور اس کے عیوب کے متعلق علماء ومشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ کے بہت سے اقوال ہیں ان ہی اقوال میں سے بعض علماء (یحییٰ بن معاذ رازی علیہ الرحمہ) کا فرمان ہے: میں نے دنیا کو اس لئے چھوڑ دیا کہ اس کا نفع کم ہے اور اس کی تھکان زیادہ ہے اور بہت جلد فنا ہو جاتی ہے اور اس کے شرکاء وطلبگار ذلیل وخوار اور خسیس ہیں۔

میرے شیخ حضرت امام ابوبکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ مذکورہ بالا فرمان سے بھی دنیا کے ساتھ تعلق کی بو آتی ہے اس لئے کہ جو شخص کسی چیز کی جدائی کا شکوہ کرتا ہے حقیقت میں وہ اس سے ملاقات کی آرزو وتمنا کرتا ہے اسی طرح جو شخص کسی چیز سے شرکاء کی کثرت کی وجہ سے علیحدگی اختیار کرتا ہے حقیقت میں وہ اس بات کا خواہشمند ہوتا ہے کہ کاش میں اکیلا ہی اس چیز کا مالک ہوتا لہٰذا دنیا کی آفتوں کے متعلق جو ہمارے شیخ نے فرمایا وہی زیادہ بہتر و درست ہے۔

فرماتے ہیں: بے شک دنیا اللہ تعالیٰ کی دشمن ہے اور تو اللہ کا دوست ومحبوب ہے تو جو شخص کسی کو دوست رکھتا ہے تو وہ اپنے دوست کے دشمن کو بھی اپنا دشمن سمجھتا ہے۔

ہمارے شیخ نے (دنیا سے علیحدگی کے بارے میں) یہ بھی فرمایا: اس لئے کہ دنیا حقیقت میں سڑا ہوا مردار ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ دنیا کے لذیذ سے لذیذ کھانے تھوڑی دیر میں گندے اور گھناؤنے ہو جاتے ہیں اور خراب و برباد ہو جاتے ہیں اور اس کی ساری زیب وزینت ختم ہو جاتی ہے مگر دنیا کے ظاہر کو خوشبوؤں اور زینتوں سے آراستہ ومزین

کر دیا گیا ہے تو نتیجہ یہ ہوا کہ غافل حضرات اس کے ظاہر کو دیکھ کر دھوکہ کھا گئے اور عاقل و سمجھدار لوگ اس سے کنارہ کش ہو گئے۔

سوال: دنیا سے کنارہ کشی اختیار کرنا فرض ہے یا نفل؟

جواب: یاد رکھو علماء اہل سنت کے نزدیک زہد (دنیا سے علیحدگی) حلال و حرام دونوں میں ہوتا ہے تو حرام چیزوں میں زہد فرض ہے یعنی حرام چیزوں سے بچنا فرض ہے اور حلال چیزوں سے بچنا اور کنارہ کشی اختیار کرنا مستحب ہے۔

پھر طاعت و عبادت کرنے والوں کے نزدیک یہ حرام چیزیں مردار اور نجس چیز کی طرح ہیں خدانخواستہ اگر انہیں اس حرام چیز کے استعمال کی ضرورت پیش آ جائے تو بہت معمولی استعمال کرتے ہیں کہ جس سے ضرر و نقصان دفع ہو جائے (اور اس کی شرعا اجازت بھی ہے) لیکن اولیاء اللہ اور ابدال و کاملین کی شان یہ ہے کہ ان کے نزدیک حلال چیزیں بھی ضرورت سے زیادہ استعمال کرنا مردار کے مثل ہے چنانچہ وہ لوگ حلال چیز بھی اتنی ہی مقدار میں کھاتے ہیں کہ انہیں ضرر و نقصان نہ ہو (جس سے جان بچ جائے) اور حرام چیزیں تو ان کے نزدیک آگ کے مرتبہ میں ہیں جس کے استعمال کا ان کے دل میں وہم و شائبہ بھی نہیں آتا اور دل کا طلب دنیا سے سرد اور ٹھنڈا پڑ جانے کا یہی مطلب ہے کہ طلب دنیا کے پراگندہ خیالات سے دل بالکل پاک اور ستھرا ہو جائے یہاں تک کہ دنیا کی نفرت دل میں ایسی بس اور رچ جائے کہ دنیا کو مکروہ و ناپسند چیز سمجھنے لگے اور اس کی وقعت ختم ہو جائے یہاں تک کہ اس کے دل میں طلب دنیا کی رغبت کا کوئی شائبہ تک باقی نہ رہے۔

سوال: یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ انسان عجیب و غریب شہوتوں اور لذتوں سے آراستہ و

پیراستہ دنیا کو آگ یا گھناؤنے‘ بدبودار اور مردار کی طرح سمجھنے لگے اور خاص کر ہم جیسے کمزور خلقت اور ضعیف طبیعت سے تو ایسا ہو ہی نہیں سکتا؟

جواب: یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ جسے اپنی خاص توفیق سے نوازتا ہے اور جسے دنیا کی آفتوں اور اس کی حقیقی نجاستوں کا یقین ہوجائے تو اس کے نزدیک دنیا بالکل حقیر و ذلیل ہوجاتی ہے مگر جو لوگ دنیا کے طلب گار ہیں اور دنیا کے عیوب و نقائص اور اس کی آفتوں سے اندھے ہیں اور دنیا کی ظاہری زیب و زینت سے دھوکہ کھاجاتے ہیں وہ دنیا کے متعلق ایسا ہی تعجب کرتے ہیں اور دنیا کو حقیر سمجھنا تو درکنار حقیر سمجھنے والے ہی کو حقیر و بیوقوف سمجھتے ہیں اس چیز کو ایک مثال سے واضح کرتا ہوں کہ جس سے دنیا کی حقیقت تم پر روشن اور عیاں ہوجائے گی۔

ایک شخص نے حلوے کے سارے لوازمات (میوہ جات وغیرہ) ڈال کر انتہائی عمدہ اور نفیس حلوہ تیار کیا لیکن تیار کرنے کے بعد اس میں زہر قاتل کا ایک قطرہ بھی ڈال دیا زہر ڈالتے وقت ایک شخص نے دیکھ لیا تھا مگر دوسرا شخص اس طرف متوجہ نہیں تھا پھر جب یہ حلوہ دونوں آدمیوں کے سامنے خوب اچھی طرح سجا کر کھانے کے لئے پیش کیا گیا تو جسے زہر کی ملاوٹ کا علم ہے وہ ہرگز یہ حلوہ کھانے کی رغبت نہیں کرے گا بلکہ اس کے دل میں اس حلوہ کھانے کا وسوسہ و خیال بھی پیدا نہ ہوگا اور یہ حلوہ اس کے نزدیک آگ کی طرح ہوگا بلکہ اس سے بھی زیادہ مشکل و دشوار ہوگا کیونکہ وہ مہلک راز سے باخبر ہے تو وہ اس کی ظاہری آب و تاب اور عمدگی سے ہرگز ہرگز دھوکہ نہیں کھا سکتا مگر دوسرا شخص کہ جس کو زہر کی آمیزش کا علم ہی نہیں ہے وہ تو اس کی ظاہری زیب و زینت اور عمدگی دیکھ کر دھوکہ میں آجائے گا اور حرص و لالچ کی وجہ سے صبر نہ کر

سکے گا اور حلوہ کھانے پر ٹوٹ پڑے گا اور ساتھ ہی ساتھ اپنے ساتھی پر حلوے سے نفرت کی وجہ سے تعجب بھی کرے گا بلکہ اسے احمق و بیوقوف خیال کرے گا۔

یہ دنیا کی حرام چیزوں کی مثال ہے ان لوگوں کے لئے جو بصیرت و استقامت کے ساتھ شریعت مطہرہ کے پابند ہیں اور ان لوگوں کے لئے بھی جو حرام کے نقصانات سے بے خبر ہیں لیکن اہل بصیرت حرام سے سخت متنفر ہیں اور جہلاء اس کی طرف راغب ہیں۔

اور اگر حلوہ بنانے والے نے حلوے میں زہر نہ ڈالا ہو بلکہ اس میں تھوک دیا ہو یا اس میں ناک کی رینٹھ ڈال دی ہو پھر اوپر سے اچھی طرح آراستہ و مزین کر کے پیش کیا ہو تو جو آدمی اس حرکت کو دیکھ رہا ہو تو وہ شخص اس حلوے سے گھن اور نفرت کرے گا بغیر سخت ضرورت اور حاجت شدیدہ کے اسے کھانے پر کسی حال میں راضی نہ ہوگا لیکن جو شخص اس حرکت و کاروائی سے بے خبر و ناآشنا ہوگا تو وہ اس کی ظاہری نفاست اور عمدگی سے متاثر ہوکر خوشی خوشی کھانے پر ٹوٹ پڑے گا۔ تو یہ دوسری مثال دنیا کی حلال چیزوں کی ہے جو اہل بصیرت و استقامت اور اہل رغبت و غفلت کے لئے ہے مگر اہل بصیرت اسے ضرورت سے زیادہ نہیں استعمال کرتے اور غافل اسے رغبت کے ساتھ کھاتے ہیں حالانکہ یہ دونوں قسم کے لوگ خلقت و طبیعت میں برابر ہیں لیکن ایک نے بصیرت و علم حاصل کیا اور دوسرے نے جہالت و سرکشی اختیار کی تو اس کی وجہ سے ان دونوں کے کاموں میں کتنا فرق ہوگیا اگر اس غفلت میں رہنے والے شخص کو اس اہل بصیرت کی طرح زہر کی ملاوٹ کا علم ہوتا تو یہ بھی اس کی طرح ہرگز نہ کھاتا اور اسی طرح اگر اس اہل بصیرت کو زہر کی آمیزش کا علم نہ ہوتا تو وہ بھی اس جاہل و بے خبر کی طرح بلا تامل حلوہ چٹ کر جاتا اس مثال سے تمہیں بخوبی معلوم ہوگیا ہوگا کہ یہ فرق

خلقت وطبیعت کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ بصیرت اور علم کی بنیاد پر ہے لہٰذا واضح ہو گیا کہ یہی مثال مذکور مفید اور صحتِ کلام کی اصل بنیاد ہے جس کی صحت کا ہر ادنیٰ سے ادنیٰ عقل رکھنے والا اور ہر انصاف پسند اعتراف کر لے گا اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہدایت وتوفیق عطا فرمانے والا ہے۔

سوال: کچھ نہ کچھ ہمیں دنیا کی بھی تو ضرورت و حاجت ہے تاکہ ہمیں طاقت وقوت حاصل ہو تو دنیا سے بالکل علیحدگی کیسے ہو سکتی ہے؟

جواب: یہاں زہد و علیحدگی کا مطلب یہ ہے کہ فضول و بے کار چیزیں جن کی ضرورت نہیں ان چیزوں سے بچا جائے اور گریز کیا جائے لہٰذا مقصود بالذات صرف طاقت و قوت حاصل کرنا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کر سکے صرف کھانا پینا اور لذت حاصل کرنا مقصود نہیں اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو تمہیں کسی چیز وسبب ظاہری پر زندہ رکھے اور اس پر بھی اسے قدرت ہے کہ بغیر کسی ظاہری سبب کے زندہ رکھے جیسے فرشتے علیہم السلام ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں مادی اسباب و ذرائع کے بغیر ہی زندہ رکھا ہے پھر اللہ تعالیٰ اس پر بھی قادر ہے کہ اگر وہ چاہے تو تمہیں تمہاری کمائی کے موجودہ اسباب کے ذریعے زندہ رکھے یا بغیر کوشش تمہارے لئے ایسی چیزیں مہیا فرما دے جن کا تمہیں وہم وگمان بھی نہ ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَمَنۡ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجۡعَلۡ لَّہٗ مَخۡرَجًا ۙ وَّ یَرۡزُقۡہُ مِنۡ حَیۡثُ لَا یَحۡتَسِبُ ؕ (پ۲۸ سورۃ الطلاق آیت ۲) اللہ سے ڈرے (اس کا حکم بجالائے اور منہیات سے بچے) تو اللہ تعالیٰ اسکے لئے نجات کی راہ نکال دے گا اور اسے وہاں سے رزق عطا فرمائیگا جہاں سے اس کا وہم وگمان بھی نہیں ہوگا۔

لہٰذا جب تم تقویٰ و پرہیز گاری اختیار کرو گے تو تمہیں زندہ رہنے کے لئے طلب دنیا کی

ضرورت ہی نہ ہوگی اور اگر تم زہد وتقویٰ کے اس مرتبہ پر نہ پہنچ سکو تو تم دنیا کو توشۂ آخرت اور تقویٰ و پرہیز گاری کی نیت سے طلب کرو شہوت و لذت کی غرض سے حاصل نہ کرو اس لئے کہ جب تم زہد وتقویٰ کی نیت سے حاصل کرو گے تو یہ حصولِ دنیا بھی نیکی اور طلب آخرت ہی شمار ہوگی اور در حقیقت طلب دنیا نہیں بلکہ آخرت کی طلب سمجھی جائے گی اور اس طرح تمہارے زہد و کنارہ کشی میں نکتہ چینی کی کوئی گنجائش نہ ہوگی ان مذکورہ تمام باتوں کو خوب اچھی طرح ذہن نشین کرلو اور اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔

عبادت الٰہیہ میں دوسری رکاوٹ مخلوق سے میل جول ہے

پھر تم پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے مخلوق سے علیحدگی وتنہائی بھی اختیار کرنا لازم وضروری ہے مخلوق سے علیحدگی کی دو وجہ ہے۔

(۱) پہلی وجہ یہ ہے کہ مخلوق تمہیں اللہ عزوجل کی عبادت سے روکتی ہے چنانچہ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں ایک جماعت کے پاس سے گزرا جو تیر اندازی میں مشغول تھی اور ان میں سے ایک شخص ان سے تھوڑی دور بیٹھا ہوا تھا تو میں نے اس سے گفتگو کرنی چاہی تو اس نے کہا کہ میں اللہ کے ذکر میں مشغول رہنا تم سے گفتگو کرنے سے بہتر سمجھتا ہوں پھر میں نے اس سے کہا کہ تم یہاں اکیلے کیوں بیٹھے ہو؟ تو اس نے جواب دیا کہ میں اکیلا نہیں ہوں بلکہ میرے ساتھ میرا ایک پروردگار اور دو کراما کاتبین بھی ہیں پھر میں نے اس سے پوچھا کہ ان تیر اندازوں میں کون بہتر ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ جس کی مغفرت فرمادے اس کے بعد میں نے پوچھا کونسا راستہ سیدھا ہے؟ تو اس نے ہاتھ سے آسمان کی طرف اشارہ کیا اور مجھے چھوڑ کر کھڑا ہو گیا اور

کہنے لگا اے میرے پروردگار! تیری اکثر مخلوق مجھے تیرے ذکر سے غافل کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ مخلوق سے روابط و تعلقات اللہ تعالیٰ کی عبادت سے غافل کر دیتے ہیں بلکہ عبادت سے روک دیتے ہیں بلکہ بعض اوقات ہلاکت و برائی میں مبتلا کر دیتے ہیں چنانچہ حضرت ابو عبد الرحمن حاتم بن علوان اصم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: میں نے مخلوق سے پانچ چیزوں کا مطالبہ کیا مگر مخلوق نے ان میں سے ایک بھی پورا نہ کیا (۱) میں نے مخلوق سے طاعت الٰہیہ اور زہد کا مطالبہ کیا مگر وہ بھی نہ کر سکی (۲) میں نے ان سے کہا کہ زہد و اطاعت میں میری مدد ہی کر و تو وہ مدد بھی نہ کر سکی (۳) میں نے کہا کہ تم میرے ان کاموں (زہد و اطاعت) پر مجھ سے راضی ہی ہو جاؤ۔ مگر وہ راضی نہ ہوئی بلکہ ناراض ہو گئی (۴) میں نے کہا کہ اچھا تو کم از کم مجھے زہد و اطاعت سے منع نہ کرو مگر وہ روکنے اور منع کرنے سے باز نہ آئی (۵) پھر آخیر میں میں نے کہا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف نہ بلاؤ اور اگر میں تمہاری پیروی نہ کروں تو تم میرا پیچھا نہ کرو مگر انہوں نے میری اس بات کو بھی نہ مانا۔ جب لوگوں سے میرا کوئی مقصد حاصل نہ ہوا تو میں سب سے علیحدہ ہو کر خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول و مصروف ہو گیا۔

اے میرے پیارے بھائیو! نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گوشہ نشینی کی حقیقت اور اس کے زمانے اور اس زمانہ والوں کے اوصاف کی بخوبی وضاحت فرمادی ہے اور ساتھ ہی ساتھ اس زمانہ میں گوشہ نشینی اور تنہائی کا حکم بھی بیان فرمادیا ہے لہٰذا جب وہ زمانہ آجائے تو مخلوق سے بالکل کنارہ کشی اختیار کر لینا ورنہ تمہارا دین و دنیا اور آخرت سب کچھ تباہ و برباد ہو جائیگا اور یہ بات بھی واضح رہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امت کے دینی و دنیاوی

تمام مصالح قطعی طور پر بخوبی جانتے ہیں اور آپ ہم سے زیادہ ہمارے خیر خواہ ہیں لہٰذا جب تم وہ زمانہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیان کردہ اوصاف کے مطابق پاؤ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کی تعمیل میں سبقت کرو اور آپ کی نصیحت عظمیٰ پر عمل کرو اس بات میں شک وشبہ بھی نہ کرو کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہاری ہر بھلائی کو تم سے بہتر جانتے ہیں (یہ خیال نہ کرو کہ ہم اپنی بھلائی حضور سے زیادہ بہتر جانتے ہیں) اور جھوٹی و بیہودہ تاویلات کر کے اپنے نفس کو دھوکہ نہ دو اور حیلے بہانے کر کے اپنے دل کو نہ بہلاؤ اگر تم اس پر فتن دور میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کی تعمیل نہ کرو گے اور اپنے نفس کو دھوکہ میں رکھو گے تو تم تباہ و برباد ہو جاؤ گے اور آخرت میں تمہارا کوئی عذر نہیں سنا جائے گا۔

وہ اوصاف جن کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے وہ اس حدیث مشہور میں مذکور ہیں جو حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں: بَیْنَا نَحْنُ حَوْلَ النَّبِیِّ ﷺ اِذْ ذُکِرَتِ الْفِتْنَۃُ فَقَالَ: اِذَا رَاَیْتُمُ النَّاسَ مَرَجَتْ عُھُوْدُھُمْ وَ خَفَّتْ اَمٰنٰتُھُمْ وَ کَانُوْا ھٰکَذَا وَشَبَّکَ بَیْنَ اَصَابِعِہٖ قُلْتُ: مَا أَصْنَعُ عِنْدَ ذٰلِکَ جَعَلَنِیَ اللہُ فِدَائَکَ؟ قَالَ: اَلْزِمْ بَیْتَکَ وَ أَمْلِکْ عَلَیْکَ لِسَانَکَ وَ خُذْ مَا تَعْرِفُ وَ دَعْ مَا تُنْکِرُ وَ عَلَیْکَ بِأَمْرِ الْخَاصَّۃِ وَدَعْ عَنْکَ أَمْرَ الْعَامَّۃِ

(۱) ایک دفعہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ فتنوں کا تذکرہ ہو رہا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب تم لوگوں کو دیکھو کہ وہ وعدہ خلافی کرنے لگیں اور امانتوں میں خیانت کرنے لگیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں داخل کر کے فرمایا کہ جب لوگ اس طرح آپس میں بے جا مخلوط

ہو جائیں حضرت عبداللہ ابن عمرو فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ پر میری جان قربان ہو اس وقت میں کیا کروں؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تو اس وقت ضرورتِ شدیدہ کے بغیر گھر سے باہر نہ نکلو اور اپنی زبان کو قابو میں رکھو اور نیک کام اختیار کرو اور برائی سے بچتے رہو اور مخلوق سے کنارہ کشی اختیار کرلو اور عام لوگوں سے میل جول ختم کردو۔

(۲) ایک دوسری روایت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زمانہ کے فتنوں کا اس طرح بیان فرمایا ہے: ذٰلِكَ أَيَّامَ الْهَرَجِ قِيْلَ: وَ مَا أَيَّامُ الْهَرَجِ؟ قَالَ: حِيْنَ لَا يَأْمَنُ الرَّجُلُ جَلِيْسَهُ یہ فتنوں اور خونریزی کے دن ہیں۔ عرض کیا گیا فتنوں کے دن کونسے ہیں؟ آپ نے فرمایا جب کوئی آدمی اپنے ساتھی سے بے خوف و مطمئن نہ ہو۔

(۳) ایک اور مقام پر حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حارث بن عمیرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اِنْ يُّدْفَعْ عَنْ عُمُرِكَ فَسَيَأْتِي عَلَيْكَ زَمَانٌ كَثِيْرٌ خُطَبَاؤُهُ قَلِيْلٌ عُلَمَائُهُ كَثِيْرٌ سُؤَّالُهُ قَلِيْلٌ مُعْطُوْهُ الْهَوٰى فِيْهِ قَائِدُ الْعِلْمِ قَالَ: وَ مَتٰى ذَاكَ؟ قَالَ اِذَا اُمِيْتَتِ الصَّلَاةُ وَ قُبِلَتِ الرِّشَا وَ يُبَاعُ الدِّيْنُ بِعَرَضٍ يَسِيْرٍ مِنَ الدُّنْيَا وَ النَّجَاءَ النَّجَاءَ وَيْحَكَ ثُمَّ النَّجَاءَ اگر تمہاری عمر نے وفا کی تو تم پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ جس میں مقررین و واعظین بہت ہوں گے اور عالم بہت کم ہوں گے بھکاری اور سوال کرنے والوں کی کثرت ہوگی لیکن دینے والوں کی بہت کمی ہوگی خواہش علم کا قائد و رہبر ہوگی۔ حضرت حارث بن عمیرہ نے عرض کیا یہ زمانہ کب آئے گا؟ آپ نے فرمایا جب نماز کی (لوگوں کے دلوں میں) اہمیت و پرواہ نہ ہوگی

اور رشوتوں کا بازار گرم ہو جائے گا اور دین کو دنیا کی حقیر اور معمولی چیزوں کے بدلے بیچ دیا جائے گا لہٰذا ایسے وقت میں دنیا سے علیحدہ رہنا چاہئے یہ لفظ تین مرتبہ فرمایا۔

میں (امام غزالی) کہتا ہوں احادیث مبارکہ میں جو کچھ ذکر کیا گیا ہے وہ سب کچھ تم اس وقت اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو لہٰذا کم از کم تم اپنے آپ کو ان فتنوں سے بچاؤ (حضرت امام غزالی ۵۰۰ھ پانچویں صدی ہجری کی بات بیان کر رہے ہیں اور اب پندرھویں صدی ہجری کا حال بھی آپ کے سامنے ہے جو انتہائی بدترین دور ہے لہٰذا اس دور میں تو مخلوق سے علیحدگی اور زیادہ لازم اور ضروری ہے۔ مترجم)

پھر سلف صالحین واہل بصیرت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے متفقہ طور پر اپنے اپنے زمانوں میں ایسے خراب و بدترین وقت کے لوگوں سے بچنے اور ان سے علیحدہ رہنے کی سخت تاکید فرمائی اور لوگوں سے جدا رہنے کا حکم دیا اور اس کی وصیت بھی فرمائی ہے اور بلاشبہ یہ لوگ بہت زیادہ بصیرت والے اور بہت زیادہ نصیحت کرنے والے تھے اور اس میں شک نہیں کہ ان کے بعد کا زمانہ ان کے زمانے سے بہتر نہیں بلکہ انتہائی بدترین اور تلخ زمانہ ہے۔

حضرت یوسف بن اسباط رضی اللہ عنہ سے یہی مروی ہے کہتے ہیں میں نے حضرت سفیان ثوری رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا ہے جو اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ اس زمانے میں دنیا سے علیحدگی اور تنہائی جائز و حلال ہے میں (امام غزالی) کہتا ہوں اگر ان کے دور میں جائز تھی تو ہمارے دور میں فرض و واجب ہوگئی۔ حضرت سفیان ثوری رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عبّاد الخواص علیہ الرحمہ کو لکھا۔ ہدیہ سلام مسنون وغیرہ کے بعد! تم ایسے زمانے میں ہو جس سے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم اللہ کی پناہ مانگتے

تھے کہ کہیں یہ زمانہ ان کی موجودگی میں نہ آجائے جب کہ وہ لوگ ہم لوگوں سے زیادہ علم وفضل کے مالک تھے اب ہمارا کیا حال ہوگا جب کہ ہم اس خطرناک ونازک زمانہ میں ہیں اور ہم ان سے علم میں بھی کم ہیں اور صبر میں بھی بہت کم ہیں اور نیکی پر مدد و اعانت کرنے والوں کی تعداد بھی کم ہے اور دنیا میں اس وقت کی بہ نسبت اس وقت تباہی و بربادی اور خرابی زیادہ ہوگئی ہے اور لوگوں میں فتنہ وفساد وسرکشی زیادہ آگئی ہے اسی لئے امیر المومنین فاروق اعظم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: فِی الْعُزْلَةِ رَاحَةٌ مِّنْ خُلَطَاءِ السُّوْءِ بروں کی صحبت سے کنارہ کشی اور تنہائی زیادہ بہتر ہے اور اسی میں راحت وسکون بھی ہے۔

اور اسی کے ہم معنی یہ اشعار بھی کہے گئے ہیں۔

هٰذَا الزَّمَانُ الَّذِیْ كُنَّا نُحَاذِرُهُ
فِیْ قَوْلِ كَعْبٍ وَ فِیْ قَوْلِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ

ہمارا یہ زمانہ وہی ہے جس سے ہمیں حضرت کعب اور حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہما کے قول کے مطابق ڈرایا گیا ہے۔

دَهْرٌ بِهِ الْحَقُّ مَرْدُوْدٌ بِاَجْمَعِهٖ
وَ الظُّلْمُ وَ الْبَغْیُ فِیْهِ غَیْرُ مَرْدُوْدٍ

یہ ایسا زمانہ ہے کہ جس میں حق تو بالکل نیست و نابود ہے اور ظلم وسرکشی مقبول عام اور پسندیدہ ہے۔

اَعْمٰی اَصَمُّ مِنَ الْاَزْمَانِ مُلْتَبِسٌ
فِیْهِ لِاِبْلِیْسَ تَصْوِیْبٌ وَ تَصْعِیْدُ

اس زمانہ میں دین سے اندھے بہرے سارے ہی مسلمانوں میں مل جل گئے ہیں اور اس وقت ابلیس لعین کو سچا اور بلند مرتبہ مانا جاتا ہے۔

اِنْ دَامَ ھٰذَا وَ لَمْ یَحْدُثْ لَہٗ غَیْرٌ
لَمْ یُبْکَ مَیِّتٌ وَ لَمْ یُفْرَحْ بِمَوْلُوْدٍ

اگراس زمانے کی یہی حالت رہی اوراس میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی تو نہ کسی مرنے والے پرغم وافسوس کا اظہار کیا جائے گا اور نہ کسی پیدا ہونے والے پر خوشی ومسرت ہوگی۔

میں (امام غزالی) نے سنا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سفیان بن عیینہ رضی اللہ عنہ نے حضرت سفیان ثوری رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ مجھے کچھ نصیحت فرمائیے؟ حضرت سفیان ثوری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لوگوں سے میل جول کم کرو اور تعلقات کم رکھو۔حضرت سفیان بن عیینہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے کیا یہ حدیث شریف میں نہیں آیا کہ لوگوں سے تعارف وتعلقات بڑھاؤ اس لئے کہ ہر مؤمن کو شفاعت کا حق حاصل ہوگا تو ایک مؤمن دوسرے کی شفاعت کرے گا تو حضرت سفیان ثوری رضی اللہ عنہ نے ان کے جواب میں فرمایا تمہارے متعلق میرا غالب گمان یہی ہے کہ تمہیں جتنی تکلیف واذیت پہنچی ہوگی وہ کسی دوست واحباب ہی سے پہنچی ہوگی حضرت سفیان بن عیینہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے کہا ہاں پھر حضرت سفیان ثوری رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوگیا اللہ تعالیٰ ان پر رحمت نازل فرمائے۔حضرت سفیان بن عیینہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے ان کے انتقال کے بعد ان کو خواب میں دیکھا کہ وہ بلند مرتبہ پر فائز ہیں تو میں نے کہا کہ اے ابوعبداللہ! (یہ سفیان ثوری کی کنیت ہے) مجھے کچھ نصیحت فرمائیے تو پھر یہی فرمایا جہاں تک ہوسکے لوگوں سے میل جول اور تعلقات کم رکھو اس لئے کہ لوگوں سے چھٹکارا حاصل کرنا بہت

مشکل ہے۔

اور اس حدیث کے مضمون کو اشعار میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

وَ مَا زِلْتُ مُذْ لَاحَ الْمَشِیْبُ بِمَفْرَقِی
اُفَتِّشُ عَلٰی ھٰذَا الْوَرٰی وَ اُکَشِّفُ

اور میں لوگوں کے حالات کی تفتیش اور تعارف و تعلقات بڑھانے میں مسلسل مصروف رہا یہاں تک کہ میں بڑھاپے کو پہنچ گیا۔

فَمَا اَنْ عَرَفْتُ النَّاسَ اِلَّا ذَمَمْتُھُمْ
جَزَی اللهُ خَیْرًا کُلَّ مَنْ لَسْتُ اَعْرِفُ

تو میری جن سے جان پہچان ہوئی میں نے ان کی برائی ہی کی اللہ تعالیٰ ہر شخص کو نیک و اچھا بدلہ دے جنہیں میں نہیں جانتا۔

وَ مَا لِیَ ذَنْبٌ اَسْتَحِقُّ بِهِ الْجَفَا
سِوَی اَنَّنِیْ اَحْبَبْتُ مَنْ لَیْسَ یُنْصِفُ

اور میرا کوئی گناہ نہیں کہ جس کی وجہ سے میں مذمت کا مستحق ہوں سوائے اس کے کہ میں نے ان کو اپنا دوست بنایا جو عدل و انصاف سے بالکل بے خبر ہیں۔

حضرت سفیان بن عیینہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہا جاتا ہے کہ حضرت سفیان ثوری رضی اللہ عنہ کے مکان کے دروازے پر لکھا ہے ''اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جزاء خیر عطا فرمائے جن کو ہم نہیں پہچانتے'' مگر ہمارے دوست و احباب کو کوئی بھلائی عطا نہ فرما اس لئے کہ ہمیں جو بھی تکلیف و اذیت پہنچی وہ دوستوں ہی سے پہنچی ہے۔

اور اسی مفہوم کے یہ دو اشعار بھی کہے گئے ہیں۔

جَزَی اللّٰہُ عَنَّا الْخَیْرَ مَنْ لَیْسَ بَیْنَنَا
وَ لَا بَیْنَہٗ وُدٌّ وَ لَا نَتَعَارَفُ

اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جزائے خیر عطا فرمائے جن سے ہماری کوئی دوستی اور تعارف نہیں

فَمَا صَابَنَا ھَمٌّ وَ لَا نَالَنَا اَذًی
مِنَ النَّاسِ اِلَّا مَنْ نَوَدُّ وَ نَعْرِفُ

اس لئے کہ ہمیں جو بھی غم اور تکلیف پہنچی ہے وہ اپنے ہی دوست واحباب سے پہنچی ہے

حضرت فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہ ایسا پرفتن دور ہے کہ اس میں اپنی زبان کو محفوظ رکھو اور اپنے مرتبہ کو کمتر سمجھو اور اپنے دل کا علاج اور اصلاح کرو اور بھلائی اختیار کرو اور برائی سے بچو۔

حضرت سفیان ثوری رضی اللہ عنہ اپنے زمانے کا اس طرح تذکرہ فرماتے ہیں: یہ خاموشی اختیار کرنے اور گھر کی چہاردیواری کے اندر رہنے اور موت تک معمولی معاش پر قناعت اور گزربسر کرنے کا زمانہ ہے اور اسی میں بھلائی اور بہتری ہے۔

حضرت داؤد بن نصیر طائی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: دنیا سے روزہ (جدائی) رکھو اور آخرت میں اس روزہ سے افطار کرو اور لوگوں سے اس طرح بھاگو جس طرح شیر سے بھاگا جاتا ہے۔

حضرت ابوعبیدہ قاسم بن سلام رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: میں نے کسی بھی حکمت والے کو نہیں دیکھا مگر انہوں (حکیم) نے اپنی گفتگو کے آخر میں یہی فرمایا کہ اگر تم پسند کرتے ہو کہ تم لوگوں میں مشہور ومعروف نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کے وہاں تمہارا کچھ مقام ومرتبہ ہوگا۔

اس قسم کے بے شمار واقعات اور اس قدر روایتیں ہیں کہ ان کو اس مختصر کتاب میں بیان

کرنے کی گنجائش نہیں ہم نے اس کے واقعات اور مضامین کی ایک علیحدہ مستقل کتاب تصنیف کر دی ہے جسکا نام اخلاق الابرار و النجاۃ من الاشرار رکھا ہے لہٰذا اس کا مطالعہ کرو تو تمہیں اس کتاب میں عجیب و غریب واقعات معلوم ہوں گے اور عقلمند کو تو صرف اشارہ ہی کافی ہے اور اللہ تعالیٰ ہدایت و توفیق کا عطا فرمانے والا ہے۔

مخلوق سے علیحدگی اور تنہائی کی دوسری وجہ: مخلوق سے علیحدگی کی دوسری وجہ یہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ مخلوط رہو گے تو تمہاری عبادت و طاعت تباہ و برباد ہو جائے گی سوائے چند ایک کے کہ جن کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے محفوظ رکھا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ تم لوگوں میں رہ کر ریا و نمائش اور زیب و زینت میں مبتلا ہو جاؤ گے۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رضی اللہ عنہ نے کیا ہی عمدہ اور سچی بات فرمائی ہے: لوگوں سے ملنا ریاء کا بستر ہے۔ اور سلف صالحین و بزرگان دین نے ریاء اور زینت کے ڈر سے لوگوں سے ملنا جلنا بالکل ترک کر دیا ہے۔

روایتوں میں ہے کہ حضرت ہرم بن حیان نے حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ سے عرض کیا ہمیں اپنی ملاقات سے مشرف فرمایئے تو انہوں نے فرمایا میں نے تمہیں اپنے ساتھ ملاقات و زیارت سے بھی زیادہ منفعت بخش چیز کے ذریعے ملا رکھا ہے اور وہ تمہاری غیر موجودگی میں تمہارے حق میں دعائے خیر کرنا ہے اس لئے ملاقات و زیارت کرنا بہتر نہیں کہ اس سے ریاء و نمائش اور زینت وغیرہ پیدا ہوتی ہے۔

جب حضرت ابراہیم بن ادہم رضی اللہ عنہ حضرت سلیمان الخواص رضی اللہ عنہ کے شہر میں تشریف لائے تو لوگوں نے حضرت سلیمان الخواص رضی اللہ عنہ سے کہا آپ حضرت ابراہیم علیہ الرحمہ سے ملاقات کے لئے کیوں نہیں تشریف لے جاتے۔ حضرت سلیمان الخواص علیہ الرحمہ نے

جواب دیا ابراہیم بن ادہم سے میں اس لئے ملاقات نہیں کرنے جاتا کہ میں اس کی نسبت سرکش شیطان سے ملاقات کرنے کو زیادہ پسند کرتا ہوں۔اس جواب سے لوگوں کو بہت برا لگا اور ناگوار معلوم ہوا تو حضرت سلیمان نے فرمایا مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ اگر میں ان سے ملاقات کروں تو ان کے ساتھ گفتگو میں ان کے لئے زینت ونمائش نہ بن جاؤں اور اگر شیطان کو دیکھوں تو اس سے بچنے اور اس سے پناہ کی تدبیر کروں گا۔

ایک مرتبہ میرے (امام غزالی علیہ رحمۃ الباری) شیخ حضرت امام ابوبکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کسی عارف باللہ سے ملاقات ہوئی دونوں ایک دوسرے سے کافی دیر تک مصروف گفتگو رہے پھر دونوں نے گفتگو کے اختتام پر ایک دوسرے کے لئے دعائے خیر فرمائی اور رخصت ہوتے وقت میرے شیخ نے اس امام عارف باللہ سے کہا مجھے آج کی اس مجلس سے زیادہ بہترین اور امید افزا مجلس نہیں میسر آئی عارف کامل نے جواب دیا لیکن میں کسی مجلس میں نہیں بیٹھا کہ ان مجلس والوں کو میری اس مجلس سے زیادہ خوف ہوا ہو کیا ہم دونوں دوران گفتگو اپنے اپنے کلام کو مزین کرنے اور اپنے اپنے علوم کو ایک دوسرے پر ظاہر کرنے کی کوشش نہیں کر رہے تھے اور کیا ہم اس طرح ریاء میں مبتلا نہیں ہو گئے؟ عارف کامل کی یہ گفتگو سن کر میرے شیخ حضرت امام ابوبکر وراق رونے لگے یہاں تک کہ ان پر غشی طاری ہو گئی پھر اس واقعہ کے بعد مندرجہ ذیل اشعار بار بار گنگناتے رہتے تھے۔

يَا وَيْلَتَا مِنْ مُوَفِّقٍ مَّا بِهٖ
اَخْوَفُ مَنْ يَعْدِلُ الْحَاكِمُ

ہائے افسوس! ایسی توفیق جس کے ذریعے حاکم حقیقی سے انصاف کی درخواست کرنے

والے کو زیادہ خوف ہو۔

اُبَارِزُ اللّٰہَ بِعِصۡیَانِہٖ
وَ لَیۡسَ لِیۡ مِنۡ دُوۡنِہٖ رَاحِمُ

میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے اس کے عذاب کو دعوت دیتا ہوں حالانکہ اس کے سوا مجھ پر کوئی رحم فرمانے والا نہیں ہے۔

یَا رَبِّ عَفۡوًّا مِنۡكَ عَنۡ مُذۡنِبٍ
اَسۡرَفُ اِلَّا اَنَّہٗ نَائِمٌ

اے میرے پروردگار! میں اپنے تمام گناہوں کی معافی کا طلبگار و خواستگار ہوں اگرچہ میں نے گناہ کر کے ظلم کیا ہے مگر میں اپنے گناہوں پر نادم و شرمندہ ہوں۔

یَقُوۡلُ فِیۡ اللَّیۡلِ اِذَا مَا دَجٰی
آھًا لِذَنۡبٍ سَتَرَ

جب ساری کائنات میں رات کی تاریکی چھا جاتی ہے تو پھر میں بارگاہ الٰہی میں گریہ و زاری کرنے لگتا ہوں جس نے میرے گناہوں پر پردہ ڈال رکھا ہے۔

یہ تو ان زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت والوں کی ملاقات کا حال ہے جو زہد اور تقویٰ اور عبادت و ریاضت میں اپنی مثال آپ تھے تو دنیا داروں اور سرکش و بیہودہ لوگوں بلکہ شریروں اور جاہلوں کا کیا حال ہوگا اس کا تم خود اندازہ لگا لو۔

اے میرے عزیز بھائیو! اللہ تعالیٰ تمہیں ہدایت عطا فرمائے یقیناً یہ زمانہ (امام غزالی کا زمانہ) اعتقادی اور عملی فسادات کا گہوارا بن چکا ہے۔ اور لوگ انتہائی نقصان و ضرر میں مبتلا ہو گئے ہیں یہ سب چیزیں تمہیں اللہ تعالیٰ کی عبادت سے بے پرواہ کر دیں گی بلکہ

تمہیں عبادت سے روکنے کی بھرپور کوشش کریں گی یہاں تک کہ ان میں سے تمہیں کوئی چیز بھی نہیں مل سکتی بلکہ تمہاری سابقہ تمام نیکیاں ضائع و برباد ہو جائیں گی اس لئے دنیا سے کنارہ کشی اور گوشہ نشینی تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے اور اس کے بغیر چارہ نہیں ہے اس زمانہ کے شر اور اس زمانے کے لوگوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو اور بے شک اللہ تعالیٰ ہی اپنے فضل و کرم سے حفاظت فرمانے والا ہے۔

گوشہ نشینی اور اس کی حدو طبقات کا حکم

سوال: لوگوں سے علیحدگی اور تنہائی اختیار کرنے کا کیا حکم ہے۔ اور اس سلسلے میں لوگوں کے کتنے طبقات ہیں۔ اور تنہائی کی حدو مقدار جو ہمارے لئے لازم وضروری ہے یانہیں بیان فرمائیں۔

جواب: تنہائی کے اعتبار سے لوگوں کے دو طبقے ہیں

پہلا طبقہ: وہ لوگ جو نہ عالم ہوں اور نہ حاکم ظاہر ہے کہ مخلوق کو ایسے لوگوں کی ضرورت نہیں لہٰذا ایسے لوگوں کو مخلوق سے جدا اور علیحدہ رہنا بہتر ہے صرف جمعہ، جماعت، عید، حج، دینی مجلس میں شرکت کیا کریں اور معیشت کے لئے بقدر ضرورت میل جول اور تعلقات رکھیں اس کے علاوہ اوقات میں لوگوں سے بالکل جدا اور الگ رہیں کسی کو جاننے پہچاننے اور پہچانے جانے کی کوشش نہ کریں۔

پھر اگر ایسا آدمی کسی مصلحت کی وجہ سے لوگوں سے بالکل ہی علیحدہ رہنا پسند کرے تو کسی معاملے میں لوگوں سے قطعاً نہ ملے خواہ وہ دینی ہوں یا دنیاوی، جماعت ہو یا جمعہ وغیرہا اور ایسے شخص کو لوگوں سے علیحدگی اختیار کرنے کے لئے مندرجہ ذیل دو وجہوں سے ایک وجہ کا ہونا ضروری ہے۔

(۱) یا تو آبادی سے اتنی دور چلا جائے کہ اس پر یہ فرائض یعنی جمعہ، جماعت وغیرہ عائد نہ ہوتے ہوں (علیحدگی کی جگہیں یہ ہیں) مثلاً پہاڑوں کی چوٹیاں اور دور دراز کی گھاٹیاں وغیرہ بعض بزرگوں کے آبادی سے دور دراز مقامات پر جانے کی شاید یہی وجہ ہے۔

(۲) اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ایسے شخص کو اس بات کا یقین ہو جائے کہ ان فرائض (جمعہ و جماعت وغیرہ) کی ادائیگی کی وجہ سے لوگوں سے میل جول ہو گا جس سے نقصان پہنچے گا یہ فرائض کے ترک کرنے سے بھی زیادہ اہم ہے۔ تو اس وقت فرائض ترک کرنے میں معذور سمجھا جائے گا اور میں نے خود مکہ معظّمہ میں (اللہ تعالیٰ) اسے ہر حادثے سے محفوظ رکھے) بعض ایسے اہل علم مشائخ عظام کو دیکھا ہے جو مسجد حرام شریف کے بالکل قریب ہونے اور صحت و تندرستی کے باوجود نماز کی جماعت میں شریک نہیں ہوتے تھے تو میں نے ایک دن ان بزرگ سے جماعت میں شریک نہ ہونے کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے وہی وجہ بیان کی جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے یعنی جماعت میں حاضر ہونے کا جو ثواب ملتا ہے وہ مسجد تک جانے اور لوگوں سے ملنے جلنے میں جو گناہ و نقصان پہنچتا ہے ان گناہوں کے لئے کفایت نہیں کرتا۔

امام غزالی علیہ رحمۃ الباری فرماتے ہیں میں کہتا ہوں ان تمام معاملات میں معذور پر کوئی ملامت و برائی نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ عذر سے بخوبی واقف ہے اور وہ دلوں کے عزم اور ارادوں کو بخوبی جانتا ہے۔ لیکن سب سے بہتر اور عمدہ طریقہ یہ ہے کہ معذور مذکور لوگوں کے ساتھ جمعہ اور جماعت اور دیگر تمام امور خیر میں شریک ہو اور اس کے علاوہ لوگوں سے بالکل ہی علیحدہ اور جدا رہے اور اگر وہ دوسرا طریقہ پسند کرتا ہے یعنی لوگوں سے بالکل ہی جدا رہنا چاہے تو بہتر یہ ہے کہ آبادی سے اتنا دور چلا جائے کہ اس

پر یہ فرائض اور یہ احکام واجب وضروری نہ ہوں لیکن جو شخص شہر یا آبادی میں ہو تو اسے جمعہ اور جماعت ترک کرنا صحیح نہیں بلکہ گناہ ہے۔ یا پھر تیسرا طریقہ یہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ شہر ہی میں رہے اور کسی ایسے عذر کی وجہ سے جمعہ و جماعت میں شریک نہ ہو جو اسے گناہ میں مبتلا ہونے اور ہلاکت و بربادی کا سبب ہو تو اس میں انتہائی غور و خوض اور آفات عظیمہ کا ہونا ضروری (عذر شرعی) ہے تاکہ یہ فرائض اس شخص سے ساقط ہو جائیں لیکن اس طریقہ میں مغالطہ اور بدگمانی کا اندیشہ ہے لہٰذا پہلے دونوں طریقے اس شخص کے لئے زیادہ بہتر اور محفوظ ترین ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی اپنے فضل خاص سے ہدایت عطا فرمانے والا ہے۔

دوسرا طبقہ: وہ لوگ دینی پیشوا اور رہنما ہیں کہ لوگوں کو اپنے دینی معاملات میں انکی حاجت وضرورت پڑتی ہے اس لئے کہ بدعت وگمراہی کی تردید اور حق کو ثابت کرنے میں مصروف ہیں اور اپنے اقوال وافعال اور اوصاف حمیدہ سے بھلائی کی دعوت وتبلیغ کر رہے ہیں تو ایسے علماء وپیشوا کا لوگوں سے جدا ہونا جائز نہیں (اس لئے کہ تعلیم و تعلم اہم ترین عبادت ہے) بلکہ ایسے حضرات پر لازم وضروری ہے کہ لوگوں میں رہ کر وعظ و نصیحت کریں اور دین کی نشر و اشاعت کریں اور دشمنان اسلام اور باطل فرقوں کے پیدا کردہ شبہات کا جواب دیں اور اللہ کے احکام کا چرچا کریں اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: اِذَا ظَهَرَ الْبِدَعُ وَ سَكَتَ الْعَالِمُ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ جب بدعتیں اور خلاف شرع امور رائج و عام ہو جائیں اور عالم دین خاموش رہے تو ایسے عالم پر اللہ کی لعنت ہوتی ہے۔

یہ حکم اس وقت ہے جبکہ یہ پیشوا و مقتدا حضرات لوگوں میں موجود ہوں لیکن جب لوگوں

کے درمیان موجود نہ ہوں تو بھی لوگوں سے علیحدگی اور گوشہ نشینی جائز نہیں الغرض علماء و پیشوا کو کسی صورت میں لوگوں سے جدائیگی جائز نہیں۔

استاد ابو بکر محمد بن حسن بن فورک رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق منقول ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے لوگوں سے بالکل علیحدگی و تنہائی کا ارادہ کر لیا چنانچہ ابھی وہ کسی پہاڑ پر پہنچے ہی تھے کہ اچانک ایک آواز سنائی دی کہ اے ابو بکر! جب تم مخلوق پر اللہ تعالیٰ کی حجت و دلیل ہو تو تم نے اللہ تعالیٰ کے بندوں کو کیوں چھوڑ دیا پھر حضرت ابو بکر محمد بن فورک لوگوں میں واپس آ گئے اور اسی ندا کی وجہ سے انہوں نے اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے ساتھ صحبت اختیار کی۔ اور مجھ سے حضرت مامون بن احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ حضرت استاد ابو اسحاق ابراہیم بن محمد اسفرائینی رحمۃ اللہ علیہ نے لبنان کی پہاڑی کے گوشہ نشینوں سے فرمایا اے گھاس پھونس کھا کر گذر بسر کرنے والو! تم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کو گمراہوں کے شکنجہ و جنگل میں چھوڑ کر خود یہاں آ کر گھاس پھونس کھا رہے ہو۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہمیں لوگوں کے ساتھ رہنے کی طاقت و قوت نہیں اور اللہ رب العزت جل مجدہ نے آپ کو اس کی طاقت عطا فرمائی ہے اس لئے آپ لوگوں کے ساتھ رہ سکتے ہیں اس کے بعد حضرت استاد ابو اسحاق علیہ الرحمہ نے ایک کتاب بنام الجامع للجلی و الخفی تصنیف فرمائی۔ یہ علماء کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم (لبنان کی پہاڑی میں مقیم) جس طرح علم میں بے نظیر بے مثال تھے اسی طرح عمل کے میدان اور امور آخرت کی معرفت میں یکتا اور یگانہ نظر آتے ہیں واضح رہے کہ ایسے علماء و پیشوا کہ جن کے لوگ دینی مسائل کے لئے محتاج ہیں انہیں لوگوں کے لئے معاشرے میں رہنے میں دو چیزوں کی ضرورت ہے (۱) ایک صبر طویل، حلم

عظیم یعنی شدید مصیبت میں انتہائی تحمل و بردباری سے کام لینا اور لوگوں کو اچھی نگاہ سے دیکھنا اور اپنے تمام افعال و اقوال میں ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے سلامتی طلب کرتے رہنا (۲) دوسری چیز یہ ہے کہ وہ عالم باطن کے اعتبار سے لوگوں سے علیحدہ رہے اگرچہ ظاہری جسم کے اعتبار سے لوگوں کے ساتھ رہے اگر لوگ اس سے گفتگو کریں تو یہ بھی ان سے گفتگو کرے اور اگر لوگ اس سے ملاقات کے لئے آئیں تو حسب مراتب ان کے ساتھ عزت واحترام سے پیش آئے اور ان کا شکریہ ادا کرے اور اگر لوگ اس سے گفتگو نہ کریں اور اس سے اعراض کریں تو وہ اسے غنیمت جانے اور اگر لوگ حق و بھلائی کریں تو وہ ان کی مدد و اعانت کرے اور اگر لغو و بیہودگی اور برائیوں میں مبتلا ہوں تو انکی مخالفت کرے اور ان سے جدا رہے اور اگر اس کی ڈانٹ پھٹکار اور اس کے برے کاموں کی تردید کرنے سے لوگوں کے باز آنے کی امید ہو تو انہیں ڈانٹ پھٹکار بھی کرے پھر لوگوں کے تمام حقوق جو ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر ہوتے ہیں ادا کرتا رہے مثلاً تھوڑے تھوڑے دنوں میں ملاقات اور بیماروں کی عیادت کرتے رہنا اور حسب توفیق انکی ضرورتیں پوری کرنا لیکن ان سے اس کے بدلے کا مطالبہ نہ کرے اور نہ ہی ان سے اس کی امید لگائے رکھے اور انہیں ان معاملات میں اپنے سے بدگمان نہ بنائے اور اپنی حیثیت کے مطابق لوگوں پر خرچ کرے لیکن ان سے کوئی چیز نہ لے اور ان لوگوں سے جو تکلیف پہنچے اسے برداشت کرے اور ان سے خندہ پیشانی سے ملے اور اپنے آپ کو لوگوں کے سامنے مستغنی و بے پرواہ ظاہر کرے اور ان کے سامنے اپنی ضرورتیں چھپائے رکھے اور اپنی تمام ضرورتوں کا خود ہی انتظام کرے اور پوشیدہ طور پر خود ان کا تدارک کرے اور پھر ان تمام امور کے ساتھ ساتھ نفلی عبادات کے لئے

بھی کوئی خاص وقت نکالے تا کہ اپنی ظاہری و باطنی اصلاح بھی ہوتی رہے چنانچہ امیر المومنین فاروق اعظم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ: اِنْ نِمْتُ اللَّيْلَ لَاُضَيِّعَنَّ نَفْسِيْ وَ اِنْ نِمْتُ النَّهَارَ لَاُضَيِّعَنَّ الرَّعِيَّةِ فَكَيْفَ لِي بِالنَّوْمِ بَيْنَ هَاتَيْنِ اگر میں رات میں سوتا ہوں تو اپنا نقصان کرتا ہوں (یعنی آخرت ضائع ہوتی ہے) اور اگر دن میں سوتا ہوں تو رعایا کی حق تلفی ہوتی ہے تو میں دونوں کے ہوتے ہوئے کیسے آرام کا وقت نکال سکتا ہوں۔

اسی مضمون کے چند اشعار میرے ذہن میں آ گئے ہیں وہ یہ ہیں۔

فَاِنْ كُنْتَ فِيْ هَدْيِ الْاَئِمَّةِ رَاغِبًا
فَوَطِّنْ عَلَى اَنْ تَنْتَحِيكَ الْوَقَائِعُ

اگر تم بزرگوں کی سیرت اپنانا چاہتے ہو تو تم اپنے اندر زمانے کے مصائب و آلام برداشت کرنے کی ہمت پیدا کرو۔

بِنَفْسٍ وَقُوْدٍ عِنْدَ كُلِّ كَرِيْهَةٍ
وَ قَلْبٍ صَبُوْرٍ وَ هُوَ فِي الصَّدْرِ مَانِعُ

ہر تکلیف کے وقت نفس میں بردباری اور قوت برداشت پیدا کرو اور دل کو صابر بناؤ اگرچہ وہ سینہ میں اس سے روکتا ہو۔

لِسَانُكَ مَخْزُوْنٌ وَ طَرْفُكَ مُلْجَمٌ
وَ سِرُّكَ مَكْتُوْمٌ لَدَى الرَّبِّ ذَائِعُ

یعنی تیری زبان منہ میں بند رہے اور تمہاری آنکھیں ادھر ادھر نہ دیکھیں اور تمہارے معاملات پوشیدہ ہوں صرف اللہ تعالیٰ ہی کو اس کا علم ہو۔

وَ ذِكْرُكَ مَغْمُوْرٌ وَ بَابُكَ مُغْلَقٌ
وَ ثَغْرُكَ بَسَّامٌ وَ بَطْنُكَ جَائِعُ

اور تمہارا کوئی تذکرہ و چرچا نہ ہو اور تمہارا دروازہ بند ہو اور تمہارے دانتوں پر مسکراہٹ ہو اور تمہارا پیٹ بھوکا ہو۔

وَ قَلْبُكَ مَجْرُوْحٌ وَ سُوقُكَ كَاسِدٌ
وَ فَضْلُكَ مَدْفُوْنٌ وَ طَعْنُكَ شَائِعُ

اور تمہارا دل زخموں سے چور ہو (یاد الٰہی میں محو ہو) اور تمہارا بازار و تجارت بے رونق اور ٹھنڈا ہو اور تمہاری خوبیاں مدفون ہوں اور تمہارے عیوب شائع و عام ہوں۔

وَ فِي كُلِّ يَوْمٍ اَنْتَ جَارِعُ غُصَّةٍ
مِنَ الدَّهْرِ وَ الْاِخْوَانِ وَ الْقَلْبِ طَائِعُ

اور روزانہ لوگوں اور بھائیوں کے مصائب و تکالیف کے غصے پیتے رہو اور دل مطیع و فرماں بردار رہو۔

نَهَارُكَ شَغْلُ النَّاسِ مِنْ غَيْرِ مِنَّةٍ
وَ لَيْلُكَ شَوْقٌ غَابَ عَنْهُ الطَّلَائِعُ

تم دن میں بغیر احسان جتائے نیک کاموں میں لوگوں کے ہاتھ بٹاتے رہو اور تمہاری رات محبت الٰہی میں گزرے اور اس شوق و محبت کا کسی کو علم نہ ہو۔

فَدُوْنَكَ هٰذَا اللَّيْلَ خُذْهُ ذَرِيْعَةً
لِيَوْمٍ عَبُوْسٍ عَزَّ فِيْهِ الذَّرَائِعُ

تم ان راتوں کی قدر کرو (عبادت الٰہی میں مصروف رہو) اور ان راتوں کی عبادت کو

قیامت کے دن وسیلہ بناؤ کہ اس دن تمام ذرائع اور وسیلے بے کار ہوں گے کوئی ذریعہ کام نہ آئے گا لہذا عالم دین کے لئے ضروری ہے کہ ظاہر میں لوگوں کے ساتھ لیکن دل ان سے بالکل جدا اور الگ رہے لیکن ایسا کرنا یقینا بہت مشکل اور زندگی بڑی تلخ ہے اسی کے متعلق ہمارے شیخ حضرت ابوبکر وراق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے صاحبزادے کو وصیت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اے میرے پیارے بیٹے! اہل زمانہ کے ساتھ زندگی بسر کرو لیکن ہر بات میں انکی اقتداء و پیروی نہ کرو۔

پھر ہمارے شیخ نے یہ بھی فرمایا لیکن اس طرح زندگی گذارنا انتہائی مشکل ہے کہ اہل زمانہ کے ساتھ رہیں اور اتباع و پیروی سلف صالحین کی کریں۔

حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: خَالِطِ النَّاسَ وَ زَايِلْهُمْ وَ دِيْنُكَ لَا تَكْلِمَنَّهُ فَهٰذِهٖ نُكْتَةٌ مُقْنِعَةٌ لوگوں سے حسب ضرورت میل جول اور لین دین کا معاملہ رکھو لیکن اپنے دین کو برباد نہ کرو۔ یہ ساری باتیں بہت ہی نادر اور عمدہ ہیں اسے ذہن نشین کرلو۔ پھر میں کہتا ہوں کہ جب فتنے تیزی سے ابھر رہے ہوں اور حق کا زوال ہو رہا ہو اور لوگ دین سے منہ پھیرنے لگیں اور کسی مومن کی قرابت کا پاس نہ رکھیں اور کسی صاحب مرتبہ کا لحاظ نہ کریں اور علمائے دین سے متنفر و بیزار ہوں اور لوگوں کو نہ عالم کی جستجو ہو اور نہ ہی وعظ و نصیحت کی قدر کریں اور نہ ہی لوگ دینی معاملات میں علماء کی اعانت و مدد کریں اور فتنے عوام و خواص (علماء) میں شائع و عام ہو جائیں یعنی علماء امور دینی کی ادائیگی میں تنگی محسوس کرنے لگیں تو ایسے ماحول میں علماء تنہائی و یکسوئی اختیار کرنے اور اپنے علم کی اشاعت ترک کرنے میں معذور ہیں (ایسی حالت میں علم کی اشاعت ترک کر کے تنہائی اختیار کر سکتے ہیں) اور مجھے تو ایسا محسوس

ہو رہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس زمانے میں علیحدگی کا حکم دیا تھا وہ ہمارا ہی زمانہ ہے اس لئے کہ اس زمانے میں وہ ساری باتیں پائی جاتی ہیں جن کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں علیحدگی کا حکم واجب فرمایا تھا اور اللہ تبارک وتعالیٰ ہی بہترین مددگار ہے اور اسی پر بھروسہ کرنا چاہئے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس حکم کو خوب اچھی طرح سمجھنا چاہئے کیونکہ اس کی غلطی میں بہت بڑا خطرہ ہے اور اس ماحول میں حضور کے فرمان سے گریز کرنا سخت نقصان دہ ہے اور اللہ تعالیٰ ہی ہدایت کی توفیق عطا فرمانے والا ہے۔

سوال: کیا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نہیں ارشاد فرمایا کہ جماعت کے ساتھ رہنا لازم ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا غلبہ اور اس کی حفاظت ورحمت جماعت ہی پر ہے اور بے شک شیطان انسان کا بھیڑیا ہے جو جماعت سے الگ ہونے والے' دور ہونے والے اور جماعت سے علیحدہ ہونے والے کو پکڑ لیتا ہے۔ اور اسی طرح دوسری جگہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اور شیطان اکیلے اور تنہا آدمی کے ساتھ ہوتا ہے اور جب دو آدمی ہوتے ہیں تو وہ بہت دور ہو جاتا ہے۔

جواب: جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جماعت کے ساتھ رہنے کی تاکید فرمائی ہے وہیں یہ بھی ارشاد فرمایا ہے اپنے گھر میں رہنا لازم جانو اور تنہائی اختیار کرو اور عام لوگوں کی ملاقات سے بچتے رہو۔

اس حدیث پاک میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بُرے زمانے میں لوگوں سے علیحدہ رہنے کا حکم دیا ہے اس حدیث اور پہلی حدیث میں کوئی تعارض واختلاف نہیں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہم دونوں احادیث میں تطبیق دینا ضروری سمجھتے ہیں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان **علیکم بالجماعۃ** میں تین باتوں کا احتمال ہے۔

(۱) دین اور احکام دین میں جماعت کے ساتھ رہنا لازم اور اس سے الگ ہونا ممنوع و ناجائز ہے اس لئے کہ امت محمدیہ کبھی بھی گمراہی پر متفق و جمع نہیں ہوسکتی تو اجماع امت و متفقہ مسائل اور بنیادی احکام میں جمہور سے علیحدگی اختیار کرنا باطل و گمراہی ہے ہاں اگر کوئی اپنے دین کی حفاظت کی خاطر ان سے علیحدگی اختیار کرے تو وہ اس حدیث سے مستثنٰی ہے اور اس کے لئے کوئی ممانعت نہیں ہے۔

(۲) اس حدیث کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ نماز باجماعت ادا کرنے اور جمعہ وغیرہ کی ادئیگی میں عام مسلمانوں سے علیحدگی نہ اختیار کی جائے اس لئے کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے اور جمعہ وغیرہ ادا کرنے میں دین اسلام کو تقویت ملتی ہے اور اسلام کا کمال ظاہر ہوتا ہے اور کفار و ملحدین مسلمانوں کا اجتماع دیکھ کر جلتے ہیں اور مرعوب ہوتے ہیں جمعہ اور دیگر اسلامی اجتماعات پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوتی ہیں اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ گوشہ نشین آدمی پر لازم و ضروری ہے کہ وہ خیر و بھلائی کے تمام اجتماعات میں عام مسلمانوں کے ساتھ شامل ہو اور جھگڑے اور لڑائی اور مزاحمت کی تمام قسموں سے جدا و الگ رہے اس لئے کہ عام لوگوں کے ساتھ میل جول اور تعلقات سے قسم قسم کی آفتوں میں مبتلا ہونا پڑتا ہے اور نقصانات اٹھانے پڑتے ہیں۔

(۳) اس حدیث کا تیسرا مفہوم یہ ہے کہ جماعت کے ساتھ رہنے کا حکم امن و سلامتی کے زمانے میں اس شخص کے لئے ہے جو ضعیف الاعتقاد ہو لیکن قوی الاعتقاد جو صاحب بصیرت ہے جب فتنہ و فساد کا زمانہ پائے کہ جس سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت کو ڈرایا ہے اور اس میں تنہائی و علیحدگی کا حکم فرمایا ہے تو ایسے شخص کو تنہائی و گوشہ نشینی اختیار کرنا زیادہ بہتر و اولیٰ ہے تاکہ ہر قسم کے فتنہ و فساد اور آفات سے محفوظ رہے لیکن مناسب یہ ہے

کہ اس کے ساتھ ساتھ اسلامی اجتماعات اور بھلائی کے کاموں میں شریک ہوتا رہے اور اگر لوگوں سے مکمل علیحدگی اختیار کرنا مقصود ہو تو کسی پہاڑ کی چوٹی یا کسی ویران جگہ چلا جائے تا کہ اپنے دین کی مکمل حفاظت کر سکے۔

میں (امام غزالی) کہتا ہوں کہ ایسا صاحب بصیرت اور گوشہ نشین شخص جہاں کہیں بھی ہو اللہ تعالیٰ اسے جماعت جمعہ اور دیگر تمام اسلامی اجتماعات میں شریک ہونے کی توفیق عطا فرمائے تا کہ اس کا یہ عظیم ثواب ضائع نہ ہو نیز یہ کہ تمام اسلامی اجتماعات خواہ کسی جگہ ہوں اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہیں اگرچہ لوگوں کے احوال میں فساد و تغیر ہوتا رہے اسی طرح ہم نے ابدال اور اقطاب کے احوال کے متعلق سنا ہے کہ جہاں بھی ہوں وہ جمعہ اور جماعت اور دیگر تمام اسلامی اجتماعات میں شرکت کرتے ہیں اور جہاں چاہتے ہیں چلے جاتے ہیں اور بلاشبہ تمام روئے زمین ان کے لئے ایک قدم کے برابر ہے احادیث میں آیا ہے کہ ان حضرات کے لئے زمین لپیٹ دی جاتی ہے اور انہیں عمدہ عمدہ خطابات سے پکارتے ہیں اور انہیں انواع واقسام کی بھلائیوں اور کرامتوں سے نوازا جاتا ہے ان ابدال واقطاب کو اس عظیم کامیابی پر مبارک باد پیش کی جاتی ہے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کاملہ سے آخرت سے غافل رہنے والوں کے حالات بھی درست فرمادے اور جو لوگ اپنی عاقبت و آخرت سنوارنے میں مصروف ہیں انہیں منزل مقصود تک پہنچادے اور بے شک انہیں حالات کے پیش نظر میرے حاشیۂ خیال میں یہ اشعار آئے ہیں۔

ظَفِرَ الطَّالِبُوْنَ وَ اتَّصَلَ الْوَصْلُ

وَ فَازَ الْاَحْبَابُ بِالْاَحْبَابِ

محنت و جانفشانی کرنے والے کامیاب ہو گئے اور اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی سعادت حاصل ہو گئی اور دوست دوستوں کی وجہ (مدد) سے کامیاب ہو گئے۔

وَ بَقِيْنَا مُذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ حَيَارِيْ
بَيْنَ حَدِّ الْوِصَالِ وَ الْاِجْتِنَابِ

اور ہم تذبذب اور پریشانی کے عالم میں ہیں اور ہجر و وصال کے درمیان معلق ہیں۔

نَرْتَجِي الْقُرْبَ بِالْبِعَادِ وَ هٰذَا
نَفْسُ حَالِ الْمُحَالِ لِلْاَلْبَابِ

ہم دوری کے باوجود قربِ الٰہی کی امید رکھتے ہیں اور یہ بات عقل والوں کے لیے امید نفس کے نزدیک محال کی طرح ہے۔

فَاَسْقِنَا مِنْكَ شَرْبَةً تُذْهِبُ الْغَمَّ
وَ تَهْدِيْ اِلٰى طَرِيْقِ الصَّوَابِ

اے ہمارے پروردگار! تو ہمیں ایسا شربت پلا دے جس سے ہمارے غم دفع ہو جائیں اور ہم کو صراط مستقیم (سیدھے راستے) پر چلا۔

يَا طَبِيْبَ السَّقَامِ يَا مَرْهَمَ الْجُرْحِ
وَ يَا مُنْقِذِيْ مِنَ الْاَوْصَابِ

اے بیماریوں سے شفا عطا فرمانے والے اے زخموں کے مرہم اور اے ہر قسم کی تکلیفوں اور بیماریوں سے نجات عطا فرمانے والے۔

لَسْتُ اَدْرِيْ بِمَا اُدَاوِيْ سِقَامِيْ
اَوْ بِمَا ذَا اَفُوْزُ يَوْمَ الْحِسَابِ

مجھے نہیں معلوم کہ میری بیماری کی کیا دوا ہے یا کس چیز کے ذریعے قیامت کے دن میری کامیابی ونجات ہوگی۔

اب ہم اس گفتگو کو یہیں ختم کر کے واپس اپنے مقصود یعنی تنہائی اور علیحدگی کے مسائل بیان کرتے ہیں کہ ہم اس کے مسائل سے دور نکل گئے۔

سوال: کیا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نہیں ارشاد فرمایا: **وَ رَهۡبَانِيَّةُ اُمَّتِيَ الۡجُلُوۡسُ فِي الۡمَسَاجِدِ** میری امت کی علیحدگی یہی ہے کہ وہ مسجدوں میں بیٹھا کریں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان میں لوگوں سے علیحدگی کی ممانعت ہے اور جنگلوں اور ویرانوں کی سکونت اختیار کرنے میں زجر وتوبیخ ہے۔

جواب: واضح رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان اچھے زمانے کے لئے ہے فتنوں اور فسادات کے زمانے کے لئے نہیں ہے جیسا کہ پہلے بھی ہم نے ذکر کیا۔ اس حدیث کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ شخص مسجدوں میں بیٹھے اور لوگوں سے میل جول نہ رکھے اور ان کے معاملات میں مداخلت نہ کرے تو بظاہر وہ شخص لوگوں کے ساتھ ہے مگر حقیقت اور باطن میں بالکل علیحدہ اور تنہا ہے اور گوشہ نشینی اور تنہائی کا یہی مقصود و مطلوب ہے محض مکانی یا جسمانی طور پر علیحدگی مقصود نہیں ہے لہٰذا اسے خوب اچھی طرح سمجھ لو اور ذہن میں بٹھا لو اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے۔

اسی کے متعلق حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: تم لوگوں سے ظاہری طور پر ملتے رہو اور تمہاری انسیت ومحبت صرف پروردگار عالم سے ہو اور لوگوں سے تمہارا دل جدا اور اچاٹ رہے۔

سوال: مدارس دینیہ کے علماء اور خانقاہوں میں رہنے والے صوفیا کے بارے میں

آپ کا کیا خیال ہے؟ یہ لوگ تو تنہائی اور علیحدگی اختیار نہیں کرتے؟

جواب: وہ مدارس وخانقاہیں کہ جس میں علمائے کرام اور صوفیائے عظام رہ کر علومِ دینیہ کی ترویج واشاعت میں مصروف ہیں ان کا یہ طریقہ اپنی شان وشوکت کے اعتبار سے منفرد ویکتا ہے اس لئے کہ اس میں دو فائدے ہیں۔

(۱) باطنی طور پر لوگوں سے تنہائی وعلیحدگی لوگوں کے ساتھ رہنے اور ان کے معاملات میں پڑنے اور شریک ہونے سے علیحدگی اختیار کرنا ہے۔

(۲) لوگوں کے ساتھ جمعہ، جماعتوں میں شریک ہونے اور اسلام کے شعائر پر پورے طور پر عمل کرنے میں ان لوگوں کو وہی سلامتی حاصل ہوتی ہے جو لوگوں سے بالکل علیحدہ رہنے والوں کو نصیب ہوتی ہے اور اس کے علاوہ ان حضرات سے ایک بہت بڑا فائدہ عوام کو یہ پہنچتا ہے کہ عوام ان کی اقتداء اور پیروی کرتے ہیں اور ان کے فیوض وبرکات سے مستفیض ہوتے ہیں لہٰذا ان علماء وصوفیاء کا حال بالکل درست اور محفوظ رہتا ہے اور ان کو علم وعمل کی پختگی کی وجہ سے سکون اور اطمینان حاصل ہوتا ہے اسی بلند مقام تک پہنچانے اور فیضیاب کرنے کے لئے اکثر وبیشتر عارفین نے لوگوں کے درمیان قیام فرمایا تاکہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کو دینی معاملات میں نفع پہنچے اور ان کی برائیاں کم ہوں اور لوگ ان کے آداب اور اخلاق حسنہ کا مشاہدہ کریں اور ان عارفین کی اقتداء وپیروی کریں اس لئے کہ حالات کا مشاہدہ وعظ ونصیحت سے زیادہ نفع بخش ہے لہٰذا علماء وعارفین کا عوام میں رہنا امور دینیہ کی تعلیم اور عبادت الٰہیہ کے لئے بہت عمدہ تدبیر اور محکم ومضبوط رائے ہے۔

سوال: اب ان مریدین ومجاہدین کے بارے میں کیا حکم ہے جو عبادت کی اکثر

منازل طے کر چکے ہیں کیا ان کے ساتھ رہیں یا ان سے بھی تنہائی و علیحدگی اختیار کرلیں؟

جواب: اگر وہ مریدین جو ابتدائی منازل طے کر چکے ہیں سلف صالحین کی رسوم اور ان کی سیرت پر قائم ہوں تو ان کے ساتھ رہنے میں کوئی حرج نہیں کہ وہ تمہارے بہترین دینی بھائی ہیں اور بہترین دوست ہیں اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کے سلسلے میں تمہارے معین و مددگار ہیں ایسے لوگوں سے علیحدگی اختیار کرنا مناسب نہیں وہ لبنان پہاڑ (شام) وغیرہ کے زاہدوں کی طرح ہیں ہم نے سنا ہے کہ لبنان پہاڑ کے زاہدین کی کئی جماعتیں ایسی ہیں جو نیکی اور تقویٰ اور پرہیزگاری کے سلسلے میں لوگوں کی مدد کرتے ہیں اور حق وصبر کی تلقین کرتے ہیں۔ اور اگر وہ ابتدائی مریدین جو اپنے اسلاف کی سیرتوں اور ان کی پاکیزہ رسموں اور ان کے عمدہ و پسندیدہ طریقوں کو چھوڑ چکے ہوں اور نامناسب طریقے انہوں نے اپنا لیے ہوں تو ان سے علیحدگی اختیار کرنا اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ ایک مرید صادق کو عام لوگوں سے تنہائی اختیار کرنا ضروری ہے وہ اپنے گھر کے کسی گوشہ کو اختیار کرلے اور اپنی زبان کو برائی سے روکے رکھے لیکن نیک کاموں میں ان کے ساتھ شریک رہے اور ان کے تمام احوال و آفات سے اپنے آپ کو دور رکھے اس طرح اس کا شمار بھی گوشہ نشینوں میں ہوگا۔

سوال: اگر یہ ابتدائی مرید (مجاہدے اور ریاضتوں کی منزلیں طے کرنے والا) علمائے کرام اور صوفیائے عظام کی مجلسوں سے نکل کر کسی تنہائی کی جگہ اپنے نفس کی اصلاح اور آفتوں سے بچنے کی غرض سے چلا جائے تو کیا ایسا کرنا صحیح ہے؟

جواب: یاد رکھنا چاہیے کہ باعمل علمائے کرام کی دینی درسگاہیں اور آخرت کے طلب

کرنے والے صوفیائے کرام کی خانقاہیں ایسے مرید کے لئے ایک مضبوط اور انتہائی محفوظ قلعہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ابتدائی مریدین ان مدارس دینیہ اور خانقاہوں میں رہ کر دین کے لٹیروں اور ڈاکوؤں سے پناہ لے سکتے ہیں اور ان درسگاہوں اور خانقاہوں کے باہر رہنے والا صحراء و میدان میں رہنے والوں کی طرح ہے جہاں ہر وقت شیطانوں کے سوار لشکر اور گروہ گھومتے رہتے ہیں جو ان محفوظ قلعوں سے باہر رہنے والوں کا دین چھین لیتے ہیں یا اسے گرفتار کر لیتے ہیں اور ریاضت و مجاہدے کی ابتدائی منزلیں طے کرنے والا جب اس محفوظ قلعے سے نکل کر شیطانوں کے لشکر میں جائے گا تو اس کا جو حشر ہوگا وہ بالکل ظاہر ہے کہ شیطانوں کے لشکر چاروں طرف سے اپنے قابو میں لے لیں گے اس لئے ایسے مبتدی کو ان محفوظ قلعوں میں پناہ لینے کے سوا کوئی اور چارہ کار نہیں اور ان سے باہر جانا خطرے سے خالی نہیں لیکن وہ شخص جو اس میدان کا شہسوار ہے، دینی اور ایمانی بصیرت سے بہرہ ور ہے تو اس کے لئے قلعہ اور صحراء و میدان دونوں برابر ہیں کہ اس پر شیطانی لشکر ہرگز غالب نہیں آسکتے اور نہ ایسا شخص ان کی شرانگیزیوں سے مرعوب ہوسکتا ہے مگر اس کے باوجود اس کو محفوظ و مضبوط قلعہ میں ہی رہنا زیادہ بہتر ہے اس لئے کہ دشمنوں کے بار بار حملوں سے بے خوف ہونا درست نہیں جب اتنے مشکل مراحل ہیں تو اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے دامن سے وابستہ رہنا اور ان کے ساتھ رہ کر مشقتیں برداشت کرنا ہی زیادہ بہتر ہے اور ہر حال میں خیر کا طلبگار رہنا اولیٰ ہے اور طاقتور اور صاحب استقامت و بصیرت پر علیحدگی لازم و ضروری نہیں مگر بہتر ضرور ہے۔ لہٰذا تم ان تمام امور میں غور و فکر کر کے جو غنیمت سمجھو اس پر عمل کرو گے تو یقیناً ان شاء اللہ تعالیٰ تمام آفتوں سے محفوظ رہو گے۔

سوال: اپنے دینی بھائیوں کی زیارت اور اپنے مخلص دوستوں سے ملاقات و مراسلات اور اسکے ساتھ گفتگو کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب: بے شک اپنے دینی بھائیوں سے ملاقات کرنا اللہ تعالیٰ کی عبادت کے جواہر میں سے ہے جبکہ وہ نیک ہوں ایسے لوگوں کی ملاقات سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے اور دل کی اصلاح کا بہترین طریقہ ہے اس کے علاوہ اور بھی بہت سے فائدے ہیں لیکن اس کے لئے دو شرطیں ہیں۔

(۱) پہلی شرط یہ ہے کہ زیارت و مراسلت میں حد سے زیادہ تجاوز نہ کرے اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

زُرْ غِبًّا تَزْدَدْ حُبًّا

اے ابو ہریرہ! اپنے ساتھیوں سے کبھی کبھی ملاقات کیا کرو تاکہ محبت زیادہ ہو (بزار، طبرانی)

(۲) دوسری شرط یہ ہے کہ اپنے دینی بھائی کی ملاقات میں ریاء کاری، نمائش اور زیب و زینت اور لغو و بیہودہ گفتگو اور غیبت وغیرہا سے اپنے آپ کو بچائے ورنہ اس کا وبال تم پر اور تمہارے بھائی پر بھی ہوگا یعنی نقصان سے دوچار ہونا پڑے گا۔

حکایت: ایک مرتبہ حضرت فضیل بن عیاض اور حضرت سفیان ثوری رضی اللہ عنہما کی آپس میں ملاقات ہوئی دونوں بزرگوں نے آپس میں گفتگو کی پھر دونوں خوب روئے حضرت سفیان نے فرمایا اے ابو علی (حضرت فضیل کی کنیت) میں تو آج کی اس مجلس سے بہت زیادہ ثواب کی امید رکھتا ہوں۔ حضرت فضیل نے فرمایا میں آج کی اس مجلس سے بہت زیادہ خوفزدہ ہوں۔ حضرت سفیان ثوری نے فرمایا اے ابو علی یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ حضرت فضیل نے فرمایا کیا ہم دونوں آپس میں اپنی باتوں کو مزین و آراستہ نہیں

کررہے تھے اور کیا ہم ریاء کاری اور تکلف میں نہیں پڑ گئے تھے؟ حضرت سفیان ثوری حضرت فضیل بن عیاض کی ان باتوں کو سن کر رونے لگے لہٰذا ہم پر واجب ہے کہ ہم اپنے دینی بھائیوں کی ملاقات میں میانہ روی اور احتیاط اور باریک بینی کو ملحوظ خاطر رکھیں تو ایسی ملاقات سے تمہاری لوگوں سے علیحدگی اور تنہائی میں کوئی طعنہ اور عیب کی بات نہ ہوگی اور تم پر اور تمہارے دینی بھائی پر کوئی آفت و مصیبت نہیں آئے گی بلکہ بہت زیادہ بھلائی اور بہت بڑا نفع حاصل ہوگا۔

سوال: کن چیزوں کے ذریعے لوگوں سے تنہائی اختیار کرنے پر رغبت و آسانی میسر ہوتی ہے؟

جواب: تنہائی اختیار کرنا تین چیزوں کے ذریعے آسان ہوجاتا ہے۔

(۱) پہلی چیز یہ ہے کہ تم اپنے اکثر اوقات اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف و مشغول رہو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت بہترین مشغلہ ہے اور لوگوں سے بلا ضرورت ملنا جلنا افلاس کی نشانی ہے لہٰذا جب تم اپنے آپ کو بغیر کسی حاجت و ضرورت کے لوگوں سے ملاقات اور گفتگو کی خواہش کرتا دیکھو تو تم سمجھ لو کہ یہ بالکل فضول عادت ہے جو اللہ کی عبادت سے باز رکھتی ہے اور ناشکری میں مبتلا کردیتی ہے۔ اس بات کو ایک شاعر نے کیا خوب انداز میں پیش کیا ہے۔

اِنَّ الْفِرَاغَ اِلٰی سَلَامِكَ قَادَنِیْ
وَ لَرُبَّمَا عَمِلَ الْفُضُوْلَ الْفَارِغُ

بے شک بے کاری مجھے تم سے سلام و کلام کرنے کے لئے آئی ہے بے شک بے کار آدمی بہت سے فضول کام کرڈالتا ہے۔

جب تم کما حقہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہو جاؤ اور مناجات (دعا) کی حلاوت و چاشنی پالو تو خود بخود تمہیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی کتاب سے انسیت پیدا ہو جائے گی اور تمہارا دل مخلوق سے بیزار ہو جائیگا اور تمہارے دل میں لوگوں کی صحبت اور گفتگو سے وحشت اور نفرت ہو جائے گی۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام طور پہاڑ سے مناجات کر کے واپس ہوئے تو آپ کو لوگوں سے بہت وحشت و نفرت ہوگئی یہاں تک کہ آپ اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈال لیتے تا کہ لوگوں کی بات نہ سن سکیں اور اس وقت آپ کو لوگوں کی گفتگو نفرت و وحشت کے اعتبار سے گدھے کی آواز کی طرح لگتی لہٰذا تم پر لازم ہے کہ تم ہمارے شیخ ابو بکر وراق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اس فرمان پر عمل کرو۔

اِرْضَ بِاللّٰہِ صَاحِبًا وَ ذَرِ النَّاسَ جَانِبًا

تم لوگوں کو بالکل چھوڑ دو اور اللہ تعالیٰ کو ہی اپنا دوست بنانے پر راضی اور خوش رہو۔

صَادِقَ الْوُدِّ شَاهِدًا کُنْتَ فِیْهِمْ وَ غَائِبًا

تم لوگوں کے خالص دوست ہو جاؤ اور ان کے ساتھ رہو یا ان سے بالکل الگ ہو جاؤ۔

قَلِّبِ النَّاسَ کَیْفَ شِئْتَ تَجِدْهُمْ عَقَارِبَا

لوگوں کو جیسے چاہو بدل لو لیکن تم انہیں نقصان پہنچانے میں بچھوؤں کی طرح پاؤ گے۔

(۲) تنہائی میں مدد دینے والی دوسری چیز یہ ہے کہ تم لوگوں سے ہر قسم کی طمع اور لالچ کو بالکل ختم کر لو تو لوگوں سے جدائی تمہارے لئے آسان ہو جائے گی اس لئے کہ جب تمہیں کسی سے کوئی لالچ اور نفع کی امید نہیں ہوگی اور نہ ہی کسی نقصان کا خوف ہوگا تو تمہارے لئے اس کا ہونا نہ ہونا دونوں برابر ہوگا۔

(۳) تنہائی کی رغبت پیدا کرنے والی تیسری چیز یہ ہے کہ تم لوگوں میں رہنے کی آفتوں پر غور کرو اور اسے یاد رکھو اور اپنے دل میں دہراتے رہو جب تم ان مذکورہ بالا تینوں چیزوں کو اپنے لیے لازم کرلو گے تو یقیناً مخلوق کی صحبت سے الگ ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف راغب و متوجہ ہو جاؤ گے اس طرح تمہیں اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے تنہائی اور علیحدگی کا موقع نصیب ہو جائے گا اور یہی چیزیں اللہ تعالیٰ کو تم سے راضی کردیں گی اور تمہیں اللہ کی رحمت و فضل سے نوازدیں گی اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق اور گناہوں سے محفوظ رکھنے والا ہے۔

عبادت میں تیسری رکاوٹ شیطان ہے

اے میرے پیارے بھائیو! عبادت میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے شیطان سے جنگ کرنا اور اس پر سختی و دباؤ ڈالنا بھی تم پر ضروری ہے اور یہ دو وجہ سے ضروری ہے۔

(۱) شیطان سے جنگ کرنے اور اس پر سختی کرنے کی پہلی وجہ یہ ہے کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے اور ہر وقت تمہیں گمراہ کرنے کی فکر میں لگا رہتا ہے اس سے نیکی پر مدد و معاونت اور رحم کی ہرگز کوئی امید نہیں کی جاسکتی بلکہ وہ ہمیشہ تمہاری ہلاکت و بربادی کی خواہش رکھتا ہے اس لئے ایسے خطرناک دشمن سے کسی وقت بھی غافل و بے خوف نہیں رہنا چاہئے اور اس کے ساتھ ساتھ قرآن کریم کی ان دو آیتوں کا بغور مطالعہ کرنا چاہئے

(۱) اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَیْكُمْ یٰبَنِیْۤ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّیْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ (پ۲۳ سورۃ یس آیت ۶۰) اے آدم کی اولاد! کیا میں نے تم سے عہد نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرو گے اس لئے کہ وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔

(۲) اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَکُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْہُ عَدُوًّا (پ۲۲ سورۃ الفاطر آیت۶) بے شک شیطان تمہارا جانی دشمن ہے تو تم بھی اسکے دشمن ہو جاؤ۔

ان دونوں آیتوں میں شیطان سے ڈرانے اور خوف دلانے میں کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑا۔

(۲) شیطان سے جنگ کرنے اور اس پر سختی کرنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ شیطان تمہارا فطری اور پیدائشی دشمن ہے اور وہ ہمیشہ تم سے جنگ و جدال میں مصروف رہتا ہے اور رات و دن تمہیں اپنی شیطنت کے تیر کا نشانہ بناتا رہتا ہے اور تمہارا حال یہ ہے کہ تم اس کی شرارتوں اور فتنوں سے بے خبر ہو تو تم اس بے خبری کے عالم میں اپنے آپ کو کیسے درست رکھ سکتے ہو۔

پھر شیطان کو انسان سے دشمنی کے چند دوسرے اسباب یہ ہیں۔

تم اللہ تعالیٰ کی عبادت میں ہو اور لوگوں کو تم اپنے قول و فعل سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رحمت (اسلام) کی طرف دعوت دے رہے ہو جبکہ تمہارا یہ فعل شیطان کے مشغلے اور اس کی ہمت و حرفت اور اس کے ارادے و مشن کے بالکل خلاف ہے گویا اس طرح تم نے شیطان سے اور زیادہ دشمنی اور ناراضگی اور اس سے مخالفت مول لے لی ہے جب اس کے ساتھ تمہارا یہ رویہ ہے تو شیطان تو اور زیادہ ہی بڑھ چڑھ کر تم سے دشمنی اور جنگ و جدال کرنے اور مکر و فریب دینے پر آمادہ اور تیار ہو جاتا ہے یہاں تک کہ وہ تمہارے حال میں فساد پیدا کر دیتا ہے اور تمہارا جانی دشمن ہو جاتا ہے اور اسی پر بس نہیں کرتا بلکہ اس کی پوری پوری کوشش ہوتی ہے کہ وہ تمہارے دین کی بنیاد ہی کھود ڈالے کیونکہ وہ تم سے کسی بھی وقت بے خوف و بے پرواہ نہیں ہوتا اس لئے کہ شیطان کا

معاملہ یہ ہے کہ وہ تو ان لوگوں سے بھی عداوت و دشمنی کرنے سے باز نہیں رہتا جو اس کی مخالفت نہیں کرتے بلکہ اسکی تصدیق وتائید اور اسی کی اتباع کرتے ہیں جیسے کفار، گمراہ فاسق و فاجر لوگ اور جو لوگ طلب دنیا میں مصروف ہیں۔ اسی سے اندازہ لگالو کہ ان لوگوں کے ساتھ اس کی دشمنی کا کیا عالم ہوگا جو ہر وقت اس کی مخالفت اور عداوت میں لگے رہتے ہیں اور ہمہ وقت اس کے گمراہ کن منصوبوں اور ہتھکنڈوں کو خاک میں ملا دینے میں کوشاں رہتے ہیں۔

اے اللہ تعالیٰ کی عبادت اور حصول علم میں جہاد کرنے والو! شیطان کی دشمنی عام لوگوں کے ساتھ عمومی ہے لیکن تمہارے ساتھ اس کی دشمنی خصوصی ہے اس لئے کہ تمہارا معاملہ اس کے سامنے بڑا اہم اور عظیم الشان ہے اور پھر تمہاری عداوت و دشمنی میں صرف ابلیس ہی اکیلا نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ شیطانوں کا ایک اور بہت بڑا منظم و مسلح لشکر ہے جس میں تمہارا نفس اور تمہاری خواہشات بھی شامل ہیں یہ سب کے سب تمہارے سخت ترین دشمن ہیں اور اس کے پاس تم پر غالب آنے کے ہزاروں ایسے اسباب ووسائل اور راستے و دروازے ہیں جن سے تم بالکل غافل ہو۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بالکل سچ فرمایا ہے: شیطان فارغ ہے اور تم مشغول و مصروف ہو اور شیطان تمہیں دیکھتا ہے اور تم اسے نہیں دیکھ سکتے اور تم شیطان کو بھولے بیٹھے ہو مگر وہ تمہیں برائی میں مبتلا کرنے سے نہیں بھولا ہے اور تمہارا نفس خود تمہارا دشمن و مخالف ہے اور شیطان کا یار و مددگار ہے اس لئے شیطان اور اسکے حامیوں سے جنگ کرنا اور انہیں مقہور و مغلوب کرنا بہت ضروری ہے ورنہ اس کے فتنہ و فساد اور اس کی ہلاکت و بربادی سے بچنا بہت مشکل ہے۔

شیطان سے جنگ اور اسے مغلوب کرنے کا طریقہ

سوال: شیطان سے کس طرح جنگ کی جائے اور اسے کیسے مغلوب و مقہور کیا جائے؟
جواب: صوفیائے کرام اور مجاہدین عظام کے نزدیک اس کے دو طریقے ہیں۔
(۱) پہلا طریقہ یہ ہے کہ جو بعض مشائخ کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے فرمایا ہے کہ شیطان کے مکر و فریب سے بچنے کے لئے صرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی پناہ لی جائے اس کے علاوہ کوئی اور راستہ نہیں اس لئے کہ شیطان ایک ایسا کتا ہے جسے اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے تم پر مسلط فرما دیا ہے اگر تم اس سے مقابلہ و جنگ کرنے اور اسے دفع کرنے میں مشغول ہو گئے تو تم تنگ آ جاؤ گے اور تمہارا قیمتی وقت ضائع ہو جائے گا اور بالآخر وہ تم پر غالب آ جائے گا اور تمہیں زخمی و ناکارہ بنا دے گا اس لئے اس کتے کے مالک ہی کی طرف متوجہ ہونا پڑے گا اور اسی کی پناہ لینی ہوگی تاکہ وہ شیطان کو تم سے دفع کر دے اور یہ تمہارے لئے شیطان کے ساتھ جنگ کرنے اور مقابلہ کرنے سے بہتر ہے۔
(۲) شیطان کو مغلوب کرنے کا دوسرا طریقہ یہ ہے جسے دوسرے بعض مشائخ عظام نے فرمایا ہے کہ شیطان سے مقابلہ کرنے اور اسے دفع کرنے اور اس کی تردید و مخالفت کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہے۔

میں (امام غزالی) کہتا ہوں میرے نزدیک اس کا جامع اور بہترین طریقہ یہ ہے کہ ان دونوں طریقوں کو بروئے کار لایا جائے لہٰذا سب سے پہلے شیطان مردود کی شرارتوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ لی جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو حکم فرمایا ہے اپنے قول (فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ) سے اور اللہ تعالیٰ ہمیں شیطان

لعین کے شر سے محفوظ رکھنے کے لئے کافی ہے اس کے بعد بھی اگر تم یہ محسوس کرو کہ شیطان اللہ تعالیٰ کی پناہ لینے کے باوجود تم پر غالب آنے کی کوشش کر رہا ہے اور تمہارا پیچھا نہیں چھوڑ رہا ہے تو تمہیں سمجھ لینا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ تمہارا امتحان لینا چاہتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ تمہارے مجاہدے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عبادت میں تمہاری قوت کی سچائی و صفائی دیکھ لے اور تمہارے صبر کا اندازہ لگالے (اللہ تعالیٰ ہمیں آزمانا چاہتا ہے کہ ہم شیطان کا مقابلہ کر سکتے ہیں یا اس کے بہکاوے میں آجاتے ہیں) جیسا کہ کافروں کو ہم پر مسلط فرمایا حالانکہ اللہ تعالیٰ کفار کے عزائم اور ان کی شرانگیزیوں کو ہمارے جہاد کیئے بغیر ملیامیٹ کر دینے پر قادر ہے لیکن وہ انہیں صفحہ ہستی سے ختم نہیں فرماتا بلکہ ہمیں ان کے خلاف جہاد کرنے کا حکم دیتا ہے تاکہ جہاد اور صبر اور گناہوں سے چھٹکارا اور شہادت سے ہمیں بھی کچھ حصہ مل جائے اور ہم اس امتحان میں کامیاب و کامران ہوجائیں چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: (۱) وَ لِیَعۡلَمَ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ یَتَّخِذَ مِنۡکُمۡ شُہَدَآءَ ؕ (پ۴ سورۃ آل عمران آیت ۱۴۰) اور تاکہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو ظاہر (غالب) فرمادے اور تاکہ تم میں سے بعض کو شہادت کا مرتبہ عطا فرمادے۔

(۲) اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تَدۡخُلُوا الۡجَنَّۃَ وَ لَمَّا یَعۡلَمِ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ جٰہَدُوۡا مِنۡکُمۡ وَ یَعۡلَمَ الصّٰبِرِیۡنَ (پ۴ سورۃ آل عمران آیت ۱۴۲) کیا تم نے یہ گمان کرلیا ہے کہ تم جنت میں داخل ہوجاؤ گے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تم میں سے جہاد کرنے والوں اور صبر کرنے والوں کو ظاہر (غالب) نہیں فرمایا ہے۔

اور اسی طرح ہمیں شیطان سے بھی انتہائی جاں فشانی کے ساتھ مقابلہ اور اس سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا ہے پھر ہمارے علمائے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں کہ

شیطان سے مقابلہ کرنے اور اس پر غلبہ حاصل کرنے کے تین طریقے ہیں:

(۱) پہلا طریقہ یہ ہے کہ تم شیطان کے مکر وفریب اور اس کی حیلہ سازی سے ہوشیار و باخبر ہو جاؤ اس لئے کہ جب تمہیں اس کی حیلہ سازیوں کا علم ہوگا تو وہ تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکے گا جس طرح چور کو جب معلوم ہو جاتا ہے کہ مالک مکان کو میرے آنے کا علم ہو گیا ہے تو وہ بھاگ جاتا ہے۔

(۲) شیطان کو مغلوب کرنے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جب شیطان تمہیں گمراہیوں کی طرف بلائے تو تم اسے رد کر دو اور تمہارا دل اس کی طرف قطعاً متوجہ نہ ہو اور نہ تم اس کی پیروی کرو اس لئے کہ شیطان لعین ایک بھونکنے والے کتے کی طرح ہے اگر تم اسے چھیڑو گے تو وہ تمہاری طرف تیزی کے ساتھ لپکے گا (تیزی سے حملہ آور ہوگا) اور تمہیں زخمی کر دے گا اور اگر تم اس سے کنارہ کشی اختیار کر لو گے تو وہ بالکل خاموش رہیگا۔

(۳) شیطان پر غالب آنے کا تیسرا طریقہ یہ ہے کہ تم اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ہمیشہ ذکر کرتے رہو اور اپنے آپ کو ہمہ وقت اللہ کی یاد میں مصروف رکھو۔ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: اِنَّ ذِکْرَ اللّٰہِ فِیْ جَنْبِ الشَّیْطَانِ کَالْاٰکِلَۃِ فِیْ جَنْبِ ابْنِ اٰدَمَ بے شک شیطان کے پہلو میں اللہ کا ذکر کرنا ایسا ہی مشکل ہے جیسے کہ انسان کے پہلو میں آکلہ (یہ ایسا مرض ہے جس میں انسان کا بدن گل کر ختم ہو جاتا ہے)

سوال: شیطان کے مکر وفریب کیسے معلوم کئے جائیں؟

جواب: شیطان کے مکر وفریب بے شمار ہیں۔

(۱) شیطان کے وسوسے تیروں کی بوچھاڑ کی طرح ہیں جن سے وہ لوگوں کے

دلوں کو زخمی کرتا ہے اور اس کے وسوسوں کی معرفت دو باتوں سے ہو سکتی ہے (۱) دلوں کے خطرات (۲) اس کے اقسام۔

(۲) شیطان کے حیلے جال کی مانند ہیں جن سے شیطان لوگوں کے دلوں کا شکار کرتا ہے اور شیطان کے حیلوں کی معرفت اس کے مکر وفریب اور مکر کے اوصاف اور ان کے راستے معلوم کرنے سے ہوتی ہے اور علمائے کرام رضی اللہ عنہم نے وسوسوں کے بیان میں کئی ابواب ذکر کئے ہیں اور ہم (امام غزالی) نے خود اس عنوان پر مستقل کتاب تصنیف کی ہے جس کا نام "تلبیس ابلیس" اور ہماری یہ کتاب "منہاج العابدین الی جنۃ رب العالمین" مختصر ہونے کی وجہ سے ان خواطر اور وسوسوں کے تفصیلی بیان کی متحمل نہیں ہو سکتی لیکن پھر بھی ہم ان شاء اللہ اس کتاب میں ہر ایک چیز کی اصل اور بنیاد اس طرح بیان کریں گے کہ اگر ان پر عمل کیا جائے تو کافی ووافی ہو۔

وسوسوں کی بنیاد کا بیان

اے پیارے بھائیو! دلوں میں جو وسوسے پیدا ہوتے ہیں ان کی اصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے دل پر ایک فرشتہ متعین و مقرر فرمایا ہے جو ہر انسان کو نیکی و بھلائی کی دعوت دیتا ہے اس فرشتے کا نام ملہم (انسانوں کے دلوں میں نیکیوں کا خیال ڈالنے والا) اور فرشتے کی دعوت کو الہام کہتے ہیں اور اس فرشتے کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے دل پر ایک شیطان بھی مسلط کیا ہے جو بندوں کو برائی کی طرف بلاتا ہے اس شیطان کا نام وسواس ہے اور اس شیطان کی دعوت کو وسوسہ کہتے ہیں۔

اکثر علمائے کرام کے فرمان کے مطابق ملہم بندوں کو بھلائی ہی کی دعوت دیتا ہے اور وسواس بندوں کو برائی ہی کی طرف بلاتا ہے لیکن ہمارے شیخ ابو بکر وراق رحمۃ

اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ شیطان بھی کبھی بظاہر نیکی کی طرف بلاتا ہے مگر درحقیقت اس میں بھی اس کا مقصد برائی ہی کی طرف بلانا ہے اور وہ اس طرح بڑی نیکی کے بجائے چھوٹی نیکی کی طرف بلاتا ہے یا بندے کو کسی ایسی نیکی کی دعوت دیتا ہے جس سے کسی بڑے گناہ کا اس سے ارتکاب کرائے جو نیکی کے ثواب سے زیادہ نقصان دہ ہو جیسے ریا، سمعہ اور عجب تو ملہم فرشتہ اور وسواس شیطان دونوں داعی انسان کے دلوں پر مقرر ہیں ہر ایک اپنی اپنی طرف بلانے میں مصروف ہے اور انسان ہر ایک کی دعوت کو سنتا اور محسوس کرتا ہے چنانچہ حدیثوں میں اس کی تائید وارد ہے۔

(۱) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: اِذَا وُلِدَ لِابْنِ اٰدَمَ مَوْلُوْدٌ قَرَنَ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ بِہٖ مَلَکًا وَ قَرَنَ الشَّیْطَانُ بِہٖ شَیْطَانًا فَالشَّیْطَانُ جَائِمٌ عَلٰی اُذُنِ قَلْبِ ابْنِ اٰدَمَ الْاَیْسَرِ وَ الْمَلَکُ جَائِمٌ عَلٰی اُذُنِ قَلْبِہِ الْاَیْمَنِ فَھُمَا یَدْعُوَانِہٖ جب کسی انسان کے یہاں بچہ پیدا ہوتا ہے تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس کے ساتھ ایک فرشتہ مقرر فرما دیتا ہے اور ایک شیطان بھی مسلط فرما دیتا ہے تو شیطان انسان کے دل کے بائیں کان میں پھونکتا ہے اور فرشتہ اس کے دل کے دائیں کان میں پھونکتا ہے اس طرح دونوں اپنی اپنی دعوت دیتے رہتے ہیں۔

(۲) حضور سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لِلشَّیْطَانِ لَمَّۃٌ بِابْنِ اٰدَمَ وَ لِلْمَلَکِ لَمَّۃٌ (سنن الترمذی، سنن النسائی) انسان پر شیطان کا ایک اثر اور فرشتہ کا بھی ایک اثر ہے (یعنی شیطان اور فرشتہ کی دعوت کا اثر ہے) (لَمَّ اور اَلَمَّ کے معنی کسی جگہ اترنے کے ہیں) پھر اللہ تعالیٰ نے انسان کی خلقت وخمیر میں ایسی طبیعت رکھی ہے جو ہر قسم کی شہوتوں اور لذتوں کی طرف مائل ومتوجہ ہوتی ہے خواہ وہ حلال وجائز ہوں یا

ناجائز و حرام ہوں تو یہی شہوتیں اور لذتیں نفسانی خواہشات کو آفات کی طرف لے جاتی ہیں گویا یہ کل تین دعوتیں ہیں (۱) فرشتے کی دعوت (۲) شیطان کی دعوت (۳) نفس کی دعوت یہ تینوں انسان کو مختلف کاموں کی طرف بلاتی ہیں۔

پھر جان لو کہ خواطر اور وسوسوں کے اصل بیان سے پہلے یہ ایک مقدمہ بیان کیا گیا ہے اب اس مقدمہ کے بعد اصل خواطر کا بیان ہوتا ہے۔

خواطر وہ آثار ہیں جو بندوں کے دلوں میں پیدا ہوتے ہیں وہی آثار بندوں کو کسی کام کے کرنے اور نہ کرنے کا حکم دیتے ہیں اور اس کی ترغیب و دعوت دیتے ہیں ان آثار کو خواطر اس لئے کہتے ہیں کہ یہ بھی ہوا کی طرح الٹتے پلٹتے رہتے ہیں جس طرح ہوا الٹتی پلٹتی رہتی ہے خواطر' خطرات الریح سے ماخوذ ہے۔ حقیقت میں انسان کے دلوں کے تمام خطرات کا خالق اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی ہے۔

خطرات کی اقسام خطرات کی کل چار قسمیں ہیں

(۱) پہلی یہ ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ بندوں کے دلوں میں ابتداءً پیدا فرماتا ہے ان کو صرف خطرات کہتے ہیں۔

(۲) خطرات کی دوسری قسم یہ ہے جو انسانی طبیعت کے مطابق انسان کے دلوں میں پیدا ہوتے ہیں ان خطرات کو ہوائے نفس کہتے ہیں۔

(۳) خطرات کی تیسری قسم کا نام الہام ہے یہ وہ خطرات ہیں جو ملہم نامی فرشتہ کی دعوت کے بعد انسان کے دل میں ظاہر ہوتے ہیں۔

(۴) چوتھی قسم وسوسہ ہے جو انسان کے دل میں شیطان کی دعوت کے بعد پیدا ہوتا ہے اور شیطان کی طرف نسبت کرتے ہوئے اسے شیطانی خطرات بھی کہتے ہیں اس لئے

کہ حقیقت میں یہ شیطان کی دعوت کے وقت پیدا ہوتے ہیں گویا شیطان ان خطرات کا سبب ہوتا ہے یہ کل خطرات کی چار قسمیں ہیں:

پھر خطرات کی اس تقسیم کے بعد یہ بھی جاننا ضروری ہے کہ وہ خطرہ جو ابتداءً بغیر کسی واسطے کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کے دل میں آتے ہیں وہ دو قسم کے ہوتے ہیں (۱) وہ خطرہ کبھی نیک ہوتا ہے جو اکرام اور حجت قائم کرنے کے لئے ہوتا ہے۔

(۲) وہ خطرہ کبھی بڑا ہوتا ہے جو انسان کو آزمائش اور مشقت میں مبتلاء کرنے کے لئے ہوتا ہے۔

اور جو خطرہ ملہم نامی فرشتہ کی طرف سے ہوتا ہے وہ تو نیک ہی ہوتا ہے اس لئے کہ ملہم وعظ و نصیحت اور رشد و ہدایت ہی کے لئے بھیجا گیا ہے۔

اور وہ خطرہ جو وسواس نامی شیطان کی طرف سے ہوتا ہے وہ برا ہی ہوتا ہے (گمراہ کرنے والا اور عقائد میں شبہ پیدا کرنے والا ہے) اور کبھی شیطانی خطرہ بھلائی کی صورت میں بھی ظاہر ہوتا ہے تا کہ درجہ بدرجہ انسان کو دھوکہ میں مبتلا کرے۔

اور جو خطرہ انسان کے دلوں میں ہوائے نفسانی کی طرف سے پیدا ہوتا ہے وہ برا ہے اور اس میں خیر و بھلائی کا کوئی شائبہ بھی نہیں ہوتا اور یہ خطرہ اس لئے پیدا ہوتا ہے کہ انسان نیکی سے باز رہے اور برائی کی راہ اختیار کرلے۔

میں نے بعض سلف صالحین سے سنا ہے کہ ہوائے نفس بھی شیطان کی طرح انسان کو کبھی کبھی نیکیوں کی ترغیب دیتے ہیں مگر شیطان کی طرح اس کا مقصد بھی برائیوں میں مبتلا کرنا ہوتا ہے۔ یہ خطرات کی چاروں قسموں کا تفصیلی بیان تھا جن کو یاد رکھنا

ضروری ہے۔

اچھے اور برے خطرات میں فرق کرنے کا بیان

خطرات کی ان قسموں کی معرفت کے بعد مزید تین چیزوں کا جاننا بھی انتہائی ضروری ہے اور یہی مقصودِ اصلیّہ ہیں۔

(۱) نیک اور برے خطرات وخیالات میں کیا فرق ہے؟ (آیا من جانب اللہ ہے یا منجانب الشیطان یا ہوائےنفس کی طرف سے ہے مترجم)

(۲) خطرۂ شر رحمانی یا شیطانی اور نفسانی میں کیا فرق ہے؟ اور ان تینوں کے درمیان کس چیز کے ذریعے فرق کیا جاتا ہے؟

(۳) خطرۂ خیر رحمانی یا الہامی یا شیطانی یا نفسانی میں کیا فرق ہے تاکہ خطرہ خیر رحمانی اور الہامی کی اتباع وپیروی کی جائے اور خطرۂ خیر نفسانی اور شیطانی سے بچ سکیں یہ تینوں چیزیں تین فصلوں میں بیان ہوں گی۔

پہلی فصل: ہمارے علمائے کرام نے خطرۂ خیر اور شر میں اس طرح فرق بیان فرمایا ہے کہ جب تمہارے دل میں کوئی خطرہ (خیال) آئے اور تم جاننا چاہو کہ یہ خطرۂ خیر ہے یا خطرۂ شر تو تم چار میزانوں میں سے کسی ایک میزان سے اس خطرہ کا موازنہ کرو پھر اس خطرہ کا خیر یا شر ہونا واضح ہوجائے گا۔

موازین اربعہ: (۱) پہلا میزان وطریقہ یہ ہے کہ جو خطرہ تمہارے دل میں آئے اسے شریعت مطہرہ کے ترازو پر پرکھو اگر وہ خطرہ شریعت کے موافق ہو تو خطرۂ خیر ہے اور اگر اصول شرع کے خلاف ہے تو وہ خطرۂ شر ہے۔

(۲) پھر اگر میزان شرع سے فرق واضح نہ ہو تو سلف صالحین کی سیرت وعمل سے اس کا

موازنہ کرو اگران کی سیرت کے مطابق ہے تو وہ خطرہ نیک و بھلا ہے اور اگر صالحین کے فعل و عمل کے مخالف ہے اور فاسقین اور طالحین کے تابع ہے تو وہ خطرہ شر و برا ہے۔

(۳) پھر اگر سلف صالحین کے کردار کے ترازو سے بھی فرق واضح نہ ہو سکے تو اپنے نفس اور خواہش کے میزان پر پرکھو اگر نفس مطمئن نہ ہو بلکہ طبعی طور پر نفرت و کراہت کرے اور یہ نفرت کسی خارجی خوف و ڈر کی وجہ سے نہ ہو تو یہ نیک و خیر ہے اور اگر وہ خطرہ ایسا ہے کہ نفس اس کی طرف طبعاً و فطرتاً مائل ہوتا ہے اللہ تعالیٰ سے کسی امید یا ترغیب کی بنیاد پر مائل نہیں ہوتا ہے تو وہ خطرہ شر (بُرا خیال) ہے اس لئے کہ نفس برائیوں کی جڑ و بنیاد ہے جو برائیوں ہی کی طرف مائل کرتا ہے خیر کی طرف نہیں لے جاتا (چوتھے میزان کا تذکرہ مصنف نے نہیں کیا ۱۲ مترجم) لٰہذا جب تم ان مذکورہ تین میزانوں اور طریقوں کے ذریعہ خوب اچھی طرح اور انتہائی غور و خوض کے ساتھ خطرات مذکورہ کی تینوں قسموں میں فرق کرنا چاہو گے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے خطرات نیک و بد میں فرق ظاہر فرما دے گا اور اللہ تعالیٰ ہی حامی و ناصر ہے اسی کی توفیق اور فضل و کرم سے ہدایت ملتی ہے بے شک وہ جواد و مہربان ہے۔

دوسری فصل: ہمارے علمائے کرام نے خطرۂ شر رحمانی' شیطانی اور نفسانی میں فرق کرنے کا طریقہ یہ بتایا ہے کہ اگر دل میں پیدا ہونے والے خطرے کو پرکھنا چاہو کہ یہ رحمانی ہے یا شیطانی یا نفسانی تو اس خطرے کو پرکھنے کے تین طریقے ہیں

(۱) اگر وہ خطرہ ایک ہی حالت پر پختہ و محکم اور مضبوط ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے یا ہوائے نفس کی جانب سے ہے اور اگر ایک حالت پر پختہ و قائم نہ ہو بلکہ اس میں تردد ہو تو وہ خطرہ شیطان کی طرف سے ہے بعض بزرگان دین رحمھم اللہ تعالیٰ فرمایا

کرتے تھے کہ ہوائے نفس کی مثال چیتے کی سی ہے جب وہ مقابلہ اور جنگ پر آمادہ ہو جاتا ہے تو جب تک اسے شکست فاش نہ دیدے اور اسکا قلع قمع نہ کردے اسکا پیچھا نہیں چھوڑتا یا نفس اس خارجی العقیدہ شخص کی طرح ہے کہ جب تک اسے قتل نہ کردیا جائے اپنی شرارتوں سے باز نہیں آتا۔

اور شیطان بھیڑیے کی طرح ہے اگر تم اسے ایک طرف سے روکو تو وہ دوسری طرف سے گھس آتا ہے۔

(۲) دل میں پیدا ہونے والے خطرۂ شر کے رحمانی یا نفسانی یا شیطانی ہونے میں فرق کرنے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اگر یہ خطرۂ شر گناہ کے ارتکاب کے بعد دل میں آئے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگا تاکہ اس گناہ کی ذلت ورسوائی ظاہر ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: یہ گناہ دل میں خطرات کی صورت میں آتے ہیں پھر قساوت اور زنگ کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔

اور اگر یہ برے خیالات گناہ کے فوراً (متصلاً) بعد دل میں پیدا نہ ہوں تو یہ خطرہ شیطانی ہے کہ شیطان گمراہ کرنے کے لئے عموما دلوں میں برے خیالات ڈالتا رہتا ہے۔

(۳) دل میں پیدا ہونے والے خطراتِ (خیالاتِ) شر کے رحمانی' شیطانی اور نفسانی ہونے میں فرق کرنے کا تیسرا طریقہ یہ ہے کہ اگر یہ برے خیالات اللہ تعالیٰ کے ذکر سے کم وکمزور نہ ہوں نہ ہی ختم ہوں تو یہ خطرات شر نفسانی ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اس میں کمی یا کمزوری آجائے تو یہ شیطانی خیالات ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ کے فرمان من شر الوسواس الخناس (میں اللہ عزوجل کی پناہ چاہتا ہوں اسکے شر سے جو دل

میں برے برے خطرات ڈالیں) کی تفسیر میں بیان کیا گیا ہے بے شک شیطان انسان کے دلوں کی تاک میں رہتا ہے جب انسان اللہ کا ذکر کرتا ہے تو وہ بھاگ جاتا ہے اور جب غافل رہتا ہے تو اس کے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے۔

تیسری فصل: دل میں پیدا ہونے والے خطرۂ خیر کے رحمانی یا الہامی میں فرق کرنے کے تین طریقے ہیں۔

(۱) پہلا طریقہ یہ ہے کہ اگر یہ خطرۂ خیر محکم وقوی ہے تو یہ خطرہ خیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اگر یہ خطرۂ خیر قوی نہیں ہے بلکہ اس میں تردد واضطراب ہے تو وہ خطرۂ خیر الہامی یعنی فرشتے کی طرف سے ہے اس لئے کہ وہ فرشتہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے واعظ ہے جو انسان کے دلوں پر بھلائی کی راہ دکھانے پر مامور ومقرر ہے جو تمہارے پاس ہر طرف سے آسکتا ہے اور ہر طرح انسان کو نیکیوں کی طرف مائل ومتوجہ کرتا ہے اور بھلائی کے تمام کام تمہارے سامنے تمہاری مقبولیت اور خیر کی طرف رغبت کی امید

رکھتے ہوئے پیش کرتا ہے۔

(۲) خطرۂ خیر کے رحمانی یا الہامی میں فرق سمجھنے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اگر یہ خطرۂ خیر تمہارے مجاہدے اور طاعت کے بعد دل میں آئے تو یہ خطرۂ خیر رحمانی ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (پ۲۱ سورۃ العنکبوت آیت ۶۹) جو لوگ ہم تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں تو ہم انہیں ضرور بالضرور اپنا راستہ دکھا دیں گے۔

اور دوسری جگہ فرماتا ہے: وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى (پ۲۶ سورۃ محمد آیت ۱۷) جو لوگ ہدایت یافتہ ہیں اللہ تعالیٰ ان کی ہدایت میں اور اضافہ فرما دیتا ہے۔

اور اگر یہ اچھے خیالات دل میں اطاعت و مجاہدے کے فوراً بعد پیدا نہ ہوں بلکہ وہ ابتداء پیدا ہوں تو وہ الہامی (فرشتہ کی طرف سے) ہے۔

(۳) دل میں اچھے خیالات کے رحمانی اور الہامی ہونے میں فرق کرنے کا تیسرا طریقہ یہ ہے کہ اگر یہ خیالات باطنی اصول اور اعمال سے متعلق ہوں تو وہ اکثر رحمانی یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں اور اگر ظاہری فروع اور اعمال سے متعلق ہوں تو یہ خیالات اکثر الہامی ہوتے ہیں اس لئے کہ اکثر علماء کے نزدیک فرشتہ کو بندوں کے باطنی امور کی معرفت نہیں ہوتی لیکن وہ اچھے خیالات جو شیطان کی طرف سے بندوں کے دل میں آتے ہیں اس سے حقیقت میں انسان کو گناہوں میں مبتلا کرنا مقصود ہوتا ہے تو اس کے متعلق ہمارے شیخ ابو بکر وراق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ فرق کرنے کا طریقہ بیان کیا ہے کہ اگر دل کے اس اچھے یا بھلے خیال سے تمہارے دل میں خوشی و مسرت پیدا ہو خوف پیدا نہ ہو اور عجلت پیدا ہو اور تاخیر نہ ہو دل میں اطمینان و سکون ہو

ڈر اور خوف نہ ہو اور آخرت کے انجام سے بے خبر ہو اس کے متعلق کسی قسم کی بصیرت نہ ہو تو یہ خطرہ شیطانی ہے لہٰذا اس سے بچنا اور اجتناب کرنا چاہئے اور اگر تم اپنے آپ کو اس کے خلاف پاؤ یعنی تمہارے دل میں ڈر و خشیت ہو خوشی و مسرت نہ ہو اور تاخیر کے بجائے عجلت ہو اور امن و سلامتی کے بجائے ڈر اور خوف ہو اور انجام سے باخبر اور اندھا و بے پرواہ نہ ہو تو یہ خیال رحمانی (اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے) یا فرشتے کی طرف سے ہے۔

میں (امام غزالی) کہتا ہوں یہاں خوشی و مسرت سے مراد ایک قسم کا سکون و اطمینان ہے جس میں بصیرت نہیں ہوتی اور بسا اوقات ثواب کے ذکر سے بھی ایک خوشی و فرحت ملتی ہے لیکن یہ تاخیر (تمام امور میں) پسندیدہ ہے سوائے چند محدود جگہوں کے کہ ان میں عجلت ہی محبوب و مرغوب ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضور سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اَلْعَجَلَةُ مِنَ الشَّيْطَانِ اِلَّا فِيْ خَمْسَةِ مَوَاضِعَ تَزْوِيْجُ الْبِكْرِ اِذَا اَدْرَكَتْ وَ قَضَاءُ الدَّيْنِ اِذَا وَجَبَ وَ تَجْهِيْزُ الْمَيِّتِ اِذَا مَاتَ وَ قِرَى الضَّيْفِ اِذَا نَزَلَ وَ التَّوْبَةِ مِنَ الذَّنْبِ اِذَا اَذْنَبَ پانچ کاموں کے علاوہ تمام کاموں میں عجلت و جلد بازی کرنا شیطان کا کام ہے وہ پانچ کام یہ ہیں (۱) جب لڑکی بالغہ ہو جائے تو جلدی شادی کر دی جائے (۲) جب قرض واجب ہو جائے تو جلدی ادا کر دیا جائے (۳) جب کوئی مر جائے تو جلدی کفن دفن کر دیا جائے (۴) جب کوئی مہمان آئے تو اس کی جلدی مہمان نوازی کی جائے (۵) جب کوئی گناہ ہو جائے تو جلدی توبہ کر لی جائے۔

اور یہاں خوف سے مراد یہ ہے کہ بندے کے دل میں یہ احتمال پیدا ہو کہ یہ

کام کما حقہ ادا کرسکوں یا نہ کرسکوں اور بارگاہ خداوندی میں مقبول بھی ہوگا یا نہیں اور آخرت کو پیش نظر رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ بندے کو اس خطرہ کے متعلق غور وخوض کے بعد یقین ہوجائے کہ یہ خطرہ درست اور نیک ہے اور آخرت میں اس پر ثواب ملنے کی امید ہے ان تینوں امور کی معرفت ضروری ہے کہ ان کے ذریعے بندہ اپنے خواطر و خیالات میں فرق کرسکتا ہے لہٰذا ان تینوں فصلوں کو اچھی طرح ذہن نشین کرلینا ضروری ہے اور حتی الامکان اس میں غور وخوض کرکے اس کی تہہ تک پہنچنا بھی ضروری ہے اس لئے کہ یہ تینوں فصلیں خواطر کے بیان میں علوم لطیفہ اور اسرار عجیبہ کی حیثیت رکھتی ہیں بے شک اللہ تعالیٰ ہی اپنے فضل سے توفیق عطا فرمانے والا ہے۔

شیطان کے دھوکوں اور حیلوں کا بیان

شیطان کے دھوکے اور اس کے حیلے جن کے ذریعے انسان کو اللہ تعالیٰ کی عبادت وطاعت سے روکنے کی کوشش کرتا ہے وہ سات قسم کے ہیں۔

(۱) پہلی قسم یہ ہے کہ شیطان انسان کو اللہ تعالیٰ کی طاعت وعبادت سے روکتا ہے پس اگر اللہ تعالیٰ انسان کو شیطان سے محفوظ کرلیتا ہے تو انسان شیطان کو اس طرح دفع کرتا ہے کہ انسان شیطان سے کہتا ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی طاعت وعبادت کی بہت سخت ضرورت ہے اس لئے کہ مجھے اس دار فانی سے آخرت کے لئے توشہ وزادراہ تیار کرنا بہت ضروری ہے کہ اس کے بغیر سفر آخرت طے کرنا ممکن نہیں۔

(۲) دوسری قسم یہ ہے کہ جب انسان شیطان کے اس مکر سے بچ جاتا ہے تو شیطان انسان کو اس طرح بہکانے اور گمراہ کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ عبادت کرنے میں سستی اور کاہلی کا حکم دیتا ہے کہتا ہے کہ آج رہنے دو کل کرلینا پس اگر اللہ تعالیٰ انسان کو اس

سے بھی محفوظ کر لیتا ہے اور شیطان کو اس طرح ٹھکرا دیتا ہے تو انسان شیطان لعین سے یوں مخاطب ہوتا ہے کہ میری موت میرے قبضہ میں نہیں ہے دوسری بات یہ ہے کہ اگر آج کا کام کل پر چھوڑوں گا تو کل کا بھی تو کام ہے تو کل کا کام کس دن کروں گا اس لئے کہ ہر دن کے لئے ایک نیا کام ہے۔

(۳) شیطان کے حیلے کی تیسری قسم یہ ہے کہ جب شیطان اس حیلے سے بھی ناامید ہو جاتا ہے تو کہتا ہے کہ اے انسان اللہ عزوجل کی عبادت جلدی جلدی کر تا کہ فلاں فلاں کام کے لئے بھی فارغ ہو سکے اب اگر اللہ تعالیٰ انسان کو اس حیلے سے بھی بچا لے اور انسان شیطان کو یہ کہہ کر دفع کر دے کہ تھوڑی اور کامل عبادت زیادہ ناقص عبادت سے بہتر ہے۔

(۴) اگر شیطان اپنے اس حیلے میں بھی نامراد و ناکام ہو جاتا ہے تو انسان کو ریا کاری کے ساتھ عبادت کرنے کی ترغیب دیتا ہے یعنی انسان کو ریا کاری میں مبتلا کرنے کی پوری پوری کوشش کرتا ہے پھر اگر انسان اللہ تعالیٰ کی مدد سے اس حیلہ سے محفوظ ہو گیا اور ریاء کے وسوسے کو یہ کہہ کر ٹھکرا دیا کہ میں کسی اور کی نمائش اور دکھاوے کے لئے عبادت کیوں کروں کیا اللہ تعالیٰ کا ہی دیکھ لینا میرے لئے کافی نہیں ہے؟

(۵) شیطان کے حیلے کی پانچویں قسم یہ ہے کہ جب شیطان اپنے اس ہتھکنڈے سے بھی ناکام ہو جاتا ہے تو انسان کو عجب میں مبتلا کرنے کی کوشش کرتا ہے اور کہتا ہے کہ تم نے کتنا بڑا کام کیا، تم نے کتنا عمدہ کام کیا، تم نے کتنی زیادہ شب بیداری کی۔ پھر اگر بندہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس دفعہ بھی محفوظ رہا اور عجب میں مبتلا ہونے سے بچ گیا اور شیطان کے اس وسوسہ کو یہ کہہ کر رد کر دیا کہ مجھ میں کوئی خوبی اور بزرگی نہیں ہے

یہ تو سب اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم ہے کہ اس نے مجھ جیسے گناہ گار بندے کو توفیق خاص عطا فرمائی اور یہ بھی اسی کا فضل و کرم ہے کہ میری حقیر اور ناقص عبادت کو شرف قبولیت عطا فرمائی اگر اسکا فضل و کرم شامل حال نہ ہوتا تو میری ان عبادتوں کی میرے گناہوں کے مقابلے میں کیا وقعت اور قیمت ہوتی۔

(۶) چھٹی قسم یہ ہے کہ جب شیطان لعین ان تمام تدبیروں سے ناکام ہو جاتا ہے تو پھر اپنا چھٹا حربہ استعمال کرتا ہے جو سب سے زیادہ خطرناک ہے اور شیطان کے اس حربہ سے بہت ہی عقلمند اور ہوشیار دل شخص کے علاوہ کوئی اور نہیں بچ سکتا چنانچہ شیطان کہتا ہے کہ اے نیک بخت انسان! تم لوگوں سے چھپ چھپ کر نیکیاں کرنے میں محو و کوشاں ہو اور اللہ تعالیٰ تمہاری ان نیکیوں اور ان نیک اعمال کو عنقریب تمام لوگوں میں مشہور فرما دیگا تو لوگ تمہیں اللہ کا مقرب بندہ کہہ کر یاد کریں گے۔ شیطان اپنے اس قول سے انسان کو ریا کاری میں مبتلا کرنا چاہتا ہے اگر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اور عنایت سے انسان کو شیطان کے اس حربے سے بھی محفوظ فرمالے اور انسان شیطان کو یہ کہہ کر ذلیل و خوار اور نامراد کر دے کہ اے ملعون! ابھی تک تو تو میرے پاس میرے اعمال کو فاسد و بے کار کرنے کے لئے آیا کرتا تھا اور اب ان اعمال کی اصلاح و درستگی کے لئے آیا ہے تاکہ میرے اس عمل کو بالکل ختم کر دے چل دفع ہو جا میں اللہ تبارک و تعالیٰ کا بندہ ہوں وہی میرا آقا و مولیٰ ہے میں اپنی نیکیوں کی شہرت کا مشتاق و متمنی نہیں ہوں میرا پروردگار چاہے میرے اعمال کو ظاہر و مشہور کرے چاہے پوشیدہ رکھے چاہے مجھے عزت و مرتبہ عطا فرمائے چاہے حقیر و ذلیل کرے سب کا سب اسی کے قبضہ قدرت میں ہے مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں کہ وہ لوگوں کے سامنے میرے اعمال کا اظہار فرمائے یا

نہ فرمائے انسانوں کے قبضے میں کوئی چیز نہیں ہے۔

(۷) انسانوں کو گمراہ کرنے کا ساتواں حربہ یہ ہے کہ انسان کے پاس آ کر کہتا ہے کہ تجھے اعمال کرنے کی کیا ضرورت ہے کیونکہ انسان کے نیک و بد ہونے کا فیصلہ روز ازل میں ہو چکا ہے اس دن جو برا ہو گیا وہ برا ہی رہے گا اور جو اچھا اور نیک ہو گیا وہ نیک ہی رہے گا اس لئے کہ اگر تجھے نیک بخت پیدا کیا گیا ہے تو اعمال کا چھوڑنا تمہارے لئے مضر و نقصان دہ نہیں ہے اور اگر تجھے بد بخت اور شقی پیدا کیا گیا ہے تو تمہارا عمل تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا پھر اگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اس سے بچا لیا تو وہ انسان شیطان مردود سے یوں مخاطب ہوتا ہے کہ میں تو اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں اور بندے کا کام یہ ہے کہ وہ اپنے آقا و مولیٰ کے احکام بجالائے اور اللہ تعالیٰ سارے جہان کا پروردگار ہے جو چاہتا ہے حکم کرتا اور جو چاہتا ہے کرتا ہے یقیناً اعمال میرے لئے فائدہ مند ہیں کسی صورت میں بھی نقصان دہ نہیں ہو سکتے کیونکہ اگر میں اللہ کے علم میں نیک بخت ہوں تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں زیادہ ثواب کا محتاج ہوں اور اگر خدا نخواستہ علم الٰہی میں میرا نام بد بختوں میں ہے تو بھی عبادت کرنے سے اپنے آپ پر ملامت تو نہ کرونگا کہ اللہ تعالیٰ مجھے طاعت و عبادت کرنے پر سزا نہ دے گا اور کم از کم اتنا تو ضرور ہے کہ نافرمان ہو کر دوزخ میں جانے سے مطیع و فرماں بردار ہو کر دوزخ میں جانا بہتر و اولیٰ ہے اور پھر یہ کہ سب محض احتمالات ہیں ورنہ اس کا وعدہ بالکل حق ہے اور اس کا فرمان بالکل سچ ہے اور اللہ تعالیٰ نے طاعات و عبادات پر ثواب عطا فرمانے کا بے شمار مقام پر وعدہ فرمایا ہے تو جو شخص اللہ کی بارگاہ میں ایمان اور طاعت کے ساتھ حاضر ہو گا وہ ہرگز ہرگز جہنم میں داخل نہ ہو گا بلکہ اللہ کے فضل و کرم اور (اپنے

اعمال صالحہ کے استحقاق کی وجہ سے جہنم میں نہیں جائے گا بلکہ) اللہ تبارک وتعالیٰ کے سچے اور مقدس وعدے کی وجہ سے جنت میں جائے گا اور اسی سچے وعدے کو اللہ تعالیٰ نے اپنی مقدس کتاب میں نیک بختوں کے لئے یوں ذکر فرمایا ہے: وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ (پ۲۴ سورۃ الزمر آیت ۷۴) تمام خوبیاں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے ہم سے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا۔

لہٰذا تم خواب غفلت سے بیدار ہو جاؤ اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے اور شیطان کے حیلوں اور حربوں سے ہوشیار رہو اس لئے کہ تمام معاملات سے تم بخوبی واقف ہو اور دیکھتے سنتے ہو اسی پر تمام احوال وافعال کو قیاس کرلو اور ہر وقت اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتے رہو اور شیطان مردود سے اسی کی پناہ مانگتے رہو کیونکہ تمام معاملات اسی کے قبضہ قدرت میں ہیں اور وہی توفیق عطا فرمانے والا ہے اور گناہوں سے بچنے کی طاقت نہیں مگر اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اور طاعت وعبادت کرنے کی طاقت نہیں مگر اللہ تعالیٰ کی توفیق سے

عبادت میں چوتھی رکاوٹ نفس ہے

پھر اے اللہ کی عبادت کرنے والو! تمہیں نفسِ امارہ کی شرارتوں سے بھی بچنا بہت ضروری ہے اس لئے کہ یہ تمام دشمنوں سے زیادہ نقصان دہ اور تباہ و برباد کرنے والا دشمن ہے اور اس کی بلائیں و مصیبتیں بہت زیادہ دشوار و مشکل ہیں (اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں ان تمام برائیوں سے محفوظ فرمائے) اس کا علاج بھی بہت ہی مشکل ہے اور اس کی بیماری انتہائی خطرناک بیماری ہے اور اس کی دوا سب سے زیادہ مشکل دوا ہے۔

نفس امارہ ان دو باتوں کی وجہ سے بہت زیادہ خطرناک اور نقصان دہ ہے۔

(۱) پہلی وجہ یہ ہے کہ نفس اندرونی اور داخلی دشمن ہے اور دشمن جب گھر میں چھپا ہوا

ہوتا ہے (گھر کا چور) تو اس سے بچنا بہت مشکل ہوتا ہے اور بہت زیادہ نقصان دہ ہوتا ہے کسی شاعر نے نفس امارہ کی شرارتوں کے متعلق کیا خوب کہا ہے:

نَفْسِیْ اِلٰی مَا ضَرَّنِیْ دَاعِیْ
تُکَثِّرُ اَسْقَامِیْ وَ اَوْجَاعِیْ

میرا نفس مجھے نقصان دہ اور مضر کاموں کی طرف بلاتا ہے اور میری بیماریوں اور درد کو بڑھاتا ہے۔

کَیْفَ اِحْتِیَالِیْ مِنْ عَدُوٍّ اِذَا
کَانَ عَدُوِّیْ بَیْنَ اَضْلَاعِیْ

اس دشمن سے بچنے کی کونسی تدبیر کروں جبکہ میرا دشمن میرے دونوں پہلوؤں کے درمیان چھپا ہوا ہے۔

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ نفس ایک محبوب دشمن ہے اور انسان اپنے محبوب کے عیوب سے بے خبر ہوتا ہے اس کی طرف توجہ بھی نہیں کرتا ہے بلکہ محبت کی وجہ سے اپنے محبوب کے عیوب سے اندھا رہتا ہے (اس پر پردہ ڈالتا ہے) کسی شاعر نے بہت خوب کہا ہے۔

وَ لَسْتَ تَرٰی عَیْبًا لِذِی الْوَدِّ وَ الْاِخَا
وَ لَا بَعْضَ مَا فِیْہِ اِذَا کُنْتَ رَاضِیًا

جب تمہاری کسی سے محبت اور بھائی چارگی ہوجاتی ہے تو تمہیں اس کا کوئی عیب نظر نہیں آتا اور جب تم اس سے راضی ہوجاتے ہو تو جو عیب اس میں ہوتا ہے وہ بھی نظر نہیں آتا

وَ عَیْنُ الرِّضَا عَنْ کُلِّ عَیْبٍ کَلِیْلَۃٌ

وَ لٰکِنَّ عَیۡنَ السُّخۡطِ تُبۡدِیۡ الۡمَسَاوِیَا

رضا وخوشنودی کی آنکھ ہر عیب سے اندھی ہوتی ہے لیکن دشمنی کی آنکھ کو برائیاں ہی نظر آتی ہیں اور عیب ظاہر کرتی ہے۔

تو جب انسان اپنے نفس کی ہر برائی کو اچھا گمان کرے گا تو اپنے نفس کے عیوب سے آگاہ نہیں ہوسکتا اور نفس ہر وقت انسان کی دشمنی اور اسے نقصان پہنچانے میں لگا رہتا ہے تو ایسے شخص کی اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے حفاظت واعانت نہ فرمائے تو اس کا نفس اسے فضیحت وہلاکت (ذلت ورسوائی) کے گڑھے میں گرا دے گا۔

پھر میں (امام غزالی) کہتا ہوں اے میرے آخرت کے طلب گار بھائی! تمہیں ایک نکتہ پر غور کرنا ہی کافی ہے وہ نکتہ یہ ہے کہ جب تم غور کروگے تو تمہیں معلوم ہوجائے گا کہ پیدائش کے دن سے لے کر قیامت تک جو کچھ مصیبت وفضیحت اور ذلت ورسوائی اور ہلاکت وتباہی اور گناہ وآفت واقع ہوتے ہیں وہ سب یا تو صرف اسی نفس کی کارگزاری ہے یا اسکی معاونت اور شرکت کی وجہ سے ہوتے ہیں سب سے پہلے ابلیس لعین نے (آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کرکے) اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور اس نافرمانی کی وجہ فیصلہ سابق کے بعد (علم الٰہی میں ازل سے یہی فیصلہ تھا) ہوائے نفس اور اس کا تکبر وحسد تھا (کہ جب اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو حضرت آدم علیہ السّلام کے لئے سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا تو اس نے تکبر وحسد کیا) جس نے اس کی اسی ہزار سال کی عبادت کے بعد ابلیس کو اس نافرمانی پر برانگیختہ کیا تو وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ضلالت وگمراہی کے سمندر میں غرق ہوگیا اس وقت نہ دنیا تھی نہ کوئی اور مخلوق تھی اور نہ ہی کوئی اور شیطان تھا جو اس ابلیس لعین کو گمراہ کرتا تو معلوم ہوا نفس ہی تھا جس

کے تکبر اور حسد کی وجہ سے ابلیس گمراہی میں مبتلا ہوا۔

پھر اس ابلیس کے مردود بارگاہ ہونے کے بعد حضرت آدم وحضرت حواء علیہما السلام سے جو لغزش سرزد ہوئی اس میں بھی نفسانی خواہشات ہی کا دخل تھا ابلیس نے قسم کھا کر کہا تھا کہ یہ دانہ کھا لینے کے بعد ہمیشہ جنت میں رہنا نصیب ہو جائے گا چنانچہ حضرت آدم وحواء علیہما السلام بقاء اور حیات کو عزیز جانتے ہوئے ابلیس کے کہنے کی وجہ سے پھسل گئے یہ لغزش بھی نفس کی مدد اور اس کی شرکت کی وجہ سے ہوئی یہاں تک کہ اسی ابلیس کے بہکانے اور نفس کی معاونت کی وجہ سے حضرت آدم وحواء علیہما السلام اللہ تعالیٰ کے قرب وجوار سے دور کردیئے گئے اور جنت الفردوس سے اس حقیر، کھوٹی، فانی اور ہلاکت میں ڈالنے والی دنیا میں اتار دیئے گئے چنانچہ اسی لغزش کی وجہ سے حضرت آدم وحواء علیہما السلام کو پریشانیوں اور دقتوں کا سامنا کرنا پڑا اور اسی طرح ان کی اولاد بھی اس دن سے قیامت تک کے لئے ان پریشانیوں کا شکار ہوگئی۔

پھر ہابیل وقابیل کا واقعہ (قابیل نے ہابیل کو قتل کردیا تھا) بھی بغض وحسد اور بخل ہی کی وجہ سے نمودار ہوا پھر ہاروت وماروت کا واقعہ بھی اسی شہوت نفسانی کی وجہ سے پیش آیا پھر اسی طرح قیامت تک نفس ہی کی وجہ سے ناقابل بیان واقعات وقوع پذیر ہوتے رہیں گے اور مخلوق میں جو بھی فتنہ وفساد اور ذلت ورسوائی اور گمراہی ونافرمانی واقع ہوتی ہیں یا ہوں سب کی جڑ اور بنیاد خواہشاتِ نفسانی ہی ہے اگر نفس اور اس کی خواہشات نہ ہوتیں تو مخلوق گناہوں سے محفوظ وسلامت رہتی اور جب نفس کی دشمنی اتنی خطرناک اور نقصان دہ ہے تو عقل وسمجھ رکھنے والے کو چاہئے کہ اپنے معاملات کو نفس کی شرارتوں سے بچانے کی کوشش اور اس کا اہتمام کرے اور اللہ تعالیٰ ہی اپنے

فضل وکرم سے ہدایت اور توفیق عطا فرمانے والا ہے۔

نفس کے فریب سے بچنے کا طریقہ

سوال: نفس امارہ کے شر سے بچنے کا حیلہ اور تدبیر کیا ہے؟ اس کی وضاحت کیجئے تا کہ ہم نفس کے شر سے بچ سکیں۔

جواب: ہم پہلے بھی یہ بیان کر چکے ہیں کہ نفس کا معاملہ سب سے زیادہ سخت اور دشوار ترین ہے لیکن اسے اور دشمنوں کی طرح بالکل ختم بھی نہیں کیا جاسکتا کیونکہ نفس ہی عبادت کرنے کے لئے بندوں کی سواری اور ذریعہ و آلہ ہے روایت ہے کہ ایک دیہاتی نے ایک انسان کے لئے دعائے خیر کی اور کہا کہ اللہ تعالیٰ تیرے نفس کے علاوہ تیرے تمام دشمنوں کو ذلیل ورسوا (نیست و نابود) فرمائے اس لئے کہ نفس کو بالکل ختم نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اس میں بھی نقصان ہے لہٰذا ایک بیچ کی راہ نکالنی ضروری ہے وہ یہ ہے کہ عبادات اور نیکیوں کے لئے نفس کو قوت پہنچاؤ اور اس کی تربیت کرو اور برائیوں سے بچنے اور سرکشی سے روک تھام کے لئے اسے کمزور بھی رکھو اور اسے قید کر کے رکھو الغرض نفس کا علاج بہت مشکل اور اہم ترین مسئلہ ہے جس میں بہت احتیاط اور انتہائی غور وخوض کی ضرورت ہے۔

پھر ہم نفس کے متعلق یہ بھی بیان کر چکے ہیں کہ نفس کو تقویٰ اور ورع کی لگام دینا بھی ضروری ہے تا کہ نیکیاں کرنے اور گناہوں سے محفوظ رہنے کے دونوں فائدے حاصل ہو جائیں۔

سوال: نفس امارہ بہت ہی سرکش اور انتہائی مضبوط اور بدخلق جانور ہے جو آسانی سے لگام کے قابو میں نہیں آتا تو اسے قابو کرنے کی کیا تدبیر وحیلہ ہے؟

جواب: یہ بات تو بالکل درست ہے کہ واقعی نفس انتہائی سرکش وضدی ہے مگر اس کو قابو میں کرنے کی تدبیر یہ ہے کہ اسے ذلیل وخوار کیا جائے تا کہ وہ ہمارے قابو میں آ سکے۔

ہمارے علمائے کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ نفس کو ذلیل وخوار اور اس کی خواہشات کو تین چیزیں ختم کر دیتی ہیں۔

(۱) پہلی چیز یہ ہے کہ نفس کو شہوات وخواہشات سے روکا جائے اس لئے کہ جب ضدی اور سرکش جانور کو چارہ کم ملتا ہے تو وہ خود نرم ہو جاتا ہے۔

(۲) دوسری چیز یہ ہے کہ نفس پر عبادات وطاعات کا بوجھ لاد دیا جائے اس لئے کہ گدھے کو چارہ کم دیا جائے اور اس کی طاقت سے زیادہ اس پر بوجھ لاد دیا جائے تو وہ اپنی شوخی چھوڑ دیتا ہے اور مطیع وفرمانبردار ہو جاتا ہے۔

(۳) تیسری چیز یہ ہے کہ ہر وقت اللہ بزرگ وبرتر سے مدد طلب کرتا رہے اور گریہ وزاری کرتا رہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں نفس کے شر سے محفوظ رکھے ورنہ اس کے علاوہ اور کوئی نجات کا ذریعہ نہیں ہے۔

کیا تم نے قرآن کریم میں حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسّلام کا یہ ارشاد نہیں سنا: اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ (پ۱۳ سورۃ یوسف آیت ۵۳) بے شک نفس ہمیشہ برائیوں ہی کا حکم دیتا ہے مگر جس پر میرا پروردگار فضل وکرم فرمائے لہٰذا جب تم ان تینوں باتوں پر عمل پیرا ہو گے تو ان شاء اللہ تعالیٰ ضرور سرکش نفس مطیع وفرماں بردار ہو جائے گا اس وقت تم اسے قابو کرنے اور لگام لگانے میں جلدی کرو تا کہ آئندہ اس کے شر سے محفوظ ومامون رہ سکو۔

تقویٰ اور اس کی خوبیوں کا بیان

سوال: تقویٰ کسے کہتے ہیں اس کی مکمل وضاحت فرمایئے تا کہ ہم اس کی حقیقت کو جان سکیں؟

جواب: سب سے پہلے یہ جان لو کہ تقویٰ ایک بہت ہی عمدہ وعزیز اور قیمتی خزانہ ہے اگر تم اس خزانے کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے تو تم اس خزانے میں بیش قیمت موتی اور جواہرات پالوگے، عمدہ اور نفیس چیزوں کا خزانہ تمہارے ہاتھ لگ جائیگا اور خیر کثیر ورزق کریم، بہت بڑی کامیابی، بہت زیادہ غنیمت، عظیم الشان ملک کے مالک بن جاؤ گے غرض دنیا اور آخرت کی تمام بھلائیاں اسی تقویٰ میں جمع کر دی گئی ہیں۔

تقویٰ کے متعلق تم قرآن کریم میں غور کرو گے تو تمہیں ستر جگہ سے زائد جگہوں پر مختلف انداز میں اس کا ذکر ملے گا اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بے حساب بھلائیوں اور بے حد وحساب اس پر اجر وثواب کا وعدہ فرمایا ہے اور تقویٰ اور پرہیز گاری اختیار کرنے میں بہت سی سعادتیں عطا فرماتا ہے۔ تقویٰ کی ان تمام خوبیوں میں سے یہاں قرآن کریم سے صرف بارہ خوبیاں بیان کرتا ہوں۔

(۱) اللہ تعالیٰ متقی آدمی کی مدح وثنا فرماتا ہے چنانچہ ارشاد فرماتا ہے: وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ (پ۴ سورۃ آل عمران آیت ۱۸۶) اور اگر تم صبر کرو اور (معصیت) سے بچتے رہو تو یہ بڑی ہمت کا کام ہے۔

(۲) متقی شخص دشمنوں سے محفوظ و مامون رہتا ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا لَا یَضُرُّكُمْ كَیْدُهُمْ شَیْــٴًـا ط (پ۴ سورۃ آل عمران آیت ۱۲۰) اور اگر تم صبر کرو اور (دشمنوں سے) بچتے رہو تو ان کا داؤ تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔

(۳) اللہ تعالیٰ متقی کی تائید و امداد فرماتا ہے چنانچہ ارشاد فرماتا ہے: اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا وَّ الَّذِیۡنَ ہُمۡ مُّحۡسِنُوۡنَ ۝ (پ۱۴ سورۃ النحل آیت ۱۲۸) بے شک اللہ تعالیٰ ڈرنے والوں اور نیکیاں کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

ایک جگہ اور فرماتا ہے: وَ اللّٰہُ وَلِیُّ الۡمُتَّقِیۡنَ ۝ (پ۲۵ سورۃ الجاثیۃ آیت ۱۹) اور اللہ تعالیٰ ڈرنے والوں کا دوست ہے۔

(۴) متقی آدمی آخرت کی ہولناکیوں سے نجات پائے گا اور دنیا میں اسے حلال وطیب رزق ملے گا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: مَنۡ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجۡعَلۡ لَّہٗ مَخۡرَجًا ۝ وَّ یَرۡزُقۡہُ مِنۡ حَیۡثُ لَا یَحۡتَسِبُ ط (پ۲۸ سورۃ الطلاق آیت ۲،۳) اور جو اللہ تعالیٰ سے ڈرے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے نجات کی راہ نکال دیگا اور اسے وہاں سے روزی دے گا جہاں سے اس کا گمان بھی نہ ہو۔

(۵) متقی کے اعمال کی اصلاح ہوگی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ قُوۡلُوۡا قَوۡلًا سَدِیۡدًا ۝ یُّصۡلِحۡ لَکُمۡ اَعۡمَالَکُمۡ (پ۲۲ سورۃ الاحزاب آیت ۷۰،۷۱) اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچی بات کہو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال تمہارے لئے سنوار دے گا۔

(۶) متقی کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: یَغۡفِرۡ لَکُمۡ ذُنُوۡبَکُمۡ (پ۲۲ سورۃ الاحزاب آیت ۷۱) اور اللہ تمہارے گناہ بخش دے گا۔

(۷) متقی اللہ تعالیٰ کا دوست ہوتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الۡمُتَّقِیۡنَ ۝ (پ۱۰ سورۃ التوبۃ آیت ۷) بے شک اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کو محبوب رکھتا ہے۔

(۸) اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کے اعمال قبول فرماتا ہے ارشاد ہے: اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰہُ

مِنَ الْمُتَّقِیْنَ O (پ۶ سورۃ المائدہ آیت۲۷) اللہ تعالیٰ پرہیز گاروں کے ہی اعمال قبول فرماتا ہے۔

(۹) پرہیز گار کو اللہ تعالیٰ عزت وفضیلت عطا فرماتا ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ ط (پ۲۶ سورۃ الحجرات آیت۱۳) بیشک اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیز گار ہے۔

(۱۰) متقیوں کو موت کے وقت فرشتے دنیا وآخرت کی بشارت وخوشخبری دیتے ہیں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ کَانُوْا یَتَّقُوْنَ O لَھُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَ فِی الْاٰخِرَۃِ ط (پ۱۱ سورۃ یونس آیت۶۳،۶۴) وہ جو ایمان لائے اور پرہیز گاری کرتے ہیں انہیں دنیا کی زندگی وآخرت میں خوشخبری ہے۔

(۱۱) متقی شخص جہنم کی آگ سے آزاد ومحفوظ رہے گا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ثُمَّ نُنَجِّی الَّذِیْنَ اتَّقَوْا (پ۱۶ سورۃ مریم آیت۷۲) پھر ہم ڈرنے والوں کو بچالیں گے۔

اور اللہ تعالیٰ دوسری جگہ ارشاد فرماتا ہے: وَ سَیُجَنَّبُھَا الْاَتْقَی (پ۳۰ سورۃ اللیل آیت۱۷) اور متقی آدمی جہنم سے بہت دور رکھا جائے گا۔

(۱۲) متقی حضرات ہمیشہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ (پ۴ سورۃ آل عمران آیت۱۳۳) جنت پرہیز گاروں کے لئے تیار کر رکھی ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ یہ بارہ خوبیاں اور دنیا وآخرت کی تمام تر بھلائیاں اور سعادت مندیاں اس ایک تقویٰ میں یکجا واکٹھا کردی گئی ہیں لہذا اے میرے پیارے بھائیو! تقویٰ وپرہیز گاری کو ہرگز نہ بھولو بلکہ جہاں تک ہوسکے تقویٰ اپنانے

کی کوشش کرو پھر تقویٰ کی مذکورہ بالا بارہ خوبیوں میں سے تین خوبیاں خاص کر عبادت سے تعلق رکھتی ہیں۔

(۱) ابتداء عبادت کی توفیق اور تائید و اعانت ہونی چاہئے اور یہ بھی پرہیز گاروں کے لئے ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ (پ۲ سورۃ البقرۃ آیت ۱۹۴) بے شک اللہ تعالیٰ پرہیز گاروں کے ساتھ ہے۔

(۲) اعمال کی اصلاح وصحت اور عبادت کی خامیوں کو پورا کرنا اور یہ بھی متقیوں کو ہی حاصل ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: یُصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ (پ۲۲ سورۃ الاحزاب آیت ۷۱) اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال تمہارے لئے سنوار دے گا۔

(۳) اعمال کی مقبولیت ہے اور یہ بھی پرہیز گاروں کو ہی نصیب ہوتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ (پ۶ سورۃ المائدۃ آیت ۲۷) اللہ تعالیٰ پرہیز گاروں ہی کے اعمال قبول فرماتا ہے۔

اور عبادت کا دارومدار بھی انہیں تین امور پر ہے۔

(۱) سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی توفیق حاصل ہوتا کہ اس کی عبادت وبندگی کر سکے۔

(۲) پھر عبادت کی خامیوں کی اصلاح اور درستگی ہوتا کہ نیکیاں اور عبادتیں کامل ہوجائیں۔

(۳) اس کے بعد اس عبادت کا بارگاہ خداوندی میں مقبول ہونا یہ تینوں باتیں ایسی ہیں جن کو عبادت گزار لوگ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں رو رو کر مانگتے ہیں اور اس طرح دعا کرتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں اپنی عبادت کی توفیق عطا فرما اور ہماری خامیوں کو دور فرما اور ہماری عبادتوں کو قبول فرما۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان تینوں چیزوں کا پرہیز گاروں ہی سے وعدہ فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ متقیوں کو تقویٰ اور پرہیز گاری ہی کی وجہ سے اعزاز و اکرام سے نوازتا ہے خواہ متقی اللہ تعالیٰ کے اعزاز و اکرام کا سوال کرے یا نہ کرے لہذا اگر تم اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی کرنا چاہتے ہو بلکہ اگر تم دنیا و آخرت کی تمام سعادتیں حاصل کرنا چاہتے ہو تو اپنے اندر زہد و تقویٰ کو لازم کرلو۔

کسی شاعر نے تقویٰ کی کیا خوب تعریف کی ہے۔

مَنِ اتَّقَی اللہَ فَذَاكَ الَّذِیْ

سِیْقَ اِلَیْہِ الْمَتْجَرُ الرَّابِحُ

جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اسی کو نفع بخش تجارت دی جاتی ہے یعنی اسے دارین کی سعادتیں مل جاتی ہیں۔

اور بعض شاعروں نے یہ شعر لکھا ہے۔

لَا یَتْبَعُ الْمَرْءَ اِلٰی قَبْرِہٖ

غَیْرُ التُّقٰی وَ الْعَمَلِ الصَّالِحِ

آدمی کے ساتھ قبر میں تقویٰ و پرہیز گاری اور عملِ صالح کے علاوہ کچھ نہیں جائے گا۔

کسی شاعر نے یوں ذکر کیا ہے۔

مَنْ عَرَفَ اللہَ فَلَمْ تُغْنِہٖ

مَعْرِفَۃُ اللہِ فَذَاكَ الشَّقِیْ

جو شخص اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرلے پھر وہ معرفت اس کو کافی نہ ہو تو وہ بدبخت ہے

مَا یَصْنَعُ الْعَبْدُ بِعِزِّ الْغَنِیْ

وَ الْعِزُّ كُلُّ الْعِزِّ لِلْمُتَّقِي

مال و دولت سے بندہ کیا عزت حاصل کرے گا اور عزت تو سب کی سب متقی و پرہیز گار ہی کے لئے ہے۔

مَا ضَرَّ ذَا الطَّاعَةِ مَا نَالَهُ
فِي طَاعَةِ اللهِ وَ مَا ذَا لَقِي

مطیع و فرماں بردار کو جو چیز اللہ تعالیٰ کی طاعت و عبادت میں ملتی ہے وہ نقصان دہ نہیں بلکہ بہت ہی نفع بخش ہے۔

بعض حضرات نے کسی کے مرنے کے بعد اس کی قبر پر یہ شعر لکھ دیا۔

لَيْسَ زَادٌ سِوَى التُّقَى
فَخُذِيْ مِنْهُ اَوْ دَعِي

تقویٰ اور پرہیز گاری ہی آخرت کا توشہ ہے لہذا اے نفس! چاہے تو تقویٰ کو اختیار کر لے یا چھوڑ دے۔

تین اہم نکات

(۱) اے آخرت کے خواہش مندو! پھر تم اس ایک اصل و بنیادی بات پر بھی غور و خوض کرو وہ یہ ہے کہ تم ساری عمر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشقتیں جھیلتے رہے اور مجاہدے کرتے رہے، مشقتیں برداشت کرتے رہے یہاں تک کہ تمہیں جس چیز کی تمنا و آرزو تھی وہ حاصل ہو گئی لیکن اگر خدانخواستہ یہ عبادت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول نہ ہوئی تو عمر بھر کی ساری کوششیں و مشقتیں ضائع و برباد ہو جائیں گی بے شک تمہیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ (پ۶ سورۃ

المائدۃ آیت ۲۷) اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں ہی کی عبادتیں قبول فرماتا ہے۔

تو معلوم ہوا کہ سارے معاملات کا دارومدار اور مرجع تقویٰ اور پرہیزگاری ہی پر ہے اسی لئے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا کی کسی چیز کو یا کسی انسان کو پسند نہیں فرماتے تھے مگر تقویٰ والے کو۔

اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں توراتِ مقدس میں ذکر ہے کہ اے انسانو! تم اللہ سے ڈرو اور جہاں چاہو سوؤ۔

حضرت عامر بن عبد قیس (عبد اللہ بن قیس) کے متعلق سنا ہے کہ وہ اپنے انتقال کے وقت رونے لگے حالانکہ وہ روزانہ دن رات میں ایک ہزار رکعت نفل نماز پڑھ کر اپنے بستر پر تشریف لے جاتے تھے اور اپنے آپ کو مخاطب کر کے فرماتے اے ہر برائی کی جگہ! اللہ کی قسم میں تجھے پلک جھپکنے بھر بھی پسند نہیں کرتا۔ پھر کسی دن رونے لگے تو اس وقت ان سے کسی نے پوچھا کہ آپ کیوں رو رہے ہیں؟ آپ نے جواب دیا اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے روتا ہوں: اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰہُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ (پ۶ سورۃ المائدۃ آیت ۲۷) اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں ہی کی عبادتیں قبول فرماتا ہے۔

(۲) اے آخرت کے خواہشمندو! اس کے بعد ایک اور لطیف نکتہ پر بھی غور و فکر کرو جو تمام اصولوں کی اصل و بنیاد ہے اور وہ یہ ہے کہ کسی صالح نے اپنے شیخ کی خدمت میں عرض کی کہ مجھے کچھ وصیت فرمایئے تو شیخ نے فرمایا کہ میں تمہیں اللہ رب العالمین کی وہ وصیت کرتا ہوں جو اس نے تمام اگلوں اور پچھلوں کو فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَلَقَدْ وَصَّیْنَا الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ وَ

اِیَّاکُمۡ اَنِ اتَّقُوا اللّٰہَ (پ۵ سورۃ النساء آیت ۱۳۱) اور بے شک ہم نے ان کو جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے اور تم کو تاکید فرمادی کہ اللہ سے ڈرتے رہو۔

میں (امام غزالی) کہتا ہوں کہ کیا بندے کی بھلائی اور بہتری کا علم اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کو ہوسکتا ہے؟ (ہرگز نہیں) کیا اللہ تعالیٰ بندوں پر سب سے زیادہ بھلائی کرنے والا اور سب سے زیادہ رحم کرنے والا اور سب سے زیادہ مہربان نہیں ہے؟ (کیوں نہیں بے شک ہے) اگر دنیا میں بندے کے لئے تقویٰ سے زیادہ فضیلت اور اہمیت کی حامل کوئی اور چیز ہوتی، تقویٰ سے زیادہ بھلائی کی کوئی اور چیز ہوتی، تقویٰ سے زیادہ اجر وثواب والی کوئی اور چیز ہوتی، عبادت میں تقویٰ سے کوئی چیز افضل واعلیٰ ہوتی اور قدر ومنزلت میں بڑی ہوتی اور دنیا وآخرت میں تقویٰ سے زیادہ وقعت والی کوئی اور چیز ہوتی تو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو تقویٰ کی بجائے اسی چیز کا حکم فرماتا اور اپنے خواص کو اسی کی تاکید فرماتا اس لئے کہ اس کی حکمت مکمل اور اس کی رحمت وسیع ہے تو جب اللہ تعالیٰ نے تقویٰ ہی کی تاکید فرمائی ہے اور اپنے اگلے پچھلے تمام بندوں کو تقویٰ ہی کا حکم فرمایا اور اسی پر اکتفا فرمایا اس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تقویٰ ہی سب سے بلند اور عالی مرتبت چیز ہے اس کے یہاں کسی اور چیز کا کوئی مقام نہیں اور اس کے سوا اور کوئی مقصود بھی نہیں ہے۔

اس بیان سے واضح ہوگیا کہ اللہ عزوجل نے ہر بھلائی اور ہر ہدایت ورہنمائی، ہر ارشاد، ہر تنبیہ، ہر تادیب، ہر تعلیم وتربیت، ہر تہذیب وتمدن کو اسی ایک وصیت (تقویٰ) ہی میں پرو دیا جیسا کہ اس کی رحمت وحکمت کے عین مطابق ہے۔

اور تمہیں یہ بات بھی بخوبی معلوم ہوگئی کہ تقویٰ ہی دنیا وآخرت کی تمام بھلائیوں کا منبع و

مجمع ہے اور تقویٰ ہی تمام مہمات میں کافی ہے اور عبادت و بندگی کو قبولیت کے مرتبہ پر پہنچانے کا ضامن ہے۔

ابو العتاہیہ شاعر نے اسی بات کو کیا خوب انداز میں بیان کیا ہے۔

اَلَا اِنَّمَا التَّقْوٰی هِیَ الْعِزُّ وَ الْکَرَمُ
وَ حُبُّكَ لِلدُّنْیَا هُوَ الذُّلُّ وَ الْعَدَمُ

خبردار ہو جاؤ! تقویٰ ہی عزت و بزرگی ہے دنیا کی محبت تو ذلت و رسوائی ہے۔

وَ لَیْسَ عَلٰی عَبْدٍ تَقِیٍّ نَقِیْصَةٌ
اِذَا صَحَّحَ التَّقْوٰی وَ اِنْ حَاكَ اَوْ حَجَمْ

جب کوئی شخص متقی اور پرہیزگار ہو جاتا ہے تو اس میں کوئی عیب و نقص نہیں ہوتا اگرچہ وہ جولاہے یا حجام کا پیشہ اختیار کرلے۔

(۳) اے آخرت کے طالب! یہ ایک آخری نکتہ و بنیاد ہے کہ اس سے اہم اور بلند رتبہ کوئی اور بنیاد نہیں ہے یہ اصل و بنیاد نور و ہدایت والے کے لئے کافی ہے تجھے چاہئے کہ اس پر عمل کرے اور بے پرواہ رہے کہ یہی کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہدایت اور توفیق عطا فرمانے والا ہے۔

تقوی کی حقیقت و مراتب

سوال: اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ تقویٰ بہت بلند و بالا چیز ہے اور دلوں میں اس کا مرتبہ و مقام ہے دنیا و آخرت میں اس کی بہت سخت ضرورت ہے اور اسکی معرفت بھی بہت ضروری ہے لہذا ہمیں اس کی تفصیل سے آگاہ کیا جائے؟

جواب: یہ بات تو بالکل حق اور صحیح ہے کہ تقویٰ بہت ہی عظیم الشان و عظیم المرتبت چیز

ہے اس لئے ضروری ہے کہ تقویٰ کی قدر و منزلت واضح کردی جائے اور اس کا حاصل کرنا ضروری ہے اور اس کی معرفت حاصل کرنا بھی لازم ہے لیکن تم تو جانتے ہی ہو کہ جو جتنا بلند اور عظیم الشان کام ہوگا اس کا کرنا بھی اتنا ہی مشکل اور دشوار ہے اور اتنی ہی اس کے حصول میں جد و جہد اور مشقتیں برداشت کرنی پڑتی ہیں اور بلند ہمتی اور بھر پور کوشش و جانفشانی کرنی پڑتی ہے لہذا جس طرح تقویٰ ایک عظیم الشان و بلند پایہ چیز ہے اسی طرح اس کے حصول میں بھی انتہائی مجاہدے اور کوشش و جانفشانی کرنی پڑتی ہے اور اس کے حقوق اور آداب کا بھی لحاظ رکھنا ضروری ہے اس لئے کہ درجات مجاہدے کے اعتبار سے عطا ہوتے ہیں جس درجے کی کوشش ہوگی اس کا بدلہ وثمرہ بھی اسی درجے کا ہوگا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ط وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (پ۲۱ سورۃ العنکبوت آیت۶۹) اور جنہوں نے ہمارے راستے میں کوشش کی ہم انہیں ضرور اپنا راستہ دکھا دیں گے اور بے شک اللہ نیکوں کے ساتھ ہے۔

اللہ تعالیٰ مہربان ہے ہر مشکل کو آسان کرنا اسی کے قبضہ قدرت میں ہے لہذا تقویٰ کے حقوق وآداب اور اہمیت وحقیقت کو غور سے سنو اور اچھی طرح سمجھو تا کہ اس کی حقیقت سے بخوبی واقف ہو جاؤ پھر تقویٰ حاصل کرنے کے لئے مستعد و کمر بستہ ہو جاؤ اور اس کی معرفت کے بعد اس پر عمل کرنے کے لئے اللہ عزوجل سے مدد طلب کرو اس لئے کہ عبادت کی شان وحقیقت اسی تقویٰ ہی میں پنہاں ہے اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے توفیق اور ہدایت عطا فرماتا ہے۔

اے میرے پیارے بھائیو! ہم تمہیں اصل مقصود و مطلوب بتاتے ہیں (اللہ تعالیٰ تمہارے دین و دنیا اور تمہارے یقین میں برکت و اضافہ فرمائے) کہ تقویٰ کے معنی ہمارے مشائخ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ بیان فرمائے ہیں دل کو اس گناہ سے پاک و ستھرا کرنا کہ اس جیسا گناہ پہلے تم سے صادر نہ ہوا ہو۔ تاکہ تم گناہوں کے ترک کرنے کا پختہ ارادہ و عزم مصمم کرلو اور یہ تمہارے اور تمہارے گناہوں کے درمیان محافظ و نگہبان ہو جائے۔

ہمارے شیخ حضرت ابو بکر وراق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی تقویٰ کی یہی تعریف کی ہے اس لئے کہ لغت میں لفظ تقویٰ کی اصل وقوی ہے واو کے ساتھ اور لفظ وقوی وقایۃ کا مصدر ہے کہا جاتا ہے وقی یقی وقایۃ و وقوی پھر واؤ کو تاء سے خلاف قیاس بدل دیا گیا جیسے وکلان سے تکلان اور وراث سے تراث چنانچہ تقویٰ ہو گیا۔ وقایۃ اور وقوی کے معنی ہیں حفاظت کرنا' تکلیف سے بچانا چونکہ تقویٰ گناہوں سے حفاظت وصیانت کا ذریعہ ہے اس لئے اس کو تقویٰ کہتے ہیں۔

جب بندہ اور اس کے گناہوں کے درمیان حفاظت و وقایت پالی جائے یعنی بندہ جب گناہ و نافرمانی کے ترک کرنے کا پختہ ارادہ کرلیتا ہے اور اس کا دل ترک معاصی پر قائم و مضبوط ہو جاتا ہے تو ایسے پاکیزہ بندہ کو متقی اور گناہوں سے بچنے اور ایسے پختہ ارادہ اور ثابت قدمی کو تقویٰ کہتے ہیں۔

اور قرآن کریم میں تقویٰ کا اطلاق تینوں معنوں پر ہوتا ہے۔

(۱) پہلا معنی خشیت اور خوف و ڈر کے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **وَ اِیَّایَ فَاتَّقُوْنِ** (پ۱ سورۃ البقرۃ آیت ۴۱) اور صرف مجھی سے ڈرو۔

دوسری جگہ ارشاد فرماتا ہے: وَ اتَّقُوْا یَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِیْهِ اِلَى اللّٰهِ (پ۳ سورۃ البقرۃ آیت۲۸۱) اور اس دن سے ڈرو جس دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں لوٹو گے۔

(۲) تقویٰ کا دوسرا معنی طاعت وعبادت کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ (پ۴ سورۃ آل عمران آیت۱۰۲) اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔

اس آیت میں تقویٰ کے معنی طاعت وعبادت کے ہیں چنانچہ حضرت سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: اَطِیْعُوا اللّٰهَ حَقَّ طَاعَتِهٖ اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمان برداری کرو جیسا کہ اس کی اطاعت کا حق ہے۔

اور حضرت مجاہد بن جبیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس آیت کریمہ کی تفسیر اس طرح بیان فرماتے ہیں اس آیت میں تقویٰ کے یہ معنی ہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی جائے کہ پھر نافرمانی نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کو اس طرح یاد کیا جائے کہ اس کے بعد فراموشی نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کا شکر اس طرح ادا کیا جائے کہ اس کے بعد ناشکری نہ ہو۔

(۳) تقویٰ کے تیسرے معنی یہ ہیں کہ دل گناہوں سے بالکل صاف وستھرا ہو جائے اور تقویٰ کے یہ معنی حقیقی ہیں اور پہلے دونوں معنی مجازی ہیں کیا تم نہیں دیکھتے اللہ تعالیٰ قرآن مقدس میں ارشاد فرماتا ہے: وَ مَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ یَخْشَ اللّٰهَ وَ یَتَّقْهِ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الْفَآىٕزُوْنَ (پ۱۸ سورۃ النور آیت۵۲) اور جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانے اور اللہ سے ڈرے اور پرہیزگاری کرے تو یہی لوگ کامیاب ہیں۔

اس آیت کریمہ میں پہلے اللہ اور اس کے رسول کا حکم ماننے اور ڈرنے کا ذکر

فرمایا اور پھر تقویٰ کا ذکر فرمایا تو معلوم ہوا کہ تقویٰ حکم ماننے اور ڈرنے کا نام نہیں ہے بلکہ تقویٰ کسی تیسری چیز کا نام ہے اور وہ یہ ہے کہ دل کو اس گناہ سے پاک کرنا کہ اس جیسا گناہ پہلے تم سے نہ ہوا ہو۔

پھر ہمارے مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تقویٰ کے تین مراتب ہیں

(۱) شرک سے تقویٰ (بچنا) (۲) اللہ تعالیٰ کے دین میں بدعت سے تقویٰ

(۳) گناہوں سے تقویٰ (بچنا)

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان تینوں مراتب کو ایک ہی آیت میں ذکر فرمادیا ہے وہ آیت کریمہ یہ ہے: لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اَحْسَنُوْا (پ۷، سورۃ المائدۃ آیت ۹۳) ایمان والوں اور نیک کام کرنے والوں پر کوئی گناہ نہیں جو کچھ انہوں نے چکھا جبکہ ڈریں اور ایمان رکھیں اور نیکیاں کریں پھر ڈریں اور ایمان رکھیں پھر ڈریں اور نیک رہیں۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تقویٰ کے تین مراتب ہیں (۱) پہلا تقویٰ شرک سے بچنا و پرہیز کرنا ہے اور یہ تقویٰ اولیٰ کے مقابلے میں جو ایمان ہے اس سے توحید مراد ہے (۲) اور دوسرا تقویٰ بدعت سے پرہیز کرنا ہے اور اس کے مقابلے میں جو ایمان ذکر کیا گیا ہے اس سے مراد اہل سنت و جماعت کے عقائد و نظریات کا اقرار کرنا ہے (۳) اور تیسرا تقویٰ گناہوں سے بچنا ہے اور اس تیسرے مرتبہ میں اقرار واعتراف کا تذکرہ نہیں ہے اور اس تیسرے تقویٰ کے مقابلے میں جس احسان کا تذکرہ ہے اس سے طاعت وعبادت اور اس پر استقامت مراد ہے تو اس تفصیلی بیان سے واضح

ہوگیا کہ اس آیت مقدسہ میں تقویٰ کے تینوں مراتب کا بیان موجود ہے (۱) ایمان کا مرتبہ (۲) سنت کا مرتبہ (۳) اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرماں برداری پر استقامت و ثابت قدمی کا مرتبہ۔ تقویٰ کے یہ تینوں مرتبے جو بیان کئے گئے یہ وہی ہیں جن کو ہمارے علمائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے معنی بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے۔

میں (امام غزالی) کہتا ہوں کہ میں نے تقویٰ کا ایک اور معنی پایا ہے وہ یہ ہے ضروری مقدار سے زائد چیز سے پرہیز کرنا (جبکہ یہ زائد بھی حلال ہو) اور یہ معنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مشہور حدیث میں مروی ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: اِنَّمَا سُمِّیَ الْمُتَّقُوْنَ مُتَّقِیْنَ لِتَرْکِهِمْ مَا لَا بَأْسَ بِهٖ حَذَرًا عَمَّا بِهٖ بَأْسٌ (سنن الترمذی، سنن ابن ماجه عن عطية بن عروة) متقیوں کو متقی اس لئے کہا گیا ہے کہ انہوں نے ان کاموں کو بھی ترک کردیا ہے جن میں شرعا کوئی قباحت وحرج نہیں محض حرام وگناہ میں واقع ہونے کے خوف سے احتیاط کرتے ہیں۔

میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اس موقع پر اپنے علمائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے وہ اقوال اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ احادیث مبارکہ جمع کردوں جو تقویٰ کے متعلق وارد ہیں تاکہ تقویٰ کی تعریف جامع ہوجائے اور اس کے پورے معنی بیان ہوجائیں چنانچہ میں تقویٰ کی جامع ومانع تعریف کرتا ہوں۔

تقویٰ: ہر اس چیز اور کام سے بچنے کو تقوی کہتے ہیں جس سے تمہارے دین کو نقصان پہنچنے کا خوف واندیشہ ہو۔

کیا تمہیں نہیں معلوم کہ بخار کے مریض کو اسی وقت متقی اور پرہیز کرنے والا کہیں گے

جب وہ ہر اس چیز سے پرہیز کرے جو اس کی صحت و تندرستی کے لئے نقصان دہ ہو مثلاً کھانا، پینا، پھل وغیرہ اسی طرح جو شخص خلاف شرع چیزوں سے بچے تو حقیقت میں وہی متقی کہلانے کا حقدار ہے۔

پھر وہ امور جن سے دینی معاملات میں نقصان پہنچنے کا خوف و اندیشہ ہو ان کی دو قسمیں ہیں (۱) خالص حرام اور نافرمانی (۲) حلال چیز ضرورت سے زائد۔ اس لئے کہ ضرورت سے زائد حلال چیزوں میں مشغول ہونا اور اس میں منہمک و مصروف ہونا بھی آہستہ آہستہ خالص حرام اور نافرمانی میں مبتلا کر دیتا ہے اور یہ سب کچھ نفس کی شرارتوں اور خواہشات اور نفس کی سرکشی و شہوات و نافرمانی و بے حیائیوں کی وجہ سے ہوتا ہے لہذا جو شخص اپنے دین کو نقصانات سے پورے طور پر بچانا چاہے تو اس پر لازم ہے کہ حرام کے ساتھ ضرورت سے زائد حلال چیز سے بھی پرہیز کرے تاکہ اس فضول حلال کی وجہ سے خالص حرام میں مبتلا نہ ہو جائے۔ اسی بات کو حضور سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یوں ارشاد فرمایا ہے: متقی حضرات ان کاموں کو بھی ترک کر دیتے ہیں جن میں شرعا کوئی قباحت نہیں ہوتی محض گناہ و حرام میں واقع ہونے کے ڈر سے۔ یعنی متقی حضرات حرام و گناہ میں پڑنے کے خطرہ سے ضرورت سے زائد حلال چیز کو بھی چھوڑ دیتے ہیں تو تقویٰ کی جامع و کامل تعریف یہ ہوئی کہ ہر اس چیز سے پرہیز و اجتناب کرنا جو دین میں نقصان دہ اور مضر ہو اور مضر چیز معصیت اور ضرورت سے زیادہ حلال چیز میں واقع ہونا ہے۔ یہ تقویٰ کی جامع و مانع اور کامل ترین تعریف و حقیقت ہے۔

اور علم شریعت کے اعتبار سے تقویٰ کی تعریف و حقیقت یہ ہے کہ دل کو ہر اس برائی و شر سے محفوظ رکھنا کہ اس جیسی برائی بندے نے پہلے نہ کی ہو برائی کے ترک پر پختہ عزم و

ارادے کے ساتھ دل کو پاک وستھرا کرنا تاکہ یہ عزم مصمم تمہارے اور ہر قسم کی برائیوں کے درمیان رکاوٹ وحفاظت کا ذریعہ بن جائے۔

پھر شر و برائی کی دو قسمیں ہیں:

(۱) پہلی قسم شر اصلی: وہ شر جس سے اللہ تعالیٰ نے حرام ہونے کے اعتبار سے منع فرمایا ہو جیسے خالص نافرمانی اور گناہ۔

(۲) شر غیر اصلی: وہ برائی جس سے اللہ تعالیٰ نے تادیبا منع فرمایا ہو وہ ضرورت سے زیادہ حلال چیز استعمال کرنا ہے جیسے مباح چیزیں جن سے نفسانی خواہشات بڑھتی ہیں شر اصلی سے بچنا فرض ہے اور شر اصلی سے نہ بچنے کی صورت میں جہنم کے عذاب کا مستحق ہوگا۔ شر غیر اصلی سے پرہیز کرنا اور اس سے بچنا بہتر و مستحب ہے۔ اور شر غیر اصلی سے نہ بچنے کی صورت میں قیامت کے دن میدان محشر میں روکا جائے گا اس سے ہر چیز کا حساب لیا جائیگا' دنیا میں بلا ضرورت چیزوں کے استعمال پر اسکے عیوب ظاہر کئے جائیں گے اور اسے عار و ندامت دلائی جائے گی اور اسے ملامت کی جائے گی لہذا جس نے شر اصلی سے پرہیز و اجتناب کیا اس نے تقویٰ کے ادنیٰ درجے کو حاصل کیا اور یہی طاعت وعبادت پر قائم وثابت قدم رہنے والے کا درجہ ومرتبہ ہے اور جو شخص شر غیر اصلی سے بچا اس نے بلند و اعلیٰ مقام حاصل کرلیا اور یہ مباح چیزوں کے چھوڑنے پر ثابت قدم رہنے والوں کا مقام ہے اور جس نے شر اصلی اور شر غیر اصلی دونوں سے اجتناب کیا اور ان دونوں تقویٰ (معصیت اور مباح سے بچنے) کو اپنا شعار بنایا تو وہ کامل متقی ہے اور اس نے تقویٰ کا حق ادا کردیا اور اس نے ہر قسم کی بھلائی وخوبی حاصل کرلی اور اسی کو کامل ورع (پرہیزگاری) کہتے ہیں جو دین کی بنیاد و جڑ ہے اور یہی

تقویٰ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچا دیتا ہے غرض تقویٰ کا یہ شرعی معنی اور اس کا مختصر اور جامع بیان کر دیا گیا ہے لہذا اسے خوب اچھی طرح سمجھ لو اور اس پر عمل کرو اللہ تعالیٰ تمہیں توفیق عطا فرمائے گا۔

تقویٰ حاصل کرنے کا طریقہ

سوال: تقویٰ حاصل کرنے اور اس کے استعمال کا کیا طریقہ ہے اس کی ضرورت کا وقت آ گیا ہے اور ہم اپنے نفس کو تقویٰ کے تابع کس طرح بنائیں تا کہ معلوم ہو جائے کہ نفس کو تقویٰ کی لگام دینے اور قابو پانے کا کیا طریقہ ہے؟

جواب: نفس پر قابو پانے کی صورت یہ ہے کہ نفس پر پورے عزم اور پختہ ارادے کے ساتھ ثابت قدم رہو اور نفس کو ہر قسم کی معصیت و نافرمانی سے روکو اور نفس کو ضرورت سے زائد حلال چیز کے استعمال سے بچاؤ جب تم یہ کام کر لو گے تو تمہاری آنکھ' کان' زبان' دل' پیٹ اور شرمگاہ اور تمام اعضاء بدن میں تقویٰ (اللہ کا ڈر) خود بخود ہی پیدا ہو جائے گا اور تمام اجزائے بدن میں تقویٰ کی لہر دوڑ جائے گی اس طرح نفس تقویٰ کی لگام میں اچھی طرح جکڑ جائے گا اور تقویٰ کا بیان بہت ہی طویل وعریض ہے جس کی تفصیل کی طرف ہم نے اپنی کتاب احیاء علوم الدین میں اشارہ کر دیا ہے۔

لیکن اس مختصر مقام میں جن باتوں کو بیان کرنا انتہائی ضروری ہے وہ یہ ہے کہ جو شخص اپنے اندر اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا کرنا چاہے تو اسے چاہیے کہ ان پانچ اعضاء کی خصوصیت کے ساتھ حفاظت کرے وہ پانچ اعضاء یہ ہیں۔

(۱) آنکھ۔ (۲) کان۔ (۳) زبان۔ (۴) دل۔ (۵) پیٹ

دینی امور میں نقصان وضرر کا خوف ہو تو ان مذکورہ پانچ اعضاء کی ہر معصیت

اور حرام وفضول (ضرورت سے زائد حلال چیز کے استعمال سے) اور حلال چیز میں اسراف سے محفوظ رکھنا ضروری ہے اور جب ان پانچ اعضاء کی حفاظت وصیانت ہوجائے تو امید ہے کہ جسم کے باقی دوسرے اعضاء بھی محفوظ ہوجائیں گے اور بندہ اپنے تمام اعضاء بدن کے ساتھ پورے طور پر متقی ہوجائے گا اب ہم ان پانچوں اعضاء کے متعلقہ امور پانچ فصلوں میں بیان کرتے ہیں اور اس بات کا بھی ذکر کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ ان پانچوں اعضاء کے لئے کون کون سی چیزیں حرام ہیں جن سے ان کو بچانا ضروری ہے لیکن یہاں اس کتاب کی مناسبت سے مختصر بیان ہوگا۔

اعضاء خمسہ کی تفصیل

(۱) **پہلی فصل:** آنکھ کے بیان میں: تم پر اپنی آنکھ کی حفاظت انتہائی ضروری ہے (اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں اپنی نظر کی حفاظت کی توفیق عطا فرمائے) اس لئے کہ آنکھ ہی تمام فتنوں اور آفتوں کی جڑ ہے میں آنکھ کے متعلق تین اصول بیان کرتا ہوں (ان شاء اللہ ان اصولوں کی پابندی سے آنکھ ہر قسم کے فتنوں سے محفوظ رہے گی)

پہلا اصول: یہ ہے جس کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے مقدس کلام میں ارشاد فرمایا ہے: قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَ یَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا یَصْنَعُوْنَ ۝ (پ۱۸ سورۃ النور آیت ۳۰)

مسلمان مردوں کو حکم دو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں یہ ان کے لئے بہت ستھرا ہے بے شک اللہ ان کے کاموں سے باخبر ہے۔

اے میرے پیارے بھائیو! تم جان لو کہ میں نے اس مختصر سی آیت کریمہ میں غور کیا تو مجھے تین نادر ونایاب معانی معلوم ہوئے (۱) تادیب یعنی ادب سکھانا۔

(۲) تنبیہ یعنی خبردار کرنا (۳) تہدید یعنی ڈرانا۔

(۱) تادیب (ادب سکھانے) کا تذکرہ فرما کر اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان میں فرمایا: مسلمان مردوں کو حکم دیدو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔ اس آیت کریمہ میں لفظ **یَغُضُّوْا** امر کا صیغہ وارد ہے اور بندے پر اپنے آقا و مولیٰ کے حکم کی تعمیل کرنا لازم ہے اور یہ کہ اپنے آقا کے سکھائے ہوئے آداب کو بجالائے ورنہ بے ادب و بداخلاق غلام شمار ہوگا اور بے ادب غلام کو آقا کی مجلس میں حاضر ہونے کی اجازت نہیں ملتی اور نہ ہی ایسا غلام آقا کے سامنے آنے کے لائق ہوتا ہے اس نکتہ کو اچھی طرح سمجھ لو اور یاد رکھو اور اس میں خوب غور کرو اس لئے کہ اس میں بہت سی باریکیاں پنہاں ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ عزّ وجل کے اس فرمان میں تنبیہ ہے ''یہ ان کے لئے بہت ستھرا و پاکیزہ ہے'' اس آیت کے دو معنی مراد لے سکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

(۱) پہلا معنی یہ ہے کہ نظروں کو جھکائے رکھنا مومنوں کے دلوں کو پاکیزہ کرتا ہے اور ان کے دلوں کو گناہوں سے پاکیزہ و ستھرا بنا دیتا ہے اس لئے کہ زکوٰۃ کے معنی طہارت و پاکی (پاک ہونے) کے ہیں اور تزکیہ تطہیر (پاک کرنے) کو کہتے ہیں۔

(۲) دوسرا مطلب یہ ہے کہ نظروں کو جھکائے رکھنا مومنوں کی نیکیوں کو بڑھاتا ہے اور زیادہ کرتا ہے اس لئے کہ زکوٰۃ کے لغوی معنی بڑھانے اور زیادہ کرنے کے بھی ہیں تو اس اعتبار سے آیت کریمہ کا مطلب یہ ہوا کہ نظریں نیچی رکھنا دلوں کو ہر قسم کے گناہوں سے خوب اچھی طرح پاک کرتا ہے اور طاعت و عبادت اور نیکیوں میں اضافہ کرتا ہے اور یہ اس لئے ہے کہ اگر تم اپنی نگاہوں کو نیچی نہیں رکھو گے بلکہ اسے ہر چیز پر آزادانہ طور پر ڈالو گے تو تمہاری آنکھ لغو اور فضول چیزوں کو دیکھتے دیکھتے حرام پر بھی

پڑنے لگے گی اب اگر تم جان بوجھ کر حرام چیز پر نظر ڈالو گے تو یہ بہت بڑا گناہ ہے اور بہت ممکن ہے کہ تمہارا دل اس حرام چیز سے وابستہ ہو جائے اگر اللہ تعالیٰ کی رحمت شامل حال نہ ہو تو تم ہلاک و برباد ہو جاؤ گے چنانچہ روایتوں میں آیا ہے کہ ''بسا اوقات بندہ کسی چیز کو دیکھتا ہے تو اس کے ساتھ اس کا دل اس طرح وابستہ ہو جاتا ہے جیسے کھال دباغت دینے کے رنگ سے رنگ جاتی ہے لہٰذا اس دل سے کبھی بھی فائدہ و نفع نہیں اٹھا سکتے'' اور اگر وہ چیز ایسی ہے جس کا دیکھنا مباح ہے تو ہو سکتا ہے کہ تمہارا دل اس پر فریفتہ ہو جائے اور اس کی وجہ سے تمہارے دل میں طرح طرح کے وسوسے اور خطرات پیدا ہونے لگیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان مباح چیزوں تک نہ پہنچ سکو اور ان خطرات کی وجہ سے تمہارا دل نیکیوں سے منقطع ہو جائے اور اگر تم نے کسی طرف دیکھا ہی نہیں تو تم ہر قسم کے فتنوں اور فضول وسوسوں سے محفوظ رہو گے۔

اسی مفہوم کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے: اِيَّاكُمْ وَالنَّظْرَةَ فَاِنَّهَا تَزْرَعُ فِي الْقَلْبِ الشَّهْوَةَ وَ كَفَى بِهَا لِصَاحِبِهَا فِتْنَةً یعنی اپنی نظروں کو حرام چیز پر پڑنے سے بچاؤ اس لئے کہ بری چیز کو دیکھنا دل میں شہوت پیدا کرتا ہے اور دیکھنے والوں کو فتنوں میں مبتلا کر دیتا ہے۔

حضرت ذالنون ثوبان بن ابراہیم مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ارشاد فرماتے ہیں: شہوات سے بچنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ نظریں نیچی رکھیں۔

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

وَ اَنْتَ اِذَا اَرْسَلْتَ طَرْفَكَ رَائِدًا
لِقَلْبِكَ يَوْمًا اَتْعَبَتْكَ الْمَنَاظِرُ

اگر تم اپنے دل کی خاطر کسی دن اپنی آنکھ جستجو و تلاش کرتے ہوئے کھلی چھوڑ دو گے تو دنیا کے رنگین نظارے ایک دن تمہیں مشقت میں ڈال دیں گے۔

رَاَیْتَ الَّذِیْ لَا کُلُّهٗ اَنْتَ قَادِرٌ
عَلَیْهِ وَ لَا عَنْ بَعْضِهٖ اَنْتَ صَابِرُ

تم وہ چیزیں دیکھو گے جو سب کی سب حاصل نہ کر سکو گے اور نہ ان میں سے بعض پر صبر کر سکو گے۔

جب تم اپنی نگاہ نیچی رکھو گے اور اپنی نگاہوں کو فضول ولایعنی چیزوں کی طرف دیکھنے سے محفوظ رکھو گے تو تمہارا سینہ صاف رہے گا اور دل ہر قسم کے شغل و مصروفیات سے فارغ و بے نیاز ہوگا اور ہر قسم کے وسوسوں سے سکون و راحت میں ہوگا اور تمہارا نفس آفتوں سے محفوظ ہوگا اور نیکیوں میں اضافہ ہوگا لہٰذا اس عظیم نکتے کو بھی اچھی طرح سمجھ لو اللہ عزّوجل اپنے فضل و کرم سے توفیق عطا فرمائے گا۔

(۳) اور تہدید (ڈرانا) جو آیت کریمہ کے اس ٹکڑے میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا (پ۵ سورۃ النساء آیت ۹۴) بے شک اللہ عزّوجل کو تمہارے کاموں کی خبر ہے۔

اور دوسرے مقام پر ارشاد فرماتا ہے: یَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْیُنِ وَ مَا تُخْفِی الصُّدُوْرُ ۝ (پ۲۴ سورۃ المؤمن آیت ۱۹) اللہ تعالیٰ حرام شئ دیکھنے والی آنکھوں کو اور جو کچھ دل میں پوشیدہ ہے سب کو جانتا ہے۔

اپنے پروردگار سے ڈرنے والے کے لئے یہ تہدید و تحذیر کافی ہے۔ یہ قرآن کریم سے پہلا اصول ثابت ہوا۔

دوسرا اصول: آنکھیں فتنوں اور آفتوں کی جڑ ہیں اس سلسلہ کا دوسرا اصول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے حضور فرماتے ہیں: اِنَّ النَّظَرَ اِلٰی مَحَاسِنِ الْمَرْأَةِ سَهْمٌ مَسْمُوْمٌ مِنْ سِهَامِ اِبْلِيْسَ فَمَنْ تَرَكَهَا أَذَاقَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی طَعْمَ عِبَادَةٍ تَسُرُّهُ (رواہ حاکم) غیر محرم عورت کے حسن و جمال کو دیکھنا ابلیس کے زہریلے تیروں میں سے ایک تیر ہے لہٰذا جو شخص اس سے پرہیز کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسے ایسی عبادت کا مزہ چکھائے گا جو اسے خوش کردے گی۔

اور عبادت کی شیرینی اور دعا و مناجات میں لذت حاصل ہونا عبادت گزاروں کے نزدیک بڑی اہم چیز ہے اور یہ اصول بارہا کا آزمایا ہوا ہے اور اس اصول پر جو بھی عمل کریگا اسے بھی تجربہ اور تحقق ہوجائے گا اس لئے کہ جب کوئی اپنی نگاہ کو فضول اور لغو و بے سود چیزوں سے روک لے گا تو وہ عبادت کی شیرینی اور طاعت کی لذت اور دل کی ایسی صفائی محسوس کرے گا جو اس سے پہلے کبھی بھی محسوس نہ کی ہوگی۔

تیسرا اصول: آنکھ کی حفاظت کا تیسرا طریقہ یہ ہے کہ اپنے اعضا میں سے ہر عضو پر غور کرو کہ یہ عضو کیا کرسکتا ہے اور اسے کس کام کے لئے بنایا گیا ہے اگر یہ عضو اس کام کے قابل ہے تو دونوں جہان میں اس کے بے شمار فوائد ہیں اور اگر اس کام کے قابل نہ ہو تو اس میں سخت نقصان و خسارہ ہوگا لہٰذا تم پر لازم ہے کہ اپنے تمام اعضاء کو گناہوں سے محفوظ رکھو۔

اعضاء کا استعمال

پاؤں: پاؤں جنت کے باغات و محلات میں چلنے پھرنے کے لئے بنائے گئے ہیں۔

ہاتھ: اور ہاتھ جنت میں شراب طہور کا جام پکڑنے اور جنت کے پھل کھانے کے لئے بنایا گیا ہے اسی طرح تمام اعضاء کسی نہ کسی مقصد خیر کے لئے بنائے گئے ہیں۔

آنکھ: اور آنکھ اللہ رب العالمین سبحانہ وتعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہونے کے لئے بنائی گئی ہے دنیا وآخرت میں دیدار الٰہی سے بڑھ کر کوئی افضل واعلیٰ چیز نہیں ہے لہٰذا جن اعضاء کو اعلیٰ ترین مقاصد کے لئے بنا گیا ہے تو ان کو انہیں مقاصد کے لئے استعمال کیا جائے اور ان کی حفاظت وصیانت اور ان کی عزت وتکریم کی جائے۔

یہ تین اصول بیان کیے گئے ہیں اگر تم ان اصول پر عمل کرو گے تو ان شاء اللہ ہر قسم کی شدت و پریشانی سے بچ جاؤ گے اللہ تعالیٰ ہی توفیق عطا فرمانے والا ہے اور وہی ہمارے لئے کافی ہے اور بہترین کارساز ہے۔

دوسری فصل کان کے بیان میں

اے اللہ کے بندو! تم پر اپنے کانوں کو فحش اور فضول باتوں کے سننے سے محفوظ رکھنا بھی ضروری ہے کانوں کو فحش وفضول باتوں کے سننے سے بچانا دو وجہ سے ضروری ہے۔

(۱) پہلی وجہ یہ ہے کہ روایتوں میں آیا ہے کہ سننے والا بھی بات کرنے والے کے ساتھ فحش گوئی میں شریک ہے (الحدیث) اسی بات کو کسی شاعر نے اس طرح ادا کیا ہے۔

تَحَرَّ مِنَ الطُّرُقِ اَوْسَاطَهَا
وَ عُدَّ عَنِ الْجَانِبِ الْمُشْتَبِهِ

حد سے آگے بڑھنے سے بچو اور درمیانہ راستہ اختیار کرنے کی کوشش کرو اور شبہ کے مقام سے دور رہو۔

وَ سَمْعَكَ صُنْ عَنْ سَمَاعِ الْقَبِيْحِ
كَصَوْنِ اللِّسَانِ عَنِ النُّطْقِ بِهٖ

اپنے کانوں کو بُری باتوں کے سننے سے بچاؤ جس طرح زبان کو بُرے کام سے بچاتے رہے۔

فَاِنَّكَ عِنْدَ اِسْتِمَاعِ الْقَبِيْحِ
شَرِيْكٌ لِقَائِلِهٖ فَانْتَبِهٖ

اس لئے کہ جب تم کوئی بُری اور خلاف شرع باتیں سنو گے تو تم بھی کہنے والے کے ساتھ شریک ہو گے لہٰذا تم ان باتوں سے خوب ہوشیار اور باخبر رہو۔

(۲) اور بُری باتیں سننے سے پرہیز کرنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر تم فحش اور بُری باتیں سنو گے تو اس سے دل میں وسوسے اور باطل خیالات پیدا ہوں گے پھر ان باطل خیالات کی وجہ سے مشغولیت و مصروفیت پیدا ہوگی ظاہر ہے کہ اس سے عبادت میں رکاوٹ پیدا ہوگی۔

پھر اے میرے پیارے بھائیو! یاد رکھو جو باتیں انسان کے دل میں واقع ہوتی ہیں اور اس کے کانوں تک پہنچتی ہیں اس کا اثر ایسا ہے جیسے پیٹ میں کھانا اور یہ بات بھی مسلم ہے کہ بعض کھانے نقصان دہ اور بعض فائدہ مند بھی ہوتے ہیں اور بعض کھانے جسم کی غذا بنتے ہیں اور بعض کھانے زہر کی طرح نقصان دہ اور جان لیوا ہوتے ہیں اسی طرح اچھی اور پاکیزہ گفتگو سے ایمان تازہ ہوتا ہے اور ایمان کی چاشنی ملتی ہے

اور بُری باتوں سے دل مردہ ہوجاتا ہے اور ایمان پر پردہ پڑ جاتا ہے بلکہ کھانے کی بہ نسبت کلام وگفتگو کا اثر زیادہ اور پائیدار ہوتا ہے اس لئے کہ نقصان دہ کھانا تو معدہ سے نیند وغیرہ کے ذریعے ختم وہضم ہوجاتا ہے اور کبھی کبھی اس کا اثر کچھ دیر تک باقی رہنے کے بعد ختم ہوجاتا ہے اور اگر اس کا اثر باقی بھی رہ جائے تو دوا کے ذریعے ختم کیا جاسکتا ہے لیکن وہ گفتگو جو انسان کے دل میں بیٹھ جاتی ہے وہ زندگی بھر نہیں بھلائی جاسکتی اور اگر وہ کلام لغو و باطل ہو تو انسان کو ہمیشہ برائی اور عیوب میں مبتلا کردیتے ہیں جس کی وجہ سے دل میں ایسے خطرات اور وسوسے موجیں مارنے لگتے ہیں کہ دل کو ان خطرات سے پھیرنا اور ایسے خیالات سے دل کو پاک کرنا ضروری ہوجاتا ہے اور ان خطرات اور وسوسوں کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ لینی چاہیے کیونکہ بسا اوقات یہ وسوسے کسی بلا و آفت میں مبتلا کردیتے ہیں اور انسان کو ان بلاؤں میں مبتلا کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ اس لغو کلام کی وجہ سے وہ کسی بڑی آفت میں مبتلا ہوجاتا ہے اور اگر انسان اپنے کانوں کو ان فضول اور لغو باتوں کے سننے سے محفوظ رکھے تو بہت سی آفتوں اور مشقتوں سے آرام میں رہے گا عقلمندوں کو ان باتوں میں غور کرنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق عطا فرمانے والا ہے۔

تیسری فصل زبان کے بیان میں

پھر آنکھ اور کان کی حفاظت کے بعد تمہارے ذمہ زبان کی بھی حفاظت لازم ہے اور فضول ولغو باتوں سے منع کرنا بھی ضروری ہے اس لئے کہ زبان ہی سب سے زیادہ خطرناک سرکشی اور بے حیائی اور سب سے زیادہ فتنہ وفساد اور عداوت ودشمنی کی جڑ ہے

حضرت سفیان بن عبد اللہ بن ربیعہ ثقفی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: **قُلْتُ: یَا رَسُوْلَ**

اللہِ ﷺ مَا أَكْثَرُ مَا تَخَافُ عَلَيَّ؟ فَأَخَذَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ بِلِسَانِ نَفْسِهِ ثُمَّ قَالَ: هٰذَا (سنن الترمذی، سنن النسائی) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کی یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ میرے حق میں سب سے زیادہ نقصان دہ اور خطرناک کون سی چیز قرار دیتے ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زبان اقدس پکڑ کر ارشاد فرمایا یہ ہے۔

حضرت یونس بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں: اِنِّیْ وَجَدْتُ نَفْسِیْ تَحْتَمِلُ مُؤْنَةِ الصِّيَامِ فِي الْحَرِّ الشَّدِيْدِ بِالْبَصْرَةِ وَلَا تَحْتَمِلُ تَرْكَ كَلِمَةٍ لَا تَعْنِيْهَا اَحَدُهَا میرا نفس بصرہ جیسے گرم شہر میں سخت ترین گرمی کے زمانے میں روزہ رکھنے کی طاقت رکھتا ہے مگر میرا نفس لغو اور فحش گوئی سے زبان کو روکنے کی طاقت نہیں رکھتا۔

معلوم ہوا کہ زبان تمام اعضاء میں سب سے زیادہ نقصان دہ اور خطرناک ہے لہٰذا تم پر زبان کی حفاظت کرنا لازم وضروری ہے اور زبان کو قابو میں رکھنے کے لئے بڑی کوشش وجد وجہد کی ضرورت ہے ہم یہاں پر زبان پر قابو پانے کے پانچ اصول و ضوابط بیان کرتے ہیں تم ان پانچوں اصول کو اچھی طرح ذہن نشین کرلو۔

پہلا اصول: زبان پر قابو پانے اور اس کی حفاظت کا پہلا طریقہ یہ ہے کہ جسے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے ذکر فرمایا ہے: کہ انسان روزانہ صبح کو جب اٹھتا ہے تو تمام اعضاء زبان سے مخاطب ہو کر اسے اس بات کی تاکید کرتے ہیں کہ تو دن بھر سچائی وصداقت پر قائم رہنا اور لغو وبیہودہ باتوں سے بچتی رہنا اس لئے کہ اگر تو سیدھی اور سچائی پر قائم رہی تو ہم بھی درست رہیں گے اور اگر تو ہی راہ راست پر نہ رہی اور ٹیڑھی ہوگئی تو

ہم سب راہ راست سے بھٹک جائیں گے اور ٹیڑھے ہو جائیں گے۔

میں (امام غزالی) کہتا ہوں اس حدیث کے یہ معنی ہیں کہ زبان کی اچھی اور بُری باتیں انسان کے باقی تمام اعضاء پر اثر انداز ہوتی ہیں تو اچھی باتوں سے اللہ تعالیٰ طاعت وعبادت کی توفیق دیتا ہے اور بُری باتوں سے ذلت وخواری اور رسوائی کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور اس سلسلے میں حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جو کچھ بیان فرمایا وہ بھی اسی مذکورہ بالا مفہوم کی تائید کرتا ہے حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: جب تم اپنے دل میں قساوت وسختی اور اپنے بدن میں سستی و کاہلی اور اپنے رزق میں تنگی ورکاوٹ محسوس کروتو سمجھ لو کہ تم نے لغو اور فضول کلام کیا ہے اور یہ اسی کا نتیجہ ہے۔

دوسرا اصول: وقت بہت قیمتی چیز ہے اس کی قدر کرنا بہت ضروری ہے (جب تم اس کی قدر کرو گے تو تم بھی با قدر ہو جاؤ گے) اس لئے کہ انسان اکثر و بیشتر اپنا قیمتی وقت اللہ تعالیٰ کے ذکر کے علاوہ فضول اور بیہودہ باتوں میں ضائع کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر میں بہت کم وقت صرف کرتا ہے۔

حضرت حسان بن ابی سنان بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: میں ایک بالاخانہ کے پاس سے گزرا تو میں نے اس کے مالک سے پوچھا اس بالاخانہ کو بنے کتنا عرصہ ہوا؟ پھر یہ پوچھنے کے بعد اپنے نفس کی طرف متوجہ ہوا اور سخت شرمندہ ہوا اور کہا کہ اے مغرور نفس! تو فضول اور لایعنی سوالات کرنے میں وقت ضائع کرتا ہے پھر اس بے کار سوال کے جرم و کفارے میں ایک سال کے روزے رکھے۔

تو وہ حضرات کتنے خوش نصیب ہیں جو اپنے وقت کی قدر و قیمت پہچانتے ہیں اور

اس کی قدر کرتے ہیں اور اپنے نفس کی اصلاح وحفاظت میں مشغول ومصروف رہتے ہیں اور وہ لوگ کتنے بدنصیب ونالائق ہیں جو اپنے وقت کی قدر نہیں کرتے ہیں اور اپنی زبان کی لگام ڈھیلی چھوڑ رکھتے ہیں اور لغویات وبیہودگی میں مشغول رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی ہر مقصود میں مددگار ہے کسی شاعر نے کیا خوب اور سچ کہا ہے۔

وَ اغْتَنِمْ رَكْعَتَيْنِ فِي ظُلْمَةِ اللَّيْلِ
اِذَا كُنْتَ خَالِيًا مُسْتَرِيْحًا

رات کی تاریکی میں جب تم دنیاوی تفکرات سے فارغ اور خالی ہو تو ایسے وقت میں دو رکعت نفل نماز پڑھنا غنیمت جانو۔

وَ اِذَا مَاهَمَمْتَ بِا للَّغْوِ فِي الْبَاطِلِ
فَاجْعَلْ مَكَانَهُ تَسْبِيْحًا

اور جب تم کسی وقت لغو اور بیہودہ باتوں کا ارادہ کرو تو اس وقت اپنی زبان کو ان لغویات سے روک کر اس کی جگہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتقدیس بیان کیا کرو۔

وَ لُزُوْمُ السُّكُوتِ خَيْرٌ مِنَ النُّطْقِ
وَ اِنْ كُنْتَ فِي الْكَلَامِ فَصِيْحًا

لغو اور بیہودہ باتوں سے خاموش رہنا بہتر اور ضروری ہے اگر چہ تم گفتگو کرنے میں کتنے ہی فصیح وبلیغ کیوں نہ ہو۔

تیسرا اصول: زبان کو لغویات سے محفوظ رکھنے کا تیسرا طریقہ زبان کی حفاظت کر کے اعمالِ صالحہ کی حفاظت کرنا ہے اس لیے کہ جو شخص اپنی زبان کی حفاظت نہیں کرتا اور اکثر وبیشتر لغو اور لایعنی باتوں میں مشغول رہتا ہے تو یقینا ایسا شخص لوگوں کی

غیبت و برائی میں مبتلا ہوجاتا ہے چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے: جو شخص زیادہ باتیں کرتا ہے وہ زیادہ غلطیاں کرتا ہے اس کے گناہ زیادہ ہوتے ہیں اور جو زیادہ گناہ کماتا ہے وہ جہنم کا زیادہ حقدار ہے۔

اور غیبت اعمال صالحہ کو اس طرح ہلاک و برباد کردیتی ہے جس طرح آسمانی بجلی کسی پر گر کر تباہ و برباد کردیتی ہے چنانچہ روایتوں میں آیا ہے کہ غیبت کرنے والے کے اعمال و عبادات اس طرح ضائع ہوجاتے ہیں جس طرح غیبت کرنے والا توپ اور منجنیق لگا کر اپنی نیکیاں اس کے ذریعے مشرق و مغرب اور شمال و جنوب کی طرف پھینک دیتا ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت ہے کہ ان سے کسی نے کہا اے ابوسعید! (حضرت حسن کی کنیت ہے) فلاں شخص آپ کی غیبت کرتا ہے تو انہوں (حضرت حسن بصری) نے کھجور کا ایک تھال بھر کر غیبت کرنے والا کے پاس بھیج دیا اور یہ کہلا بھیجا کہ میں نے سنا ہے کہ تم نے اپنی نیکیاں میرے پاس ہدیہ بھیجی ہیں اس لئے میں نے بہتر جانا کہ اس کے بدلے میں میں بھی تمہارے پاس کوئی چیز (ہدیہ) بھیج دوں۔

حضرت عبد اللہ بن مبارک (امام اعظم کے شاگرد) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے سامنے کسی نے غیبت کا تذکرہ کیا تو انہوں نے فرمایا اگر میں کسی کی غیبت کرتا تو اپنی ماں کی غیبت کرتا کیونکہ میری نیکیوں کی سب سے زیادہ حقدار میری ماں ہے۔

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ ایک رات حاتم اصم بن علوان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی نماز تہجد فوت ہوگئی تو ان کی اہلیہ محترمہ نے انہیں عار دلایا اس پر حاتم اصم نے فرمایا گزشتہ

رات ایک جماعت (پوری قوم) ساری رات نماز پڑھتی رہی جب صبح ہوئی تو اس جماعت نے میری غیبت کی اس لئے اس پوری قوم کی اس رات کی تمام عبادتیں قیامت کے دن میرے اعمال کے ترازو میں رکھ دی جائیں گی۔

چوتھا اصول: زبان کو برائیوں سے بچانے کا چوتھا طریقہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو دنیا کی تمام آفتوں سے محفوظ رکھا جائے چنانچہ حضرت ابوعبداللہ سفیان بن سعید ثوری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اپنی زبان سے ایسی بات نہ کہو کہ لوگ جس کی وجہ سے تمہارے دانت توڑ دیں۔

اور ایک دوسرے بزرگ فرماتے ہیں: تم اپنی زبان کو بے لگام نہ چھوڑو کہ کہیں تمہیں کسی فساد میں مبتلا نہ کر دے۔

اور کسی بزرگ نے یہ شعر پڑھا۔

اِحْفَظْ لِسَانَكَ لَا تَقُوْلُ فَتَبْتَلِيَ
اِنَّ الْبَلَاءَ مُوَكِّلٌ بِالْمَنْطِقِ

تم اپنی زبان کی حفاظت کرو فضول باتیں نہ کرو کہ کہیں تم آزمائش اور آفت میں نہ پڑ جاؤ اس لئے کہ تمام مصیبتیں بولنے ہی کے ساتھ وابستہ ہیں۔

اور حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

اَلَا اِحْفَظْ لِسَانَكَ اِنَّ اللِّسَانَ
سَرِيْعٌ اِلَى الْمَرْءِ فِي قَتْلِهِ

خبردار! اپنی زبان کی خوب حفاظت کرو اس لئے کہ زبان اگرچہ معمولی سا عضو ہے مگر انسان کے قتل میں بہت جلد باز ہے۔

وَ اِنَّ اللِّسَانَ دَلِیْلُ الْفُوَادِ
یَدُلُّ الرِّجَالَ عَلٰی عَقْلِهٖ

بلاشبہ زبان دل کی دلیل (دل کی بات بتاتی ہے) جو بات کرنے والوں کی عقل کا درجہ بتاتی ہے۔

تا مرد سخن نہ گفتہ باشد
عیب و ہنرش نہفتہ باشد

اور ابن مطیع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

لِسَانُ الْمَرْءِ لَیْثٌ فِیْ کَمِیْنٍ
اِذَا خَلّٰی عَلَیْهِ لَهٗ اِغَارَهٗ

انسان کی زبان اس شیر کی طرح ہے جو موقع پا کر غارت گری کرنے لگتا ہے۔

فَصُنْهُ عَنِ الْخَنَا بِلِجَامِ صَمْتٍ
یَکُنْ لَکَ مِنْ بَلِیَّاتٍ سِتَارَةٌ

لہٰذا زبان کو ایسی لگام دو جو بیہودہ ولغو باتوں سے اسے خاموش رکھے تاکہ تم بہت سی آفات وبلیات سے محفوظ رہ سکو۔

لوگوں میں مثل مشہور ہے کہ بہت سے کلمات ایسے ہیں جو اپنے مالک (کہنے والے) سے کہتے ہیں مجھے چھوڑ دو یعنی اپنی زبان سے ادا نہ کرو ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اپنے فضل وکرم سے زبان کی آفتوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔

پانچواں اصول: زبان کو آفتوں سے بچانے کا پانچواں اور آخری طریقہ یہ ہے کہ

آخرت کی آفتوں اور اس کے انجام کو یاد رکھو اور قیامت کے عذاب کو ہر وقت یاد رکھو اور اس پانچویں اصول میں ایک نکتہ بیان کرتا ہوں تم اس نکتہ کو ضرور یاد رکھنا اور وہ نکتہ یہ ہے کہ جب تم گفتگو کرتے ہو تو وہ گفتگو یا تو حرام و ناجائز ہوگی یا مباح یعنی فضول ولایعنی بات ہوگی اگر یہ گفتگو ناجائز و حرام ہوگی تو بلاشبہ اس پر اللہ تعالیٰ تمہیں ایسا عذاب دے گا جسے تم برداشت نہ کرسکو گے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے کہ فرماتے ہیں: لَیْلَۃَ اُسْرِیَ بِیْ رَاَیْتُ فِی النَّارِ قَوْمًا یَاْکُلُوْنَ الْجِیَفَ فَقُلْتُ: یَا جِبْرِیْلُ مَنْ ھٰؤُلَاءِ؟ قَالَ: ھٰؤُلَاءِ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ لُحُوْمَ النَّاسِ: معراج کی رات میں نے جہنم میں ایک گروہ کو دیکھا جو مردار کھا رہا تھا میں نے جبرئیل سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو انسانوں کا گوشت کھاتے ہیں یعنی غیبت کرتے ہیں۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ ابن جبل سے فرمایا: اِقْطَعْ لِسَانَکَ عَنْ حَمَلَۃِ الْقُرْآنِ وَ طُلَّابِ الْعِلْمِ وَ لَا تُفَرِّقِ النَّاسَ بِلِسَانِکَ فَتُمَزِّقَکَ کِلَابُ النَّارِ تم اپنی زبان علماء اور طالب علموں کی غیبت سے محفوظ رکھو اور عام لوگوں کو بھی اپنی جانب سے برا نہ کہو تا کہ قیامت کے دن جہنم کے کُتّے تمہیں نہ کاٹیں۔

اور حضرت ابو قلابہ عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں: اِنَّ فِی الْغَیْبَۃِ خَرَابَ الْقَلْبِ مِنَ الْھُدٰی بلاشبہ غیبت کرنے سے انسان کا دل ہدایت قبول کرنے سے ہٹ جاتا ہے (ہدایت قبول نہیں کرتا) اور ویراں ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اپنے فضل و کرم سے اس دل کی

ویرانگی سے محفوظ رکھے یہ تو ناجائز وحرام گفتگو کے متعلق تفصیل بیان کی گئی لیکن مباح اور جائز گفتگو جو غیر ضروری اور فضول ہوتی ہے تو یہ بھی چار وجہوں سے درست نہیں ہے

پہلی وجہ: فضول ولایعنی باتوں سے بچنے اور اس سے گریز کرنے کی پہلی وجہ یہ ہے کہ یہ فضول اور بے کار باتیں کراماً کاتبین کو لکھنی پڑتی ہیں اس لئے ہمیں چاہیے کہ ایسی بات جس میں کوئی بھلائی اور فائدہ نہیں اس کے لکھنے کی کراماً کاتبین کو تکلیف نہ دیں بلکہ اس سے شرم وحیا کرنی چاہیے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: بندہ اپنے منہ سے کوئی لفظ نہیں نکالتا مگر اس کے پاس ایک فرشتہ ہوتا ہے جو فوراً لکھ لیتا ہے۔

دوسری وجہ: یہ ہے کہ ہمیں شرم آنی چاہیے کہ لغو اور بیہودہ باتوں سے بھرا ہوا ہمارا نامۂ اعمال اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بارگاہ میں بھیجا جائے لہٰذا بندوں کو چاہیے کہ ایسے لغو و باطل اعمال اللہ کے حضور بھیجنے سے حذر کریں اور اللہ عزّ وجل سے ڈرتے رہیں بعض کتابوں میں مذکور ہے کہ کسی نیک اور صالح شخص نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ فضول اور لغو گفتگو کر رہا ہے تو انہوں نے اس سے فرمایا تمہارے لئے خرابی ہو۔ تمہاری یہ فضول باتیں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہوں گی تو تم غور کرو کہ تم اپنے پروردگار کی بارگاہ میں کیا چیز بھیج رہے ہو یعنی کیوں بیہودہ وفضول باتیں بھیج رہے ہو۔

تیسری وجہ: یہ ہے کہ یہ تمام اعمال نامے قیامت کے دن بھرے مجمع میں تمام لوگوں کے سامنے اللہ واحد ملک قہار کی بارگاہ میں پڑھ کر سنائے جائیں گے۔ وہ دن بڑا خوفناک اور سختیوں اور مصیبتوں کا دن ہوگا لوگ پیاس سے بلبلا رہے ہوں گے، جسم پر کوئی کپڑا بھی نہ ہوگا (ننگے ہوں گے) لوگ بھوک سے مر رہے ہوں گے جنت میں

داخل ہونے سے روک دیئے گئے ہوں گے اور ہر قسم کی نعمتوں اور راحتوں سے محروم ہوں گے۔

چوتھی وجہ: یہ ہے کہ فضول اور لایعنی باتوں پر لوگوں کو ملامت کی جائے گی اور شرم و عار بھی دلایا جائے گا لوگوں کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہوگا اور اللہ ربّ العزّت جل مجدہ کے سامنے ذلت و رسوائی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آئے گا اور حجت و حیاء کا دروازہ بند ہوگا۔

بعض بزرگ فرماتے ہیں تم اپنی زبان کو لغو اور فضول باتوں سے روکو اس لئے کہ اس کا حساب بہت طویل و دراز ہوگا نصیحت حاصل کرنے والوں کے لئے یہ چار اصول ہی کافی ہیں اور ہم (امام غزالی) نے اپنی کتاب ''اسرار معاملات الدین'' میں اس قسم کے کئی اصول انتہائی شرح و بسط کے ساتھ لکھ دیئے ہیں اگر مزید تفصیل درکار ہو تو اس کا مطالعہ کرلو اس میں تمہیں تسلی و تشفی بخش بیان مل جائے گا۔

چوتھی فصل دل کے بیان میں

پھر تم پر اپنے دل کی حفاظت کرنا اور اس کی اصلاح کرنا اور دل سے متعلق جتنے معاملات ہیں ان سب میں اچھی طرح غور و فکر کرنا اور ان میں جد و جہد کرنا بھی لازم و ضروری ہے اس لئے کہ دل کے معاملات باقی تمام اعضاء سے زیادہ خطرناک ہیں اور باقی اعضاء کے اعتبار سے اس کا اثر زیادہ ہے اور اس کے معاملات بہت زیادہ باریک اور خطرناک ہیں اور اس کی اصلاح و درستی بہت زیادہ مشکل اور اس کے احوال بہت زیادہ دشوار ہیں لہٰذا میں دل کی اصلاح کے متعلق پانچ جامع اصول بیان کرتا ہوں ان اصول پر عمل کرنے سے ان شاء اللہ دل کی مکمل اصلاح ہو جائے گی۔

پہلا اصول: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ ○ (پ۲۴ سورۃ غافر آیت۱۹) اللہ تعالیٰ جانتا ہے چوری چھپے کی نگاہ اور جو کچھ سینوں میں چھپا ہے۔

دوسری جگہ ارشاد فرماتا ہے: وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ○ (پ۲۲ سورۃ الاحزاب آیت۵۱) اور اللہ جانتا ہے جو تم سب کے دلوں میں ہے۔

تیسرے مقام پر فرماتا ہے: اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ○ (پ۴ سورۃ آلِ عمران آیت۱۱۹) بے شک اللہ تعالیٰ دلوں کی باتوں کو خوب جانتا ہے۔

ذرا غور تو کرو اللہ تعالیٰ نے اس بات کو اپنے مقدس کلام میں بار بار دہرایا اور کئی دفعہ تذکرہ فرمایا اور اللہ تعالیٰ جو علیم و خبیر ہے اس کا دلوں کے اسرار و احوال پر آگاہ ہونا ہی اس کے خاص بندوں کو ڈرانے اور خوف زدہ کرنے کے لئے کافی ہے اس لئے کہ علام الغیوب (تمام پوشیدہ باتوں کے جاننے والے) کے سامنے بہت ہی عظیم الشان اور انتہائی نازک ترین ہے لہٰذا تم یاد رکھو کہ تمہارے دلوں میں جس قسم کے بھی راز و علم ہیں سب سے اللہ تعالیٰ باخبر ہے اس لئے تمہیں بُرے خیالات و ارادے سے بچنا چاہیے۔

دوسرا اصول: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَا يَنْظُرُ اِلٰى صُوَرِكُمْ وَ اَبْشَارِكُمْ وَ اِنَّمَا يَنْظُرُ اِلٰى قُلُوْبِكُمْ (صحیح مسلم، سنن ابن ماجہ) اللہ تعالیٰ صرف تمہاری ظاہری صورت اور خد و خال کو دیکھ کر بدلہ عطا نہیں فرماتا بلکہ تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے۔

اس حدیث مبارک سے ثابت ہوا کہ دل ہی اللہ رب العالمین کی نظر کا مقام

ہے اس شخص پر تعجب ہے جو اپنے اس چہرے کا خیال رکھتا ہے اور اسے میل کچیل سے صاف وستھرا کرنے کا اہتمام کرتا ہے اور اسے سنوارتا ہے جو مخلوق کے دیکھنے کی چیز ہے اور یہ سب کچھ صرف اس لیے کرتا ہے تا کہ مخلوق اس کے چہرے کے کسی عیب پر مطلع نہ ہو مگر یہ سب اہتمام اپنے دل کے لئے نہیں کرتا جو اللہ تعالیٰ رب العالمین کی نظر فرمانے کا مقام ہے حالانکہ چاہیے تو یہ تھا کہ دل کو پاکیزہ، مزیّن اور خوبصورت بنائے تا کہ اللہ رب العالمین اس میں کسی قسم کا عیب و پراگندگی نہ دیکھے لیکن بڑے افسوس کا مقام ہے کہ لوگوں کا دل گندگیوں اور بُرائیوں سے لبریز ہوتا ہے اگر مخلوقات میں سے کوئی دل کو دیکھ لے تو اس سے علیحدگی اختیار کر لے اور اس سے ہر قسم کا رشتہ ناتا چھوڑ دے مگر چونکہ عام لوگوں کی نگاہیں ظاہری شکل وصورت ہی پر پڑتی ہیں اس لئے لوگ ظاہری شکل وصورت کو سنوارنے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں کہ اس میں کوئی عیب وخرابی نظر نہ آئے۔

تیسرا اصول: دل ایک ایسا بادشاہ ورئیس ہے کہ اس کی اطاعت وفرماں برداری کی جاتی ہے اور باقی تمام اعضاء رعایا ہیں جو سب کے سب دل کی اطاعت کرتے ہیں لہٰذا جب حکمران درست وصحیح ہوگا تو اس کی رعایا اور اس کے تابعدار لوگ بھی ٹھیک رہیں گے اور جب بادشاہ راہ راست پر ہوگا تو اس کی رعایا بھی راہ راست پر ہوگی اور اس بات کی مکمل وضاحت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان سے ہوتی ہے ارشاد فرماتے ہیں: اِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ وَ اِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ أَلَا وَ هِيَ الْقَلْبُ (صحیح البخاری) بے شک انسان کے جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے جب وہ درست ہو تو سارا جسم درست ہوتا ہے اور جب وہ

خراب ہو تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے یاد رکھو وہ دل ہے۔

الغرض جب تمام اعضاء کی صحت و اصلاح کا دار و مدار دل کی اصلاح پر موقوف تو تمام تر کوششیں دل کی اصلاح پر ہی صرف کرنی چاہیے۔

چوتھا اصول: یہ ہے کہ دل بندے کے لئے تمام عمدہ ونفیس جواہرات کا خزانہ ہے اور ہر شریف و عظیم معانی و معارف کا مسکن ہے ان اعلیٰ اور عمدہ جوہروں میں سے ایک جوہر عقل ہے اور ان میں سب سے اعلیٰ جوہر اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے جو دونوں جہان کی سعادتوں کا ذریعہ ہے پھر وہ بصیرت (دل کی وہ قوت جو اللہ کی نورانیت سے لبریز ہے) جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں انسان کو قدر ومنزلت حاصل ہوتی ہے۔

اس کے بعد دل سے تعلق رکھنے والی عمدہ چیزوں میں سے ایک عمدہ چیز عبادت و بندگی میں نیت کا خالص رکھنا ہے جس کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے اجر و ثواب ملتا رہے اس کے بعد علوم و حکمت کی باتیں ہیں اور وہ بندے کی شرافت و بزرگی اور عمدہ اخلاق و عادات اور اچھی خصلتیں ہیں جن کی وجہ سے بندے کو تمام انسانوں پر فضیلت حاصل ہوتی ہے۔ ہم نے ان تمام باتوں کو اپنی کتاب ''اسرار معاملات الدین'' میں پوری تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا ہے لہذا جب دل اتنے قیمتی اور بہترین جواہر کا خزانہ ہے تو ایسے خزانہ کی ہر قسم کے میل کچیل اور تمام آفتوں اور گندگیوں سے حفاظت کرنا ضروری ہے اور چوروں اور ڈاکوؤں سے اس کو محفوظ رکھنا ضروری ہے اور ایسے خزانے کی کما حقہ عزت و تکریم کرنی چاہیے تاکہ ان عمدہ اور قیمتی جواہرات کو میل کچیل نہ لگ جائے اور خراب نہ ہو جائے اور معاذ اللہ کوئی دشمن اس پر قابو نہ پا جائے۔

پانچواں اصول: یہ ہے کہ میں نے دل کے حالات پر غور کیا تو مجھے اس دل کے

پانچ ایسے حالات معلوم ہوئے جو دوسرے کسی عضو میں نہیں ملتے۔

پہلی حالت: پہلی حالت یہ ہے کہ دشمن (شیطان) ہر وقت دل کی طرف متوجہ رہتا ہے اور اسے تباہ و برباد کرنے کی تاک میں لگا رہتا ہے اس لئے کہ شیطان ہر وقت انسان کے دل پر مسلط رہتا ہے اور دل فرشتوں کے الہام اور شیطانی وسوسوں کا مقام و مرکز ہے اور دونوں ہی اپنی اپنی دعوت دینے میں مصروف و مشغول ہیں۔

دوسری حالت: دوسری حالت یہ ہے کہ دل کی مشغولیت و مصروفیت بہت زیادہ ہے اس لئے کہ عقل اور نفسانی خواہشات دونوں دل میں موجود رہتی ہیں گویا دل عقل اور خواہشات دونوں کے لشکروں کا میدان ہے تو دل ہمیشہ ان دونوں لشکروں کے مقابلے اور جنگ کا میدان بنا رہتا ہے لہٰذا جو جگہ دو دشمنوں کے درمیان جنگ کے میدان کی حیثیت رکھتی ہو اس کی حفاظت و نگہداشت بہت ضروری ہے اس میں غفلت نہیں برتنی چاہیے۔

تیسری حالت: تیسری حالت یہ ہے کہ دل پر عوارض ولواحق کا بے شمار ہجوم ہے اس لئے کہ دل کے خطرات و وسوسے تیروں کی طرح دل میں واقع ہوتے رہتے ہیں اور وہ خطرات بارش کے مثل رات دن برستے رہتے ہیں کبھی ختم نہیں ہوتے اور نہ ہی تمہیں ان کے روکنے اور منع کرنے پر قدرت و طاقت حاصل ہے اور دل کوئی آنکھ کی طرح تو نہیں ہے کہ خطرات کے وقت اسے بند کر دیا جائے اور امن کے وقت اسے کھول لیا جائے اور نہ ہی یہ دل تنہائی میں ہے اور نہ ہی رات کی تاریکی میں ہے کہ دشمن کے شر سے محفوظ رہے اور دشمن اس کی تہہ تک نہ پہنچ سکے اور نہ یہ دل زبان کی طرح دانتوں اور ہونٹوں کی حفاظت میں ہے کہ تم اسے دشمن کے شر سے بچا سکو اور محفوظ رکھ سکو

بلکہ یہ دل تو ہر قسم کے خطرات اور وسوسوں کا نشانہ ہے اور صحیح معنی میں تمہارے اندر ان خطرات و وسوسوں کو روکنے کی طاقت نہیں ہے مزید براں یہ کہ ہر آن یہ خطرات کبھی بھی تم سے جدا نہیں ہوتے اور اس کے ساتھ ساتھ یہ نفس کی پیروی کرنے میں بہت پیش پیش رہتا ہے اس لئے ان خطرات کا مقابلہ کرنا بہت مشکل اور جاں فشانی کا کام ہے اور ان خطرات کی روک تھام کے لئے انتہائی جد و جہد کی ضرورت ہے۔

چوتھی حالت: چوتھی حالت یہ ہے کہ دل کا علاج اس لئے بھی مشکل اور دشوار ہے کہ وہ انسان کی نظروں سے اوجھل اور پوشیدہ ہے اسی وجہ سے اس کی بیماریوں اور خرابیوں کا سمجھنا اور ان پر آگاہ ہونا بہت ہی مشکل ہے لہٰذا دل کی اصلاح کے لیے بہت ہی جد و جہد اور غور و فکر اور ریاضتوں کی ضرورت ہے۔

پانچویں حالت: پانچویں حالت یہ ہے کہ دل پر آفتیں تیزی سے حملہ آور ہوتی ہیں اور یہ انقلاب و تبدیلی کو بہت جلد قبول کرتا ہے اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ دل دیگچی کے اندر کی چیز کے ابلنے سے زیادہ جلد اور تیز انقلاب میں آجاتا ہے۔

اسی تیزی اور انقلاب کی وجہ سے کسی شاعر نے کہا ہے کہ

مَا سُمِّیَ الْقَلْبُ اِلَّا مِنْ تَقَلُّبِهٖ
وَ الرَّئُ یَضْرِبُ بِالْاِنْسَانِ اَطْوَارًا

قلب کا نام قلب (دل) اس لئے رکھا گیا ہے کہ یہ ہر وقت بدلتا رہتا ہے اور انسان کی رائیں بدلتی رہتی ہیں۔

پھر دل کی لغزش معاذ اللہ بہت بڑی لغزش ہے اور دل کا لغزش کھانا بہت دشوار اور پریشان کن ہے اور دل کی ادنیٰ اور کمتر لغزش قساوت و سختی اور غیر اللہ کی طرف مائل ہونا

ہے اس کی لغزش کا آخری درجہ یہ ہے کہ معاذ اللہ اس پر کفر کی مہر لگ جاتی ہے کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں سنا: اَبٰی وَ اسْتَكْبَرَ وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ (پ۱ سورۃ البقرۃ آیت۳۴) (شیطان) منکر ہوا اور غرور کیا اور کافر ہو گیا۔

شیطان کے دل میں تکبر و غرور تھا جس کی وجہ سے اس نے اللہ کے حکم کی بجا آوری سے انکار کر دیا اور کافر ہو گیا۔

کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں سنا: وَ لٰكِنَّهٗۤ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَ اتَّبَعَ هَوٰىهُ (پ۹ سورۃ الاعراف آیت۱۷۶) لیکن وہ (بلعم بن باعوراء) دنیا کی طرف مائل ہو گیا اور اپنی خواہشات کا پیروکار بن گیا۔

لہٰذا گناہوں اور دنیا کی طرف مائل ہونا اور خواہشات کی پیروی کرنا چونکہ اس کے دل میں تھی جس کی وجہ سے وہ ایک بدترین گناہ پر آمادہ ہو گیا۔

کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں سنا: وَ نُقَلِّبُ اَفْـٕدَتَهُمْ وَ اَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ یُؤْمِنُوْا بِهٖۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّ نَذَرُهُمْ فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ۠ ○ (پ۷ سورۃ الانعام آیت۱۱۰) اور ہم ان کے دلوں اور آنکھوں کو پھیر دیتے ہیں جیسا وہ پہلی بار اس پر ایمان نہ لائے تھے اور انہیں چھوڑ دیتے ہیں کہ اپنی سرکشی میں بھٹکا کریں۔

اسی وجہ سے اللہ تبارک و تعالیٰ کے خاص بندوں نے اپنے دلوں پر خوف طاری کر لیا ہے اور دل کے معاملات میں ہوشیار و چوکنا رہتے ہیں اور گریہ و زاری میں محو رہتے ہیں اور اپنی تمام تر کوششیں اسی کی اصلاح و درستگی میں صرف کرتے رہتے ہیں اللہ سبحانہ و تعالیٰ اپنے انہیں خاص بندوں کی خوبیاں بیان فرماتا ہے: رِجَالٌ لَّا تُلْهِیْهِمْ تِجَارَةٌ وَّ لَا بَیْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَ اِیْتَآءِ الزَّكٰوةِ

یَخَافُوْنَ یَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِیْهِ الْقُلُوْبُ وَ الْاَبْصَارُ ۝ (پ۱۸ سورۃ النور آیت۳۷) وہ مرد جنہیں خرید وفروخت اللہ کی یاد اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے سے غافل نہیں کرتی اس دن (قیامت) سے ڈرتے ہیں جس میں دل اور آنکھیں الٹ جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو خطرات و پریشانی کے مواقع پر ان متہم کاموں سے نصیحت وعبرت حاصل کرنے والوں اور اچھائی کے ساتھ دلوں کی اصلاح کرنے والوں میں شامل فرمائے بے شک اللہ تعالیٰ سارے مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے۔

سوال: بے شک دل کی اصلاح کا معاملہ بہت اہم ہے لہٰذا ہم سے وہ امور بیان کریں جن کے ذریعے دل کی اصلاح ہوسکے اور ان آفتوں سے ہمیں باخبر کریں جو دل میں فساد پیدا کرتی ہیں ممکن ہے ہمیں بھی اللہ تعالیٰ ان امور پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اس طرح ہم ان اصول کی روشنی میں اپنے دل کی اصلاح کرسکیں۔

جواب: اے دل کے متعلق سوال کرنے والے! جان لے کہ دل کی اصلاح کے اسباب و ذرائع کی تفصیل بہت طویل ہے اور یہ مختصر کتاب اس تفصیل کی متحمل نہیں ہوسکتی اور نہ اس میں اتنی گنجائش ہے۔ آخرت کو یاد رکھنے والے علمائے کرام نے دل کی اصلاح کے اسباب وعلل کی تفصیل بیان کرتے ہوئے ایک بہت ہی جامع نکتہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور انھوں نے دل کی اصلاح و درستگی کے تقریباً نوے خصائل حمیدہ (اچھی خصلتیں) اور اتنے ہی خصائل رذیلہ (بری خصلتیں جو دل میں فتنہ وفساد پیدا کرتے ہیں) بیان کیے ہیں۔

پھر دل کی اصلاح سے متعلق جو افعال واعمال ہیں اور اس سلسلے میں کوشش کرنے کا طریقہ اور اس سلسلے میں جو چیزیں حرام وممنوع ہیں ان سب کو پوری تفصیل کے ساتھ

بیان کیا ہے اور میری عمر کی قسم! جو شخص اپنے دین کی اہمیت سے باخبر ہے اور غافلوں کی غفلت سے واقف و آگاہ ہے اور اپنی بھلائی کے معاملات میں غور وفکر میں لگا رہتا ہے۔تو ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ کی توفیق و مدد سے ان تمام تفصیلات کو جاننے اور ان پر عمل کرنے میں زیادہ دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑتا اور ہم نے ان خصائل حمیدہ ورذیلہ کی کچھ تفصیل اپنی کتاب ''احیاء علم الدین'' کے دل کی عجائبات کی بحث میں بیان کردیا ہے لیکن مکمل تفصیل اور اس کے علاج و اصلاح کا طریقہ وغیرہ اپنی کتاب ''اسرار معاملات الدین'' میں بیان کیا ہے اور یہ (اسرار معاملات الدین) ایک مستقل کتاب ہے جو عالی شان فوائد پر مشتمل ہے لیکن ان تفصیلات سے علمائے راسخین اور جید علماء ہی کما حقہ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

اور اس کتاب (منہاج العابدین) میں ہم نے اس موضوع کو بہت آسان پیرائے میں بیان کیا ہے کہ ہر مبتدی اور منتہی' ذہین و کند ذہن سب ہی فائدہ حاصل کرسکتے ہیں یعنی اس موضوع کو رموز واسرار اور باریکیوں اور اشاروں اور کنایوں میں بیان نہیں کیا گیا ہے۔

اس کے بعد جب ہم نے دل کی اصلاح و علاج کے ان ضروری اصولوں اور ضابطوں پر غور کیا جن کی اشد ضرورت پڑتی ہے اور ان کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں بلکہ کوئی شخص ان اصولوں سے بے نیاز نہیں ہوسکتا تو اس سلسلے میں چار اصول ہمارے سامنے آئے اور اسی طرح دل میں فساد وخرابی پیدا کرنے والی چیزیں بھی چار سمجھ میں آئیں جو عبادت کرنے والوں کے لئے سخت رکاوٹ و پیچیدگی پیدا کرنے والی ہیں اور مجاہدہ کرنے والوں کے لئے آفت و مصیبت ہیں اور دلوں کو فتنوں میں اور نفوس کو بلاء

میں مبتلا کرنے والی ہیں اور ان کی اصلاح میں رکاوٹ ڈالتی ہیں یہاں تک کہ دلوں کو عیبی بنا کر تباہی و بربادی کے گھاٹ اُتار دیتی ہیں۔ اور دل میں فساد پیدا کرنے والی ان چار چیزوں کے مقابلے میں چار چیزیں اور ہیں جن میں عبادت کی لذت وحلاوت ہے اور عبادت کا نظم وضبط اور دلوں کی اصلاح ہے۔

دل میں فساد پیدا کرنے والی چار چیزیں یہ ہیں۔

(۱) دنیا کی امیدیں کرنا (۲) عبادت میں جلدی کرنا (۳) حسد کرنا (۴) تکبر وغرور کرنا۔ تفصیل آگے آرہی ہے۔

ان کے مقابلے میں دل کی اصلاح کرنے والی چار چیزیں یہ ہیں۔

(۱) دنیا کی لالچ وامید کم کرنا (۲) عبادت ومعاملات میں جلد بازی نہ کرنا (۳) مخلوق کے ساتھ خیر خواہی کرنا (۴) خشوع وخضوع اختیار کرنا۔

تو یہ کل آٹھ چیزیں ہیں جن سے دل کی اصلاح اور اس کی خرابی وابستہ ہے اور انہیں پر دل کی اصلاح وفساد کا دارومدار ہے لہٰذا ان چار چیزوں سے بچنے کی کوشش کرو جن سے دل میں فساد وخرابی پیدا ہوتی ہے اور جن چار چیزوں سے دل کی اصلاح ہوتی ہے انہیں اپناؤ اور اس پر کاربند رہو ان شاء اللہ آخرت کی مشقتوں سے محفوظ رہو گے اور اپنے مقصود ومطلوب میں کامیاب ہو جاؤ گے اب ان آفتوں کو بہت مختصر اور جامع طریقہ سے بیان کرتا ہوں۔

بڑی بڑی امیدوں کا بیان

لمبی لمبی امیدیں ہر نیکی اور طاعت کی راہ میں رکاوٹ ڈالتی ہیں اور ہر شر اور فتنہ کا باعث ہیں اور لمبی لمبی امیدوں میں مبتلاء ہونا ایک لاعلاج بیماری ہے جو لوگوں کو مختلف

آزمائشوں اور پریشانیوں اور ہر طرح کی بیماریوں میں مبتلاء کر دیتی ہے۔ یاد رکھو جب تم لمبی لمبی امیدوں میں مبتلاء ہو جاؤ گے تو تمہیں چار چیزیں پیش آئیں گی۔

(۱) پہلی چیز یہ ہے کہ طاعت وعبادت کے ترک میں زیادتی ہو جائے گی اور اس کی ادائیگی میں سستی اور کاہلی بڑھ جائے گی۔ عبادت ونیکی کے وقت تم اپنے دل میں کہو گے ابھی تھوڑی دیر میں کرلوں گا اتنی جلدی کیا ہے سارا وقت میرے سامنے ہے ابھی وقت بہت ہے عبادت ضائع نہیں ہونے دوں گا۔

حضرت ابوسلیمان داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ نے بالکل سچ فرمایا ہے: جو اللہ تعالیٰ کی وعید سے ڈرتا ہے وہ دور کی چیز کو نزدیک سمجھتا ہے اور جو لمبی امیدیں کرتا ہے وہ بد اعمالیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

اور حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: دنیا کی آس اور امیدیں کرنا انسان کو ہر نیک کام سے روک دیتی ہے اور لالچ وطمع انسان کو ہر حق سے منع کر دیتی ہے اور صبر ہر بھلائی کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور نفس امارہ ہر برائی اور شر کی طرف لے جاتا ہے اور اس کی دعوت دیتا ہے۔

(۲) دوسری چیز جس سے امیدوں میں اضافہ ہوتا ہے توبہ چھوڑ دینا ہے لمبی امیدوں کی وجہ سے انسان توبہ کرنے سے ٹال مٹول کرتا رہتا ہے اور دل میں کہتا ہے عنقریب توبہ کرلوں گا ابھی تو کافی وقت ہے اور ابھی تو میں جوان ہوں اور ابھی تو میری عمر بھی بہت کم ہے۔ توبہ تو میرے اختیار میں ہے جب چاہوں گا توبہ کرلوں گا اس قسم کے بہت سے بیہودہ خیالات پیدا ہوتے رہتے ہیں پھر اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ توبہ اور اپنی اصلاح سے پہلے ہی اچانک موت آجاتی ہے۔

(۳) تیسری چیز جس سے امیدیں بڑھ جاتی ہیں وہ مال ومنال جمع کرنے کی ہوس اور لالچ کرنا ہے اور دنیا کی حرص کے نشے میں دنیا کو آخرت کے مقابلے میں ترجیح دینا اور آخرت سے غافل ہو جانا ہے دل میں کہتا ہے ہوسکتا ہے میں بڑھاپے میں محتاج وفقیر ہو جاؤں اور ضعف وکمزوری کی وجہ سے خود کمانے کے قابل نہ رہوں اس لئے میرے پاس ضرورت سے زیادہ ذخیرہ ہونا بھی ضروری ہے تا کہ یہ ذخیرہ بیماری یا بڑھاپے یا محتاجی وتنگ دستی کے وقت مجھے کام آئے اس قسم کے ہزاروں خیالات و وسوسے انسان کو دنیا کی لالچ اور رغبت دلاتے رہتے ہیں۔

اور طرح طرح کے کھانے پینے کی چیزوں کا اہتمام کرتا رہتا ہے کبھی کہتا ہے کیا کھاؤں اور کیا پیوں اور کیا پہنوں اور کبھی کہتا ہے ارے یہ سردی کا زمانہ ہے اور یہ گرمیوں کا موسم آرہا ہے اور میرے پاس کچھ پہننے اور اوڑھنے کو نہیں ہے غرض دنیا کی قسم قسم کی آرائش وزیبائش کی فکر میں لگا رہتا ہے کبھی کہتا ہے کہ شاید میری عمر لمبی ہو اور جب میں عمر کے آخری حصہ میں پہنچوں تو کہیں محتاجی وتنگدستی غالب نہ آجائے اس لئے اس نازک وقت کے لئے میرے پاس کچھ نہ کچھ ہونا ضروری ہے تا کہ لوگوں کے سامنے ہاتھ نہ پھیلانا پڑے اس قسم کے سینکڑوں خیالات دنیا کی رغبت دلانے اور دنیا کے ساز وسامان جمع کرنے والے پر ابھارتے رہتے ہیں اور جو کچھ اس کے پاس ہے اسے خرچ کرنے سے بھی روکتے ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ اس قسم کے بیہودہ خیالات انسان کو دنیا کی امید ولالچ میں جکڑ دیتے ہیں اور انسان کی عمر عزیز اور اس کا قیمتی وقت انہیں امیدوں کی نذر ہو جاتا ہے اور اتنا عظیم اور قیمتی سرمایہ یوں ہی ضائع وبرباد ہو جاتا ہے اور بے فائدہ انسان کے غم و

تفکرات بڑھتے رہتے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابوذر جندب غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں: قَتَلَنِیْ ھَمُّ یَوْمٍ لَمْ اُدْرِکْہُ قِیْلَ وَ کَیْفَ ذٰلِکَ یَا اَبَا ذَرٍّ قَالَ: اِنَّ اَمَلِیْ جَاوَزَ اَجَلِیْ آنے والے دن کی فکر نے مجھے مار ڈالا۔ کسی نے پوچھا وہ کیسے اے ابوذر! تو انھوں نے فرمایا میری امیدیں میری موت سے تجاوز کر چکی ہیں۔

(۴) چوتھی چیز جس سے امیدوں میں اضافہ ہوتا ہے وہ دل کی قساوت و بدبختی اور آخرت سے بے فکری و فراموشی ہے اس لئے کہ جب تم دنیا کی عیش و عشرت اور درازی عمر کی آرزوئیں کروگے تو تمہیں نہ موت یاد آئے گی اور نہ قبر کی فکر ہوگی۔ چنانچہ حضرت علی مرتضیٰ بن ابی طالب کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم فرماتے ہیں: اِنَّ أَخْوَفَ مَا أَخَافُ عَلَیْکُمْ اِثْنَتَانِ: طُوْلُ الْاَمَلِ وَ اِتِّبَاعُ الْھَوٰی اَلَا وَ اِنَّ طُوْلَ الْاَمَلِ یُنْسِی الْاٰخِرَۃَ وَ اِتِّبَاعُ الْھَوٰی یَصُدُّ عَنِ الْحَقِّ تمہیں دو چیزوں میں مبتلا ہوجانے کا مجھے بہت زیادہ خوف واندیشہ ہے (۱) ایک لمبی امید (۲) دوسری خواہشات کی پیروی خبردار! لمبی امیدیں کرنا آخرت کو بھلا دیتی ہیں اور خواہشات کی پیروی حق سے روک دیتی ہے۔

تو جب تم لمبی امیدوں کا شکار ہوکر موت اور قبر کو بھول جاؤ گے تو تمہاری فکریں بڑے بڑے اور اہم ترین کاموں کی مرکز ہوں گی اور دنیا میں عیش و عشرت کے اسباب وسامان اور مخلوق کی صحبت کی مرکز ہوں گی تو ان تفکرات کی وجہ سے دل سخت و بدبخت ہوجاتا ہے اس لئے کہ رقت وصفائی قلب تو موت کو یاد رکھنے اور قبر کی تنہائی اور اس کی وحشت ہر وقت پیش نظر رہنے اور آخرت کے اجر وثواب اور عذاب اور آخرت کے انعام اور خوفناک مناظر یاد رکھنے سے ہوتی ہے اور جب ان باتوں میں سے کوئی بات

بھی نہ ہو تو دل میں رقت ونرمی اور دل کی صفائی کیسے ہوگی۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ (پ۲۷ سورۃ الحدید آیت ۱۶) پھران پر ایک لمبا زمانہ گزر گیا تو ان کے دل انتہائی سخت ہو گئے۔

تو جیسے جیسے امیدیں بڑھتی جائیں گی طاعت وعبادت کا جذبہ کم ہوتا جائے گا اور توبہ کا ارادہ موخر ہوتا جائے گا اور توبہ کا خیال دل سے نکلتا جائے گا اور گناہوں کی کثرت وزیادتی ہوتی جائے گی اور تمہارے اندر حرص ولالچ بڑھتا جائے گا اور تمہارا دل بھی سخت ہو جائے گا اور نتیجہ یہ ہوگا کہ تم اپنی آخرت کے انجام سے بالکل غافل ہو جاؤ گے اللہ تعالیٰ کی پناہ۔ اگر اللہ تعالیٰ کی رحمت شامل حال نہ ہو تو تمہاری آخرت بھی تباہ وبرباد ہو جائے گی تو اس سے بری حالت اور کیا ہوگی اور اس سے بڑی آفت وبلا کیا ہوگی؟ اور یہ ساری برائیاں اور خرابیاں صرف لمبی لمبی امیدوں کی وجہ سے ہوتی ہیں اور اگر تم اپنی امیدیں اور آرزوئیں کم کردو اور اپنے کو موت سے قریب تصور کرو اور اپنے عزیز و اقارب اور دوست واحباب کے احوال کو یاد کرو کہ جنہیں موت اس حالت میں آئی کہ انہیں اس کا وہم وگمان بھی نہ تھا اور بہت ممکن ہے کہ تمہارا بھی یہی حال ہو لہٰذا تم اپنے مغرور نفس کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈراتے رہو اور حضرت عوف بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فرمان بھی یاد رکھو ”بہت سے لوگ ایسے ہیں جو صبح کو ہوتے ہیں مگر شام سے پہلے پہلے موت کے گھاٹ اتر جاتے ہیں اور بہت سے لوگ آئندہ دن کے منتظر ہوتے ہیں مگر وہ دن بھی انہیں نصیب نہیں ہوتا“

اگر تم موت اور اس کی مدت جان لو تو یقیناً تم دنیا کی امید ولالچ اور اس کی فریب کاریوں سے بغض کرنے لگو گے۔ کیا تم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام بن حضرت مریم

رضی اللہ عنہا کا یہ فرمان نہیں سنا؟ اَلدُّنیَا ثَلَاثَۃُ أَیَّامٍ: أَمْسِ مَضَی مَا بِیَدِكَ مِنْہُ شَيْءٌ وَغَدًا لَا تَدْرِیْ أَتُدْرِکُہُ أَمْ لَا؟ وَیَوْمٌ أَنْتَ فِیْہِ فَاغْتَنِمْہُ دنیا صرف تین دن کی ہے

(۱) ایک کل جو گزر گیا اس میں سے تمہارے قبضے میں کچھ بھی نہیں۔

(۲) آئندہ کل جس کا تمہیں کوئی علم نہیں کہ اسے پاؤ گے بھی یا نہیں۔

(۳) آج کا دن جس میں تم موجود ہو لہٰذا تم اسے غنیمت سمجھو۔

پھر اس کے بعد کیا تم نے حضرت ابو ذر جندب غفاری رضی اللہ عنہ کا یہ قول نہیں سنا؟ فرماتے ہیں: اَلدُّنیَا ثَلَاثُ سَاعَاتٍ: سَاعَۃٌ مَضَتْ وَسَاعَۃٌ أَنْتَ فِیْہَا وَسَاعَۃٌ لَا تَدْرِیْ أَتُدْرِکُہَا أَمْ لَا دنیا صرف تین ساعت کی ہے۔

(۱) وہ گھڑی جو گزر گئی۔

(۲) وہ گھڑی جس میں تم موجود ہو۔

(۳) اور تیسری وہ گھڑی جس کی تمہیں خبر نہیں کہ تمہیں ملے بھی یا نہیں۔

تو حقیقت میں دیکھا جائے تو تم صرف ایک ہی گھڑی کے مالک ہو اس لیے موت اس ایک گھڑی سے دوسری گھڑی کے درمیان آسکتی ہے چنانچہ ہمارے شیخ حضرت ابو بکر وراق فرماتے ہیں: دنیا صرف تین سانس (کے برابر) ہے۔ (۱) ایک وہ سانس جو گزر گیا اس میں جو تم نے عمل کرلیا کرلیا۔ (۲) دوسرا وہ سانس جو تم لے رہے ہو۔ (۳) وہ سانس جس کے پانے کی تمہیں کوئی خبر نہیں اس لیے کہ بہت سے سانس لینے والے ایسے ہیں جن کو موت نے دوسری سانس لینے کی مہلت ہی نہ دی یعنی دوسری سانس لینے سے پہلے ہی موت آگئی۔

تو حقیقت میں تم صرف ایک ہی سانس کے مالک ہو ایک دن یا پوری ایک گھڑی کے بھی مالک نہیں ہو لہٰذا اس ایک سانس میں موت آنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ کی طاعت وعبادت بجالاؤ اور اس میں سستی وکاہلی نہ کرو ہوسکتا ہے یہ بھی ہاتھ سے نکل جائے اور توبہ بھی اسی سانس میں کرلو کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ موقع بھی ہاتھ سے نکل جائے ممکن ہے کہ اس دوسرے سانس میں ہی تمہارا انتقال ہوجائے اور آنے والی گھڑی کے لئے رزق کی بھی فکر واہتمام نہ کرو ہوسکتا ہے اس گھڑی تک تمہاری زندگی بھی وفا نہ کرے اور بلا وجہ روزی ومعاش کی فکر میں مبتلاء ہوجاؤ تو یہ قیمتی وقت اور اہم موقع ضائع وبرباد نہ ہوجائے اور تمہاری کوشش بیکار نہ ہوجائے انسان کے لئے ہرگز یہ مناسب نہیں کہ وہ ایک دن یا ایک گھڑی یا ایک سانس کے لئے بھی روزی کی تلاش وجستجو میں اپنا قیمتی وقت ضائع کرے کیا تمہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ فرمان یاد نہیں ہے؟ جو آپ نے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کے متعلق ارشاد فرمایا: أَمَا تَعْجَبُوْنَ مِنْ أُسَامَةَ الْمُشْتَرِی بِصَبِرِ شَهْرٍ إِنَّ أُسَامَةَ لَطَوِيْلُ الْاَمَلِ وَ اللهِ مَا وَضَعْتُ قَدَمًا فَظَنَنْتُ اَنِّیْ اَرْفَعُهَا وَلَا لُقْمَةً فَظَنَنْتُ اَنِّیْ اُسِيْغُهَا حَتّٰی يُدْرِكَنِی الْمَوْتُ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ وَمَا اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ اے لوگو! کیا تم اسامہ پر تعجب نہیں کرتے جو ایک مہینے کے لئے چیز خریدتا ہے بے شک اسامہ لمبی لمبی امیدوں کا شکار ہوگیا اللہ کی قسم جب بھی میں نے اپنا کوئی قدم زمین پر رکھا تو میرا یہی گمان رہا کہ ہوسکتا ہے اٹھانے سے پہلے موت آجائے اور جب بھی میں نے کوئی لقمہ منہ میں ڈالا تو یہی خیال رہا کہ معلوم نہیں حلق سے نیچے جائے گا یا اس سے پہلے ہی موت آجائے گی قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں

میری جان ہے جن باتوں کا تم سے وعدہ کیا گیا یقینا ہو کر رہیں گی اور تم اللہ کو عاجز و بے بس نہیں کر سکتے۔

اے میرے پیارے بھائیو! جب تم ان باتوں (حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت عوف بن عبد اللہ وغیرہما کے اقوال) کو یاد رکھو گے اور بار بار ان باتوں کو اپنے ذہن میں دہراتے رہو گے تو اللہ تعالیٰ کے اذن وارادے سے تمہاری دنیاوی امیدیں ختم ہوجائیں گی پھر تمہارا نفس طاعت الٰہی کی طرف بہت جلد مائل ہوجائے گا اور تم توبہ کرنے میں جلدی کرو گے اس طرح تمہارے سارے گناہ جھڑ جائیں گے اور تمہارے اندر دنیا سے نفرت پیدا ہوجائے گی اور طلب دنیا سے بے رغبتی ہوجائے گی پھر قیامت کے دن تمہارے حساب و کتاب میں آسانی ہوجائے گی اور تمہارا دل آخرت اور اس کے خوفناک مناظر کی یاد میں مشغول ہوجائے گا اور تمہارے نزدیک اس دنیا کی کوئی وقعت و حقیقت نہ ہوگی اور تیرا نفس آخرت کی طرف مائل ہوجائے گا اس طرح ایک ایک کر کے آخرت کے تمام معاملات کا مشاہدہ کرنے لگو گے تو تمہارے دل سے قساوت و بدبختی ختم ہوجائے گی اور تمہارے دل میں نرمی و پاکیزگی پیدا ہوجائے گی اور جب قساوت ختم ہوجائے گی اور نرمی و پاکیزگی ظاہر ہوجائے گی تو تمہارے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف اور خشیت رچ بس جائے گی اس طرح تمہاری عبادت کے معاملات درست ہوجائیں گے اور تمہیں اپنی عاقبت و آخرت میں کامیابی کی امید قوی ہوجائے گی اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اور امیدوں کو ختم کرنے کے بعد ہی حاصل ہوگا۔

روایت ہے کہ ایک شخص نے حضرت زُرارہ بن اوفیٰ رحمۃ اللہ علیہ کو ان کی وفات

کے بعد خواب میں دیکھا تو اس نے حضرت زُرارہ سے پوچھا کہ آپ کے نزدیک کونسا عمل بہتر ہے؟ تو حضرت زُرارہ نے فرمایا اللہ اور اس کے احکام سے راضی رہنا اور امیدوں کو اپنے دل سے نکال دینا لہٰذا اے میرے پیارے بھائیو! اپنے حال پر غور کرو اور ان امیدوں کو اپنے اندر سے ختم کرنے کی کو پوری پوری کوشش کرو اس لئے کہ ان امیدوں سے بچنا اور گریز کرنا بڑی اہم و اعظم چیز ہے اور اسی سے دل اور نفس کی اصلاح ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ ہی اپنے فضل و کرم سے اس بات کی توفیق عطا فرماتا ہے۔

حسد کا بیان

بے شک حسد (کسی شخص میں خوبی دیکھ کر یہ آرزو کرنا کہ یہ نعمت اس سے ختم ہو جائے اور مجھے مل جائے) نیکیوں اور عبادتوں کو برباد کر دیتا ہے اور گناہوں پر ابھارتا ہے اور حسد بہت ہی بُری بیماری ہے جس میں عوام اور جہلاء تو مبتلاء ہیں ہی بڑے بڑے علماء و قراء حضرات بھی مبتلاء ہیں یہاں تک کہ اس حسد کی بیماری نے لوگوں کو ہلاک و برباد کر دیا اور جہنم کی آگ میں ڈال دیا کیا تم نے رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان نہیں سنا؟ سِتَّةٌ يَدْخُلُوْنَ النَّارَ بِسِتَّةٍ: اَلْعَرَبُ بِالْعَصَبِيَّةِ وَ الْاُمَرَاءُ بِالْجَوَارِ وَ الدَّهَاقِيْنُ بِالْكِبْرِ وَ التُّجَّارُ بِالْخِيَانَةِ وَ أَهْلُ الرَّسَاتِيْقِ بِالْجَهْلِ وَ الْعُلَمَآءُ بِالْحَسَدِ چھ قسم کے لوگ چھ باتوں کی وجہ سے جہنم میں جائیں گے۔

(۱) عرب عصبیت کی وجہ سے

(۲) امراء و سلاطین ظلم و بربریت کی وجہ سے

(۳) چوہدری تکبر کی وجہ سے

(۴) تاجر حضرات خیانت و بدیانتی کی وجہ سے

(۵) دیہاتی لوگ جہالت کی وجہ سے

(۶) اور علماء حسد کی وجہ سے (دیلمی عن ابن عمرو عن انس)

بے شک حسد ایک ایسی آفت ہے جو علماء کو بھی دوزخ میں داخل کر دیتی ہے لہٰذا اس آفت سے بچنا بہت ضروری ہے۔

اے میرے پیارے بھائیو! جان لو کہ حسد سے پانچ خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔

(۱) پہلی خرابی یہ جو عبادتوں کو فاسد کر دیتی ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: أَلْحَسَدُ يَأْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَأْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ (سنن ابی داؤد عن ابی ھریرۃ) حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑیوں کو کھا جاتی ہے۔

(۲) دوسری خرابی یہ ہے کہ حسد لوگوں کو گناہوں اور برائیوں و شرارتوں میں مبتلاء کر دیتا ہے جیسا کہ حضرت ابو عبد اللہ وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حسد کرنے والے کی تین نشانیاں ہیں۔

(۱) جب سامنے آتا ہے تو چاپلوسی کرتا ہے۔

(۲) جب پیٹھ پیچھے ہوتا ہے تو غیبت و چغلی کرتا ہے۔

(۳) جب کسی کو مصیبت پہنچتی ہے تو وہ خوش ہوتا ہے۔

میں (امام غزالی) کہتا ہوں کہ حسد کی برائی کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں حاسدین کے شر سے پناہ لینے کا حکم فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ربانی ہے: وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ (پ۳۰ سورۃ الفلق آیت ۵) اور (میں پناہ مانگتا ہوں) حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ مجھ سے جلے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہمیں شیطان اور جادوگر کے شر سے پناہ مانگنے کا حکم فرمایا لہٰذا تمہیں غور و فکر کرنا چاہیے کہ حسد کتنا بڑا فتنہ ہے اور کتنا بڑا شر ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے حاسد کو شیطان اور جادوگر کے قائم مقام فرمایا اور حسد کرنے والے کے خلاف اللہ رب العالمین کے علاوہ کوئی مددگار و پناہ دینے والا نہیں۔

(۳) حسد سے پیدا ہونے والی تیسری خرابی یہ ہے کہ بے مقصد تھکن اور غم میں مبتلاء ہونا ہے بلکہ اس غم کے ساتھ ساتھ گناہ و معصیت میں پڑ جانا ہے جیسا کہ ابن سماک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: میں نے مظلوم کے ساتھ زیادہ مشابہت رکھنے والے حاسد سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں دیکھا حاسد ہر وقت افسردہ و حقیر رہتا ہے اور اس کی عقل حیران رہتی ہے اور ہمیشہ غمزدہ رہتا ہے۔

(۴) حسد سے چوتھی خرابی یہ پیدا ہوتی ہے کہ دل اندھا ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کے سمجھنے کی بھی صلاحیت باقی نہیں رہتی حضرت سفیان بن سعید ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہمیشہ کے لئے خاموشی اختیار کر لو تو تم متقی و پرہیزگار بن جاؤ گے اور دنیا کی لالچ نہ کرو تو تم ہر قسم کے فتنوں سے محفوظ رہو گے اور لعن و طعن اور نکتہ چینی نہ کرو لوگوں کے طعن و تشنیع سے محفوظ رہو گے اور حاسد نہ بنو تو تمہاری عقل تیز ہو جائے گی۔

(۵) حسد سے پانچویں خرابی یہ ہوتی ہے کہ انسان ذلت و رسوائی اور محرومی کا شکار ہو جاتا ہے اور اسی حسد کی وجہ سے اپنی کسی مراد میں بھی کامیاب نہیں ہوتا اور نہ کسی دشمن پر غالب آ سکتا ہے جیسا کہ حضرت ابو عبدالرحمن حاتم بن علوان اصم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: بغض و کینہ رکھنے والا کامل دین دار نہیں ہوتا اور عیب لگانے والا

خالص عبادت گزار نہیں ہوتا اور چغلخور محفوظ و مامون نہیں رہتا اور حاسد کی مدد نہیں کی جاتی بلکہ وہ مغضوب ہوتا ہے۔

میں (امام غزالی) کہتا ہوں کہ حاسدین اپنی مراد و مقصود میں کیسے کامیاب ہو سکتے ہیں؟ اس لئے کہ حاسدین کا مقصود تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتیں اس کے تمام مسلمان بندوں سے چھن جائیں اور (حاسد کو مل جائیں) حاسدین اپنے دشمنوں پر کیسے غالب آسکتے ہیں اس لئے کہ ان کے دشمن تو اللہ تعالیٰ کے مومن اور نیک بندے ہوتے ہیں حضرت ابو یعقوب اسحاق بن محمد النہر جوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے: اے اللہ تعالیٰ! تو نے اپنے بندوں کو جو نعمتیں عطا فرمائی ہیں ہمیں ان کے حسد سے محفوظ فرما اور ہمیں اس پر صبر عطا فرما بلکہ تو ان کے حالات اور بہتر بنا دے

تنبیہ: یاد رکھو کہ حسد ایک ایسی بیماری ہے جو تمہاری عبادتوں کو ضائع و برباد کر دیتی ہے اور تمہاری شرارتوں اور گناہوں میں اضافہ کرتی ہے اور نفس کے آرام و سکون کو ختم کر دیتی ہے اور دین کی سمجھ اور دشمنوں پر غلبہ حاصل کرنے اور اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کرنے میں رکاوٹ پیدا کرتی ہے تو ثابت ہوا کہ حسد سے زیادہ خطرناک کوئی بیماری نہیں جس کا علاج کرنا فوراً ضروری ہے لہٰذا تم پر لازم ہے کہ حسد جیسی خطرناک و مہلک بیماری کا فوراً علاج کرو اور اس میں ذرہ برابر غفلت و کوتاہی نہ کرو بے شک اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے مدد و اعانت کرنے والا ہے۔

عبادت میں جلد بازی کے نقصانات

عبادات میں جلدی کرنا ایک ایسی بُری خصلت ہے جو نیک مقاصد کو ختم کر دیتی ہے اور گناہوں میں مبتلاء کر دیتی ہے اور اس خصلت سے چار خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔

(۱) پہلی خرابی یہ ہے کہ عبادت گزار جب بھلائی اور استقامت کا مرتبہ و مقام حاصل کرنے کا ارادہ کرتا ہے اور اس کے حصول میں کوشش اور جد و جہد کرتا ہے تو بسا اوقات اس کے حاصل کرنے میں عجلت و جلد بازی سے کام لیتا ہے حالانکہ علم الٰہی میں ابھی اس مرتبہ کے حاصل کرنے کا وقت نہیں ہوتا جب بندہ اس مرتبہ و مقام کو فوراً حاصل نہیں کر پاتا تو وہ یا تو سست اور مایوس ہو کر اپنی کوشش و مجاہدے کو چھوڑ دیتا ہے اس طرح بندہ اس عظیم مرتبہ اور مقام سے محروم ہو جاتا ہے یا تو وہ کوشش و مجاہدہ اور نفس کشی میں حد سے بڑھ جاتا ہے تو اس صورت میں بھی افراط و تفریط کی وجہ سے اس مرتبہ کو حاصل نہیں کر پاتا اور یہ دونوں خرابیاں جلد بازی کا نتیجہ ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے فرماتے ہیں: اِنَّ دِیْنَنَا ھٰذَا مَتِیْنٌ فَأَوْغِلْ فِیْہِ بِرِفْقٍ فَاِنَّ الْمُنْبَتَّ لَا اَرْضًا قَطَعَ وَلَا ظَھْرًا اَبْقٰی (امام احمد، بزار، بیہقی) بے شک ہمارا دین بہت مضبوط و مستحکم دین ہے لہٰذا اس دین کو نرمی سے حاصل کرو اس لئے کہ کسان زمین کو بالکل اکھیڑ نہیں دیتا اور نہ اس کے ظاہر کو پہلی حالت میں باقی رہنے دیتا ہے۔

عربی کی ایک مشہور مثل ہے: اِنْ لَمْ تَسْتَعْجِلْ تَصِلْ اگر تم جلد بازی نہ کرو گے تو اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤ گے۔ اور ایک شاعر کہتا ہے:

قَدْ یُدْرِكُ الْمُتَأَنِّیْ بَعْضَ حَاجَتِہٖ
وَ قَدْ یَكُوْنُ مَعَ الْمُسْتَعْجِلِ الزَّلَلُ

بردبار (جلدی نہ کرنے والا) آدمی اپنے بعض مقاصد حاصل کر لیتا ہے لیکن جلد باز آدمی اکثر پھسل جاتا ہے اور لغزش کھا جاتا ہے۔

(۲) عبادت میں جلد بازی کی دوسری آفت وخرابی یہ ہے کہ عبادت گزار کو جب کوئی ضرورت پیش آجاتی ہے تو وہ اس ضرورت کے متعلق اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرتا ہے اور خوب دعا والتجا کرتا ہے اور انتہائی کوشش کرتا ہے اور بسا اوقات وقت سے پہلے ہی اس کی قبولیت میں جلدی چاہتا ہے (یعنی علم الٰہی میں اس دعا کی قبولیت میں ابھی کچھ دیر ہے مگر وہ چاہتا ہے کہ جلدی قبول ہو جائے) دعا جلدی قبول نہ ہونے کی وجہ سے وہ دل برداشتہ وغمگین ہوجاتا ہے تو دعا کرنا ہی چھوڑ دیتا ہے اور اپنے مقصد میں کوشش کرنا بھی ترک کر دیتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے مقصد اور اپنی ضرورت میں ناکام ونامراد ہوجاتا ہے۔

(۳) جلد بازی کرنے سے تیسری آفت وخرابی یہ پیدا ہوتی ہے کہ جب کوئی مسلمان اس عبادت گزار پر ظلم وزیادتی کرتا ہے تو یہ عبادت گزار غضبناک وغصہ میں آکر اس کے لئے بددعا کر دیتا ہے تو وہ ظالم مسلمان اس کی بددعا کی وجہ سے ہلاک و برباد ہوجاتا ہے اور بسا اوقات یہ عابد بددعا کرنے میں حد سے زیادہ بڑھ جاتا ہے اور خود گناہ اور ہلاکت میں مبتلاء ہوجاتا ہے۔ اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **وَيَدۡعُ الۡاِنۡسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالۡخَيۡرِ‌ؕ وَكَانَ الۡاِنۡسَانُ عَجُوۡلًا** (پ۱۵ سورۃ بنی اسرائیل آیت۱۱) اور آدمی برائی کی دعا کرتا ہے جیسے بھلائی مانگتا ہے اور آدمی بڑا جلد باز ہے۔

(۴) عجلت سے چوتھی خرابی اور آفت اس طرح لازم آتی ہے کہ عبادت کی بنیاد و اصل تقویٰ و پرہیزگاری ہے اور ہر چیز کی تہ تک پہنچنے سے اور مکمل طریقہ سے بحث و تحقیق کرنے سے پرہیزگاری حاصل ہوتی ہے اور ہر چیز مثلاً کھانے، پینے اور لباس پہننے، گفتگو کرنے اور کام کرنے کے متعلق تفتیش وتحقیق کرنے کے بعد پرہیزگاری

نصیب ہوتی ہے۔تو جب انسان تمام کاموں میں جلد باز ہو بردبار نہ ہو اور متحمل نہ ہو تو ظاہر ہے کہ کسی کام میں توقف اور غور وفکر سے کام نہ لے گا بلکہ ہر کام کی تکمیل میں جلدی کرے گا جس کا نتیجہ انتہائی خطرناک ثابت ہوگا یعنی جب گفتگو میں جلدی کرے گا تو لغزش کھائے گا اور غلط بولے گا اور جب کھانے پینے وغیرہ کے معاملے میں جلدی کرے گا تو حرام ومشتبہ چیز کھالے گا غرض ہر کام میں اس قسم کی غلطیاں کرتا رہے گا اس طرح تقویٰ اور پرہیز گاری ختم ہوجائے گی اور تقویٰ کے بغیر عبادت میں کوئی خوبی و لذت نہیں ہوتی۔

جب انسان اس آفت کی وجہ سے بھلائی کے مراتب ومقامات سے گرجاتا ہے اور اپنی ضرورتوں سے محروم ہوجاتا ہے اور خود وہ اور دوسرے تمام مسلمان تباہ وبرباد ہوجاتے ہیں تو پھر تقویٰ اور پرہیز گاری جو عبادت بلکہ تمام کاموں کی جڑ اور بنیاد ہے پورے طور پر ختم ہوجاتی ہے لہٰذا انسان پر لازم ہے کہ اس آفت کے ازالہ اور اس کے بعد نفس کی اصلاح کی بھرپور کوشش کرے اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے توفیق عطا فرمائے گا۔

تکبر کا بیان

دل میں فساد وخرابی پیدا کرنے والی چوتھی اور آخری چیز تکبر ہے۔

تکبر وکبر ایسی مہلک آفت وبیماری ہے جو نیکیوں کو جڑ سے کھود ڈالتی ہے بلکہ اس کا نام و نشان تک مٹا دیتی ہے کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں سنا؟ اَبٰی وَ اسْتَكْبَرَ وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ (پ۱ سورۃ البقرۃ آیت۳۴) (شیطان) منکر ہوا اور غرور کیا اور کافر ہوگیا۔

اور تکبر اعمال صالحہ اور فروعات دین کے لئے تمام آفتوں سے زیادہ مضرو

نقصان دہ ہے اور یہ خصلت بنیاد (ایمان) کے لئے بھی مضر ہے اور دین واعتقاد کو ختم کردیتی ہے اور جب یہ مرض تکبر بڑھ جاتا ہے تو معاذ اللہ اس کا تدارک اور اس کا علاج بہت مشکل ہوجاتا ہے پھر اس سے طرح طرح کی ہزاروں بیماریاں جنم لیتی ہیں کم سے کم چار بیماریاں تو ضرور پیدا ہوجاتی ہیں۔

(۱) پہلی آفت و بیماری یہ ہے کہ تکبر انسان کو حق وصداقت سے محروم کردیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی آیات کی معرفت اور اللہ تعالیٰ کے احکام سمجھنے سے دل کو گمراہ کردیتا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سَاَصۡرِفُ عَنۡ اٰیٰتِیَ الَّذِیۡنَ یَتَکَبَّرُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ بِغَیۡرِ الۡحَقِّ (پ۹ سورۃ الاعراف آیت۱۴۶) ترجمہ: عنقریب میں انہیں اپنی آیتوں سے پھیر دوں گا جو زمین میں ناحق اپنی بڑائی چاہتے ہیں۔

دوسری جگہ فرماتا ہے: کَذٰلِکَ یَطۡبَعُ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ قَلۡبِ مُتَکَبِّرٍ جَبَّارٍ (پ۲۴ سورۃ المؤمن آیت۳۵) اللہ اسی طرح متکبر سرکش کے سارے دل پر مہر فرمادیتا ہے۔

(۲) تکبر سے دوسری آفت وخرابی یہ پیدا ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والے پر غضب فرماتا ہے اور اس سے ناراض ہوتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الۡمُسۡتَکۡبِرِیۡنَ (پ۱۴ سورۃ النحل آیت۲۳) بے شک اللہ تعالیٰ مغروروں کو پسند نہیں فرماتا۔

روایت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا اے پروردگار کائنات! تیری بارگاہ میں سب سے زیادہ مبغوض کون ہے؟ (تو کس سے زیادہ ناراض ہے؟) تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا جس کے دل میں تکبر ہو، جس کی زبان گندی ہو، جس کی آنکھیں شرم وحیاء نہ کرتی ہوں، جس کے ہاتھ بخیل ہوں، جس

کے اخلاق بُرے ہوں۔

(۳) تکبر سے تیسری آفت و بیماری یہ ہوتی ہے کہ آدمی دنیا و آخرت دونوں جگہ ذلت و رسوائی اور عذاب کا سزاوار ہوجاتا ہے چنانچہ حضرت ابوعبدالرحمن حاتم بن علوان اصم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: اپنے آپ کو تین حالتوں پر مرنے سے بچاؤ (۱) تکبر (۲) حرص و لالچ (۳) غرور و شیخی اس لئے کہ اللہ تعالیٰ متکبر کو دنیا سے اس وقت تک نہ اٹھائے گا جب تک کہ اسے اس کے کمترین و ذلیل اہل وعیال اور خادموں سے رسوا و ذلیل نہ کرالے اور حریص کو اس وقت تک موت عطا نہ فرمائے گا جب تک کہ اس کو روٹی کے ایک ٹکڑے اور پانی کے ایک گھونٹ سے نہ ترسا لے اور غرور و شیخی جتانے والے کو اس وقت تک موت نہ دے گا جب تک کہ اسے پیشاب و پاخانہ میں آلودگی اور ذلت وخواری نہ دکھالے۔

روایتوں میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ متکبر (تکبر کرنے والے) کو ضرور حق کے ساتھ ذلیل و رسوا فرمائے گا۔

(۴) تکبر سے چوتھی آفت و مصیبت یہ ہوتی ہے کہ آخرت میں وہ جہنم کی آگ میں جلے گا اور عذاب میں مبتلا کیا جائے گا جیسا کہ حدیث قدسی میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَلْکِبْرِیَآءُ رِدَائِیْ وَ الْعَظْمَۃُ اِزَارِیْ فَمَنْ نَازَعَنِیْ فِیْ وَاحِدٍ مِنْھُمَا اَدْخَلْتُہُ نَارَ جَھَنَّمَ (صحیح مسلم، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ) بڑائی میری چادر ہے اور عظمت و بزرگی میرا تہبند ہے تو جو شخص ان دونوں میں سے کوئی ایک بھی مجھ سے لینے کی کوشش کرے گا تو میں اسے جہنم کی آگ میں داخل کردوں گا۔

حاصل حدیث: مطلب یہ ہوا کہ بڑائی اور عظمت و بزرگی اللہ تعالیٰ کی صفات

خاصہ میں سے ہے جو کسی دوسرے کے لئے لائق و مناسب نہیں لہٰذا اللہ کے سوا کسی اور کو ان صفات کی خواہش و تمنا کرنا ہرگز درست نہیں جس طرح انسان کی چادر اور اس کا تہبند اسی کے لئے مخصوص ہے اس میں کوئی اور شریک نہیں ہوسکتا (ایک ساتھ ایک تہبند دو آدمی نہیں پہن سکتے) تو تکبر ایک ایسی خصلت ہے جو تم سے اللہ تعالیٰ کی معرفت زائل کر دیتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی آیات کے معانی اور اللہ تعالیٰ کے ان احکام کے سمجھنے سے محروم کر دیتی ہے جو دین کے احکام کی اصل و بنیاد ہیں پھر اس خصلت کی وجہ سے اللہ سبحانہ و تعالیٰ تم سے ناراض ہوجاتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دنیا میں بھی ذلت و رسوائی ہوتی ہے اور آخرت میں جہنم کا عذاب تو ہے ہی لہٰذا ایسی خطرناک اور مہلک آفت سے ہر مسلمان کو بچنا اور اس سے دور رہنا انتہائی ضروری ہے کسی عقلمند و سمجھدار آدمی کے لئے ہرگز زیب نہیں دیتا کہ وہ اس مہلک آفت سے بچنے میں غفلت برتے بلکہ اس پر لازم ہے کہ اس آفت سے دور رہے اور اس کے زائل کرنے میں اللہ تعالیٰ کی پناہ لے اور اس سے ڈرے اور اپنے نفس کی اصلاح کرے اللہ تعالیٰ ہی گناہوں سے بچانے والا ہے اور اپنے فضل و کرم سے نفس کی اصلاح کی توفیق دینے والا ہے۔

پس یہ آفات و بلیات کے اور عبادت میں خرابی و فساد پیدا کرنے والے چار خصائل (امیدیں، جلد بازی، حسد، تکبر) کا مختصر بیان ہوا عقلمند اور سمجھدار آدمی جو اپنے دل کی اصلاح و درستگی اور امور دینیہ کی اہمیت سے واقف ہے اس کے نزدیک ان چاروں آفتوں میں سے ہر ایک آفت انتہائی خطرناک و مہلک ہے جس سے بچنا اور اپنی اصلاح کرنا لازم و ضروری ہے اللہ تعالیٰ اس سے محفوظ رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حسد تکبر وغیرہما سے چھٹکارہ حاصل کرنے کا طریقہ

سوال: جب یہ آفتیں اور بیماریاں اتنی خطرناک ہیں اور ان آفتوں سے بچنا بہت دشوار ہے اور ان سے بچنا بھی نہایت ضروری ہے اس لئے ان آفتوں کی حقیقت اور ماہیت کا جاننا لازم وضروری ہے لہٰذا آپ سے گزارش ہے کہ ان کی حقیقت و ماہیت بیان فرمائیں تاکہ ہمیں ان آفتوں سے بچنے کا طریقہ معلوم ہو جائے۔

جواب: جان لو کہ ان چاروں آفتوں اور مصیبتوں میں سے ہر ایک کے علاج و اصلاح کا طریقہ بہت لمبا اور تفصیل طلب ہے اور ہم نے ان کی کامل تفصیل اپنی کتاب احیاء علوم الدین اور اسرار معاملات الدین میں لکھ دی ہے لیکن اس کتاب (منہاج العابدین) میں ہم صرف اہم اور ضروری باتوں کے ذکر پر ہی اکتفا کریں گے جن کے بغیر چھٹکارا نہیں۔ہم اللہ تعالیٰ کی توفیق سے بیان کرتے ہیں۔

لمبی امیدوں سے بچنے کا بیان

ہمارے اکثر علمائے کرام رحمھم اللہ تعالیٰ بیان فرماتے ہیں کہ لمبی امید تادیر زندہ رہنے کا نام ہے اور اس کے برخلاف یعنی دل میں اس بات کا یقین رکھنا کہ میری زندگی و بقا اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کے علم کے ساتھ وابستہ ہے اور اس دنیا میں مجھے نیک کام کرنے کے لئے رہنا چاہیے اس ارادہ کا نام انقطاع امل (یعنی امیدیں کم کرنا) ہے لیکن جو شخص اپنی زندگی کے متعلق یہ فیصلہ کرلے کہ میں اس سانس کے بعد دوسرے سانس یا دوسری گھڑی یا دوسرے دن تک زندہ رہوں گا تو ایسے شخص کو لمبی لمبی امیدیں رکھنے والا شمار کریں گے اور ایسا خیال رکھنا گناہ ہے اس لئے کہ یہ ایک پوشیدہ وغیب کے متعلق حکم لگانا ہے اور اگر تم نے ان سب باتوں کو اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کے علم سے مقید کر دیا اور یوں کہا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ میں زندہ رہوں گا یا یہ کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں

اگر میری زندگی باقی ہے تو میں زندہ رہوں گا تو تمہارا امیدوں کے ترک کرنے والوں میں شمار کیا جائے گا اور اسی طرح اگر تم نیک ارادوں کے ساتھ زندہ رہنے کی امید رکھو تو بھی تمہیں لمبی لمبی امیدوں میں گرفتار ہونے والا نہ کہا جائے گا۔ اور اگر تم اپنے ارادوں کی اصلاح کی شرط کے ساتھ مقید کر لو جب بھی تمہیں امیدوں کا شکار نہیں کہا جائے گا امیدوں کو ترک کرنے والا کہیں گے لہٰذا تم پر لازم ہے کہ زندہ رہنے اور امید لگائے رکھنے کا ارادہ چھوڑ دو اور ہر وقت لمبی امیدوں کے بُرے نتائج کو یاد رکھو اور دل کی امیدیں ختم کرنے پر مضبوطی سے قائم رہو۔

امید کی دو قسمیں ہیں (۱) عام لوگوں کی امیدیں (۲) خاص لوگوں کی امیدیں۔

(۱) عام لوگوں کی امیدیں: یہ ہیں کہ دنیا کی پونجی جمع کرنے کے لئے زندگی کی آرزو کرنا اور اس سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کا ارادہ کرنا لیکن ایسی امید و آرزو کرنا خالص گناہ ہے اس کے برخلاف (اس قسم کی امید نہ کرنا) باعث ثواب ہے اور امیدوں کو ختم کرنا ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: **ذَرْهُمْ يَأْكُلُوْا وَ يَتَمَتَّعُوْا وَ يُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ** ○ (پ۱۴ سورۃ الحجر آیت۳) اے محبوب! انہیں چھوڑ دو کہ کھائیں اور دنیا کی لذتیں اٹھائیں اور امید انہیں کھیل میں ڈالے تو اب جاننا چاہتے ہیں۔

(۲) خاص لوگوں کی امیدیں: یہ ہیں کہ ایسے لوگ نیک کاموں کے پورا کرنے کے لئے دنیا میں رہنے اور طویل عمر تک زندہ رہنے کی امیدیں کرتے ہیں جن نیک کاموں میں تردد ہو ان کی اصلاح و درستگی میں بندے کو یقین نہیں اس لئے بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس کے سامنے ایک معین نیکی اور بھلائی ہوتی ہے مگر بندہ میں اس معین نیکی

کے پورا کرنے اور بجالانے کی صلاحیت واستعداد نہیں ہوتی اس لئے اس نیکی کو بروئے کار لانے میں بندہ عُجب یا ریاء وخود پسندی کی آفت میں پڑ جاتا ہے اس طرح بندہ اس نیکی کو نہیں کر پاتا اور اجر وثواب سے محروم ہو جاتا ہے اسی وجہ سے کسی بندے کے لئے یہ بات مناسب و درست نہیں کہ جب وہ نماز یا روزہ یا دوسری کوئی اور عبادت شروع کرے تو وہ دل میں یہ فیصلہ ویقین کرلے کہ میں اسے پورا کر کے ہی رہوں گا اس لئے کہ اس عبادت کا پورا کرنا پوشیدہ وغیبی چیز پر حکم لگانا ہے جسے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور اس قسم کا کوئی قطعی ارادہ کرلینا بندے کے لئے جائز ودرست نہیں اس لئے کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس نیک کام کے پورا کرنے میں بندے کے لئے اصلاح و درستگی نہیں لہٰذا ہر نیک کام شروع کرتے وقت دل میں یہ ارادہ رکھے کہ اگر یہ کام میرے حق میں بہتر ہو اور میرے لائق ومناسب ہو تو اللہ تعالیٰ مجھے اس کام کے پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اس کی ہمت دے یا یہ ارادہ کرے کہ میں اس کام کو ان شاء اللہ پورا کروں گا صلاح کی یہ شرط وقید اس لئے لگائی جارہی ہے کہ لمبی لمبی امیدوں کے عیب سے بچا رہے اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ارشاد فرماتا ہے: وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ۝ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ (پ۱۵ سورۃ الکہف آیت ۲۴) اور کسی بات کے بارے میں ہرگز یہ نہ کہنا کہ کل کروں گا مگر یہ کہ اللہ چاہے۔

علمائے کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین فرماتے ہیں کہ اس امید خاصہ کے مقابلے میں نیت محمودہ ہے (جیسا کہ علمائے ربانیین کے متعلق حدیث شریف میں آیا ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خطاب فرماتے ہوئے فرمایا اے لوگو! علمائے کرام کی پیروی کرو اس لئے کہ وہ دنیا وآخرت کے روشن چراغ ہیں مترجم) اور علمائے کرام نے

یہ اس لئے فرمایا کہ نیت محمودہ کا ارادہ رکھنے والا لمبی لمبی امیدوں سے محفوظ رہتا ہے یہ جو کچھ اوپر ہم نے بیان کیا وہ امید اور نیت محمودہ کے احکامات ہیں چونکہ نیت محمودہ کی بہت ضرورت پڑتی ہے اور اس کی معرفت و معلومات انتہائی ضروری ہے کہ وہ اصل الاصیل (بنیادی چیز ہے) اسی وجہ سے علمائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے نیت محمودہ کی انتہائی جامع و مانع تعریف بیان کی ہے وہ یہ ہے۔

نیت محمودہ: کسی نیک کام کے شروع کرنے کا پختہ ارادہ کرنا اور ساتھ ہی یہ بھی یقین رکھنا کہ اس کام کا پورا ہونا اللہ تعالیٰ کے سپرد اور اس کی مشیت پر ہے۔

سوال: نیک کام شروع کرنے کا ارادہ تو پختہ کیا جائے لیکن اس کا پورا ہونا اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف کرنا کیوں ضروری ہے جب اس کام کا پورا ہونا اللہ تعالیٰ کی مرضی و مشیت پر منحصر ہے تو چاہیے کہ اس کام کے شروع کرتے وقت اور بعد بھی اللہ تعالیٰ کی مرضی و مشیت کو ملحوظ رکھا جائے نہ کہ اپنی طرف سے پختہ ارادہ کر لیا جائے۔

جواب: کام شروع کرتے وقت پختہ ارادہ کر لینا اس لئے درست و صحیح ہے کہ اس وقت اس کام کا وجود نہیں ہوتا ہے اس لئے کام کے ابتداء میں ریا و عجب وغیرہ کا اندیشہ نہیں ہوتا مگر کام کے پورا ہونے کے وقت کام کا وجود ہو جاتا ہے اس لئے اس وقت دو قسم کے خطرے پیش ہوتے ہیں۔ پہلا خطرہ یہ ہے کہ معلوم نہیں یہ کام اختتام کو پہنچے گا یا نہیں دوسرا اندیشہ یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کام کے دوران خود پسندی و ریاء آجائے تو سارا کام برباد ہو جائے اس لئے اس کام کو بخوبی انجام پذیر ہونے کے لئے ان شاء اللہ کہنا اور اپنے کام کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا ضروری ہے ان شاء اللہ اس لئے کہا جائے کہ یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچ جائے اور اللہ تعالیٰ کے سپرد اس لئے کیا جائے کہ ریاء و دکھاوے اور عجب

جیسی تباہ کن آفات و بلیات سے محفوظ رہے ہر نیک کام کے لئے ایسا ارادہ رکھنے کو نیت محمودہ کہتے ہیں یہ بہت اہم ترین چیز ہے اسے اچھی طرح ذہن نشین کرلو۔

اے میرے پیارے بھائیو! جان لو کہ موت کو یاد کرنا امیدوں کے قلعہ کو برباد کردیتا ہے اور موت کو یادرکھنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اچانک موت آجانے کا خیال رکھو اور یہ بھی یاد رکھو کہ موت کہیں یاد الٰہی سے غفلت اور غرور کی حالت میں نہ آجائے لہٰذا ان باتوں کو خوب اچھی طرح ذہن نشین کرلو اور ان کے حصول کی کوشش شروع کردو اور اپنا قیمتی وقت لہو ولعب اور فضول چوں و چرا میں ضائع نہ کرو اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے توفیق عطا فرمانے والا ہے۔

حسد کے خاتمہ کے طریقہ کا بیان

حسد کے معنی یہ ہیں کہ اپنے کسی مسلمان بھائی میں کوئی خوبی دیکھ کردل میں یہ آرزو ہوجائے کہ نعمت اس سے ختم ہوجائے اور مجھے مل جائے اور اگر صرف یہ تمنا ہے کہ میں بھی ویسا ہی ہوجاؤں مجھے بھی یہ نعمت مل جائے تو یہ حسد نہیں بلکہ اسکو غبطہ کہتے ہیں (رشک بھی کہا جاتا ہے) حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ فرمان: لَا حَسَدَ اِلَّا فِی اِثْنَتَیْنِ حسد نہیں ہے مگر دو شخصوں پر (۱) پہلا وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن سکھایا وہ رات ودن اسکی تلاوت کرتا ہے اسکے پڑوسی نے سنا تو کہنے لگا کاش مجھے بھی ویسا ہی دیا جاتا جو فلاں شخص کو دیا گیا تو میں بھی اسی کی طرح عمل کرتا (۲) دوسرا وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے مال ودولت دیا تو وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتا ہے کسی نے کہا کہ کاش مجھے بھی ویسا ہی دیا جاتا جیسا فلاں کو دیا گیا تو میں اسی کی طرح خرچ کرتا (صحیح البخاری) اس حدیث میں حسد سے مراد غبطہ (رشک) ہے (اور یہی امام بخاری کے ترجمۃ الباب سے بھی

معلوم ہوتا ہے مترجم) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہاں غبطہ کو حسد سے مجازاً تعبیر فرمایا اس لئے کہ یہ دونوں معنی کے اعتبار سے بہت قریب ہیں اور اگر کسی مسلمان سے ایسی نعمت کے زائل ہونے کا ارادہ ہو جس نعمت وخوبی میں مسلمان کیلئے بھلائی نہ ہو تو ایسے ارادے کو غیرت اور حمیت کہتے ہیں حسد، غبطہ اور غیرت میں یہی فرق ہے جو ہم نے بیان کیا۔

حسد کا مدمقابل خیر خواہی ہے یعنی اپنے مسلمان بھائی کے لئے اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کے باقی رہنے کی تمنا کرے جن میں اس کی بہتری وبھلائی ہے۔

سوال: یہ ہمیں کیسے معلوم ہوگا کہ اس میں مسلمان کے لئے بھلائی ہے یا خرابی کہ ہم اس کے ساتھ خیر خواہی کا اظہار کریں یا حسد کریں؟

جواب: جان لو کہ کبھی کبھی ہمیں غالب گمان ہوتا ہے کہ اس کام میں ہمارے مسلمان بھائی کے لئے بھلائی و بہتری ہے لہذا اس صورت میں ہمیں اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ خیر خواہی کا برتاؤ کرنا چاہئے اور حسد سے بچنا چاہئے اور اگر اس نعمت کی بھلائی و بہتری میں اشتباہ ہو تو کسی مسلمان سے اس نعمت کے زائل ہونے یا باقی رہنے کا ارادہ نہیں کرنا چاہئے بلکہ اسے اللہ تعالیٰ کی مشیت ومرضی پر چھوڑ دینا چاہئے تاکہ حسد سے بچ جاؤ اور نصیحت وخیر خواہی پر عمل ہو جائے۔ حسد سے بچنے اور خیر خواہی کا جذبہ باقی رکھنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ دوستی وہمدردی وموالات کی تاکید کو یاد رکھو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر لازم وواجب قرار دیا ہے اور اس تاکید کو یاد رکھنے کی صورت یہ ہے کہ ہر شخص اپنے مسلمان بھائی کے حقوق کی حفاظت کرے اور اس کی قدر ومنزلت کا پاس ولحاظ کرے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے معین فرما دی ہے اور اس کی عظمت وبزرگی کو بھی ملحوظ رکھے جو بزرگی اللہ تعالیٰ اسے آخرت میں عطا فرمائے گا اور

ہر شخص اس بات کو بھی یاد رکھے کہ مجھے دنیا میں ہر مسلمان کے ساتھ تعاون اور اس کی اعانت و مدد اور اس کے ساتھ جمعہ و دیگر اجتماعات میں شرکت کرنے میں بے شمار بڑے بڑے فائدے ہیں پھر مسلمانوں کے ساتھ تعاون اور ان کی امداد کرنے کا عظیم فائدہ یہ ہے کہ وہ آخرت میں تمہاری شفاعت کریں گے۔ لہذا مسلمانوں کے حقوق اور قدر و منزلت وغیرہ کا خیال رکھنا اور ہر شخص کو اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ بھلائی و خیر خواہی کرنے پر مجبور و آمادہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں پر حسد کرنے سے محفوظ رکھتا ہے اللہ سبحانہ و تعالیٰ بہترین مددگار ہے اور اپنے فضل و کرم سے توفیق عطا فرماتا ہے۔

(۳) عجلت و جلد بازی کے خاتمہ کا طریقہ: عجلت و جلد بازی درحقیقت دل میں اثر انداز ہوتے ہی انسان کو بغیر سوچے سمجھے کام کرنے پر ابھارتی ہے بلکہ جلد بازی بعد میں ہوتی اور کام اسی وقت شروع ہو جاتا ہے اس عجلت کا مدمقابل تحمل و بردباری سے کام کرنا ہے اور تحمل و بردباری بھی جلد بازی کی طرح دل میں اثر انداز ہوتی ہے مگر انسان کو کسی کام کے کرنے پر سوچ سمجھ کر اور احتیاط کے ساتھ آمادہ کرتی ہے اور تحمل و بردباری کام کے تابع ہوتی ہے۔ اسی کو تحمّل و بردباری کہتے ہیں جو عجلت کی ضد ہے۔

توقف و تاخیر کی ضد تعسف و بے راہ روی ہے ہمارے شیخ حضرت ابو بکر وراق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ان دونوں کے درمیان اس طرح فرق بیان فرماتے ہیں توقف و تأنی (تحمّل) کے درمیان فرق یہ ہے کہ کام شروع کرنے سے پہلے غور و فکر کرنا اور سوچ سمجھ کر شروع کرنا اور سمجھنا توقف ہے اور کام شروع کر کے اس میں اچھی طرح غور و فکر کرنا تاکہ بہتر طریقہ پر کام پورا ہو جائے اس کو تحمّل و بردباری کہتے ہیں۔

اس کے بعد تحمل و بردباری کے مقدمات کو سمجھنا چاہئے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ انسان جلد بازی کی آفتوں اور اس کے نقصانات وخرابیوں کو یاد کرے اور اچھی طرح غور وفکر کر لے کہ ثابت قدمی میں سلامتی وحفاظت اور بغیر سوچے سمجھے کام کرنے اور جلد بازی کرنے سے ندامت وشرمندگی ہوگی (اسے بھی ذہن میں رکھنا چاہئے) جب انسان ان باتوں کو ملحوظ رکھے گا تو ان شاء اللہ تعالیٰ انسان کے اندر توقف وتحمل اور بردباری آئیگی اور عجلت وجلد بازی سے نجات مل جائے گی اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس عجلت سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(۴) تکبر سے نجات حاصل کرنے کا طریقہ: اپنے نفس کو بلند خیال کرنا اور اس کو بڑا جاننا کبر ہے اور اس خیال کی پیروی کرنا تکبر کہلاتا ہے اور اپنے آپ کو حقیر اور کمتر سمجھنے کو تواضع وانکساری کہتے ہیں اور اپنے کو حقیر وکمتر سمجھنے سے تواضع پیدا ہوتی ہے۔

پھر تواضع اور تکبر دونوں کی دو، دو قسمیں ہیں (۱) تواضع عام (۲) تواضع خاص اور (۱) تکبر عام (۲) تکبر خاص۔

تواضع عام: یہ ہے کہ آدمی معمولی وکم درجے کے لباس، رہائش اور سواری پر اکتفا کرے۔

تکبر عام: یہ ہے کہ انسان معمولی قسم کے لباس، مکان، سواری پر اکتفا نہ کرے بلکہ بلند واعلیٰ قسم کی چیزوں کا خواہش مند ہو۔

تواضع خاص: یہ ہے کہ ہر درجہ کا آدمی اپنے نفس کو حق کے تابع وفرماں بردار بنانے کی کوشش کرے۔

تکبر خاص: یہ ہے کہ آدمی اپنے نفس کو حق کے تابع کرنے کی کوشش نہ کرے بلکہ

سرکشی اور گناہوں کے تابع کرلے اور اس قسم کا تکبر کرنا گناہ کبیرہ اور بہت بڑی معصیت ہے۔

پھر تواضع عام اپنے اندر پیدا و مستحکم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی اپنے مبداء ومعاد (ابتدائی حالات، پیدائش وموت) اور موجودہ وقت کی پریشانیوں اور آفتوں کو یاد کرے چنانچہ ایک بزرگ (مالک بن دینار) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں تیری ابتداء رحم میں پڑا ہوا ایک قطرہ ہے اور تیری انتہا بدبودار مردار ہے اور اس وقت تو دونوں حالتوں کے درمیان اپنے پیٹ میں پاخانہ کا بوجھ اٹھائے پھر رہا ہے (ابو نعیم فی الحلیۃ)

اور تواضع خاص پر قائم رہنے کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی حق سے منہ پھیرنے اور باطل میں منہمک ہونے والے کے انجام اور سزا اور اس کے عذاب کو یاد کرتا رہے عقلمند اور صاحب بصیرت کے لئے اتنا ہی کافی ووافی ہے اور اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرماتا ہے اور وہی مددگار ہے۔

پانچویں فصل: پیٹ اور اس کی حفاظت کا بیان

اے عبادت کے طلب گار! تم پر اپنے پیٹ کی حفاظت اور اس کی اصلاح کرنا بھی لازم وضروری ہے اس لئے کہ پیٹ کی حفاظت واصلاح کرنا انتہائی مشکل کام ہے اور بہت محنت ومشقت کی ضرورت ہے اور اس کے نقصان وخرابی بہت زیادہ ہیں کیونکہ پیٹ ہی تمام جسمانی قوتوں کا منبع ومرکز ہے۔ اسی پیٹ کی وجہ سے جسم میں قوت وطاقت اور کمزوری اور عفت (حرام سے بچنا) وسرکشی اور بے حیائی پیدا ہوتی ہیں۔ لہذا اگر تم صحیح لائق قبولیت عبادت کرنا چاہتے ہو تو سب سے پہلے تم پر لازم ہے کہ تم

حرام غذا اور شبہ کے کھانوں سے اپنے پیٹ کو بچاؤ اور پھر اگر تمہارے اندر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کی ہمت وجذبہ ہے تو فضول حلال (ضرورت سے زیادہ مباح چیز کھانے سے بچنا) سے اپنے پیٹ کو بچانا ضروری ہے۔

حرام اور شبہ کی چیزوں سے تین باتوں کی وجہ سے بچنا ضروری ہے۔

(۱) پہلی وجہ یہ ہے کہ اگر تم حرام اور شبہ کی چیزوں سے بچو گے تو جہنم کی آگ سے محفوظ رہو گے چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اِنَّ الَّذِیۡنَ یَاۡکُلُوۡنَ اَمۡوَالَ الۡیَتٰمٰی ظُلۡمًا اِنَّمَا یَاۡکُلُوۡنَ فِیۡ بُطُوۡنِہِمۡ نَارًا ؕ وَ سَیَصۡلَوۡنَ سَعِیۡرًا (پ۵ سورۃ النساء آیت ۱۰) بے شک وہ لوگ جو یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں وہ تو اپنے پیٹ میں خالص آگ بھرتے ہیں اور جلد ہی بھڑکتی ہوئی آگ میں جائیں گے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: کُلُّ لَحۡمٍ نَبَتَ مِنۡ سُحۡتٍ فَالنَّارُ اَوۡلٰی بِہٖ جو گوشت حرام غذا سے تیار ہو اس کے لئے آگ زیادہ بہتر ہے۔

(۲) حرام وشبہ کی چیزوں سے بچنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ حرام اور شبہ کی غذا کھانے والا مردودِ بارگاہ الٰہی ہو جاتا ہے اور ایسا شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت سے بھی محروم ہو جاتا ہے اور اسے عبادت کی توفیق نہیں ہوتی اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی طاعت وعبادت کے لائق ومناسب وہی شخص ہو سکتا ہے جو ہر قسم کی خرابی سے پاک وستھرا ہو بلکہ میں (امام غزالی) کہتا ہوں کہ کیا اللہ تعالیٰ نے جنبی (جس پر غسل فرض ہو) شخص کو مسجد میں داخل ہونے اور بے وضو شخص کو قرآن کریم چھونے اور ہاتھ لگانے سے منع نہیں فرمایا۔ یقیناً منع فرمایا ہے چنانچہ خود قرآن مقدس میں ارشاد فرماتا ہے: وَ لَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِیۡ سَبِیۡلٍ (پ۵ سورۃ النساء آیت ۴۳) اور نہ ناپاکی کی حالت میں بغیر نہائے مگر سفر کی حالت میں

(اگر سفر میں پانی نہ پاؤ تو تیمم کرلو)

دوسری جگہ فرماتا ہے: لَا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ (پ۲۷ سورۃ الواقعہ آیت۷۹) اسے (قرآن کریم کو) وضو کے ساتھ ہی چھوؤ۔

حالانکہ جنابت اور بے وضو ہونا دونوں شرعا جائز و مباح چیزیں ہیں تو جب ایک جائز چیز کی وجہ سے مسجد میں داخل ہونا یا قرآن کریم کو ہاتھ لگانا ممنوع ہے تو اس شخص کو مسجد میں آنے کی اجازت کیسے دی جاسکتی ہے جو حرام اور شبہ کی چیزوں سے ملوث اور آلودہ ہے اور ایسا شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت کرنے کا کس طرح دعوی کرسکتا ہے؟ اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ذکر شریف سے کیسے لطف اندوز ہوسکتا ہے۔ ایسے شخص کو ہرگز اور کبھی بھی اس بات کی توفیق نہیں ہوسکتی۔

حضرت یحی بن معاذ رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: طاعت وعبادت اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے اور اس خزانے کی کنجی دعا ہے اور رزق حلال وطیب کنجی کے دندانے ہیں تو جب کنجی کے دندانے نہ ہوں تو خزانہ کا دروازہ نہیں کھل سکتا اور جب تک خزانے کا دروازہ نہیں کھلے گا تو خزانہ کیسے ملے گا یعنی طاعت و عبادت کیسے حاصل ہوسکتی ہے۔

(۳) حرام وشبہ کی چیزوں سے بچنے کی تیسری وجہ یہ ہے کہ حرام اور شبہ کی غذا کھانے والا شخص نیکیوں سے محروم رہتا ہے اور اگر کبھی اتفاق سے کوئی نیکی کا کام کر بھی لیا تو وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول نہیں ہوتا بلکہ اس کے منہ پر مار دیا جاتا ہے لہذا حرام اور شبہ کی غذا کھانے والا شخص اگر نیکی کرنے میں اپنی طاقت وقوت صرف کرتا اور محنت و مشقت کرتا ہے اور اپنا قیمتی وقت لگاتا ہے تو یہ سب سعی لاحاصل ہے اور سوائے وقت

ضائع کرنے کے کچھ نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: كَمْ مِنْهُ قَائِمٍ لَيْسَ لَهُ مِنْ قِيَامِهِ إِلَّا السَّهَرُ وَ كَمْ مِنْ صَائِمٍ لَيْسَ لَهُ مِنْ صِيَامِهِ إِلَّا الْجُوعُ وَ الظَّمَأُ (سنن النسائی، سنن ابن ماجہ عن ابی ہریرۃ) بہت سے راتوں کو قیام کرنے والے (نماز پڑھنے والے) ایسے ہیں جن کے قیام میں بیداری کی مشقت کے علاوہ کچھ حاصل نہیں اور بہت سے روزہ دار ایسے ہیں جن کے روزے میں بھوک اور پیاس کے سوا کچھ حاصل نہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے: لَا يَقْبَلُ اللهُ صَلَاةَ امْرِئٍ فِي جَوْفِهِ حَرَامٌ فَهٰذِهِ هٰذِهِ اللہ تعالیٰ اس شخص کی نماز قبول نہیں فرماتا جس کے پیٹ میں حرام غذا ہو۔

لہٰذا ان اہم اور ضروری ہدایات پر غور و خوض کرنا اور اسے یاد رکھنا ضروری ہے۔

ضرورت سے زیادہ کھانے کا وبال

ضرورت سے زیادہ حلال چیز بھی کھانا عبادت گزاروں کے لئے آفت ہے اور ریاضت و مجاہدہ کرنے والوں کے لئے بلا ہے غور و فکر کرنے کے بعد مجھے اس میں دس آفتوں کا علم ہوا جو اصل الاصول (عبادت کے فاسد کرنے والی چیزوں کی جڑ) ہیں۔

پہلی آفت: ضرورت سے زیادہ حلال چیز کھانے سے دل میں قساوت و سختی پیدا ہوتی ہے اور دل کا نور اور اس کی صفائی ختم ہو جاتی ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: لَا تُمِيتُوا الْقَلْبَ بِكَثْرَةِ الطَّعَامِ وَ الشَّرَابِ فَإِنَّ الْقَلْبَ يَمُوتُ كَالزَّرْعِ إِذَا كَثُرَ عَلَيْهِ الْمَاءُ (ابن عساکر،

دیلمی عن ابی ھریرۃ) ضرورت سے زیادہ کھا پی کر دل کو مردہ نہ کرو اس لئے کہ اس سے دل مردہ ہو جاتا ہے جس طرح کھیتی زیادہ پانی دینے سے تباہ و برباد ہو جاتی ہے۔

اور بعض بزرگ حضرات علیہم الرحمہ نے اس کی مثال اس طرح دی ہے کہ معدہ دل کے نیچے ابلتی ہوئی ہانڈی کی طرح ہے ظاہر ہے کہ معدہ کے بخارات دل کی طرف چڑھیں گے جن کی وجہ سے دل گندہ اور خراب ہو جاتا ہے۔

دوسری آفت: ضرورت سے زیادہ کھانے سے اعضاء فتنوں میں مبتلاء ہو جاتے ہیں اور فضول و بیہودہ اور فاسد کاموں کی رغبت پیدا ہوتی ہے اس لئے کہ جب انسان خوب پیٹ بھر کر کھا لیتا ہے تو اس کی آنکھیں حرام اور بیہودہ چیزوں کی خواہش کرتی ہیں اور کان بُری باتیں سننے کے لئے بے تاب ہو جاتے ہیں اور زبان بیہودہ گفتگو کی تمنا کرنے لگتی ہے اور شرم گاہ شہوت کی مشتاق ہوتی ہے اور پاؤں ناجائز کاموں کی طرف بڑھنے لگتے ہیں اور اگر انسان بھوکا ہوگا تو سارے اعضاء سست و کاہل ہو جاتے ہیں اور تھکے ماندے ہو جاتے ہیں اس لئے کسی چیز کی آرزو و خواہش نہیں کرتے نہ کسی برائی کی لالچ کرتے ہیں نہ برائی کو دیکھ کر خوشی و مسرت کا اظہار کرتے ہیں۔

حضرت استاد ابو جعفر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کیا خوب فرماتے ہیں: پیٹ ایک ایسا عضو ہے کہ اگر وہ بھوکا ہو تو باقی تمام اعضاء سیر ہوتے ہیں یعنی آرام و سکون سے رہتے ہیں اور کسی چیز کی خواہش نہیں کرتے اور اگر پیٹ بھرا ہو اور سیر ہو تو دوسرے تمام اعضاء بھوکے ہوتے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ انسان کے افعال و اقوال اور اس کے اعمال کی اچھائی اور برائی کا دارومدار کھانے پینے پر ہے اگر پیٹ میں حرام غذا جائے گی تو حرام کاموں کی

صورت میں نکلے گی یعنی وہ حرام کاموں میں مبتلاء ہوگا اور اگر ضرورت سے زیادہ غذا پیٹ میں جائے گی تو اس سے فضول و بیہودہ کام صادر ہوں گے گویا طعام (کھانا) افعال واقوال کا بیج ہے اور افعال واقوال اس بیج کے پودے ہیں تو جیسا بیج ہوگا ویسا ہی پودہ ہوگا۔

تیسری آفت: یہ ہے کہ زیادہ کھانا کھانے سے علم وفہم میں کمی واقع ہوتی ہے اس لئے کہ پیٹ کا بھرا ہونا عقل و دانائی کو ختم کر دیتا ہے حضرت ابوسلیمان عبدالرحمن بن احمد الزاھد دارانی دمشقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بالکل سچ وصحیح فرمایا ہے: اگر تم دنیا و آخرت کی ضرورتوں اور حاجتوں کو پورا کرنا چاہتے ہو تو پورا کرنے تک کھانا مت کھاؤ اور پیٹ خالی رکھو اس لئے کہ پیٹ بھر کر کھانے سے عقل وفہم میں فتور پیدا ہوتا ہے یہ بات کسی جان کار سے پوشیدہ نہیں جو آزمانا چاہے آزمالے۔

چوتھی آفت: یہ ہے کہ ضرورت سے زیادہ (پیٹ بھر کر) کھانے سے عبادت میں کمی ہوجاتی ہے اس لئے کہ جب انسان خوب پیٹ بھر کر کھالیتا ہے تو اس کا بدن بھاری ہوجاتا ہے اور آنکھوں میں نیند کا خمار وغلبہ ہوجاتا ہے اور تمام اعضاء سست پڑ جاتے ہیں تمام تر کوششوں کے باوجود سونے کے سوا کچھ کام نہیں ہوسکتا گویا مردار کی طرح ہر وقت زمین پر پڑا رہتا ہے۔ کہا جاتا ہے جب تم زیادہ کھانے والے (پیٹو) ہوجاؤ تو اپنے آپ کو دائمی مریض شمار کرو۔

حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام سے روایت ہے کہ ان کے سامنے شیطان اس طرح ظاہر ہوا کہ اس کے پاس بے شمار چالیں اور ہتھکنڈے تھے تو حضرت یحییٰ علیہ السلام نے پوچھا یہ کیا ہے؟ ابلیس نے جواب دیا یہ شہوت کے جال ہیں جن کے

ذریعے میں انسانوں کا شکار کرتا ہوں حضرت یحییٰ نے پوچھا کیا مجھے بھی پھانسنے کے لئے ان میں کوئی جال ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں مگر ایک رات آپ نے پیٹ بھر کر کھانا کھالیا تو میں نے اس رات آپ پر نماز بھاری کردی حضرت یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا اللہ کی قسم آئندہ میں کبھی بھی پیٹ بھر کر نہیں کھاؤں گا ابلیس نے کہا میں بھی آئندہ کسی کو اس قسم کی بات نہیں بتاؤں گا۔ یہ تو اس برگزیدہ بندے اور پیغمبر علیہ السلام کا حال ہے جنہوں نے اپنی ساری عمر میں صرف ایک بار پیٹ بھر کر کھانا کھایا تو اس برگزیدہ بندے اور پیغمبر کا یہ حال ہوگیا کہ نماز پڑھنا دشوار ہوگیا اور اس کا کیا حال ہوگا جو ساری عمر میں صرف ایک رات بھوکا رہا تو ایسا شخص عبادت کیسے کرسکتا ہے۔

حضرت سفیان بن سعید ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: عبادت ایک ایسا ہنروفن ہے جس کے سیکھنے کی جگہ خلوت وتنہائی ہے اور اس کا ہتھیار بھوک ہے۔

پانچویں آفت: یہ ہے کہ پیٹ بھر کر کھانے سے عبادت کی لذت وحلاوت ختم ہوجاتی ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مَا شَبِعْتُ مُنْذُ أَسْلَمْتُ لِأَجِدَ حَلَاوَةَ عِبَادَةِ رَبِّيْ وَ مَا رَوِيْتُ مُنْذُ أَسْلَمْتُ اِشْتِيَاقًا اِلَى لِقَاءِ رَبِّيْ (ابو نعیم فی الحلیۃ) جب سے میں مسلمان ہوا ہوں کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا تاکہ اپنے رب کی عبادت کی شیرینی وحلاوت حاصل کرسکوں اور جب سے میں مسلمان ہوا ہوں کبھی سیر ہوکر پانی نہیں پیا تاکہ اپنے پروردگار کی ملاقات کا شوق پورا کرسکوں۔

اور یہ صفات اور خوبیاں اہل کشف حضرات کی ہیں اور حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی اہل کشف میں سے تھے اور اسی مکاشفہ ہی کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اس فرمان میں اشارہ فرمایا: مَا فَضَلَكُمْ أَبُوْ بَكْرٍ بِفَضْلِ صَوْمٍ وَ لَا صَلٰوةٍ وَ اِنَّمَا

هُوَ بِشَيْءٍ وَقَرَ فِي نَفْسِهٖ (سنن الترمذی) ابوبکر صدیق صرف نفلی روزے اور نماز پڑھنے کی وجہ سے افضل و برتر نہیں ہیں بلکہ ان کے اندر اور چیز ہے جس کی وجہ سے وہ تم سے زیادہ فضیلت والے ہیں۔

حضرت ابوسلیمان عبد الرحمن دارانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: مجھے عبادت میں سب سے زیادہ لذت وشیرینی اسوقت محسوس ہوتی ہے جب میرا پیٹ بھوک کی وجہ سے میری پیٹھ سے مل جاتا ہے۔

چھٹی آفت: یہ ہے کہ خوب پیٹ بھر کر کھانے کی وجہ سے حرام، شبہ میں مبتلاء ہوجانے کا خوف واندیشہ ہے اس لئے کہ حلال وطیب رزق وافر مقدار میں نہیں ملتا بلکہ اتنا ہی میسر ہوتا ہے جو زندگی کے لئے کفایت کرے چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے فرماتے ہیں: اِنَّ الْحَلَالَ لَا يَأْتِيْكَ اِلَّا قُوْتًا وَ الْحَرَامَ يَأْتِيْكَ جُزَافًا جُزَافًا بے شک حلال کھانا تمہیں معمولی گزارے بھر ہی ملے گا اور حرام غذا تمہارے پاس بے حساب وبے اندازہ آئے گی۔

ساتویں آفت: یہ ہے کہ خوب پیٹ بھر کر کھانا کھاتے رہنے سے دل اور جسم میں پانچ قسم کی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں (۱) ضرورت سے زیادہ مال جمع کرنا (۲) ضرورت سے زیادہ مال تیار کرنا (پکانے سجانے اور اس کے لئے دیگر ساز وسامان کی ضرورت پڑتی ہے) (۳) کھانے میں مصروف ہونا (۴) کھانے سے فراغت وچھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش میں لگے رہنا ہے (۵) اس کھانے سے پیدا ہونے والی خرابیوں سے سلامتی حاصل کرنے کی کوشش میں لگے رہنا ہے اس لئے کہ ضرورت سے زیادہ کھانے سے بدن میں خرابی پیدا ہوتی ہے بلکہ دینی اعتبار سے دیکھا جائے تو زیادہ کھانے سے

بے شمار ولا تعداد خرابیاں اور بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: اَصْلُ کُلِّ دَاءٍ الْبَرَدَۃُ (یعنی التُّخْمَۃَ) وَ اَصْلُ کُلِّ دَاءٍ الْأَزْمَۃُ (یعنی الجوع وَ الْحَمِیَۃَ ہر بیماری کی جڑ بدہضمی ہے اور ہر علاج ومعالجہ کی بنیاد بھوک اور پرہیز ہے۔

اور حضرت ابو یحییٰ مالک بن دینار بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: اے لوگو! مجھے بیت الخلاء جانے کی بار بار ضرورت پیش آتی ہے یہاں تک کہ مجھے زیادہ کھانے کی وجہ سے اپنے پروردگار سے شرم آتی ہے کاش کہ اللہ تعالیٰ میری روزی کنکریوں میں کر دیتا تا کہ میں انہیں کو چوس لیتا یہاں تک کہ میرا انتقال ہو جاتا۔

پھر ان مذکورہ بالا باتوں کی وجہ سے دنیا حاصل کرنے کی فکر زیادہ ہی کرنی پڑتی ہے اور لوگوں سے حرص ولالچ کرنی پڑتی ہے پھر انہیں حصول ولالچ اور کھانے اور پینے میں اپنا قیمتی وقت ضائع و برباد ہو جاتا ہے۔

آٹھویں آفت: ضرورت سے زیادہ کھانا کھانے سے ایک خرابی اور آفت یہ بھی ہوتی ہے کہ آخرت میں حساب وکتاب کی ہولناکیاں اور پریشانیاں لاحق ہوتی ہیں اور موت کے وقت سخت مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے چنانچہ احادیث میں آیا بے شک موت کے سکرات کی شدت وسختی دنیا کی لذتوں کے مطابق ہے۔

لہذا جس نے دنیا میں زیادہ لذتیں حاصل کیں اسے موت اور نزع کے وقت بھی ویسی ہی شدت وسختی اٹھانی ہوگی۔

نویں آفت: پیٹ بھر کر کھانے کی نویں آفت یہ لاحق ہوتی ہے کہ اس سے آخرت کا اجر وثواب کم ہو جاتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ

حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَ اسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ج فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَ بِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ

(پ۲۶ سورۃ الاحقاف آیت ۲۰)

تم اپنے حصہ کی پاک چیزیں اپنی دنیا ہی کی زندگی میں فنا کر چکے اور ان سے لذت اٹھا چکے تو آج تمہیں اس کے بدلہ ذلت کا عذاب دیا جائے گا سزا اس کی کہ تم زمین میں ناحق تکبر کرتے تھے اور سزا اس کی کہ تم حکم عدولی کرتے تھے۔

تو تم جس قدر دنیا کی لذتیں حاصل کرو گے اتنا حصہ آخرت کی لذت سے کم ہو جائے گا اسی لئے جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے دنیا پیش فرمائی تو ارشاد فرمایا: اے محبوب! اگر تم دنیا کی لذتوں سے فائدہ اٹھا بھی لو تو میں اس کے بدلے تمہاری آخرت کی لذتوں سے کچھ کم نہیں کروں گا (مسند احمد، طبرانی)

یہ خصوصیت اللہ تعالیٰ نے صرف اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کے ساتھ خاص فرمائی ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ دوسرے اگر دنیا کی لذتوں سے فائدہ حاصل کریں گے تو اللہ تعالیٰ اس دنیا کی لذت کے بدلے آخرت کی لذت کم فرما دے گا ہاں اگر اللہ تعالیٰ تم پر اپنا فضل و کرم فرمائے تو یہ اور بات ہے۔

روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی دعوت کی اور ان کے لئے کھانا تیار کیا جب کھانے کے لئے بیٹھے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھ کر فرمایا یہ کھانا ہمارے لئے ہے تو ان فقراء مہاجرین کے لئے کیا ہے جو انتقال فرما چکے ان لوگوں نے تو جو کی روٹی بھی سیر ہو کر نہ کھائی حضرت خالد نے عرض کیا اے امیر المومنین! ان حضرات کے لئے تو جنت ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر وہ حضرات جنت پانے میں کامیاب ہو گئے ہیں اور ہم لوگوں نے دنیا میں

اپنا یہ حصہ لے لیا تو ان کے اور ہمارے مرتبہ میں بہت فرق ہوگا۔

روایت ہے کہ ایک دن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو پیاس محسوس ہوئی تو آپ نے ایک شخص سے پانی مانگا اس نے آپکی خدمت میں پانی کا ایک برتن پیش کیا جس میں کھجوروں کا پانی (نبیذ) تھا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب اس برتن کو اپنے منہ سے لگایا تو اسے ٹھنڈا اور میٹھا پایا تو آپ رک گئے اور ایک ٹھنڈی سانس لی (اور آہ لی) اس شخص نے عرض کیا اے امیر المومنین اللہ کی قسم میں نے اسے میٹھا کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا اسی مٹھاس ہی نے تو مجھے اس پانی کے پینے سے روک دیا اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے اگر مجھے آخرت کا خیال نہ ہوتا تو ہم بھی تمہاری اس عیش وعشرت میں شریک ہوتے۔

دسویں آفت: ضرورت سے زیادہ کھانا کھانے سے ادب چھوڑنے اور فضول حلال کے ارتکاب اور شہوات طلب کرنے میں مبتلاء ہوجاتا ہے جس کی وجہ سے قیامت کے دن موقف پر روک لیا جائے گا اور حساب وکتاب سختی سے لیا جائے گا اور اس زیادہ کھانے پر شرم وعار اور ملامت کی جائے گی اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اَلدُّنیَا حَلَالُهَا حِسَابٌ وَ حَرَامُهَا عِقَابٌ وَ زِیْنَتُهَا اِلٰی تَبَابٍ (بیہقی) دنیا کی حلال چیزیں حساب کے قابل ہیں اور حرام چیزوں پر عذاب ہے اور دنیا کی زیب وزینت ہلاکت وبربادی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ دس قسم کی آفتیں بیان کردی گئی ہیں عقل وسمجھ رکھنے والوں کے لئے اس کا نقصان سمجھنے میں ایک ہی کافی ہے لہذا اے عبادت میں کوشش کرنے والو! تم پر حرام اور شبہ کی روزی سے پورے طور پر بچنا اور پرہیز کرنا ضروری ہے اور

اس میں انتہائی احتیاط کی ضرورت ہے تا کہ جہنم کے عذاب سے بچ سکو اس کے بعد حلال روزی میں بھی اتنے ہی پر اکتفا کرنا ضروری ہے کہ جس سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کی طاقت وقوت باقی رہے تا کہ فتنہ اور برائی میں مبتلاء نہ ہو اور قیامت کے دن میدان محشر میں روکے نہ جاؤ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمانے والا ہے۔

حرام اور شبہ کی چیزیں اور اس کے احکام کا بیان

سوال: جب حرام اور شبہ کی چیزوں سے بچنا انتہائی لازم و ضروری ہے تو حرام اور شبہ کی تعریف اور احکام بیان فرمائیں؟

جواب: میں (امام غزالی) کہتا ہوں اللہ تعالیٰ تمہاری عمر دراز فرمائے ہم نے حرام اور شبہ کی مکمل تفصیل اپنی کتاب 'اسرار معاملات الدین' میں بیان کر دی ہے اور اپنی کتاب 'احیاء علوم الدین' میں اسی بیان کے لئے ایک علیحدہ مستقل باب لکھا ہے لیکن ہم اپنی اس کتاب 'منہاج العابدین الی جنۃ رب العالمین' میں چند ضروری باتیں اختصار کے ساتھ ذکر کرتے ہیں تا کہ کمزور ذہن رکھنے والا آدمی بھی آسانی کے ساتھ اس سے فائدہ حاصل کر سکے اس لئے کہ اس مختصر کتاب سے ہمارا مقصود یہی ہے کہ اس کتاب سے مبتدی حضرات خاص طور پر عبادت کرنے میں فائدہ اٹھائیں اور راہ آخرت کا ہر طلبگار اس سے فائدہ حاصل کر سکے۔

بعض علمائے کرام نے حرام کے بارے میں یہ فرمایا ہے کہ ہر وہ چیز جس کے متعلق تمہیں یقین ہو کہ یہ غیر (کسی دوسرے) کی ملکیت ہے اور یقین ہو کہ یہ چیز شرعاً ممنوع ہے تو ایسی چیز خالص حرام ہے اور اگر تمہیں اس کا یقین نہ ہو بلکہ ظن غالب ہو کہ یہ چیز غیر کی ملک ہے تو ایسی چیز مشتبہ ہے۔ اور بعض دوسرے علماء نے حرام کے متعلق یہ

فرمایا ہے بلکہ ہر وہ چیز جس کے بارے میں یقین ہو یا ظن غالب ہو کہ یہ غیر کی ملکیت ہے تو وہ دونوں صورتوں میں خالص حرام ہے کیونکہ شریعت مطہرہ نے بہت سے احکام میں ظن غالب کو بھی یقین کے قائم مقام کیا ہے۔ نیز جب کسی چیز کی حلت وحرمت میں شک وشبہ ہو جائے اور اس کے حرام یا حلال دونوں پہلو برابر ہوں یہاں تک کہ تم اس کی حلت وحرمت میں اس حد تک شک میں پڑ جاؤ کہ کسی کو ترجیح حاصل نہ ہو تو یہ شبہ کی غذا ہے اس لئے اس چیز کے حرام ہونے کا بھی شبہ واندیشہ ہے لہذا ایسی چیز کا معاملہ مشتبہ اور اس کا حال واضح نہیں ہے۔

(حدیث شریف میں آیا ہے جو شبہات میں پڑے گا وہ حرام میں پڑ جائے گا جیسے جو چرواہا شاہی چراگاہ کے آس پاس چرائے تو قریب ہے کہ اس میں اس کے جانور چرلیں (صحیح البخاری، صحیح مسلم۔ از مترجم)

پھر جو چیز خالص ہے اور اس کی حرمت واضح ہے اس سے بچنا اور پرہیز کرنا فرض ہے اور جس کی حرمت واضح نہ ہو بلکہ مشتبہ ہو تو اس سے بچنا اور احتراز کرنا تقویٰ و پرہیز گاری ہے ہمارے نزدیک ان دونوں اقوال میں سے یہ دوسرا قول زیادہ پسندیدہ و اہمیت کا حامل ہے۔

ظالم وجابر حکمرانوں کے تحفے وانعامات قبول کرنے کا حکم

سوال: اس زمانے کے حکمرانوں اور بادشاہوں کے تحائف و ہدایا قبول کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: اس میں علمائے کرام کا اختلاف ہے (۱) بعض علماء فرماتے ہیں کہ جس مال کا حرام ہونا یقینی نہیں تو اس کے لینے میں کوئی حرج نہیں جائز ومباح ہے۔

(۲) بعض دوسرے علماء یہ فرماتے ہیں کہ جس مال کا حلال ہونا یقینی و متحقق نہ ہو اس کا لینا حلال و جائز نہیں اس لئے کہ اس زمانے کے امراء و بادشاہوں کے پاس اکثر و بیشتر حرام مال ہوتا ہے اور ان کے پاس حلال مال بہت کم یا بالکل نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے۔

(۳) اور علمائے کرام کی تیسری جماعت یہ فرماتی ہے کہ اس زمانے کے حکمرانوں کے تحفے و ہدیے امیر و غریب ہر ایک کو قبول کرنا جائز و حلال ہے جبکہ اس کا حرام ہونا واضح و یقینی نہ ہو اگر اس مال میں کوئی خرابی ہوگی تو اس کا گناہ اور وبال دینے والے پر ہے اور یہ علماء اس کی حلت پر یہ دلیل دیتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسکندریہ کے بادشاہ مقوقس کا ہدیہ قبول فرمایا حالانکہ یہ غیر مسلم تھا نیز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ کے ایک یہودی سے قرض لیا حالانکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ قرآن مقدس میں یہودیوں کے بارے میں فرماتا ہے: اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ (پ۶ سورۃ المائدۃ آیت ۴۲) یہودی بڑے حرام خور ہیں۔

اور ایک دوسری دلیل یہ بھی دیتے ہیں کہ بہت سے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے ظالم و جابر حاکموں کا زمانہ پایا اور انہوں نے ان ظالم بادشاہوں کے ہدیے و نذرانے قبول فرمائے چنانچہ ان مقدس صحابہ میں سے حضرت سیدنا ابو ہریرہ اور حضرت سیدنا عبد اللہ بن عباس و حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے اسمائے گرامی سرفہرست ہیں۔

(۴) اور علماء کی چوتھی جماعت یہ کہتی ہے کہ ظالم بادشاہوں کے مال و تحفے قبول کرنا امیر و غریب کسی کے لئے حلال نہیں اس لئے کہ وہ ظلم کرنے کی وجہ سے ظالم کے نام سے پہچانے جاتے ہیں اور ان کے مال کا اکثر حصہ حرام ہوتا ہے اور حکم اکثر و غالب ہی

پر لگا یا جاتا ہے لہذا ان کے مال سے بچنا واجب وضروری ہے۔

(۵) اور علماء کی پانچویں جماعت یہ کہتی ہے کہ جب تک اس مال کا حرام ہونا یقینی نہ ہو تو وہ مال فقیروں کے لئے حلال ہے لیکن مالداروں کے لئے حلال نہیں اور اگر فقیر کو علم و یقین ہو کہ یہ مال عین غصب ہے تو اس صورت میں فقیر کو بھی لینا جائز نہیں ہاں اگر اس نیت سے لے کہ اس کے اصل مالک کو دے تو لینا جائز ہے۔

ان علماء نے یہ بھی کہا کہ اس زمانے کے حاکموں کا مال قبول کرنا اور اس کو اپنے اوپر استعمال کرنا جائز و درست ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں اس لئے کہ وہ مال یا تو اس بادشاہ کا اپنا ذاتی ہوگا پھر اس نے اپنا مال فقیر کو دیا تو فقیر کو بلا شبہ لینا جائز ہے اور اگر وہ مال فئی (مال غنیمت) یا خراج یا عشر کا ہو تو اس میں فقیر کا حق ہے اسی طرح علماء کو بھی سلاطین وقت کا دیا ہوا مال لینا اور اپنے تصرف میں لانا مباح ہے۔

حضرت علی مرتضی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو شخص برضا ورغبت اسلام میں داخل ہو پھر علانیہ طور پر قرآن کریم کی تلاوت کرتا ہو تو وہ شخص مسلمانوں کے بیت المال سے سالانہ دوسو درھم (ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی قیمت) لینے کا حقدار ہے اور ایک روایت میں دوسو دینار (پچھتر تولہ سونا) کا ذکر ہے اگر اس نے دنیا میں نہیں لیا تو آخرت میں پائے گا (درھم چودہ قیراط اور دینار بیس قیراط کا ہوتا ہے اور گرام سے ایک درھم 3.0618 ہوتا ہے، ایک دینار گرام سے 4.374 ہوتا ہے)

اور جب معاملہ یہ ہے کہ کامل مسلمان بیت المال سے دوسو درھم یا دوسو دینار لینے کا حقدار ہے تو فقیر اور عالم دونوں ایسے مال کے حقدار ہیں اور وہ اپنا حصہ وحق لے سکتے ہیں۔

علمائے کرام یہ بھی فرماتے ہیں کہ جب کسی کا مال، مال غضب سے اس طرح مخلوط ہو گیا کہ اس کا جدا و تمیز کرنا ممکن نہ ہو یا کسی حاکم کے پاس غصب کا ایسا مال ہے کہ اس کے مالک اور اس کے ورثاء فوت ہو جانے کی وجہ سے واپس کرنے کی کوئی صورت نہ ہو تو بادشاہ ایسے مال سے اسی وقت نجات و چھٹکارا پا سکتا ہے کہ اسے فقراء میں (بغیر نیت ثواب) صدقہ کر دے۔ اور اللہ تعالیٰ ایسے مال کو فقراء میں صدقہ کرنے کا حکم نہیں دیتا اور نہ فقیر کو ایسا مال قبول کرنے سے منع فرماتا ہے یا نہ فقیر کو ایسا مال قبول کرنے کا حکم دیتا ہے حالانکہ وہ مال فقیر کے لئے حرام ہے لہذا فقیر کو اجازت ہے کہ عین مال مغصوب اور مال حرام کے علاوہ لینے یا نہ لینے کا اختیار ہے لیکن اس قسم کے مسائل میں علماء کو تمام گوشوں اور باریکیوں اور پوری تفصیل بیان کیے بغیر فتویٰ دینا جائز نہیں اور اگر تم تفصیل و تحقیق کے ساتھ جاننا چاہو تو ہماری کتاب 'احیاء علوم الدین' کے حلال و حرام کے بیان کا مطالعہ کر لو ان شاء اللہ تعالیٰ وہاں اس مسئلے کی مکمل تفصیل و توضیح معلوم ہو جائے گی۔

تاجروں، مالداروں، دوستوں کے تحائف قبول کرنے کا بیان

سوال: بازاریوں اور تاجروں وغیرہم کے تحائف کا کیا حکم ہے کیا ان کے تحائف واپس کر دیئے جائیں یا اس کی تحقیق و تفتیش کی جائے کیونکہ یہ لوگ حصول مال میں بے احتیاطی برتتے ہیں اور اس کی حلت و حرمت میں غور و فکر اور احتیاط سے کام نہیں لیتے اور اسی طرح دوستوں کے تحائف قبول کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جب کسی انسان کا ظاہری حال ٹھیک ہو اور وہ فسق و فجور سے بچتا ہو اور اس میں کسی قسم کی شرعی قباحت نہ ہو تو ایسے شخص کا تحفہ وہدیہ قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں

اوراس میں کسی قسم کی جانچ پڑتال اور تفتیش کرنا ضروری نہیں کہ زمانہ خراب ہو چکا ہے اورلوگوں میں حلال وحرام کی تمیز نہیں اس لئے ہوسکتا ہے کہ یہ ہدیہ بھی مال حرام ہو یہ کہنے کی ضرورت نہیں کیوں کہ کسی مسلمان کے حق میں ایسا گمان کرنا بدگمانی ہے جو گناہ ہے (اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ (پ۲۶ سورۃ الحجرات آیت ۱۲) یعنی بعض گمان گناہ ہیں۔مترجم) بلکہ مسلمانوں کے حق میں نیک گمان رکھنے کا حکم ہے۔

اب اس کے بعدان عطیات وتحائف کی اصلیت وحقیقت سمجھ لینی چاہئے کہ ہر چیز کی دوصورتیں ہیں (۱) اس کا شرعی اور ظاہری حکم (۲) دوسرے تقویٰ اور اس کے حقوق۔

(۱) شرعی حکم یہ ہے جو چیز تمہارے پاس تحفہ وعطیہ کے طور پر کوئی شخص کچھ لائے تو اسے قبول کرلینا چاہئے بشرطیکہ اس کا ظاہر ٹھیک ہواوراچھائی کے آثار نمایاں ہوتے ہوں اس کے بعداس میں کسی تفتیش وجانچ پڑتال کی ضرورت نہیں ہاں اگراس چیز یا مال کے بعینہ حرام یا مغصوب ہونے کا یقین ہوتو اس کا لینا جائز نہیں۔

(۲) مگر تقویٰ و پرہیزگاری کا حکم یہ ہے کہ خوب اچھی طرح اس کی تحقیق وتفتیش کیے بغیر کوئی چیز کسی سے ہرگز نہ لے حتیٰ کہ اس میں اس شبہ کا بھی شائبہ نہ ہواوراگراس میں ذرہ برابر شبہ کا گمان ہوجائے تو واپس کردے چنانچہ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا غلام آپ کی خدمت میں دودھ لایا آپ نے اسے پی لیا غلام نے عرض کی آپ روزانہ دریافت فرمایا کرتے تھے کہ کس طرح حاصل کیا کیسے کمایا؟ لیکن آج آپ نے اس دودھ کے بارے میں کچھ نہیں دریافت فرمایا تو آپ نے فرمایا اب بتاؤ یہ دودھ کیسا ہے؟ غلام نے جواب دیا میں

زمانہ جاہلیت میں ایک قوم کے پاس سے گذرا اور میں نے ان پر منتر پڑھکر پھونکا تھا تو اس کے معاوضہ میں انہوں نے آج مجھے یہ دودھ دیا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر اپنے حلق میں انگلی ڈال کر قئے کر دیا اور اس کے بعد انتہائی عاجزی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا اے میرے پروردگار! جس بات پر مجھے قدرت تھی وہ کر دیا اگر اس کا کچھ حصہ میری رگوں میں رہ گیا ہو تو معاف فرما دے۔

یہ حدیث مبارک اس بات کی قوی دلیل ہے کہ تقویٰ و پرہیزگاری اختیار کرنے والے پر ضروری ہے کہ وہ ہر چیز کی اچھی طرح تحقیق و تفتیش کرے اور خوب جانچ پڑتال کر کے اسے استعمال میں لائے۔

سوال: اس بات سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ تقویٰ شریعت مطہرہ اور اس کے حکم کے خلاف ہے؟

جواب: اے عزیز! جان لو کہ شریعت مطہرہ کا ظاہر آسانی و سہولت پر مبنی ہے اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا میں آسان اور ہر باطل دین سے جدا دین دیکر بھیجا گیا ہوں۔

اور تقویٰ و پرہیزگاری شدت و سختی اور احتیاط پر مبنی ہے جیسا کہ کہا گیا ہے کہ متقی کا معاملہ دوسری نوّے پیچیدگیوں میں پھنسنے سے زیادہ سخت ہے پھر یاد رکھو کہ تقویٰ شریعت سے علیحدہ کوئی چیز نہیں ہے بلکہ حقیقت و اصل میں یہ دونوں ایک ہیں لیکن شریعت کے دو حکم ہیں ایک جواز کا حکم دوسرا افضلیت و احتیاط کا حکم تو جواز کے حکم کو شریعت کا حکم کہتے ہیں اور افضل و احوط کے حکم کو تقویٰ کہتے ہیں پس یہ دونوں حکم ایک دوسرے سے جدا و علیحدہ ہونے کے باوجود حقیقت میں ایک ہیں اس فرق کو خوب ذہن

نشین کرلو ان شاء اللہ تعالیٰ تمہیں ہدایت نصیب ہوگی۔

سوال: اس تقریر سے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہر چیز کی چھان بین اور اس کی تحقیق و تفتیش کرنی ضروری ہے تو اس زمانہ میں متقی کے لئے ہر چیز کا استعمال انتہائی مشکل و دشوار ہے اور کوئی چیز فساد سے خالی نہیں جبکہ بہت سی چیزیں ایسی ہیں کہ ان کا استعمال صاحب تقویٰ کے لئے بھی ضروری ہے تا کہ اللہ عزوجل کی عبادت کر سکے۔

جواب: واضح رہے کہ تقویٰ کا راستہ بہت ہی سخت ہے جو شخص اس راستہ پر چلنا چاہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ اپنے نفس اور دل کو مشقتیں اور دشواریاں برداشت کرنے کے لئے تیار و امادہ کرلے ورنہ وہ تقویٰ کا راستہ نہیں طے کرسکتا اسی وجہ سے بہت سے متقی حضرات اور بہت صوفیائے متقدمین آبادیوں اور شہروں کو چھوڑ کر لبنان کی پہاڑی اور جنگلات وغیرہ کی طرف چلے گئے پھر انہوں نے اپنی ساری زندگی یوں ہی گھاس پھونس اور جنگلوں کے پھل وغیرہ کھا کر گزاری جن کی حلت میں کسی قسم کا شبہ نہیں لہذا جس شخص میں تقویٰ کا یہ مقام و مرتبہ حاصل کرنے کی ہمت ہو تو اس پر لازم ہے کہ مشقتوں اور مصیبتوں کو برداشت کرے اور ان پر صبر کرے ان مذکورہ بالا حضرات کے نقش قدم پر چلے اور اسی پر قائم رہے یقیناً اسے یہ مقام مل جائے گا لیکن جو لوگوں کے ساتھ رہنے اور ان کے ہاتھوں کی حاصل کی ہوئی چیزیں کھانے پر مجبور ہو جو وہ لوگ خود بھی استعمال کرتے ہیں تو اسے چاہئے کہ اتنی ہی مقدار استعمال کرے جتنی مقدار اضطراب کی حالت میں مردار کھانے کی اجازت ہے یعنی صرف اتنا ہی کھانے پر اکتفاء کرے کہ جس سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کی طاقت ہو جائے اور اتنی مقدار میں اس شخص کو استعمال کرنے میں معذور سمجھا جائے گا اور اس میں اس کے لئے کسی قسم

کا نقصان نہ ہوگا اگرچہ اس چیز میں شبہ ہی کیوں نہ ہو بے شک اللہ تعالیٰ عذر کو زیادہ قبول فرمانے والا ہے اسی لئے حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: بازاروں کے فتنوں اور شر سے بچو اور صرف ضرورت بھر روزی حاصل کرنا لازم جانو اس لئے کہ بازاروں میں حلال وحرام میں بالکل تمیز وفرق نہ رہا۔ مجھے خبر ملی ہے کہ حضرت وہب بن ورد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک' ایک یا دو' دو یا تین' تین دن تک بھوکے رہتے تھے پھر ایک روٹی لیتے اور بارگاہ الٰہی میں عرض کرتے اے اللہ! تو جانتا ہے کہ اب مجھ میں عبادت کرنے کی طاقت وقوت نہیں ہے اور مجھے کمزوری کا اندیشہ ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو آج یہ بھی نہ کھاتا اے اللہ! اگر اس روٹی میں کچھ خبث یا حرام کا شائبہ ہے تو اس پر مواخذہ نہ فرمانا یہ دعا کرنے کے بعد روٹی پانی میں بھگو کر کھاتے تھے۔

میں (امام غزالی) کہتا ہوں یہ دو طریقے جو بیان کیے گئے یہ متقیوں میں سب سے بلند واعلیٰ طبقہ کے تقویٰ والوں کے لئے ہیں لیکن جو لوگ ان سے کم مرتبہ کے تقویٰ والے ہیں ان کے لئے اپنی وسعت وحیثیت اور اپنے مرتبہ کے مطابق احتیاط کرنا ضروری ہے ان کے اندر جتنی احتیاط ہوگی اتنا ہی انہیں تقویٰ سے حصہ ملے گا جتنی کسی چیز کی خواہش وتمنا اور کوشش کرو گے اتنی تم پاؤ گے اور اللہ تعالیٰ نیک عمل کرنے والوں کے اجر وثواب کو ضائع نہیں فرماتا اور اللہ تعالیٰ بندوں کے تمام اعمال وافعال کو بخوبی جانتا ہے۔

حلال چیزوں اور اس کے کھانے کی مقدار کا بیان

سوال: یہ تو حرام چیزوں کا بیان تھا اب حلال چیزوں کے متعلق بھی کچھ وضاحت فرما دیجئے اور فضول حلال کی کتنی مقدار استعمال کرنا جائز ہے اور کتنی مقدار پر قیامت

کے دن حساب و کتاب کے لئے روکا جائے گا اور عقاب و عذاب کا باعث ہوگا اور کتنی مستحب و مناسب ہے کہ اس پر مواخذہ اور عذاب و عقاب نہ ہو؟

جواب: اے عزیز! جان لو کہ مباح کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) مباح کی پہلی قسم یہ ہے کہ انسان چیزوں کو فخر و مباہات اور بڑائی اور نام و نمود اور نمائش کے طور پر حاصل کرے تو اس طرح حاصل کرنے کی صورت میں قیامت کے دن اسے حساب کے لئے ضرور روکا جائے گا اور ان چیزوں کے استعمال کرنے پر ملامت اور شرم و عار دلائی جائیگی اور اس کا استعمال کرنا اتنا بُرا ہے کہ اس کے دل میں بھی برائی یعنی کثرت مال کی خواہش اور فخر و بڑائی وغیرہ پیدا کرتا ہے جو عذاب نار کا باعث ہے اور اس قسم کا قصد و ارادہ معصیت و گناہ ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ وَّ زِیْنَةٌ وَّ تَفَاخُرٌۢ بَیْنَكُمْ وَ تَكَاثُرٌ فِی الْاَمْوَالِ وَ الْاَوْلَادِ ؕ كَمَثَلِ غَیْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ یَهِیْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ یَكُوْنُ حُطٰمًا ؕ وَ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِیْدٌ (پ۲۷، سورۃ الحدید آیت ۲۰) (جان لو کہ) دنیا کی زندگی محض کھیل کود اور آرائش اور تمہارا آپس میں تفاخر و بڑائی مارنا اور مال و اولاد میں ایک دوسرے پر زیادتی چاہنا اس مینہ کی طرح جس کا اگایا سبزہ کفار کو بھایا پھر سوکھا کہ تم اسے زرد دیکھو پھر ریزہ ریزہ ہوگیا اور آخرت میں سخت عذاب ہے۔

اور نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم فرماتے ہیں: جو شخص مباہات بڑائی اور نام و نمود اور نمائش کی غرض سے دنیا حلال طریقہ پر حاصل کرے گا تو وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اس پر اللہ تعالیٰ ناراض و غضب ناک ہوگا

(ابو نعیم، بیہقی عن ابی ھریرۃ) لہذا ان آیات وحدیث سے ثابت ہوا کہ یہ وعید دل سے فخر وغیرہ کا ارادہ وقصد کرنے ہی پر واجب ہو جاتی ہے۔

(۲) مباح کی دوسری قسم یہ ہے کہ حلال چیزوں کا استعمال محض نفسانی خواہشات کے طور پر ہو تو یہ بھی برائی ہے اس صورت میں بھی قیامت کے دن حساب و عذاب ہوگا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ (پ۳۰ سورۃ التکاثر آیت۸) پھر بے شک ضرور اس دن تم سے نعمتوں کے بارے میں پوچھ گچھ ہوگی۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں: دنیا کی حلال کمائی پر بھی حساب ہوگا (بیہقی عن علی)

(۳) مباح کی تیسری قسم یہ ہے کہ حلال ومباح چیز مجبوراً ضرورت سے زیادہ استعمال کر لی جائے کہ جس سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے پر تقویت حاصل ہو اور اسی پر اکتفاء کیا جائے تو یہ بہتر اور مستحب اور نیکی کا کام ہے اس مقدار میں استعمال کرنے پر کوئی حساب اور عذاب نہیں ہوگا بلکہ اس قدر استعمال پر اجر وثواب ہے اور یہ استعمال باعث مدح ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا (پ۲ سورۃ البقرۃ آیت۲۰۲) ایسے لوگوں کو ان کی کمائی کا حصہ ہے۔

اور حضور اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں: جس شخص نے سوال سے بچنے کی خاطر اور اپنے پڑوسی کی مدد کرنے کے لئے اور اپنے اہل وعیال کی پرورش کے لئے حلال چیز حاصل کی تو وہ قیامت کے دن اس طرح آئے گا کہ اس کا چہرہ چودہویں رات کے چاند کی طرح چمک رہا ہوگا (ابو نعیم، بیہقی)

ایسے آدمی کی یہ شان وشوکت اور مدح اس لئے ہے کہ اس کا یہ قصد وارادہ نیک ہے اور

خالص اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رضا وخوشنودی کے لئے ہے یہ مباح وحلال چیزوں کی تین قسمیں بڑی اہم ہیں تو ان پر خوب اچھی طرح عمل پیرا رہو۔

سوال: جائز اور مباح چیزوں کی کیا شرطیں ہیں جن کو ملحوظ رکھنے سے نیکی اور بھلائی ہوتی ہے جیسا کہ آپ نے تیسری قسم میں بیان کیا؟

جواب: مباح چیزوں کا خیر اور نیکی ہونا حقیقت میں دو شرطوں کے ساتھ مشروط ہے (۱) حال (۲) قصد وارادہ

(۱) پہلی شرط حال ہے جس سے مراد یہ ہے کہ حلال و مباح چیزوں کے استعمال کرنے کے لئے ضروری ہے کہ عذر اور مجبوری کی حالت ہو اور عذر کی صورت یہ ہے کہ اگر حلال و مباح چیز استعمال نہ کی گئی تو عند اللہ مواخذہ وگرفت ہو اور اس کے استعمال نہ کرنے سے جسم اتنا لاغر وکمزور ہو جائے گا کہ فرض یا سنت یا نفل ادا نہ کرسکے گا تو اس صورت میں مباح چیز کا استعمال کرنا ترک مباح سے افضل و بہتر ہے اس لئے کہ دنیا کی مباح چیزوں کا چھوڑ دینا افضل و بہتر ہے مگر عذر اور مجبوری کی حالت میں۔ عذر کی صورت آپ نے ملاحظہ کرلی۔

(۲) دوسری شرط قصد وارادہ ہے اور اس کا مطلب مباح چیزوں کے استعمال سے مقصود اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عبادت کرنے کی طاقت وقوت اور مدد حاصل کرنا اور آخرت کے لئے پونجی جمع کرنا ہے اور اپنے دل میں کہے کہ اگر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عبادت کا ذریعہ نہ ہوتا تو میں اس مباح چیز میں سے کچھ بھی استعمال نہ کرتا تو یہ مباح کے استعمال کی دوسری وجہ ودلیل ہے لہذا جب عذر اور مجبوری کے وقت یہ دونوں حجتیں اور وجوہ پالی جائیں تو دنیا کی مباح چیزوں کا استعمال کرنا نیکی وبھلائی اور مستحب ہوگا اور

اگراس کا استعمال عذر و مجبوری کی حالت میں ہو لیکن مذکورہ بالا قصد وارادہ نہ ہو یا یہ ارادہ وقصد تو ہو مگر عذر و مجبوری کی حالت نہ ہو تو اس صورت میں مباح چیز کا استعمال نیکی وبھلائی کے لئے نہ ہوگا۔

پھراس کے بعد اس ادب و مستحب کی حفاظت پر استقامت کے لئے بصیرت اور نیک ارادے کی ضرورت ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ جب بھی دنیا کی مباح چیز استعمال کرنی ہو تو یہ قصد وارادہ رہے کہ میں صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کی طاقت وقوت حاصل کرنے کی غرض سے اس کو استعمال کر رہا ہوں اور اگر خدانخواستہ کبھی یہ قصد وارادہ کرنا یاد نہ رہے تو جب یاد آجائے کرلیا جائے۔

ہمارے شیخ حضرت ابوبکر وراق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اب یہاں تین باتیں ہوگئیں جن میں سے ہر ایک کا اعتبار کرنا ضروری ہے

(۱) پہلی بات یہ ہے کہ نیک ارادہ کرنا۔

(۲) دوسری بات حالت عذر و مجبوری کا ہونا۔

(۳) تیسری بات یہ کہ اس قصد وارادے کو استقامت کے لئے ہمیشہ ملحوظ رکھنا تو مباح کا استعمال حقیقت میں نیکی وبھلائی شمار ہوگا اس بات کو اچھی طرح ذہن میں بیٹھالو ان شاء اللہ تعالیٰ کامیاب رہوگے۔

سوال: کیا حلال ومباح چیز کا شہوت کی غرض سے استعمال کرنا گناہ ومعصیت ہے اور کیا اس پر عذاب وعقاب ہوگا اور عذر کے وقت حلال ومباح چیز کا استعمال فرض ہے یا نہیں؟

جواب: مباح وحلال چیز کا استعمال عذر کی حالت میں افضل ہے اور اس کا نام خیرو

بھلائی ہے اور مباح چیز کا استعمال بوقت عذر مستحب ہے اور شہوت کی غرض سے استعمال کرنا بُرا و ناپسندیدہ ہے اور اس سے منع کرنا زجر و توبیخ اور استحباب کے طور پر ہے لیکن اس کا مرتکب گناہ گار و نافرمان نہ ہوگا اور نہ ہی قیامت کے دن اس پر عذابِ نار ہے ہاں اتنا ضرور ہے کہ اس قسم کے فعل کا ارتکاب کرنے والے کو قیامت کے دن حساب کے لئے روکا جائے گا اور اسے ملامت کی جائے گی اور شرم و عار دلایا جائے گا۔

سوال: موقف پر روکا جانا اور حساب ہونا جو بندوں پر لازم ہیں یہ کیا چیز ہے؟

جواب: جان لو حساب یہ ہے کہ قیامت کے دن تم سے سوال ہوگا کہ تم نے اس چیز کو کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا اور کس نیت سے خرچ کیا اور حبس (روکا جانا) یہ ہے کہ قیامت کے دن فرشتے حساب لینے کے لئے اسے جنت میں داخل ہونے سے روک لیں گے اور یہ حبس میدان حشر میں ہوگا جس وقت کہ ساری مخلوق خوف و ہراس اور پریشانی کے عالم میں ہوگی اور دہشت زدہ ہوگی اور تمام لوگ ننگے اور پیاسے ہوں گے اور یہ بہت بڑی آزمائش ہے اور یہ کلمات نصیحت کے لئے کافی ہیں۔

سوال: جب اللہ تعالیٰ نے حلال و مباح چیزوں کے استعمال کی اجازت دی ہے تو پھر اس پر ملامت اور شرم و عار کیوں دلایا جائے گا؟

جواب: یاد رکھو کہ یہ ملامت اور عار دلانا مستحب کے چھوڑنے کی وجہ سے ہوگا جس طرح کوئی شخص بادشاہ کے دستر خوان پر بیٹھے اور وہاں کے آداب کو ملحوظ نہ رکھے تو اسے ملامت کی جاتی ہے اور شرم دلائی جاتی ہے اگرچہ وہ کھانا اس کے لئے جائز و مباح ہے ان سب باتوں کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو اپنی عبادت و بندگی کے لئے پیدا فرمایا ہے اور وہ ہر اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں لہذا بندے پر لازم و

ضروری ہے کہ جس قدر ممکن ہو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور جہاں تک ہو سکے اپنے تمام کام اللہ تعالیٰ کی عبادت کے طور پر اور اس کی مرضی کے مطابق کرے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کی عبادت کا اور اس کی رضا کا ارادہ نہ کرے بلکہ اپنی شہوات نفس کی پیروی کرے اور عذر نہ ہونے اور طاقت و قدرت کے باوجود اللہ تعالیٰ کی عبادت سے منہ پھیرے حالانکہ یہ دنیا طاعت و عبادت کی جگہ ہے عیش و عشرت کی جگہ نہیں ہے تو ایسا شخص (جو یہ ساری سہولت ہوتے ہوئے شہوات نفس کی پیروی کرتا ہے) یقیناً اپنے مالک و مولیٰ کی طرف سے ملامت اور شرم کا مستحق ہوگا لہذا غور کرو کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو اپنی عبادت ہی کے لئے پیدا فرمایا ہے تو تم یقیناً کامیاب ہو گے گناہوں سے بچنے کی طاقت نہیں ہے مگر اللہ تعالیٰ کی مدد اور توفیق سے اور عبادت کرنے کی قوت نہیں ہے مگر اللہ تعالیٰ ہی کی مدد سے جو بڑی عظمت و بزرگی والا ہے۔ یہ جو کچھ ہم نے بیان کیا وہ صرف اصلاح نفس اور اسے تقویٰ کی لگام لگانے کے لئے بیان کیا ہے لہذا اس مضمون کو اچھی طرح یاد کرلو اور حتی الامکان اس پر عمل کرو ان شاء اللہ تعالیٰ دونوں جہان کی خیر کثیر کے ساتھ کامیاب ہو جاؤ گے اور اللہ تعالیٰ ہی اپنے فضل و کرم سے حفاظت فرمانے والا اور نیکیوں کی توفیق عطا فرمانے والا ہے۔

فصل: دنیا، مخلوق، شیطان اور نفس کے شر سے بچنے کا بہترین علاج کا بیان

اے لوگو! اس سخت ترین اور طویل گھاٹی کو عبور کرنے میں تمام تر کوششوں کا صرف کرنا تمہارے اوپر لازم و ضروری ہے اس لئے کہ ان گھاٹیوں کو عبور کرنا بہت مشکل اور بہت محنت و مشقت طلب ہے اور اس گھاٹی میں بہت زیادہ آفت و بلیات اور فتنے ہیں اس لئے کہ مخلوقات میں جو بھی راہِ راست سے پھر کر ہلاک و برباد ہوا ہے وہ دنیا یا مخلوق یا

شیطان یا نفس ہی کی وجہ سے ہلاک ہوا ہے اور ہم نے اپنی کتاب 'احیاء علوم الدین' اور 'اسرار معاملات الدین' اور 'القربۃ الی اللہ' وغیرہا میں ان مسائل کو بہت تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے جو اس گھاٹی کے عبور کرنے میں بہت مددگار ہیں اور اپنی اس کتاب 'منہاج العابدین الی جنۃ رب العلمین' کے لکھنے کا مقصد اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کرنا ہے کہ مجھے نفس کے معالجہ کے راز سے آگاہ فرمائے اور میری اصلاح فرمائے اور میرے ذریعے دوسروں کو اصلاح کے طریقوں سے آگاہ فرمائے لہذا میں نے اس عمدہ اور بہترین کتاب میں مختصر اور جامع نکتوں اور عمدہ معانی پر ہی اکتفا کیا ہے جو شخص بھی ان میں غور کرے گا یہ اس کے لئے کافی ہے اور یہ نکتے ان شاء اللہ تعالیٰ غور کرنے والوں کو حق اور خالص عبادت کی طرف رہنمائی کریں گے اور یہ فصل دنیا' مخلوق' شیطان اور نفس سے چھٹکارہ دینے والے لطیف نکتوں کے ساتھ مخصوص ہے (اس فصل میں انہیں چار سے چھٹکارہ حاصل کرنے کا بیان ہوگا)

(۱) دنیا کے شر سے بچنے کا بیان

دنیا سے حتی الامکان بچنا اور اس سے علیحدگی اختیار کرنا تم پر لازم وضروری ہے اس لئے کہ تمہارا معاملہ تین حال سے خالی نہیں۔

(۱) اگر تم صاحب بصیرت اور عقلمند و سمجھدار ہو تو تمہارے لئے اتنا کہہ دینا ہی کافی ہے کہ دنیا اللہ تعالیٰ کی دشمن ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارا دوست وحبیب ہے اور یہ کہ دنیا تمہاری عقل کو ختم کردینے والی ہے جبکہ عقل ہی انسان کا اصل جوہر اور اسی پر تمہارا دارو مدار ہے۔

(۲) اگر تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے میں صاحب ہمت اور کوشش کرنے والوں میں

سے ہوتو تمہارے لئے اتنا ہی جان لینا کافی ہے کہ دنیا نحوست و بدبختی میں اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ وہ تمہارے مقصد وارادے (عبادت) میں ہی رکاوٹ ڈالتی ہے اور دنیا کی فکر تمہیں اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی اور ہر قسم کی نیکیوں سے روکتی ہے جب دنیا کی فکر کا رکاوٹ ڈالنے کے سلسلے میں یہ حال ہے تو خود دنیا کا عبادت میں رکاوٹ ڈالنے میں کیا حال ہوگا۔

(۳) اگر تم غفلت برتنے والوں میں سے ہو اور تم حقائق سمجھنے کی بصیرت نہیں رکھتے ہو اور نہ ہی تم میں نیکیاں کرنے کی ہمت ہے تو اس صورت میں تمہارے لئے اتنا ہی سمجھ لینا کافی ہے کہ تمہیں ایک نہ ایک دن دنیا سے جدا ہونا ہے یا خود دنیا تم سے جدا وعلیحدہ ہوجائیگی چنانچہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: اگر دنیا تمہارے لئے باقی رہے گی تو تم اس کے لئے باقی نہ رہو گے اس لئے کہ دنیا طلب کرنے اور اس کی طلب میں اپنی پیاری وقیمتی عمر خرچ کرنے میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔

کسی شاعر نے کیا خوب فرمایا ہے۔

هَبِ الدُّنْيَا تُسَاقُ اِلَيْكَ عَفْوًا
اَلَيْسَ مَصِيْرُ ذَاكَ اِلٰى زَوَالٍ

دنیا کو چھوڑ دو جو تمہاری طرف وافر مقدار میں چلی آرہی ہے تو کیا دنیا ایک دن فنا نہ ہوجائے گی۔

فَمَا تَرْجُو بِعَيْشٍ لَيْسَ يَبْقٰى
وَشِيْكًا قَدْ تُغَيِّرُهُ اللَّيَالِيْ

تو پھر ایسی فانی زندگی سے کیا امید کرتے ہو جو چند دن میں فنا ہوجائے گی اور اس کا

آرام وسکون بہت جلد راتوں کی آمد ورفت رنج وغم میں بدل دے گی۔

وَ مَا دُنْيَاكَ اِلَّا مِثْلَ ظِلٍّ
اَظَلَّكَ ثُمَّ اٰذَنَ بِالْرِّتِحَالِ

اس دنیا کی مثال محض ایک ایسے سائے کی طرح ہے جو تمہیں پناہ دیتا ہے پھر وہ سایہ تمہیں اپنی رخصت کی خبر دیتا ہے (ختم ہوجاتا ہے) لہٰذا کسی عقلمند اور سمجھدار کے لئے یہ ہرگز زیب نہیں دیتا کہ وہ اس دنیا کے دھوکے وفریب میں آجائے۔

کسی شاعر نے بالکل سچ کہا ہے۔

اَضْغَاثُ نَوْمٍ اَوْ كَظِلٍّ زَائِلٍ
اِنَّ اللَّبِيْبَ بِمِثْلِهَا لَا يُخْدَعُ

دنیا مخلوط خواب کی طرح یا فنا ہوجانے والے سائے کی مانند ہے بے شک عقلمند ایسی خواب وفنا ہوجانے والی چیزوں سے دھوکہ نہیں کھاتا۔

(۲) شیطان کے شر سے بچنے کا بیان

شیطان کے شر سے اپنے آپ کو حتی الامکان بچاؤ اور اس سلسلے میں تمہارے لئے یہی سب سے بڑی دلیل کافی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمائی: وَ قُلْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ۝ وَ اَعُوْذُبِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنَ ۝ (پ۱۸ سورۃ المؤمنون آیت۹۷۔۹۸) اور تم عرض کرو کہ اے میرے رب! شیطان کے وسوسوں سے تیری پناہ اور اے میرے رب! تیری پناہ کہ وہ میرے پاس آئیں۔

تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو سارے جہان سے بہتر اور سب سے زیادہ جاننے والے سب سے زیادہ عقلمند اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سب سے زیادہ بلند رتبہ وفضیلت والے ہیں وہ

اس بات کے محتاج ہیں کہ شیطان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگیں تو تمہاری کیا حیثیت ہے حالانکہ تم جاہل اور عیب ونقص والے اور غفلت میں ڈوبے ہوئے ہو تو کیا تم شیطان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ لینے کے محتاج نہیں ہو؟ یقیناً محتاج ہو اور بہت زیادہ محتاج ہو۔

(۳) مخلوق کے میل جول سے بچنے کا بیان

اگر تم مخلوق کے ساتھ میل جول اور تعلقات پیدا کرو گے اور ان کی خواہشات کی پیروی کرو گے تو اس کی قباحت وخرابی کے ثبوت کے لئے اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ تم ایسا کرو گے تو گناہ گار ہو گے اور تمہاری آخرت کا معاملہ تباہ و برباد ہو جائے گا اور اگر تم ان کی خواہشات کی مخالفت کرو گے تو ان کی اذیتیں اور ان کی زیادتیاں تمہیں رنجیدہ و پریشان کریں گی اور تمہاری دنیاوی زندگی مکدر وخراب ہو جائے گی پھر وہ تمہارے جانی دشمن ہو جائیں گے اور تم ان سے محفوظ نہ رہ سکو گے اور تم ان کے فتنوں میں مبتلاء ہو جاؤ گے اور اگر وہ تمہارے تعلقات اور روابط کی وجہ سے تمہاری تعریف اور بڑائی و تعظیم کریں تو تم فتنہ اور خود پسندی میں مبتلاء ہو جاؤ گے اور اگر وہ تمہاری برائی و تذلیل کریں تو تم کبھی غمگین ہو گے اور کبھی ناحق غصہ کرو گے اور یہ تعریف و مذمت دونوں چیزیں ہلاک و برباد کرنے والی ہیں پھر تم یہ بھی یاد رکھو کہ جب تمہیں قبر میں دفن ہوئے صرف تین دن گذریں گے کہ وہ تمہیں بالکل بھول جائیں گے اور تمہارا تذکرہ تک نہ کریں گے گویا کہ نہ تم نے کبھی انہیں دیکھا اور نہ انہوں نے تمہیں کبھی دیکھا وہاں (قبر میں) صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات (مغفرت ورحمت یا عذاب وعقاب) ہی موجود ہو گی تو کیا یہ کھلا ہوا نقصان وخسارہ نہیں ہے کہ تم اپنے قیمتی اوقات کو ایسے لوگوں کے ساتھ رہ کر ضائع و برباد کر رہے ہو حالانکہ ان میں وفا کم ہے اور ان کے ساتھ تمہیں صرف

تھوڑی دیر رہنا ہے اور تم اللہ تعالیٰ کی طاعت وعبادت چھوڑ دو جبکہ اسی ہی کی طرف تمہارے تمام معاملات پلٹنے والے ہیں اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہمیشہ ہمیشہ باقی رہے گی اور دنیوی واخروی تمام ضرورتیں اسی کے سامنے پیش ہوں گی اور تمام باتوں میں صرف اسی پر بھروسہ واعتماد ہے اور ہر حال میں اور ہر شدت ومشقت کے وقت اسی کی طرف رجوع کرنا ہے وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں لہذا اے ناتوانو! تم میری ان باتوں اور نصیحتوں کو غور سے سنو ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے فضل وکرم سے ہدایت عطا فرما دے اور اللہ تعالیٰ ہدایت کا مالک ہے وہی مددگار ہے۔

(۴) نفس کے شر سے بچنے کا بیان

نفس کی بُرائی ظاہر کرنے کے لئے تمہیں اتنا بتا دینا کافی ہے کہ تم نفس کے تمام حالات اور اس کے بُرے ارادے اور اس کے بُرے وقبیح اختیارات کا ہر وقت مشاہدہ کررہے ہو اس لئے کہ نفس امارہ شہوت کی حالت میں چوپایہ کے مثل کام کرتا ہے اور غصہ کے وقت درندہ ہوجاتا ہے اور مصیبت کے وقت اسے چھوٹے بچے کی طرح چیختا چلاتا دیکھو گے اور آرام وآسائش وخوشحالی کے وقت فرعونِ زمانہ دیکھو گے اور بھوک کی حالت میں بالکل دیوانہ دیکھو گے اور شکم سیر ہونے کی صورت میں تو سرکش ومغرور دیکھو گے اور اگر تم اسے سیر کرو تو سرکشی کرتا ہے اور اگر بھوکا رکھو تو چیختا ہے اور بے صبری کا مظاہرہ کرتا ہے۔

جیسا کہ کسی شاعر نے کیا خوب نقشہ کھینچا ہے۔

کَحِمَارِ السُّوْءِ اِنْ اَشْبَعْتَهٗ
رَمَحَ النَّاسَ وَاِنْ جَاعَ نَهَقَ

نفس بدترین و منحوس گدھے کی طرح ہے اگر تم اسے پیٹ بھر کھلاؤ گے تو وہ لوگوں کو لات مارے گا اور اگر اسے بھوکا رکھو گے تو چیخیں مارے گا۔

کسی بزرگ نے بالکل درست و حق فرمایا ہے: اس نفس کی ذلت و جہالت کا یہ حال ہے کہ جب کسی گناہ کا ارادہ کر لے یا شہوت پر کمر بستہ ہو جائے تو تم اسے اس گناہ یا شہوت سے روکنے کی کوشش کرو یا اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا واسطہ پیش کرو پھر اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام اور اس کی کتاب (قرآن کریم) اور تمام سلف صالحین کا وسیلہ پیش کرو اور اس (نفس) کے سامنے موت، قبر، قیامت، جنت و جہنم کا تذکرہ کرو جب بھی یہ نفس گناہوں سے باز نہیں آئے گا اور نہ اپنی شہوت کو چھوڑے گا اور نہ اپنے رب کا فرمانبردار ہو گا پھر اگر تم ایک روٹی دے کر دوسری روٹی نہ دو کہ ٹھنڈا ہو جائے اور اپنی خواہشات چھوڑ دے تو تمہیں اس کی کمینگی اور اس کی جہالت کا علم و اندازہ ہو جائے گا۔ لہذا اے پیارے بھائیو! اس نفس سے کسی بھی حالت میں غافل نہ ہونا اس لئے کہ نفس کی حقیقت سے اللہ بزرگ و برتر جو اس کا اور ساری کائنات کا خالق ہے سب سے بہتر جانتا ہے فرماتا ہے: اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَۃٌۢ بِالسُّوۡٓءِ (پ۱۳ سورۃ یوسف آیت ۵۳) بے شک نفس تو برائی کا بڑا حکم دینے والا ہے۔

تو عقلمند و سمجھدار آدمی کے لئے اتنی تنبیہ کافی و شافی ہے۔

ایک بزرگ حضرت احمد بن ارقم بلخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میرے نفس نے مجھے جہاد میں شریک ہونے پر مجبور کیا تو میں نے دل میں کہا سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ تو قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے: اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَۃٌۢ بِالسُّوۡٓءِ (پ۱۳ سورۃ یوسف آیت ۵۳) بے شک نفس تو برائی کا بڑا حکم دینے والا

ہے۔اور یہ نفس مجھے بھلائی کا حکم دے رہا ہے ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا بلکہ اس کا اصل مقصد یہ ہے کہ لوگوں سے تعلقات اور ملاقات کرا کے تنہائی اور گوشہ نشینی کی وحشت دور کرے اور لوگوں سے میل جول کر کے راحت وسکون حاصل کرے اور لوگوں کے سامنے اپنی گوشہ نشینی اور بزرگی ظاہر کر کے اپنی تعظیم وتوقیر اور احسان واکرام کرائے لہذا میں نے اپنے نفس سے کہا کہ میں تجھے ہرگز ہرگز آبادی میں نہیں لے جاؤں گا اور نہ کسی جان پہچان والے کے پاس لے جاؤں گا تو اس پر وہ راضی ہو گیا اور میری بات اس نے مان لی لیکن مجھے پھر خطرہ ہوا کہ یہ اپنے خلاف بات پر کیسے راضی ہوسکتا ہے چنانچہ میں نے اپنے دل میں کہا کہ اللہ تعالیٰ تمام سچوں سے زیادہ سچا ہے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْءِ (پ۱۳ سورۃ یوسف آیت ۵۳) بے شک نفس تو برائی کا بڑا حکم دینے والا ہے۔تو یہ کیونکر ممکن ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے خلاف بات پر راضی ہو جائے تو میں نے اپنے نفس سے کہا میں دشمن سے جہاد وقتال کے لئے تیار ہوں اور تو میرا سب سے اول نمبر کا دشمن ہے اس لئے میں سب سے پہلے تجھ سے قتال کروں گا اس نے میرے اس جواب کو بھی قبول کر لیا اور اس نے کچھ برا بھی نہیں محسوس کیا حضرت احمد بن ارقم بلخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں میں نے اپنے نفس کے خلاف اس کے علاوہ چند اور باتیں شمار کیں لیکن وہ میری سب باتوں کو مانتا گیا اور ذرہ برابر کبیدگی بھی ظاہر نہ کی تو میں دل ہی دل میں بڑا حیران و پریشان ہوا بالآخر میں نے بارگاہ خداوندی میں التجاء کی اور عرض کیا اے میرے پروردگار! میں ہر حال میں اپنے نفس کو جھوٹا جانتا ہوں اور تجھے سچا مانتا ہوں لہذا تو مجھے نفس کی اصل حقیقت سے آگاہ ومتنبہ فرما دے تو مجھے کشف کے ذریعہ معلوم ہو گیا گویا کہ نفس مجھ سے کہہ رہا ہے اے احمد! تو مجھے روزانہ شہوتوں

سے روک کر قتل کرتا ہے اور ہر بات میں میری مخالفت کر کے مجھے ستاتا ہے لیکن اس بات کا کسی کو علم نہیں ہوتا لہذا اگر تو جہاد میں شریک ہوگا تو صرف ایک بار ہی مجھے قتل کرے گا اس کے بعد مجھے تجھ سے ہمیشہ کے لئے نجات مل جائے گی اور لوگوں میں چرچا و شہرت ہو جائے گی اور لوگ کہیں گے کہ احمد کو شہادت کا درجہ مل گیا اس طرح میری شہرت ہو جائے گی اور مجھے شرف و بزرگی حاصل ہو جائے گی۔ حضرت احمد بن ارقم بلخی فرماتے ہیں کہ اس کے اس جواب سے میں بیٹھ گیا اور میں نے پختہ ارادہ کرلیا کہ اس سال میں کسی حال میں جہاد کے لئے نہیں جاؤں گا چنانچہ میں نے اس سال جہاد میں شرکت نہیں کی لہذا اے میرے پیارے بھائیو! نفس کے مکر و فریب اور اس کے تکبر و غرور کی طرف غور و خوض کرو اور اپنے آپ کو اس کی مکاری سے بچاؤ مرنے کے بعد بھی تمہاری نیکیوں کو ریاء کے ذریعہ ضائع و برباد کر دیتا ہے۔

کسی شاعر نے کیا خوب اور سچ کہا ہے۔

تَوَقَّ نَفْسَكَ لَا تَأْمَنْ غَوَائِلَهَا

فَالنَّفْسُ اَخْبَثُ مِنْ سَبْعِيْنَ شَيْطَانًا

اپنے نفس کی عیاریوں سے بچو اور اس کی دغابازیوں اور اس کی فریب کاریوں سے بے خوف مت ہو اس لئے کہ نفس ستّر شیطانوں سے بھی زیادہ خبیث ہے۔

لہذا تم نفس کی دھوکہ بازیوں سے ہوشیار رہو اور گناہوں میں مبتلاء کرنے والے نفس سے باخبر رہو اور ہر وقت اپنے دل کو نفس کی مخالفت پر کمر بستہ رکھو اور اس کی مخالفت پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہو ان شاء اللہ تعالیٰ تم اس کی فریب کاریوں اور برائیوں سے محفوظ و سلامت رہو گے اور راہ حق پالو گے۔

پھر تم پر یہ بھی لازم وضروری ہے کہ اسے گناہوں اور خواہشات سے محفوظ رکھنے کے لئے تقویٰ کی لگام ڈالدو اس لئے کہ اس لگام کے سوا اس کا اور کوئی علاج نہیں ہے۔

تنبیہ: نفس کو گناہوں سے بچانے کا ایک بہترین قاعدہ کلیہ ہے وہ یہ ہے کہ عبادت کی دو قسمیں ہیں (۱) حکم الٰہی کو بجالانا (۲) منہیات سے بچنا یعنی جن کاموں کا حکم ہے اسے کرنا اور جن سے منع کیا گیا ان سے اور گناہوں سے باز رہنا۔ اور ان دونوں کے مجموعہ کا نام تقویٰ ہے لیکن گناہوں سے بچنا اطاعت وعبادت سے زیادہ مشکل وکٹھن ہے اسی وجہ سے منہیات اور گناہوں سے بچنا بندے کے لئے ہر حال میں مامورات و عبادات سے زیادہ اسلم واصلح اور فضیلت واہمیت کا حامل ہے اسی لئے عبادت گذاروں میں سے مبتدی حضرات مشروعات میں مامورات وعبادات میں زیادہ کوشاں ہوتے ہیں اور اسی پر زیادہ زور دیتے ہیں۔ وہ دن میں روزہ رکھتے ہیں اور رات کو قیام کرتے ہیں (نوافل پڑھتے ہیں) اور عبادت گذاروں میں سے اعلیٰ و بلند مقام والے اور صاحب بصیرت حضرات منہیات اور گناہوں سے بچنے کی زیادہ کوشش کرتے ہیں چنانچہ وہ اپنے دلوں کو غیر اللہ کی طرف مائل ومتوجہ ہونے سے بھی محفوظ رکھنے کی پوری پوری کوشش کرتے ہیں اور اپنے پیٹوں کو ضرورت سے زیادہ خوراک دینے سے بھی محفوظ رکھتے ہیں اور اپنی زبانوں کو لغویات اور بیہودہ باتوں سے بھی بچاتے ہیں اور اپنی نگاہوں کو فضول وبے فائدہ چیزوں کی طرف اٹھنے سے بچاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ دوسرے درجہ کے ایک عابد نے حضرت یونس علیہ السلام سے کہا (جن عابدوں کی کل تعداد سات تھی) اے یونس! کچھ لوگ ایسے ہیں جو نمازیں پڑھنا بہت زیادہ پسند کرتے ہیں چنانچہ وہ نماز پر کسی اور عمل کو ترجیح نہیں دیتے اور یہی نمازیں عبادت کے

ستون و بنیاد ہیں وہ لوگ پورے طور پر اللہ تعالیٰ کے لئے سچائی پر ثابت قدم رہتے ہیں اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گریہ و زاری کرنے اور گڑگڑا کر دعا کرنے میں مشغول رہتے ہیں۔ اور بعض حضرات روزہ رکھنا زیادہ پسند کرتے ہیں تو وہ روزہ پر کسی دوسرے عمل کو ترجیح نہیں دیتے۔ اور بعض لوگ صدقہ و خیرات کو زیادہ محبوب سمجھتے ہیں چنانچہ وہ لوگ صدقہ سے زیادہ کسی اور عمل کو پسند نہیں کرتے اے یونس علیہ السلام! میں آپ کے سامنے ان تینوں نماز، روزہ اور صدقہ کی تفسیر بیان کرتا ہوں۔

تو نماز کا مطلب یہ ہے کہ تم اپنی نماز کو لمبی کرو اور ہمیشہ تکالیف و مصائب پیش آنے پر صبر و تحمل سے نماز ادا کرو اور ہمیشہ اللہ عزوجل کے حکم کی بجا آوری کرتے رہو۔

اور روزہ سے مراد یہ ہے کہ تم اپنے روزہ کو ہر قسم کی برائی سے بچاؤ۔

اور صدقہ کا مفہوم یہ ہے کہ اپنے صدقہ و خیرات سے کسی کو تکلیف و اذیت نہ دو (مثلاً احسان جتا کر، عار دلا کر وغیرہ) اس لئے کہ تم اس سے افضل اور بہتر صدقہ کسی چیز سے نہیں ادا کر سکتے ہو۔ اور کسی کو تکلیف نہ دینا بھی بہت بڑا صدقہ ہے۔ اور اس روزہ سے زیادہ پاکیزہ کوئی اور عمل نہیں ہو سکتا لہذا جب تم پر اس تفصیلی بیان سے واضح ہو گیا کہ منہیات اور گناہوں سے بچنا زیادہ بہتر اور اہم ہے اور گناہوں سے بچنے میں کوشش و رعایت کرنا زیادہ اولیٰ و مناسب ہے۔ پس اگر تمہیں عبادت کی دونوں قسمیں (حکم کی تعمیل اور گناہوں سے پرہیز) حاصل ہو جائیں اور تم دونوں عبادتوں کے پابند ہو جاؤ تو تمہارا معاملہ پائے تکمیل کو پہنچ جائے گا اور تمہاری مراد پوری ہو جائے گی اور ہر قسم کی آفتوں اور مصیبتوں سے محفوظ ہو جاؤ گے اور بہت زیادہ نفع حاصل کر لو گے۔

اور اگر تم عبادت کی دونوں قسموں کو حاصل نہ کر سکو تو چاہئے کہ تم عبادت کی دوسری قسم

میں اجتناب و پرہیز کو اختیار کرلو تو تم ہر قسم کے گناہوں اور ہر قسم کی برائیوں سے محفوظ ہو جاؤ گے اگر چہ تمہیں اور کچھ نہ حاصل ہو۔ اور اگر تم نے اجتناب کو اختیار نہ کیا اور گناہوں اور برائیوں سے پرہیز نہ کیا تو تم دونوں قسم کی عبادتوں میں نقصان ہی نقصان اٹھاؤ گے اور ساری رات نوافل ادا کرنے اور دن بھر روزہ رکھنے اور دیگر مستحبات میں مشغول رہنے سے تمہیں کچھ بھی فائدہ حاصل نہ ہوگا اور تمہارا یہ رات بھر تھکنا اور مشقتیں برداشت کرنا سب بے سود ہوگا۔ اس لئے کہ گناہوں اور برائیوں سے نہ بچنے اور صرف ایک وسوسے وارادے (ریاء، عجب، حسد) کی وجہ سے تمہاری تمام نیکیاں ضائع و برباد ہو جائیں گی۔ اور اسی طرح جب تم دن میں روزہ رکھ کر چغلی اور بیہودہ باتوں سے پرہیز نہ کرو گے تو تمہارا یہ روزہ بھی فاسد و برباد ہو جائے گا۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کسی نے پوچھا کہ آپ ان دونوں آدمیوں میں سے کس کو بہتر فرماتے ہیں (۱) ایک شخص بہت زیادہ نیکیاں کرتا ہے اور گناہ بھی بہت زیادہ کرتا ہے (۲) دوسرا آدمی نیکیاں بھی کم کرتا ہے اور گناہ بھی کم کرتا ہے۔ تو حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے جواب دیا یہ دونوں برابر ہیں۔

اور ہم نے یہ جو بیان کیا کہ عبادت کی دو قسمیں ہیں عبادت کرنا اور گناہوں سے بچنا و پرہیز کرنا اور پھر ان میں کثرت سے نیکیاں اور عبادتیں کرنے سے زیادہ اہم گناہوں سے بچنا ہے اور اس کی مثال مریض کی طرح ہے اس لئے کہ مریض کے علاج کے دو حصے ہیں ایک مریض کو دوا دینا دوسرا مریض کو نقصان دہ چیزوں سے پرہیز کرانا اگر دوا اور پرہیز دونوں چیزیں مریض سے کرائی جائیں تو مریض بہت جلد تندرست اور صحت یاب ہو جائے گا۔ اور دونوں چیزیں بیک وقت نہ ہوں تو پرہیز اختیار کرنا

زیادہ اولیٰ و بہتر ہے اس لئے کہ ایسی دوا قطعی فائدہ نہیں دیتی جسکے ساتھ بد پرہیزی ہو ہاں اگر دوا نہیں ہے مگر پرہیز کر رہا ہے تو مریض کو ضرور کچھ نہ کچھ فائدہ ہوگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں تمام دواؤں کی بنیاد و جڑ پرہیز ہے۔اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کا یہی مطلب ہے کہ پرہیز تمام دواؤں سے بے نیاز کر دیتا ہے گویا پرہیز خود ایک علاج ہے پرہیز کے ہوتے ہوئے کسی اور دوا و علاج کی ضرورت نہیں اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ ہندوستان کے لوگ اکثر بخار کے مریض کا علاج چند روز کھانے' پینے اور بات چیت کرنے سے پرہیز کرا کے کرتے ہیں تو مریض بہت جلد صحت مند و تندرست ہوجاتا ہے۔اس بیان سے تمہارے لئے روز روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ تقویٰ و پرہیز گاری ہی آخرت کی نجات و کامیابی کی جڑ اور بنیاد ہے۔اور اللہ کے بندوں میں سب سے بلند و بالا رتبہ متقیوں ہی کا ہے لہذا تم پر لازم ہے کہ اپنے اندر تقویٰ پیدا کرنے کی پوری پوری کوشش کرو اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنی رحمت سے توفیق عطا فرمانے والا ہے۔

فصل: آنکھ' زبان' پیٹ اور دل کی حفاظت کا بیان

پھر تم پر ان چار اعضاء کی حفاظت کرنا لازم و ضروری ہے اس لئے کہ یہی چار اعضاء تمام اعضاء کے لئے جڑ و بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں۔

(ا) **آنکھ کی حفاظت کا بیان:** پہلا عضو آنکھ ہے' آنکھ کی حفاظت اس لئے ضروری ہے کہ دین و دنیا کے تمام کاموں کا دارومدار دل پر ہے اور دل میں جو کچھ خرابی وسوسے اور فتنہ و فساد وغیرہ پیدا ہوتے ہیں وہ اکثر و بیشتر آنکھ ہی کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں اسی لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس شخص کو اپنی آنکھ پر قابو نہ ہو تو اسکے دل کی کوئی قدر و

قیمت نہیں۔

(۲) زبان کی حفاظت کا بیان: دوسرا عضو زبان ہے زبان کی حفاظت اس لئے اہم و ضروری ہے کہ تمہاری عبادت کا نفع وثمرہ اور تمہاری کوششوں کا نتیجہ زبان کی حفاظت سے وابستہ ہے اور عبادتوں میں وسوسے اور عبادت کا اکارت و بے کار ہونا اور اس کا فاسد و برباد ہونا اکثر و بیشتر اسی زبان کی وجہ سے ہوتا ہے خواہ گفتگو میں بناوٹ اور زینت اور غیبت وچغلی وغیرہ کی وجہ سے ہو کیونکہ یہ ایسی چیز ہے کہ ایک ہی لفظ میں تمہاری ایک سال بلکہ پندرہ سال کی عبادت و ریاضت کو تباہ و برباد کر دیتی ہے اسی وجہ سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا سب سے زیادہ قید میں رکھنے کی حقدار کوئی چیز ہے تو وہ زبان ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام سے روایت ہے کہ سات عابدوں میں سے ایک عابد نے حضرت یونس علیہ السلام سے کہا اے حضرت یونس علیہ السلام! عبادت گذار لوگ جب اللہ تعالیٰ کی عبادت میں انتہائی انہاک کے ساتھ مشغول ہوتے ہیں اور انہیں عبادت پر جو قوت واستقامت ملتی ہے وہ زبان پر قابو رکھنے کی وجہ سے ہے پھر اس عابد نے اسی بات کو دوبارہ بیان کیا کہ زبان کی حفاظت سے زیادہ اہم و پسندیدہ کوئی چیز نہیں ہے کہ زبان ہی دل کو ہر قسم کے وسوسوں اور برائیوں سے پاک رکھنے کا ذریعہ ہے لہذا ان باتوں کو اچھی طرح ذہن نشین کر لو۔

اس کے بعد تم اپنی زندگی کے ان قیمتی لمحات کو یاد کرو جن کو تم نے یوں ہی لغو اور فضول و لایعنی باتوں میں ضائع کر دیئے اگر تم ان قیمتی لمحات میں توبہ و استغفار کرتے تو ہو سکتا ہے کہ وہ قبولیت کی گھڑی رہی ہو تو اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف فرما دیتا اور تمہیں نفع

بھی حاصل ہوتا۔ یا ان قیمتی لمحوں میں لا الہ الا اللہ کا وظیفہ کرتے رہتے تو تمہیں اتنا اجر و ثواب ملتا کہ تمہاری عقل و فہم بھی اس کا اندازہ لگانے سے عاجز و قاصر ہوتی۔ یا ان قیمتی لمحات میں یہ دعا کرتے اللھم انی اسئلك العافیة یعنی اے اللہ تعالیٰ! میں تجھ سے عافیت و سلامتی کا سوال کرتا ہوں تو ممکن ہے کہ یہ کلمات ایسے مبارک وقت میں تمہاری زبان سے ادا ہوتے کہ جس وقت اللہ تعالیٰ کی رحمت تمہاری طرف متوجہ ہوتی اور تمہاری یہ دعا قبول ہو جاتی اس طرح تم دنیا و آخرت کی آفتوں اور مصیبتوں سے نجات پا جاتے تو کیا اپنی زندگی کے قیمتی لمحات کو یوں ہی لغو اور بیہودہ باتوں میں ضائع کرنا خسران عظیم (بہت بڑا گھاٹا) اور اپنے آپ کو دھوکہ دینا نہیں ہے؟ اگر تم ان اوقات میں اپنی زبان کو اوراد و وظائف میں مشغول رکھتے تو تمہیں کتنے بڑے بڑے اور عظیم الشان فوائد حاصل ہوتے اور اپنے آپ کو اور اپنے وقت کو بیہودہ و فضول کاموں میں نہ لگاؤ تاکہ قیامت کے دن ملامت نہ کیے جاؤ اور میدان محشر میں حساب کے لئے دیر تک نہ روکے جاؤ اسی مضمون کو کسی شاعر نے بڑے اچھے انداز میں پیش کیا ہے۔

وَ اِذَا مَا هَمَمْتَ بِالنُّطْقِ فِي الْبَاطِلِ
فَاجْعَلْ مَكَانَهٗ تَسْبِيْحًا

اور جب تم زبان سے بیہودہ اور باطل بات کہنے کا ارادہ کرو تو اس باطل بات کی جگہ زبان سے اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرو۔

(۳) پیٹ کی حفاظت کا بیان: تیسرا عضو پیٹ ہے پیٹ کی حفاظت اس لئے لازم و ضروری ہے کہ تمہارے دنیا میں آنے کا مقصد اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا ہے اور کھانا عمل

کرنے کے لئے بیج اور پانی کے منزلہ میں ہے تو جیسا بیج ڈالو گے اور اسے سیراب کرو گے ویسا ہی دانہ اگے گا۔اور جب بیج ہی خراب ہوگا تو اس سے پودے بھی خراب ہی اگیں گے اور ممکن ہے وہ ہمیشہ کے لئے تمہاری زمین ہی خراب کردیں اور آئندہ کھیتی کے لائق ہی نہ رہے اسی وجہ سے حضرت ابو محفوظ معروف کرخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا جب تم روزہ رکھو تو تم اس بات کا خیال رکھو کہ تم کس چیز سے روزہ افطار کر رہے ہو اور کس کے یہاں افطار کر رہے ہو اور کس کے کھانے سے افطار کر رہے ہو۔ اس لئے کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بہت سے لوگ صرف ایک لقمہ ایسا کھا لیتے ہیں جس سے دل اپنی پہلی حالت (خرابی) کی طرف لوٹ جاتا ہے پھر وہ ساری عمر اپنی اصلی حالت پر نہیں آتا اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ صرف ایک لقمہ انسان کو رات کے نوافل و تہجد سے محروم کر دیتا ہے اور بہت مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ صرف ایک دفعہ (کھانے کی طرف) بُری نظر سے دیکھنے سے بندہ عرصہ دراز تک تلاوت قرآن سے محروم ہو جاتا ہے اور بندہ ایک لقمہ ایسا کھا لیتا ہے جس کی وجہ سے وہ ایک سال تک عبادت سے محروم ہو جاتا ہے اس لئے تم پر لازم و ضروری ہے کہ پہلے تم اپنی غذا کے متعلق حد درجہ احتیاط اور بہت گہری نظر رکھو تاکہ تم اپنے دل کی اصلاح و حفاظت کرسکو اور تم کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے قوت و طاقت حاصل ہو یہ اصل غذا کا حکم ہے اس کے بعد غذا کے متعلق ادب و استحباب کی نگاہ رکھنا بھی ضروری ہے ورنہ تم کھانا لادنے والے (گدھے' ٹٹو) ہو جاؤ گے اور قیمتی وقت ضائع کرنے والے شمار ہو گے اس لئے کہ ہمیں یقین ہے بلکہ بارہا ہم نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا ہے کہ پیٹ بھر کر کھانے سے عبادت بالکل ہو ہی نہیں سکتی اور اگر نفس کو اس پر مجبور کر کے اور طرح طرح کے حیلے بہانے سے عبادت کی

طرف لگا بھی دیا جائے تو ایسی عبادت میں بالکل لذت وحلاوت نہیں ملتی اسی لئے تو کسی بزرگ نے فرمایا خوب پیٹ بھر کھا کر عبادت کی حلاوت ولذت کی امید نہ رکھو اور کسی دل میں بغیر عبادت نور نہیں آسکتا اور کیا بغیر لذت وحلاوت کی عبادت سے نور حاصل ہوسکتا ہے۔

اسی بات کو حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں میں لبنان کی پہاڑی میں بہت سے اللہ والوں کی صحبت میں رہا ہوں وہ مجھے ہمیشہ یہی وصیت کرتے تھے کہ اے ابراہیم! جب تم دنیا والوں کے پاس جاؤ تو انہیں ان چار باتوں کی نصیحت کرنا۔

(۱) جو پیٹ بھر کھانا کھائے گا اسے عبادت میں لذت وحلاوت نہیں ملے گی۔

(۲) جو زیادہ سوئے گا اس کی عمر میں برکت نہ ہوگی۔

(۳) جو لوگوں کی رضامندی وخوشنودی حاصل کرے وہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا منتظر نہ رہے یعنی اسے اللہ کی رضا حاصل نہ ہوگی۔

(۴) جو زیادہ فضول وبیہودہ بکے گا اور غیبت وچغلی کرے وہ دین اسلام پر نہیں مریگا

اور حضرت سہل بن عبد اللہ تستری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ تمام نیکیاں انہیں چار خصلتوں میں جمع ہیں اور انہیں خصلتوں کی وجہ سے سارے ابدال اپنے مرتبہ پر فائز ہیں۔

(۱) پیٹ کو خالی رکھنا (۲) خاموش رہنا (۳) مخلوق سے علیحدہ وکنارہ کش رہنا

(۴) راتوں کو جاگنا (عبادت کرنا)

بعض عارفین فرماتے ہیں بھوک ہمارا اصل سرمایہ ہے اس فرمان کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں فراغت سلامتی عبادت حلاوت وشیرینی اور نفع علم وعمل جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ

سب کچھ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رضا کے لئے بھوک پر صبر کرنے کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے۔

(۴) دل کی حفاظت کا بیان اور اس کا علاج: چوتھا عضو جس کی حفاظت انتہائی ضروری ہے وہ دل ہے اور اس کی حفاظت اس لئے ضروری ہے کہ دل تمام اعضاء کی اصل اور سب کا سردار ہے اگر دل خراب ہوگا تو تمام اعضاء خراب ہوں گے اور اگر دل صحیح وسالم رہے گا تو تمام اعضاء بھی صحیح وسالم رہیں گے اس لئے کہ دل درخت کی طرح ہے اور باقی تمام اعضاء اس کی شاخیں ہیں اور شاخوں کو درخت سے تقویت ملتی ہے اگر درخت صحیح ہے تو اس کی شاخیں بھی صحیح ہوں گی اور درخت خراب ہے تو اس کی شاخیں بھی بیکار ہوں گی۔ اور دل تمام اعضاء کا بادشاہ ہے اور باقی اعضاء اس کے تابع واجزاء ہیں جب بادشاہ صحیح ہوگا تو اس کی رعایا بھی درست رہے گی اور جب بادشاہ نالائق و خراب ہوگا تو رعایا بھی فتنہ وفساد پھیلائے گی لہذا جب تمہاری آنکھ زبان پیٹ وغیرہ ٹھیک ہوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہارا دل بھی صحیح ہے اور اس کی حالت بہتر ہے اور جب تم اپنی آنکھ، زبان، پیٹ وغیرہ کو خرابی اور ان کو گناہوں کی طرف مائل دیکھو تو سمجھ لو کہ تمہارا دل خراب ہے جس کی وجہ سے تمام اعضاء میں فساد پیدا ہو رہے ہیں۔ بلکہ دل کا فساد باقی اعضاء کے فساد سے زیادہ سنگین ہے لہذا دل کی اصلاح کی طرف پوری توجہ اور انتہائی کوشش کی ضرورت ہے تاکہ دل کی اصلاح کی وجہ سے باقی تمام اعضاء کی بھی اصلاح ہو جائے اور تمہیں راحت وسکون مل جائے پھر دل کی اصلاح کا معاملہ بہت مشکل اور دشوار ہے اس لئے کہ اس کا فساد خطرات اور وسوسوں پر مبنی ہے اور تمہارے قبضہ وقدرت سے باہر ہے اور تمہارے اختیار میں نہیں ہے اس لئے دل کو

وسوسوں کی اتباع و پیروی سے روکنا بہت مشکل ہے اور اس میں بہت زیادہ جدو جہد کی ضرورت ہے اور بہت زیادہ مشقتوں اور دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور انہیں وجوہات کی بنا پر مجاہدہ اور ریاضت کرنے والے دل کی اصلاح و تربیت بہت زیادہ سخت اور دشوار سمجھتے ہیں اور اسی وجہ سے اہل بصیرت حضرات دل کی اصلاح کا بہت زیادہ اہتمام کرتے ہیں چنانچہ حضرت ابو یزید طیفور بن عیسٰی بسطامی علیہ الرحمہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے اپنے دل، زبان اور اپنے نفس کی اصلاح کا علاج دس دس سال تک کیا مگر ان تینوں میں میرے دل کا علاج سب سے زیادہ مشکل تھا لہذا اے میرے پیارے بھائیو! ان باتوں کو اچھی طرح سمجھو اور ان پر عمل کرو۔

اس کے بعد دل کی اصلاح کے لئے انہیں چار خصلتوں کا اہتمام و لحاظ کرنا ضروری ہے جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں یعنی (۱) لمبی امیدیں (۲) اعمال وغیرہ میں عجلت و جلد بازی (۳) حسد (۴) تکبر سے بچنا لازم و ضروری ہے۔

اس مقام پر ہم نے بہت ساری خصلتوں میں سے صرف ان چار خصلتوں سے بچنے کی تخصیص اس لئے کی ہے کہ عام لوگوں میں تو یہ وبا پائی ہی جاتی ہیں مگر علماء و عبادت گذار لوگ خاص طور پر ان بلاؤں میں مبتلاء ہیں اس لئے یہ چار خصلتیں زیادہ قبیح و بری اور بدترین ہیں تم ایک عالم شخص کو دیکھ لو کہ کتنی لمبی امیدوں میں مبتلاء رہتا ہے اور اسے اچھی نیت خیال کرتا ہے بالآخر اس کی وجہ سے اعمال کرنے میں سست اور کاہل ہو جاتا ہے۔ اور کبھی تم اس عالم شخص کو دیکھو گے کہ وہ بلند رتبہ حاصل کرنے میں جلد بازی سے کام لیتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کا دل بلند مرتبہ حاصل کرنے سے اچاٹ ہو جاتا ہے اور بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ کسی بزرگ سے دعا کراتا ہے مگر دعا جلد

قبول نہ ہونے کی وجہ سے محروم ہو جاتا ہے اور بعض مرتبہ کسی کے حق میں بددعا کر دیتا ہے پھر بعد میں نادم و پشیماں ہوتا ہے جیسا کہ حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام سے بیان کیا گیا ہے: وَ قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ٥ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَ لَا يَلِدُوْۤا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا (پ۲۹ سورۃ نوح آیت ۲۶، ۲۷) حضرت نوح علیہ السلام نے عرض کیا! اے میرے رب! زمین پر کافروں میں سے کوئی بسنے والا نہ چھوڑ بیشک اگر تو انھیں رہنے دے گا تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ کر دیں گے اور ان کی اولاد ہوگی تو وہ بھی بدکار اور بڑی ناشکری ہی اولاد ہوگی۔ اور بعض دفعہ تم اس عالم کو دیکھو گے کہ اپنے ہم رتبہ لوگوں سے ان چیزوں پر حسد کرتا ہے جو اللہ عزوجل نے اپنے فضل و کرم سے نوازیں (مال و دولت آل اولاد پر حسد کرتا ہے) یہاں تک کہ بعض اوقات حسد کی آفت میں مبتلاء ہو کر ایسی ایسی برائیوں اور بُرے کام کر گزرتا ہے کہ جن کاموں کی ایک فاسق و فاجر بھی ہمت و جرات نہیں کر سکتا اسی وجہ سے حضرت سفیان بن سعید ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں مجھے اپنی جان کا سب سے زیادہ خطرہ علماء اور عبادت گذاروں ہی سے ہے حاضرین مجلس کو حضرت سفیان ثوری کی یہ بات ناگوار معلوم ہوئی تو آپ نے فرمایا یہ بات میں نے اپنی طرف سے نہیں کہی بلکہ حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمائی ہے۔ اور حضرت عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ مجھ سے ایک مرتبہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا علماء اور عابدوں سے بچو اور ان کے ساتھ ساتھ مجھ سے بھی بچو کیونکہ اگر میں علماء کی مخالفت کروں تو ایک معمولی سے انار کے بارے میں مجھ سے جھگڑا ہو جائے گا۔ اس لئے کہ اگر میں کہوں گا کہ یہ میٹھا ہے تو وہ

کہیں گے کہ یہ ترش ہے۔ اور اس بات میں کوئی بعید نہیں کہ اس بات پر قتل کی نوبت آ جائے اور وہ مجھے ظالم بادشاہ کے سپرد کر دیں اور حضرت ابو یحیٰی مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں بے شک میں علماء کی گواہی تمام مخلوق کے خلاف قبول کر لیتا ہوں لیکن بعض علماء کی بعض علماء کے خلاف قبول نہیں کرتا اس لئے کہ میں نے انہیں ایک دوسرے کے متعلق حسد میں چور (ڈوبا ہوا) پایا حضرت ابو علی فضیل بن عیاض تمیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنے صاحبزادے سے فرمایا اے بیٹے! تم میرے لئے علماء کی آبادی سے دور ایک مکان خرید دو کیونکہ مجھے ان علماء کے ساتھ رہنے میں کیا فائدہ کہ اگر مجھ سے کوئی لغزش ہوگی تو یہ لوگ اس کا چرچا کریں گے اور میری تذلیل بھی کریں گے اور اگر اللہ تعالیٰ مجھے کوئی نعمت عطا فرمائے گا تو یہ لوگ حسد کریں گے اور تم نے خود بھی دیکھا ہوگا کہ علماء و عبادت گزار تکبر سے پیش آتے ہیں اور عام لوگوں کو حقیر و ذلیل سمجھتے ہیں اور تکبر کی وجہ سے اپنا رخسار ٹیڑھا کیے رہتے ہیں اور اپنا منہ لوگوں سے پھیرے رہتے ہیں۔ گویا کہ دو رکعت نماز زیادہ پڑھ کر لوگوں پر احسان کرتے ہیں یا اللہ تعالیٰ کے وہاں سے جنت کا تمغہ و سرٹیفکیٹ لے آئے ہیں یا جہنم سے آزادی کا پروانہ مل چکا ہے یا یہ کہ انہیں یقین ہو چکا ہے کہ صرف ہم ہی نیک بخت و سعادت مند ہیں اور باقی سارے لوگ بد بخت و نالائق ہیں پھر ان تمام برائیوں کے باوجود یہ لوگ بڑے عاجز و متواضع اور صوفیوں جیسا لباس پہنتے ہیں اور اکڑتے ہیں حالانکہ ایسے لباس کا تکبر و غرور سے کیا واسطہ بلکہ یہ چیزیں تو تکبر و غرور کے منافی ہیں لیکن ان اندھوں کو نظر نہیں آتا۔ روایت ہے کہ ایک مرتبہ فرقد بن یعقوب سبخی حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور وہ اس وقت ایک کمبل

اوڑھے ہوئے تھا اور حضرت حسن ایک بہترین قسم کا لباس پہنے ہوئے تھے فرقد حضرت حسن کے لباس کو بار بار ہاتھ لگا کر دیکھ رہا تھا تو حضرت حسن نے فرمایا تم میرے کپڑے کو بار بار کیوں دیکھ رہے ہو سنو! یہ میرا لباس جنتیوں کا لباس ہے اور تیرا لباس جہنمیوں کا لباس ہے حضرت حسن فرماتے ہیں مجھے خبر ملی ہے کہ اکثر و بیشتر جہنمی کمبل (گدڑی) پہنے ہوں گے اس کے بعد حضرت حسن نے فرمایا ان لوگوں نے تو کپڑوں میں زہد اختیار کرلیا اور اپنے سینوں میں تکبر و غرور بھر رکھا ہے اللہ کی قسم تم میں ایک گدڑی پہنے ہوئے بہت زیادہ متکبر ہے اس شخص سے جو اپنے اچھے لباس میں ہے مگر اس کا دل صاف ہے اسی بات کی طرف حضرت ابوالفیض ثوبان بن ابراہیم ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے ان اشعار میں اشارہ فرمایا ہے۔

تَصَوَّفَ فَازْدَهٰی بِالصُّوْفِ جَهْلًا
وَ بَعْضُ النَّاسِ يَلْبَسُهٗ مَجَانَهٗ

بعض حضرات صوفیوں کے کپڑے پہنتے ہیں اور جہالت کی وجہ سے دوسروں کو حقیر سمجھتے ہیں اور بعض لوگ صوفیوں کا لباس بلا وجہ پہنتے ہیں۔

يُرِيْكَ مَهَانَةً وَ يُرِيْكَ كِبْرًا
وَ لَيْسَ الْكِبْرُ مِنْ شَكْلِ الْمَهَانَهٗ

ایسے صوفی لوگ اپنے آپ کو خاکسار و ناتواں ظاہر کرتے ہیں اور حقیقت میں تکبر کا اظہار کرتے ہیں حالانکہ عاجزی وانکساری کرنے والوں میں تکبر نہیں ہوتا۔

تَصَوَّفَ كَیْ يُقَالَ لَهٗ اَمِيْنٌ
وَ مَا مَعْنٰی تَصَوُّفِهِ الْاَمَانَهٗ

ایسے صوفی گدڑی اس لئے پہنتے ہیں کہ انہیں امین اور نیک کہا جائے لیکن حقیقت میں اس لباس کے پہننے کا مقصد نیکی اور شرافت نہیں ہوتا۔

وَ لَمۡ یُرِدِ الۡاِلٰہَ بِہٖ وَ لٰکِنۡ
اَرَادَ بِہِ الطَّرِیۡقَ اِلَی الۡخِیَانَۃ

اور اس لباس کے پہننے سے ان کا مقصود اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنا نہیں بلکہ یہ طریقہ اپنا کر عوام کو دھوکہ دینا اور خیانت کرنا مقصود ہے۔

لہذا اے میرے پیارے بھائیو! ان چاروں آفتوں سے بچو خاص کر تکبر سے اس لئے کہ پہلی تین آفتیں (لمبی امیدیں، جلد بازی، حسد) تو ایسی ہیں کہ ان میں مبتلاء ہونے سے صرف گناہ گار و نافرمان ہوگا مگر تکبر ایسی خطرناک اور مہلک بیماری ہے جو بعض اوقات انسان کو کفر و گمراہی میں مبتلاء کر دیتی ہے۔

تکبر کے سلسلے میں ابلیس کا واقعہ اور اس کی گمراہی ہرگز نہ بھولو وہ اسی تکبر ہی کی وجہ سے گمراہ و مردود بارگاہ ہوا کہ اس نے تکبر و غرور کیا اور وہ کافر ہو گیا اور اللہ عزوجل ہی کی بارگاہ میں ہمیں رجوع کرنا چاہئے کہ وہ ہمیں اپنے فضل و کرم سے ہر گمراہی اور لغزش سے محفوظ رکھے بے شک وہ بخشش فرمانے والا اور مہربان ہے۔

فصل: خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب تم اپنی عقل و دانش سے غور و فکر کرو گے تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ دنیا فانی ہے اور دنیا میں مشغول رہنے کا نقصان اس کے نفع سے کہیں زیادہ اور دنیا کی اتباع و پیروی کرنے میں جسمانی تکان راحت و آرام سے زیادہ ہے اور دل کو دنیاوی کاموں میں مشغول کرنا ہے اور آخرت میں دردناک عذاب اور اتنا طویل حساب و کتاب ہے جس کے برداشت کرنے کی تمہارے اندر طاقت و

سکت نہ ہوگی۔

جب تمہیں یہ بات اچھی طرح معلوم ہوگئی کہ دنیا اور اس کے ساز وسامان میں نقصان ہی نقصان ہے تو تم پر لازم وضروری ہے کہ دنیا کی چیزیں صرف اتنی ہی استعمال کرو کہ جس سے اللہ تعالیٰ کی عبادت آسانی کے ساتھ کرسکو اور دنیا کی نعمتوں اور اس کی لذتوں کو جنت دار النعیم کے لیے چھوڑ دو جو اللہ رب العلمین، سارے جہان کا مالک، ہر چیز پر قدرت رکھنے والے، بے نیاز اور مہربانی فرمانے والے کے قرب میں ہمیشہ رہنے والی ہے اور تمہیں یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ مخلوق میں وفاداری نہیں ہے اور ان کی مشقتیں واذیتیں ان کی امداد واعانت سے زیادہ ہیں اس لئے تمہیں چاہئے کہ مخلوق سے سخت ضرورت کے علاوہ میل جول نہ رکھو اور ان کی بھلائیوں سے فائدہ حاصل کرو اور ان کی برائیوں اور نقصان دہ چیزوں سے پرہیز کرو اور ہمیشہ اپنی صحبت اس ذات کے ساتھ رکھو جس کی صحبت میں نقصان وخسارہ نہ ہو اور جس کی طاعت وعبادت میں شرمندگی وندامت نہ ہو اور وہ تمہارا پروردگار ہے اور اللہ تعالیٰ کی مقدس کتاب کے مطالعہ سے انس رکھو اور اسی کے احکامات کی پابندی کرو اور جب تم ایسا کروگے تو وہ ہر حال میں تمہاری دستگیری فرمائے گا اور تمہارے وہم وگمان سے کہیں زیادہ تجھ پر انعام و اکرام کی بارشیں برسائے گا اور دنیا وآخرت کی ہر مشکل میں تمہاری فریادرسی فرمائے گا چنانچہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم فرماتے ہیں ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی حفاظت کرو تو تم جس طرف دیکھوگے اللہ تعالیٰ کا جلوہ نظر آئے گا (سنن الترمذی)

اور یہ بات بھی تمہیں بخوبی معلوم ہو چکی ہے کہ شیطان خبیث ہے اور تمہاری عداوت و دشمنی میں ہر وقت کمربستہ ہے لہذا اس لعین مردود کتے کے چنگل سے بچنے کے لئے ہر

وقت اپنے قادر مطلق قاہر کی پناہ لیتے رہو اور کسی وقت اس کی مکاریوں اور فریب کاریوں سے غافل مت رہو بلکہ ہر وقت اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ذکر کے ذریعہ اس کتے کو دفع کرتے رہو اور کبھی بھی تھک کر اس لعین سے بے پرواہ نہ ہو کیونکہ اس لعین کو دفعہ کرنا بالکل آسان و معمولی ہے جب تمہارے اندر اولیاء اللہ جیسا عزم و ارادہ اور یقین پیدا ہو جائے تو شیطان کے داؤ تمہیں کچھ نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔ اور وہ لعین ایسا ہی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اِنَّهٗ لَیْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَلٰى رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ ۝ (پ۱۴ سورۃ النحل آیت۹۹) بے شک ایمان والوں اور اپنے رب پر بھروسہ کرنے والوں پر شیطان کا کوئی قابو نہیں۔

حضرت ابو حازم سلمہ بن دینار تابعی مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بالکل سچ فرمایا دنیا اور شیطان کی کیا حقیقت ہے۔ دنیا کا جو کچھ حصہ گزر گیا وہ خواب ہے اور جو کچھ باقی ہے وہ نفسانی خواہشات و تمنائیں ہیں اور شیطان کی حقیقت یہ ہے کہ جب تک وہ اللہ کا مطیع و فرماں بردار تھا تو اس سے اللہ کو کچھ فائدہ نہ پہنچا اور جب وہ نافرمان ہو گیا تو اللہ تعالیٰ کا کچھ بگاڑ بھی نہ سکا۔ جب تمہیں معلوم ہے کہ نفس انتہائی جاہل و سرکش ہے اور تم اس کے نقصان دہ اور تباہ کن معاملات سے بخوبی واقف ہو لہذا تم کو اس سلسلے میں ان عقلمندوں اور علماء کے طریقے اور نظریات پر غور و خوض کرنا چاہئے جو ان کے انجام پر نظر رکھتے ہیں اور ان کے انجام سے بخوبی واقف ہیں اور اسی میں تمہارے لئے بھلائی ہے اور ان جاہلوں اور بچوں کے طور طریقے پر غور نہ کرنا چاہئے جو صرف موجودہ زمانہ پر نظر رکھتے ہیں اور وہ مصیبتوں کے شر کو نہیں سمجھتے اور زہد و تقویٰ کی کڑوی دوا سے بھاگتے ہیں لہذا نفس کو تقویٰ کی لگام اس طرح ڈالو کہ حقیقت میں جن چیزوں سے بچنا

ضروری نہیں ان سے بھی بچے مثلاً فضول کلام کسی کی طرف ناجائز دیکھنا ضرورت سے زیادہ کھانا اور کسی بُری خصلت میں مبتلا ہونا مثال کے طور پر لمبی امیدیں کرنا جلد بازی کرنا کسی مسلم پر حسد کرنا اور بڑائی بیان کرنے کی جگہوں کے علاوہ کسی جگہ تکبر و بڑائی ظاہر کرنا یا محض شہوت اور شر کی وجہ سے کھانا پینا بلکہ نفس کو صرف وہی چیزیں دو جو اس کے لئے ضروری ہیں اور بے کار و فضول چیزوں سے اسے بچاؤ کیونکہ اسے فضول اور لغو چیزوں کی ضرورت ہی نہیں ہے تو جب بندہ زہد و تقویٰ کی زندگی اختیار کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کی طرح اس بندے کو بھی اپنی رحمت اور اپنے فضل و کرم سے کشادگی عطا فرماتا ہے اور دینی امور میں نقصان دہ چیزوں سے اسے محفوظ رکھتا ہے جب اللہ تعالیٰ تقویٰ اختیار کرنے والے کے کاموں کا نگہبان و کفیل ہو جاتا ہے تو فضول و بے کار اور دین کے کاموں میں نقصان دہ چیزوں کی کوئی ضرورت نہیں اس لئے کہ حقیقت وہی ہے جیسا کہ حضرت حسان بن ابی سنان بصری نے فرمایا جو بڑے متقیوں اور پرہیزگاروں میں سے ہیں بے شک تقویٰ بہت آسان چیز ہے اس لئے کہ جب کسی چیز کے متعلق جائز و ناجائز ہونے میں مجھے شک ہو جاتا ہے تو میں اسے چھوڑ دیتا ہوں کیونکہ نفس مطیع و فرمانبردار ہو گیا ہے اور جس کی عادت ڈالی جائے وہ اس کا عادی ہو جاتا ہے۔ اسی بات کو کسی شاعر نے کیا خوب انداز میں پیش کیا ہے۔

فَالنَّفْسُ رَاغِبَةٌ اِذَا رَغَّبْتَهَا
وَ اِذَا تُرَدُّ اِلٰی قَلِیْلٍ تَقْنَعُ

جب تم نفس کو کسی طرف راغب و متوجہ کرو گے تو وہ متوجہ ہو جائے گا اور جب تم اسے تھوڑی چیز پر قناعت کرنے کا عادی بناؤ گے تو وہ اس پر راضی ہو جائے گا۔

اور زمانہ جاہلیت (بنوامیّہ) کے مشہور شاعر ابوطیب متنبی نے کہا۔

هِيَ النَّفْسُ مَا حَمَّلْتَهَا تَتَحَمَّلُ
وَ لِلدَّهْرِ اَيَّامٌ تَجُوْرُ وَ تَعْدِلُ

یہ نفس ہے اس پر جو چیز لادو گے وہ برداشت کرے گا اور زمانہ میں مختلف قسم کے دن ہیں کبھی ظلم وزیادتی ہوتی ہے کبھی عدل وانصاف ہوتا ہے اور روایت کیا جاتا ہے کہ نفس کو جس چیز کی عادت ڈالو گے اسی کا عادی ہوجائے گا۔

ایک دوسرے شاعر نے یوں کہا ہے۔

صَبَرْتُ عَنِ اللَّذَّاتِ حَتّٰى تَوَلَّتِ
وَ اَلْزَمْتُ نَفْسِي صَبْرَهَا فَاسْتَمَرَّتِ

میں نے دنیاوی لذتوں اور شہوتوں سے اپنے آپ کو روکا یہاں تک کہ وہ لذتیں مجھ سے جدا اور علیحدہ ہوگئیں اور میں نے اپنے نفس کو صبر کا عادی بنایا تو وہ اس کا عادی ہوگیا۔

وَ مَا النَّفْسُ اِلَّا حَيْثُ يَجْعَلُهَا الْفَتٰى
فَاِنْ اَطْعِمَتْ تَاقَتْ وَ اِلَّا تَسَلَّتِ

اور نفس وہی چیز اختیار کرتا ہے جس پر انسان اسے رکھے اگر اسے زیادہ کھلایا جائے تو اس کی خواہشیں بڑھتی رہیں گی اور اگر اسے ضرورت بھر غذا دی جائے تو وہ اسی پر راضی رہے گا اور قناعت کرے گا۔

جب تم ہماری بیان کردہ تمام باتوں سے بخوبی مطلع ہوگئے تو جب تم ان باتوں پر عمل کرو گے تو تم دنیا میں زہد وتقویٰ کے مالک ہوجاؤ گے اور آخرت کی طرف رغبت کرنے والے ہوجاؤ گے۔

اے میرے پیارے بھائیو! جان لو کہ جس شخص پر لفظ زاہد کا بولنا درست ہوگیا تو وہ یقیناً ہزار اچھی صفتوں سے متصف ہوگیا اس طرح تم مخلوق سے کنارہ کشی اختیار کرنے والوں اور ان برگزیدہ حضرات میں ہوجاؤ گے جنہوں نے اپنی زندگیاں اللہ تعالیٰ کی عبادت و خدمت کے لئے وقف کردی ہیں اور ان لوگوں میں شامل ہوجاؤ گے جن کی صفت کسی شاعر نے یوں بیان کی ہے۔

تَشَاغَلَ قَوْمٌ بِدُنْيَاهُمْ
وَقَوْمٌ تَخَلَّوْا لِمَوْلَاهُمْ

ایک قوم ایسی ہے جو دنیا کی عیش و عشرت میں مشغول و محو ہے اور ایک قوم ایسی ہے جو ساری دنیا سے علیحدہ ہوکر صرف اپنے مولیٰ کی خدمت و عبادت میں محو ہے۔

فَأَلْزَمَهُمْ بَابَ مَرْضَاتِهِ
وَعَنْ سَائِرِ الْخَلْقِ أَغْنَاهُمْ

تو دوسری قوم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اپنے رضا کی چوکھٹ پر جگہ دیدی اور اسے تمام مخلوق سے بے نیاز فرمادیا۔

يَصُفُّوْنَ بِاللَّيْلِ أَقْدَامَهُمْ
وَعَيْنُ الْمُهَيْمِنِ تَرْعَاهُمْ

رات میں اپنے رب کی بارگاہ میں صفیں بنائے عبادت کے لئے کھڑے رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نظر رحمت ان کی حفاظت و نگہبانی کرتی رہتی ہے۔

فَطُوْبٰى لَهُمْ ثُمَّ طُوْبٰى لَهُمْ
إِذَا بِالتَّحِيَّةِ حَيَّاهُمْ

تو ان کے لئے خوشخبری ہو پھر اس دوسری قوم کے لئے خوشخبری ہو جبکہ ان کا رب انہیں انعام واکرام سے نوازے گا۔

اب تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں نفس سے جہاد کرنے والے زاہدوں اور اللہ تعالیٰ کے ان خاص بندوں میں سے ہو جاؤ گے جن کے بارے میں خود اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ (پ۱۴ سورۃ الحجر آیت ۴۲) بے شک میرے بندوں پر تیرا کوئی قابو نہیں۔ اور اب تمہارا شمار ان پرہیز گاروں اور متقیوں میں ہو جائے گا جنہیں دنیا وآخرت کی سعادت کا تمغہ مل گیا ہے اور اب تم بہت سے مقربین ملائکہ سے بھی افضل واعلیٰ ہو جاؤ گے اس لئے کہ ملائکہ شہوت اور نفس خبیث سے پاک و منزہ ہیں جو برائیوں کی طرف متوجہ کرتے ہیں (بندوں کا شہوات و نفس خبیث کے ہوتے ہوئے برائیوں اور گناہوں سے بچے رہنا زیادہ کمال ہے اور فرشتوں کا ان سے بچنا زیادہ کمال کی بات نہیں مترجم) اور جب تم نے ہماری بیان کی ہوئی ہدایتوں پر عمل کر لیا تو تم نے یہ تیسری لمبی اور مشکل ترین گھاٹی کو بھی عبور کر لیا اور تم تمام رکاوٹوں سے آگے نکل کر اپنے اصل مقصود تک پہنچ گئے اور یہ رکاوٹیں تمہیں ہرگز خوف زدہ نہ کریں گی اس لئے کہ یہ سب کچھ کامیابیاں اللہ تعالیٰ کی مدد واعانت اور اس پر کامل بھروسہ سے حاصل ہوتی ہیں تو کیوں نہ آسان ہوں گی ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں اور وہی بہترین سوال کیا جانے والا ہے کہ وہ ہمیں اور تمہیں اپنی بہترین توفیق و مدد اور آسانیوں سے اعانت فرمانے والا ہے اس لئے کہ وہی ہر مشکل کو آسان فرمانے کے لئے کافی ہے اور ہر قسم کی دشواریوں میں اسی سے مدد طلب کرنی چاہئے ساری کائنات و مخلوق اور تمام معاملات اسی کے قبضہ قدرت میں ہیں اور وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔

اس تیسرے باب میں جو ضروری باتیں ہمیں بیان کرنی تھیں وہ یہی ہیں اور گناہ سے بچنے اور نیکی کرنے کی طاقت وقوت نہیں مگر اللہ تعالیٰ کی مدد سے جو بلند رتبہ اور عظمت والا ہے۔

عبادتوں سے روکنے والی چوتھی گھاٹی کا بیان

پھر اے عبادت کے طلب گار! (اللہ تعالیٰ تمہیں توفیق عطا فرمائے) تم پر ان عوارض سے بچنا لازم وضروری ہے جو عوارض اللہ تعالیٰ کی عبادت میں رکاوٹ ڈالتے ہیں اور ان عوارض کے راستوں کا بند کرنا بھی ضروری ہے تا کہ وہ تمہیں تمہارے اصل مقصود (عبادت ربانی) سے نہ روکیں اور ہم نے (کتاب کے شروع میں) بیان کر دیا ہے کہ وہ عوارض چار ہیں۔

۱} پہلا عارضہ رزق اور نفس کا رزق طلب کرنا۔

۲} دوسرا عارضہ خطرات اور خطرات کا قصد وارادہ۔

۳} تیسرا عارضہ قضاء الٰہی اور اس کی اقسام۔

۴} چوتھا عارضہ شدائد (دشواریاں) اور مصیبتیں۔

پہلا عارضہ رزق اور نفس کا رزق طلب کرنا: اس عارضہ سے نجات صرف توکل و بھروسہ ہی سے ہوسکتی ہے لہٰذا تم پر لازم ہے کہ تم رزق اور تمام ضرورتوں کے متعلق اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات پر کامل توکل اور بھروسہ کرو۔

اور یہ توکل ان باتوں کی وجہ سے لازم وضروری ہے۔

پہلی وجہ: رزق کے معاملے میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کی پہلی وجہ یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت کے لئے فارغ ہوسکو اور کما حقہ نیکی کرسکو کیونکہ جو شخص رزق کے بارے میں

اللہ تعالیٰ پر توکل و بھروسہ نہیں کرے گا تو وہ شخص ضرور اللہ تعالیٰ کی عبادت چھوڑ کر روزی معاشی ضرورتوں اور رزق کے مصالح میں مشغول و مصروف ہو جائے گا خواہ ظاہری طور پر یا باطنی طور پر ظاہری جسم کے اعتبار سے اس طرح مشغول ہونا ہے کہ جسم و بدن کے ذریعہ محنت مزدوری کر کے کمانے کی کوشش کرے گا جیسے عام طور پر دنیا میں مشغول ہونے والوں کا حال ہے۔ اور باطنی طور پر اس طرح کہ رزق کی تلاش و جستجو میں غور و فکر کرے گا قسم قسم کی تدبیریں اور ارادے کرے گا اور دل میں طرح طرح کے وسوسے اور خیالات آئیں گے مثلاً وہ حضرات جو اللہ کی عبادت میں کوشش کرتے ہیں اور ان کے دل دنیا کی طلب میں مشغول ہیں۔ اور عبادت کا حق اسی وقت ادا ہو سکتا ہے جب دل اور بدن دونوں ہی بالکل فارغ ہوں اور ایسی فراغت صرف توکل اور بھروسہ کرنے والوں ہی کو حاصل ہو سکتی ہے بلکہ میں (امام غزالی) کہتا ہوں کہ بہت سے کمزور عقیدے والوں کے دل اس وقت تک مطمئن نہیں ہوتے جب تک کہ انہیں کچھ رزق اور پونجی نہ مل جائے تو ایسے کمزور عقیدہ لوگوں سے دنیا و آخرت کا کوئی عظیم الشان کام مکمل نہیں ہوتا اور بارہا میں نے اپنے شیخ حضرت ابو محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو فرماتے سنا ہے کہ دنیا میں صرف دو ہی آدمیوں کے کام مکمل ہوتے ہیں (۱) توکل کرنے والے (۲) بے باک آدمی۔ میں کہتا ہوں کہ حضرت ابو محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ کلام اپنے معنی کے اعتبار سے بہت مختصر اور بڑا جامع ہے اس لئے کہ بے باک اور جراتمند آدمی اپنی قوت ارادی اور اپنے دل کی جرات و ہمت سے جس کام کا ارادہ کرتا ہے کر گزرتا ہے کوئی چیز اس کے ارادے سے پھیر نہیں سکتی اور نہ کوئی وسوسہ اس کے ارادے کو کمزور کر سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کرنے والے کا کام اس لئے

پایہ تکمیل کو پہنچ جاتا ہے کہ وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے وعدہ پر قوت وبصیرت اور کامل یقین رکھتا ہے اور اپنا ہر کام شروع کرتے وقت اللہ تعالیٰ کی ذات پر کامل بھروسہ رکھتا ہے وہ اپنا کام پورا کرنے میں کسی انسان سے خوف زدہ نہیں ہوتا اور نہ شیطانی وسوسے اس پر اثر انداز ہوتے ہیں اور نہ کوئی رکاوٹ پیش آتی ہے چنانچہ وہ شخص اپنے مطلوب ومقصود میں کامیاب ہوجاتا ہے لیکن کمزور عقیدہ والے لوگ ہمیشہ ذہنی خلل اور حیرانگی کے شکار رہتے ہیں (اللہ تعالیٰ پر توکل اور بھروسہ کرنے میں شک کرتے ہیں) جس طرح اپنی چراگاہ میں بندھا ہوا گدھا اور پرندہ اپنے پنجرے میں چکر لگاتا رہتا ہے اور منتظر رہتا ہے اسی طرح اپنی عمر گزار دیتا ہے تو ایسا کمزور عقیدے والا آدمی کوئی اہم اور قابل تعریف کام نہیں کرسکتا اور اگر کرنے کا ارادہ بھی کرے تو اس میں ناکام ہی رہتا ہے اور وہ اسے پورا نہیں کرسکتا کیا تم نہیں دیکھتے کہ دنیاوی مرتبہ حاصل کرنے والے بھی کسی بلند مرتبہ اور اعلیٰ مقام پر اس وقت تک نہیں فائز ہوتے جب تک کہ اپنی جان اور اپنے مال اپنی آل اولاد سے اپنی توجہ ہٹا کر اپنے مقصد کی طرف پورے طور پر متوجہ نہ ہوں چنانچہ بادشاہ وحکمران بننے کے لئے انہیں جنگ وجدال کرنا پڑتا ہے اور دشمنوں کو شکست دینے کی فکر کرنی پڑتی ہے خواہ دشمنوں کو ہلاک کرکے یا انہیں اپنا مطیع و فرمانبردار بنا کر بادشاہت یا اقتدار کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے۔

روایت ہے کہ حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے جنگ صفین کے دن اپنے اور حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کے لشکر کو ایک دوسرے کے مدمقابل صف آرا دیکھا تو فرمایا جو بڑائی اور بلندی حاصل کرنا چاہتا ہے تو اسے بہت مشکلات اور دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

اور تاجر حضرات خشکی اور سمندری سفر کے انتہائی خطرناک مراحل طے کرتے ہیں اور اپنی جانوں اور مالوں کو مشرق سے مغرب اور مغرب سے مشرق تک لے جاتے ہیں اور اپنی جانوں کو دو کاموں سے ایک کام کے لئے تیار رکھتے ہیں (۱) ہلاکت ونقصان (۲) نفع۔ تب جا کر کہیں بڑے بڑے منافع اور مال کثیر اور عمدہ عمدہ اور قیمتی چیزوں کے مالک بنتے ہیں لیکن چھوٹے اور معمولی دوکاندار جن کے دل کمزور اور حوصلے پست اور ارادے کچے ہوتے ہیں وہ اتنی ہمت وجرات نہیں کرتے اور نہ دور دراز کے سفر کی صعوبتیں اختیار کرتے ہیں بلکہ مختصر اور حقیر مال میں ہی اپنا دل لگائے رہتے ہیں اپنی جان مال سے علیحدہ نہیں ہوتے تو ایسے لوگوں کی ساری زندگی اپنے مکان سے دوکان اور دوکان سے مکان تک آنے جانے میں گزر جاتی ہے اسی وجہ سے ایسے لوگ بادشاہوں کی طرح بڑے مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتے اور نہ ہی بڑے بڑے تاجروں کی طرح زیادہ مال وسرمایہ حاصل کر سکتے ہیں اگر ایسے لوگوں کو دن بھر میں ایک درہم ہی نفع ملے تو اسی کو کافی سمجھتے ہیں اس لئے کہ ان کی ہمت وجرات اسی مختصر نفع کے ساتھ وابستہ اور منسلک رہتی ہے یہ تو دنیا اور دنیا والوں کا حال ہے لیکن جو لوگ آخرت کی تمنا وآرزو رکھتے ہیں تو ان کا اصل سرمایہ اور پونجی یہی اللہ تعالیٰ پر توکل اور بھروسہ کرنا ہے اور دل کو اللہ تعالیٰ کے سوا ساری چیزوں سے ہٹا لینا ہے جب یہ لوگ اپنے اندر توکل کی صفت کما حقہ حاصل کر لیں اور اس پر مضبوطی کے ساتھ ثابت قدم ہو جائیں تو وہ لوگ ہر چیز سے بالکل فارغ ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہو جاتے ہیں اور ساری دنیا سے علیحدگی وکنارہ کشی اختیار کر لیتے ہیں اور سیر وتفریح کو ترک کر دیتے ہیں اور جنگل، صحراؤں اور پہاڑوں کی خطرناک وادیوں میں زندگی بسر کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں تو

یہ لوگ سب سے زیادہ طاقتور اور جراتمند اور باہمت ہو جاتے ہیں اور حقیقت میں یہی لوگ دیندار آزاد انسان (جنہیں دنیا کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی) دین کا ستون اور ساری دنیا کے بادشاہ و حکمران ہو جاتے ہیں جہاں چاہتے ہیں چلے جاتے ہیں جہاں چاہتے ہیں رہتے ہیں اور علم وعمل کے بڑے بڑے اور مشکل ترین کاموں میں سے جو چاہتے ہیں کرتے ہیں کوئی چیز ان کے کاموں میں رکاوٹ اور حائل نہیں ہوتی چنانچہ دنیا کا ہر خطہ ان کے لئے برابر ہے جب چاہیں چلے جائیں یا یوں سمجھ لیجئے کہ ساری کائنات ان کے نظروں کے سامنے ہوتی ہے اور رات دن سب ان کے لئے ایک (برابر) ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اس فرمان میں اسی بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے جو شخص انسانوں میں سب سے زیادہ قوی و طاقتور ہونا چاہتا ہے تو چاہیئے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے اور جو شخص سب سے باعزت بننا چاھتا ہے تو چاہیئے کہ وہ تقویٰ اختیار کرے اور جو شخص سب سے زیادہ مالدار و دولتمند ہونا چاہے تو چاہیئے کہ وہ اپنے موجودہ مال سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت پر اعتماد کرے (حاکم، بیہقی)

حضرت سلیمان خواص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت ہے کہ اگر کوئی شخص سچائی اور خلوص نیت کے ساتھ اللہ سبحانہ وتعالیٰ پر توکل کرے تو تمام امراء اور فقراء سب اس کے محتاج ہو جائیں گے اور وہ خود کسی کا محتاج نہ ہوگا کیونکہ اس کا مالک و مولا کائنات کے تمام خزانوں کا مالک ہے اور تمام خوبیوں کا وہی مستحق ہے۔

حضرت ابراہیم بن احمد خواص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک جنگل میں بہت خوبصورت لڑکے سے میری ملاقات ہوئی تو میں نے اس سے پوچھا کہ اے لڑکے تم کہاں جا رہے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ میں مکہ مکرمہ جا رہا ہوں

میں نے پوچھا بغیر سفر خرچ اور سواری کے جا رہے ہو؟ اس نے کہا اے ضعیف الیقین! جو ذات تمام آسمانوں اور زمینوں کی حفاظت پر قادر ہے کیا اسے اس بات پر قدرت نہیں کہ وہ مجھے بغیر سفر خرچ اور بغیر سواری کے مکہ معظّمہ پہنچا دے حضرت ابراہیم خواص فرماتے ہیں کہ جب میں مکہ مکرمہ پہنچا تو دیکھا کہ وہ لڑکا بیت اللہ شریف کا طواف کر رہا ہے اور یہ اشعار گنگنا رہا ہے۔

یَا نَفْسُ سِیْحِیْ اَبَدًا
وَ لَا تُحِبِّیْ اَحَدًا
اِلَّا الْجَلِیْلَ الصَّمَدًا
یَا نَفْسُ مُوْتِیْ کَمَدًا

اے نفس! تو ہمیشہ کوشش کرتا رہ اور اللہ بے نیاز و برتر کے سوا کسی سے محبت و دوستی مت کر اے نفس! آخرت کے غم میں اپنی جان دیدے۔

حضرت ابراہیم خواص فرماتے ہیں کہ جب اس لڑکے نے مجھے دیکھا تو کہا اے شیخ! ابھی تک تم ضعف اعتقادی میں مبتلا ہو؟

اور حضرت ابو مطیع بلخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت حاتم بن علوان اصم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے فرمایا میں نے سنا ہے کہ آپ جنگل میں بغیر توشہ کے صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل کر کے عبادت کرتے رہتے ہیں حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا میرا توشہ چار چیزیں ہیں حضرت ابو مطیع نے پوچھا وہ چار چیزیں کیا ہیں۔ حضرت حاتم اصم نے فرمایا وہ چار چیزیں یہ ہیں (۱) مجھے یقین کامل ہے کہ دنیا اور آخرت اللہ تعالیٰ کی ملک ہے (۲) تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کی غلامی اور پرورش میں ہے (۳) روزی اور روزی

کے تمام اسباب اللہ بزرگ و برتر کے قبضۂ قدرت میں ہیں (۴) اللہ تعالیٰ کا حکم ساری دنیا میں نافذ ہے۔کسی شاعر نے بہت خوب کہا ہے

اَرَی الزُّهَّادَ فِیْ رَوْحٍ وَ رَاحَةٍ
قُلُوْبُهُمْ عَنِ الدُّنْیَا مُزَاحَةٌ

میں زاہدوں کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ آرام وسکون میں ہیں ان کے دل دنیا سے دور ہو چکے ہیں۔

اِذَا اَبْصَرْتَهُمْ اَبْصَرْتُ قَوْمًا
مُلُوْكَ الْاَرْضِ سِیْمَتُهُمْ سَمَاحَةٌ

جب تم زاہدوں کو دیکھو گے تو تم ایک ایسی جماعت کو دیکھو گے جو دنیا کے بادشاہ ہیں اور انکی خصلت ونشانی سخاوت ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ پر توکل کرنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ توکل نہ کرنے میں بہت بڑا خطرہ ہے اور بہت نقصان ہے میں (امام غزالی) کہتا ہوں کیا اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انسان کی پیدائش کے ذکر کے بعد ہی اس کے رزق کا ذکر نہیں فرمایا؟ (یقینا ذکر فرمایا ہے) چنانچہ ارشاد فرماتا ہے: اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ (پ۲۱ سورۃ الروم آیت ۴۰) اللہ نے تمہیں پیدا فرمایا پھر روزی دی۔

اس آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ جس طرح بندوں کا خالق اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی ہے اسی طرح بندوں کا رازق بھی وہی ہے پھر اسی پر اکتفاء نہ فرمایا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ رزق عطا فرمانے کا وعدہ بھی فرمایا چنانچہ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِیْنُ (پ۲۷ سورۃ الذٰریٰت آیت ۵۸) بے شک اللہ ہی بڑا رزق

دینے والا قوت والا قدرت والا ہے۔

پھر صرف اس وعدہ ہی پر اکتفاء نہ فرمایا بلکہ واضح الفاظ میں رزق کا ذمہ بھی لیا چنانچہ ارشاد فرماتا ہے: وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا (پ۱۲ سورۃ ھود آیت۶) اور زمین پر چلنے والا کوئی ایسا نہیں جس کا رزق اللہ کے ذمہ کرم پر نہ ہو۔

اس کے بعد ذمہ پر ہی اکتفاء نہ فرمایا بلکہ رزق عطا فرمانے کی قسم بھی فرمائی چنانچہ فرماتا ہے: فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَا اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ (پ۲۶ سورۃ الذٰریٰت آیت۲۳) تو آسمان اور زمین کے رب کی قسم بے شک یہ قرآن حق ہے ویسی ہی زبان میں جو تم بولتے ہو۔ پھر اسی قسم وغیرہ پر ہی کفایت نہ فرمایا بلکہ انتہائی وضاحت کے ساتھ کامل توکل کرنے کا حکم فرمایا اور توکل نہ کرنے پر متنبہ فرمایا چنانچہ ارشاد فرماتا ہے: وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ (پ۱۹ سورۃ الفرقان آیت۵۸) اور بھروسہ کرو اس زندہ پر جو کبھی نہ مرے گا (اللہ تعالیٰ)

اور دوسری جگہ فرماتا ہے: وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (پ۶ سورۃ المائدۃ آیت۲۳) اور اللہ ہی پر بھروسہ کرو اگر تم ایمان والے ہو۔

تو جو شخص (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کے فرمان کا اعتبار نہ کرے اور اس کے وعدہ کو کافی نہ سمجھے اور اس کے ذمہ لینے پر اطمینان نہ رکھے اور اس قسم پر قناعت نہ کرے پھر اس کے احکام اور اس کے وعدے و وعید کی کوئی پرواہ نہ کرے تو ایسے شخص کی کمینگی اور اس کے منحوس و بد بخت ہونے میں کیا شک ہوگا۔ اللہ کی قسم یہ تو بہت ہی سخت مصیبت ہے جبکہ ہم لوگ اس سخت اور عظیم مصیبت سے غافل ہیں ایک مرتبہ حضرت صادق الامین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ارشاد فرمایا: اے عبد اللہ!

تمہارا اس وقت کیا حال ہوگا جب تم ایسی قوم میں ہو گے جو ضعفِ یقین کی وجہ سے سال بھر کا رزق ذخیرہ بنا کر رکھے گی (احمد، بیہقی) حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ اس قوم پر لعنت فرماتا ہے جسے اللہ کی قسموں پر بھی اعتبار نہیں جب یہ آیت: اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ (پ۲۵ سورۃ الذٰریٰت آیت ۲۳) بے شک یہ قرآن حق ہے ویسی ہی زبان میں جو تم بولتے ہو۔ نازل ہوئی تو فرشتوں نے کہا آدم کی اولاد ہلاک ہوگئی کہ انھوں نے اپنے رب کو ناراض کر دیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی روزی دینے پر قسم فرمائی حضرت اویس بن عامر قرنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں اگر تم نے آسمانوں اور زمینوں کی مخلوق برابر بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت کی تو بھی وہ تیری عبادت قبول نہیں فرمائے گا جب تک کہ تم اس کی تصدیق نہ کرو کسی نے پوچھا کہ تصدیق کا کیا مطلب ہے۔ تو حضرت اویس قرنی نے فرمایا تم اس بات پر مطمئن ہو جاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے رزق کے متعلق ذمہ لیا ہے اور تم اپنے جسم کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے فارغ کر دو۔ اور جب حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کی ملاقات ہرم بن حیان سے ہوئی تو حضرت ہرم بن حیان رضی اللہ عنہ نے اویس قرنی سے پوچھا آپ مجھے کہاں اقامت کرنے کا حکم دیتے ہیں؟ تو حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ سے شام کی طرف اشارہ فرمایا تو حضرت ہرم نے کہا شام کے علاقے میں میرا گزارا کس طرح ہوگا؟ حضرت اویس قرنی نے فرمایا افسوس ہے ان دلوں پر جو شک میں مبتلا ہو گئے ہیں تو انہیں نصیحت کیا فائدہ دے گی۔

روایت ہے کہ ایک کفن چور نے حضرت ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ہاتھ پر توبہ کی حضرت ابو یزید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے پہلے اس سے قبر کے متعلق سوال فرمایا تو

اس نے جواب دیا کہ میں نے تقریباً ایک ہزار قبروں سے کفن چرائے لیکن دو آدمیوں کے علاوہ سارے کے منہ قبلہ سے پھرے ہوئے تھے تو حضرت ابو یزید نے فرمایا بیچارے مسکین ہیں رزق کی تلاش کی وجہ سے ان سب کے منہ قبلہ سے پھرے ہیں انھوں نے اللہ تعالیٰ پر توکل نہیں کیا اس لئے ان کے چہرے قبلہ سے پھرے تھے۔

مجھ (امام غزالی) سے میرے ایک دوست (اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے) نے بیان کیا کہ ایک نیک آدمی سے میری ملاقات ہوئی تو میں (امام غزالی) نے اپنے دوست سے اس نیک آدمی کی حالت پوچھی تو میرے دوست نے کہا میں نے اس سے پوچھا کہ کیا تم اپنے ایمان کے ساتھ محفوظ ہو؟ تو اس نیک آدمی نے جواب دیا کہ ایمان تو ان لوگوں کا محفوظ وسلامت ہے جو اللہ تعالیٰ پر توکل و بھروسہ کرتے ہیں ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہماری اصلاح فرمائے اور ہماری ان خطاؤں پر مواخذہ نہ فرمائے بے شک وہ سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والا ہے۔

توکل کی حقیقت وحکم اور کتنے رزق پر توکل کرنا ضروری ہے

سوال: توکل کی حقیقت اور اس کا حکم کیا ہے اور بندے کو رزق کی کتنی مقدار پر توکل ضروری ہے؟

جواب: اس سوال کے جواب سے پہلے چار چیزوں کا سمجھنا ضروری ہے (۱) لفظ توکل کے معنی (۲) لفظ توکل کے استعمال کی جگہیں (۳) توکل کی تعریف (۴) توکل پیدا کرنے اور متوکل بننے کا طریقہ۔

(۱) لفظ توکل: باب تفعل کا مصدر ہے جس کا مادہ وکالت ہے (ضامن ہونا' بھروسہ کرنا' اعتماد کرنا' مطیع وفرمانبردار ہونا) لہٰذا متوکل اسے کہیں گے جو کسی دوسرے پر

بھروسہ کرے اور اسے وکیل کے منزلے میں سمجھے جو اس کی طرف سے اس کے کام سر انجام دے اور جو اس کے معاملات کی درستگی کا ضامن ہو اور جو بلا تکلف اور بغیر کسی اہتمام کے اس کے کام سر انجام دے اور اس کی مشکلات حل کرنے کے لئے کافی ہو یہ لفظ توکل کی تحقیق ہے۔

(۲) لفظ توکل کا استعمال: اس لفظ کا استعمال تین مقام پر ہوتا ہے۔

(۱) قسمت کی جگہ استعمال ہوتا ہے توکل قسمت کی جگہ استعمال کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری قسمت میں جو کچھ لکھ دیا اسی پر اعتماد اور بھروسہ کرنا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ تمہاری قسمت میں لکھ دیا اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہوسکتی اور شرعا اس پر بھروسہ کرنا لازم وضروری ہے۔

(۲) لفظ توکل نصرت (مدد) کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ عزوجل کی مدد واعانت پر اعتماد ویقین کیا جائے اس لئے کہ جب تم اللہ کے دین کی مدد کرو گے اس کی ترویج واشاعت میں کوشش کرو گے تو وہ بھی تمہاری یقینا مدد فرمائے گا چنانچہ ارشاد فرماتا ہے: **فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ** (پ۴ سورۃ آل عمران آیت ۱۵۹) اور جب تم کسی بات کا پکا ارادہ کرو تو اللہ پر بھروسہ کرو۔

دوسری جگہ فرماتا ہے: **يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَ يُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ** (پ۲۶ سورۃ محمد آیت ۷) اے ایمان والو! اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا۔

تیسرے مقام پر ارشاد فرماتا ہے: **وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ** (پ۲۱ سورۃ الروم آیت ۴۷) اور ہمارے ذمۂ کرم پر ہے مسلمانوں کی مدد فرمانا۔ لہٰذا امداد کے معنی میں

بھی اللہ تعالیٰ کے وعدے کی وجہ سے اس پر توکل کرنا واجب وضروری ہے۔

(۳) لفظ توکل کے استعمال کی تیسری جگہ یہ ہے کہ لفظ توکل رزق اور روزانہ کی ضرورت کی جگہ استعمال ہوتا ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ان چیزوں کا ضامن وکفیل ہے تاکہ تمہارا جسم قائم وباقی رہے اور اللہ کی عبادت وبندگی کی طاقت وقوت رہے چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: **وَ مَنۡ یَّتَوَکَّلۡ عَلَی اللّٰہِ فَہُوَ حَسۡبُہٗ** (پ۲۸ سورۃ الطلاق آیت۳) اور جو اللہ پر بھروسہ کرے تو وہ اس کے لئے کافی ہے۔

اور صادق امین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: اگر تم اللہ تعالیٰ پر کما حقہ توکل کرتے تو اللہ تعالیٰ تمہیں پرندوں کی طرح رزق دیتا جو پرندے صبح خالی پیٹ (بھوکے) گھونسلوں سے جاتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر واپس لوٹتے ہیں۔ اور رزق اور حاجت کے سلسلے میں بھی عقلاً اور شرعاً دونوں اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل کرنا بندے کے لئے لازم وضروری ہے اور یہی یعنی رزق اور حاجت کے مقام پر لفظ توکل کا استعمال کرنا زیادہ مشہور اور بلیغ ہے جو اس توکل کی بحث کا اصل مقصود ہے ثابت ہوا کہ توکل ہی رزق ہے اور رزق سے مراد وہی ہے جو علمائے کرام نے بیان فرمایا لیکن رزق کے متعلق اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے کا صحیح مفہوم اسی وقت واضح ہوگا جب رزق کی تمام قسمیں بیان کردی جائیں۔ جان لو کہ رزق کی چار قسمیں ہیں (۱) رزق مضمون (۲) رزق مقسوم (۳) رزق مملوک (۴) رزق موعود۔

(۱) رزق مضمون: وہ غذا اور وہ چیزیں جس سے انسان کے جسم کی بنیاد اور قوام قائم وباقی رہے رزق مضمون سے تمام دنیاوی اسباب مراد نہیں ہیں اور اس رزق کا ذمہ خود اللہ تبارک وتعالیٰ نے لیا ہے اور یہ توکل عقلاً وشرعاً واجب ہے اس لئے کہ جب اللہ تعالیٰ

نے ہمیں اپنی عبادت و بندگی کا مکلف بنایا ہے تو ضرور وہ ہمارے بدنوں اور جسموں کا کفیل وضامن بھی ہوگا تا کہ ہم اس کی عبادت و بندگی کر سکیں اور بعض مشائخ کرامیہ (کرامیہ ایک فرقہ ہے جو اللہ کو مخلوقات سے تشبیہ دیتے ہیں) نے اپنے مسلک کے مطابق توکل کے متعلق بڑی اچھی بات کہی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بندوں کے رزق کا ضامن ہونا حکمت الٰہیہ میں تین وجہوں سے واجب ہے۔

پہلی وجہ: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارا آقا و مولیٰ ہے اور ہم اس کے غلام ہیں تو جس طرح غلاموں پر اپنے آقا کی خدمت و اطاعت واجب و لازم ہے اسی طرح آقا پر اپنے غلاموں کی کفالت اور دیگر ضروریات پورا کرنا واجب ہے۔

دوسری وجہ: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو رزق کا محتاج پیدا فرمایا ہے لیکن ان کے لئے روزی اور معاش تلاش کرنے کا کوئی یقینی ذریعہ متعین نہ فرمایا اس لئے کہ بندوں کو یہ معلوم نہیں ہے کہ ان کا رزق کیا ہے اور کہاں ہے اور کب ملے گا تا کہ بندے اس معین طریقہ پر معین جگہ سے حاصل کر لیں اور وقت پر وہاں پہنچ جائیں اس لئے اللہ تعالیٰ پر واجب ہے کہ وہ اپنے ان بندوں کے رزق کا کفیل ہو اور ان کے لئے رزق فراہم فرمائے۔

تیسری وجہ: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اپنی عبادت و طاعت کا حکم فرماتا ہے تو اگر وہ رزق کی تلاش و جستجو میں رہیں گے تو وہ اللہ کی عبادت کے لئے فارغ نہ رہ سکیں گے اس وجہ سے بھی اللہ تعالیٰ ان کے رزق کا کفیل ہے تا کہ وہ رزق سے بے نیاز ہو کر اللہ کی عبادت و بندگی کر سکیں۔ لیکن کرامیہ فرقہ کا یہ مسلک درست نہیں اس لئے کہ اس کا یہ کہنا کہ بندوں کا رزق اللہ تعالیٰ پر واجب ہے اور اس طرح کی لایعنی گفتگو کرنا اسرار

ربوبیت سے نابلد ہونے اور عدم واقفیت کی روشن دلیل ہے اور ہم نے اس قسم کی فاسد وبیہودہ گفتگو اور ایسے مذہب کی علم کلام کی کتابوں میں نہایت مدلل طریقہ سے تردید کردی ہے جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا کہ رزق کی چار قسمیں ہیں یہ پہلی قسم (رزق مضمون کی مختصر تشریح تھی) لہذا اب ہم پھر اپنے اصل مقصود کی طرف واپس چلتے ہیں۔

(۲) رزق مقسوم: رزق کی دوسری قسم مقسوم ہے اس سے مراد وہ رزق ہے جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے بندوں کی قسمت میں مقرر فرمادیا ہے اور لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے کہ بندہ یہ کھائے گا یہ پیئے گا اور یہ پہنے گا اس رزق مقسوم میں سے ہر ایک کی مقدار اور وقت معین فرمادیا ہے اس میں کمی بیشی نہیں ہوسکتی اور نہ ہی اس میں تقدیم وتاخیر ہوسکتی ہے چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بندوں کا رزق تو روز ازل سے تقسیم کردیا گیا ہے اور قلم اسے لکھ کر فارغ بھی ہوچکا ہے اب کسی متقی وپرہیزگار کی پرہیزگاری اسے زیادہ نہیں کرسکتی اور نہ کسی فاسق وفاجر کے فسق وفجور سے وہ کم ہوسکتا ہے۔

(۳) رزق مملوک: رزق کی تیسری قسم مملوک ہے اس سے مراد وہ مال واسباب ہے جس کا ہر ایک بندہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کے مقدر فرمانے سے مالک ہوتا ہے اور وہ اس کے قبضہ میں ہوتا ہے اور یہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کا عطا کیا ہوا رزق ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اَنۡفِقُوۡا مِمَّا رَزَقۡنٰكُمۡ (پ۲ سورۃ البقرۃ آیت ۲۵۴) اور ہمارے دیئے ہوئے رزق سے اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔

اس آیت کریمہ میں مما رزقنٰکم کے معنی مما ملکنٰکم کے ہیں یعنی ہم نے جن چیزوں کا تمہیں مالک بنادیا ہے۔

(۴) رزق موعود: رزق کی چوتھی قسم موعود ہے اس کا مطلب وہ رزق حلال ہے جس کا

اللہ تعالیٰ نے اپنے پرہیز گار بندوں سے تقویٰ کی شرط کے ساتھ وعدہ فرمایا ہے جو انہیں اللہ تعالیٰ بغیر محنت ومشقت کے عطا فرمائے گا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مَخْرَجًا o وَّ یَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ ط (پ۲۸ سورۃ الطلاق آیت ۲،۳) جو اللہ سے ڈرے (اس کا حکم بجالائے اور منہیات سے بچے) تو اللہ تعالیٰ اسکے لئے نجات کی راہ نکال دے گا اور اسے وہاں سے رزق عطا فرمائیگا جہاں سے اس کا وہم وگمان بھی نہیں ہوگا۔

یہ رزق کی چار اقسام ہیں جن میں سے پہلی قسم میں توکل واجب ہے۔

(۳) توکل کی تعریف: توکل کی تعریف میں مشائخ کا اختلاف ہے (ا) بعض مشائخ کہتے ہیں کہ صرف اللہ ہی پر بھروسہ کرنے اور مخلوق سے ہر قسم کی امیدیں ختم کرنے کو توکل کہتے ہیں۔

(۲) بعض مشائخ فرماتے ہیں مصلحت کے پیش نظر ساری کائنات سے تعلق ختم کر کے دل کو صرف اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں دینے کو توکل کہتے ہیں۔

(۳) امام ابو عمر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہر چیز سے تعلق چھوڑ کر صرف اللہ سے تعلق رکھنے کو توکل کہتے ہیں یعنی بندہ اپنے بدن کے قوام اور اس کی تنگی وتکلیف کا اللہ کے سوا کسی سے ذکر تک نہ کرے۔

(۴) میرے شیخ حضرت امام ابو بکر وراق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ توکل اور تعلق دو قسم کے ذکر ہیں۔

توکل: اپنے جسم کے قوام اور تنگی وتکلیف کا ذکر صرف اللہ تعالیٰ سے کرنے کو توکل کہتے ہیں۔

تعلق: اپنے بدن کی تکلیف اللہ تعالیٰ کے سوا غیر سے ذکر کرنے کو تعلق کہتے ہیں۔
لیکن میرے (امام غزالی کے) نزدیک تمام مشائخ کے اقوال ایک اصول پر مبنی ہیں اور وہ یہ ہے کہ تمہیں اس بات کا یقین ہو جائے کہ تمہارے جسم اور ڈھانچے کا باقی رہنا اور تمہاری ہر ضرورت کا پورا ہونا اور تنگی و تکلیف کا دور ہونا صرف اللہ تعالیٰ کی اعانت و مدد سے ہے نہ کہ کسی اور دوسرے کی مدد سے اور نہ ہی دنیا کے مال و دولت سے اور نہ ہی کسی اور سبب سے پھر اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اس کے لیے کسی مخلوق یا مال و دولت کو وسیلہ بنادے اور اگر وہ چاہے تو بغیر کسی ظاہری اسباب و وسائل کے اور بغیر کسی مخلوق کے سہارے کے اسے زندہ رکھے کہ وہ اسباب و ذرائع کا محتاج نہیں اسی کو توکل کہتے ہیں اور جب تم ان باتوں کو اپنے دل میں بیٹھا لو اور اس پر تم مطمئن و ثابت قدم ہو جاؤ اور تمہارا دل مخلوق اور دنیا کے اسباب سے بے نیاز ہو کر صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جائے تو سمجھ لو کہ تمہیں کما حقہ توکل حاصل ہو گیا اور تم متوکل کہلاؤ گے یہ توکل کی تعریف ہے۔

(۴) توکل پیدا کرنے اور متوکل بننے کا طریقہ: اپنے اندر توکل پیدا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ بندہ رزق اور دوسری تمام ضرورتوں کا اللہ تعالیٰ کو ضامن و کفیل جانے اور توکل کی جڑ اور بنیاد یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال اور اس کے کمال علم اور اس کی کامل قدرت کا یقین رکھے اور اللہ تعالیٰ کو وعدہ خلافی اور بھول عجز اور ہر قسم کے عیب و نقص سے پاک و منزہ ہونے کا یقین رکھے جب بندہ ان ذکر کی ہوئی باتوں پر ہمیشہ قائم رہے گا تو یقینا اسے رزق کے معاملے میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات پر توکل کی سعادت حاصل ہو جائے گی۔

سوال: کیا بندے کو ہر حال میں رزق طلب کرنا لازم وضروری ہے یا نہیں؟
جواب: رزق مضمون جو جسم کو باقی رکھتا ہے اسے بندہ حاصل نہیں کرسکتا اس لئے کہ وہ بندہ کے جسم کو باقی رکھنے کے لئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فعل ہے جس طرح کہ موت اور زندگی عطا فرمانا اللہ تعالیٰ کے کاموں میں سے ہے اور ظاہر ہے کہ بندہ ان کاموں (رزق مضمون، زندگی اور موت کے حاصل کرنے اور انہیں ختم کرنے) کے کرنے کی قدرت نہیں رکھتا۔ لیکن رزق مقسوم کا حاصل کرنا بھی بندے پر لازم نہیں اس لئے کہ بندے کو رزق مقسوم کے طلب کی ضرورت ہی نہیں کہ مقسوم رزق مضمون کا محتاج ہے اور رزق مضمون کا ضامن وکفیل خود اللہ تعالیٰ ہے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: وَ ابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ (پ۲۸ سورۃ الجمعۃ آیت ۱۰) اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔ سے رزق طلب کرنا مراد نہیں ہے بلکہ علم اور ثواب طلب کرنا مراد ہے اور کہا گیا ہے کہ بلکہ اس آیت میں رخصت مراد ہے اس لئے کہ یہاں امر حظر (ممانعت) کے بعد وارد ہے اور جہاں ممانعت کے بعد امر واقع ہوتا ہے وہاں امر سے اباحت مراد ہوتی ہے وجوب اور لزوم کے معنی مراد نہ ہوں گے۔
سوال: اگر یہ کہا جائے کہ رزق مضمون اسباب کے ساتھ وابستہ ہے تو کیا اس صورت میں بھی ہم پر اسباب وذرائع کی تلاش لازم ہے یا نہیں؟
جواب: اسباب کی طلب وجستجو بھی ضروری نہیں ہے اس لئے کہ جب اللہ تعالیٰ رزق مقرر کسی سبب کے ساتھ یا بغیر کسی سبب کے عطا فرمانے پر قادر ہے تو بندہ کو اسباب کے تلاش کی ضرورت نہیں اور ہم کو اسباب تلاش کرنے کی کیوں کر ضرورت پیش آئے گی پھر اللہ تعالیٰ بغیر طلب اور کسب کی شرط کے رزق عطا فرمانے کا ضامن ہے یعنی یہ نہ

فرمایا کہ ہم نفس رزق کے ضامن (ذمہ دار) ہیں اور رزق کے اسباب وذرائع کے ذمہ دار خود بندے ہیں چنانچہ ارشاد فرماتا ہے: وَمَا مِنۡ دَآبَّةٍ فِي الۡاَرۡضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزۡقُهَا (پ۱۲ سورۃ ھود آیت۶) اور زمین پر چلنے والا کوئی ایسا نہیں جس کا رزق اللہ کے ذمۂ کرم پر نہ ہو۔ پھر یہ کہ بندہ وہ چیز کیسے تلاش کرسکتا ہے جس کی جگہ کا اسے پتہ ہی نہ معلوم ہو اور اللہ تعالیٰ کو ایسی بات کا حکم دینا کیسے صحیح ہوسکتا ہے اس لئے کہ بندہ یقین کے ساتھ یہ نہیں جانتا کہ کونسے ذریعہ سے رزق حاصل ہوگا اور فلاں چیز ہی میری غذا ہے اور فلاں چیز ہی سے میری نشو ونما ہے ہم میں سے کسی کو یقینی طور پر یہ نہیں معلوم کہ میرا رزق فلاں ذریعہ اور فلاں جگہ سے حاصل ہوگا لہذا اسباب وذرائع طلب کرنے کے لئے کسی کو مجبور کرنا درست نہیں۔ پھر اس سلسلے میں تمہارے اطمینان کے لئے یہی کافی ہے کہ حضرات انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام اور اولیائے عظام رحمہم اللہ تعالیٰ اکثر وبیشتر رزق کے معاملے میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے تھے اور بہت کم رزق کی تلاش میں ہوتے تھے بلکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے فارغ ہوتے تھے اور اس بات پر سب کا اتفاق واجماع ہے کہ انبیائے کرام واولیائے عظام نے طلب رزق چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کی نافرمانی نہ کی اور نہ ہی اللہ کے کسی حکم کو چھوڑا تو اس سے ثابت ہوگیا کہ رزق اور اسباب رزق کی تلاش بندوں پر لازم وضروری نہیں ہے۔

سوال: کیا رزق تلاش کرنے اور تلاش نہ کرنے سے کم زیادہ ہوتا ہے؟

جواب: ہرگز نہیں اس لئے کہ لوح محفوظ میں رزق کی مقدار اور اس کا وقت معین لکھا ہوا ہے اور اللہ کے حکم میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی اور نہ اس کی تقسیم اور اس کے لکھے ہوئے میں کوئی تغیر ہوسکتا ہے اور یہی ہمارے علمائے کرام (اہلسنّت) رضی اللہ عنہم کے نزدیک

صحیح ہے حاتم بن علوان اصم اور ابو علی شقیق بن ابراہیم بلخی کے بعض پیروکار اسکے خلاف ہیں وہ کہتے ہیں کہ رزق تلاش کرنے اور تلاش نہ کرنے سے زیادہ اور کم نہیں ہوسکتا لیکن مال تلاش کرنے نہ کرنے سے زیادہ یا کم ہوسکتا ہے اور یہ غلط و فاسد ہے جس طرح رزق کی کمی بیشی نہیں ہوسکتی اسی طرح مال میں بھی زیادتی و کمی نہیں ہوسکتی اس لئے کہ ان دونوں صورتوں کی دلیل ایک ہی ہے یعنی جو لوح محفوظ میں مکتوب و مقسوم ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ اس بات کی طرف اپنے اس فرمان سے اشارہ فرماتا ہے: لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰكُمْ (پ۲۷ سورۃ الحدید آیت ۲۳) تاکہ تم غم نہ کھاؤ اس پر جو تمہارے ہاتھ سے جائے اور خوش نہ ہو اس پر جو تم کو دیا۔

اور اگر رزق تلاش کرنے سے رزق میں زیادتی ہوتی اور تلاش نہ کرنے سے رزق میں کمی ہوتی تو یہ یقیناً غمی اور خوشی کا مقام ہوتا اس لئے کہ سستی و کوتاہی اور لاپرواہی سے جب کوئی چیز ضائع ہوجائے تو اس پر آدمی غمگین ہوتا ہے اور جب کوشش کرنے سے کوئی چیز حاصل ہوتی ہے تو اس پر آدمی خوشی محسوس کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک سائل سے فرمایا: سنو! اگر تم اس کھجور کی کوشش نہ کرتے جب بھی وہ تمہیں مل جاتی (رواہ ابن حبان، طبرانی عن ھذیل و ابن عمر)

سوال: ثواب اور عذاب بھی تو رزق کی طرح لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے پھر بھی ہمیں طلب ثواب کا حکم ہے اور جو چیزیں باعث عذاب ہیں انہیں چھوڑنے اور اس سے بچنے کا حکم ہے تو کیا ثواب طلب کرنے نہ کرنے سے زیادہ کم ہوسکتا ہے اور اسی طرح جو چیزیں باعث عذاب ہیں ان سے بچنا عذاب میں کمی کا سبب ہے یا نہیں؟

جواب: جان لو کہ ثواب کا طلب کرنا واجب و ضروری ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ثواب طلب کرنے کا حکم قطعی اور یقینی طور پر دیا ہے اور اس کے چھوڑنے پر عذاب

کا ڈر سنایا ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ ذمہ نہیں لیا کہ ہم نیک اعمال نہ کریں جب بھی وہ ہمیں اچھا اجر عطا فرمائے اور ثواب وعذاب کی زیادتی وکمی کا دارومدار بندے کے فعل پر ہے۔

رزق وثواب کے درمیان فرق: رزق اور ثواب وعذاب کے درمیان فرق جو علماء نے بیان فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ لوح محفوظ میں جو چیزیں لکھی ہوئی ہیں وہ دو قسم کی ہیں۔

{۱} پہلی قسم یہ ہے کہ وہ امور ہیں جن کے متعلق بغیر کسی شرط وتعلیق کے ایک قطعی فیصلہ لکھا ہوا ہے اور وہ رزق اور موت ہے یعنی رزق اور موت کا فیصلہ لوح محفوظ میں بغیر کسی شرط کے لکھا ہوا ہے کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں موت اور رزق کو غیر مشروط طور پر بیان فرمایا ہے رزق کے بارے میں فرماتا ہے: وَمَآ مِنۡ دَآبَّۃٍ فِی الۡاَرۡضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزۡقُہَا (پ۱۲ سورۃ ھود آیت۶) اور زمین پر چلنے والا کوئی ایسا نہیں جس کا رزق اللہ کے ذمۂ کرم پر نہ ہو۔

موت کے متعلق ارشاد فرماتا ہے: فَاِذَا جَآءَ اَجَلُہُمۡ لَا یَسۡتَاۡخِرُوۡنَ سَاعَۃً وَّ لَا یَسۡتَقۡدِمُوۡنَ (پ۸ سورۃ الاعراف آیت۳۴) تو جب ان کا وعدہ (موت) آئے گا تو ایک گھڑی نہ پیچھے ہو نہ آگے۔

اور صاحب شریعت حضور نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ چار چیزوں کا فیصلہ فرما چکا (۱) مخلوق کی شکل وصورت کی پیدائش (۲) اس کی عادت واطوار (۳) رزق (۴) اور اس کی موت۔

{۲} دوسری قسم میں وہ امور ہیں جو لوح محفوظ میں بندوں کے افعال کے ساتھ معلق ومشروط ہیں وہ ثواب وعذاب ہے یعنی ثواب وعذاب کا فیصلہ لوح محفوظ میں

بندوں کے افعال کے ساتھ معلق ومشروط ہے لہٰذا اگر بندہ نیکی کرے گا تو ثواب پائے گا اور گناہ کرے گا تو عذاب کا مستحق ہوگا کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے ثواب وعذاب کا تذکرہ قرآن کریم میں بندے کے فعل کے ساتھ معلق فرمایا ہے چنانچہ ارشاد فرماتا ہے: وَ لَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَ لَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ (پ۶ سورۃ المائدۃ آیت۶۵) اور اگر کتاب والے ایمان لاتے اور پرہیزگاری کرتے تو ضرور ہم ان کے گناہ معاف فرما دیتے اور ضرور انہیں چین وسکون کے باغ میں داخل کرتے۔

یہ جواب بالکل واضح ہے تو اسے اچھی طرح سمجھ لو۔

سوال: ہم روزی طلب کرنے والوں کو دیکھتے ہیں کہ ان کے پاس رزق اور مال بہت وافر مقدار میں ہوتا ہے اور کوشش ومحنت نہ کرنے والوں کے پاس کچھ نہیں ہوتا اور وہ محتاج ہوتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: گویا کہ تم نے نہیں دیکھا حالانکہ بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ تلاش وجستجو کے باوجود محروم ومحتاج ہوتے ہیں اور بعض تلاش وجستجو نہ کرنے والے رزق اور دولت سے مالا مال ہیں ہاں اکثر وبیشتر ایسا ہوتا ہے کہ کوشش اور تلاش کرنے والے فقیر ومحتاج نہیں ہوتے اور کوشش نہ کرنے والے مفلس وغریب ہوتے ہیں اور یہ اس لئے ہے تا کہ تم جان لو کہ حکمت والے بادشاہ کی تدبیر اور جاننے والے غالب کی تقدیر اسی طرح ہے۔

حضرت ابوبکر محمد بن سابق صقلی شام کے واعظ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ اشعار پڑھے

كَمْ مِنْ قَوِيٍّ قَوِيٍّ فِي تَقَلُّبِهِ

مُهَذَّبِ الرَّاىِ عَنْهُ الرِّزْقُ مُنْحَرِفُ

بہت سے قوی لوگ تدبیر میں پختہ اور چالاک ہوتے ہیں۔لیکن رزق سے محروم ہوتے ہیں۔

وَ كَمْ ضَعِيْفٍ ضَعِيْفٍ فِى تَقَلُّبِهِ
كَاَنَّهُ مِنْ خَلِيْجِ الْبَحْرِ يَغْتَرِفُ

اور بہت سے کمزور لوگ تدبیر میں ناقص ہوتے ہیں لیکن ان کے پاس مال و دولت کا انبار اس طرح لگا رہتا جیسے وہ سمندر کی تہ سے دونوں ہاتھوں سے ہیرے جواہرات نکال رہے ہیں۔

هٰذَا دَلِيْلٌ عَلٰى اَنَّ الْاِلٰهَ لَهُ
فِى الْخَلْقِ سِرٌّ خَفِىٌّ لَيْسَ يَنْكَشِفُ

یہ اس بات کی روشن دلیل ہے کہ رزق کے متعلق مخلوق میں معبود حقیقی کے اسرار پنہاں و پوشیدہ ہیں جسے انسان سمجھنے سے قاصر ہے۔

سوال: کیا کسی جنگل میں بغیر زادراہ جانا درست ہے یا نہیں؟

جواب: جان لو کہ اگر تمہارا دل اللہ تعالیٰ کی ذات پر کامل بھروسہ رکھتا ہو اور اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر پورا یقین ہو تو بغیر زادِراہ جانا درست ہے ورنہ عام لوگوں کی طرح تم بھی زاد راہ لے کر جاؤ۔ اور میں نے حضرت امام الحرمین ابو المعالی عبد الملک بن ابو محمد عبد اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سنا ہے وہ فرماتے تھے جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ لوگوں کی عادت و دستور کے مطابق پیش آئے تو مشقتوں کی کفایت میں اللہ تعالیٰ بھی اس کے ساتھ اسی طرح پیش آئے گا جس طرح لوگ اس کے ساتھ پیش آتے ہیں (امام غزالی

فرماتے ہیں) امام ابوالمعالی کا یہ کلام بہت ہی عمدہ ہے اور اس میں غور و فکر کرنے والے کے لئے بے شمار فوائد پنہاں ہیں۔

سوال: تمہارا یہ کہنا کہ صرف اللہ کی ذات پر بھروسہ و توکل کر کے بغیر زادِ راہ سفر کرنا چاہئے درست نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: **وَ تَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى** (پ۲ سورۃ البقرۃ آیت۱۹۷) اور توشہ ساتھ لو کہ سب سے بہتر توشہ تقویٰ و پرہیزگاری ہے۔

جواب: جان لو کہ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں علماء و مفسرین کے دو اقوال ہیں۔

(۱) اس آیت میں زاد سے مراد زادِ آخرت ہے اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: **فان خير الزاد التقوىٰ** بہترین توشہ تقویٰ و پرہیزگاری ہے۔ دنیا کے ساز و سامان اور اس کے اسباب کا تذکرہ نہیں فرمایا۔

(۲) اس آیت کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ بعض لوگ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں بغیر سفر خرچ کے حج کے لئے روانہ ہوتے تھے بلکہ لوگوں پر بھروسہ کرتے تھے اور راستہ میں لوگوں سے مانگتے تھے اور لوگوں سے شکایت کرتے لوگوں کو تنگ کرتے اور لوگوں سے زبردستی مانگتے تھے تو ایسوں کو زادِ راہ کے ساتھ حج کو جانے کا حکم دیا گیا اور انہیں تنبیہ کی گئی کہ اپنے کمائے ہوئے مال سے حج کے لئے توشہ لے جانا لوگوں کے مال لینے اور لوگوں پر بھروسہ کرنے سے بہتر ہے کہ لوگوں سے حج کا ذکر کر کے مانگنے میں ذلت و خواری ہے اور ایسے حج کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

سوال: کیا متوکل کو اپنے ساتھ سفر میں زادِ راہ لے جانا چاہئے یا نہیں؟

جواب: کبھی کبھی متوکل بھی زادِ سفر اپنے ساتھ لے کر جاتا ہے مگر اس کا دل اس پر

محکم و مضبوط نہیں ہوتا کہ یہی میرا رزق ہے اور سفر میں اسی پر بھروسہ و دار و مدار ہے بلکہ اس کا دل اللہ تعالیٰ کے ساتھ محکم ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر کامل بھروسہ ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ میرا رزق روز ازل سے میرے حصہ میں لکھا جاچکا ہے اور فرشتے میرے حصہ کا رزق لکھ کر فارغ ہو چکے ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اس رزق کے ذریعہ میرے بدن کو قائم رکھے یا سفر میں کوئی اور ذریعہ پیدا فرمادے اور متوکل کبھی کبھار زادسفر اپنے ساتھ اس لئے لے جاتا ہے کہ اس سے کسی مسلمان کی اعانت کرے گا یا کسی اور کو فائدہ پہنچائے گا لیکن زادسفر لے جانے اور نہ لے جانے میں اصل دل کی حالت ہے تمہارے دل میں ہمیشہ یہ ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر حال میں رزق دینے کا وعدہ فرمایا اور وہ ہمارا بہترین کفیل وضامن ہے اس لئے کہ بہت سے ایسے ہوتے ہیں کہ زادراہ اپنے ساتھ لے جاتے ہیں مگر ان کا دل اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسہ رکھتا ہے نہ کہ اس زادِراہ پر اور بہت سے لوگ بظاہر زادراہ لے کر نہیں جاتے مگر ان کا دل اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اسی میں مبتلا رہتا ہے اللہ تعالیٰ پر بالکل ہی بھروسہ نہیں ہوتا لہٰذا ثابت ہوا کہ زادسفر لے جانے یا نہ لے جانے کا دار و مدار اور اصل دل کی حالت پر ہے یہ اصول اچھی طرح ذہن نشین کرلو ان شاء اللہ تعالیٰ بہت مفید ہوگا۔

سوال: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام اور سلف صالحین حضرات ہمیشہ اپنے ساتھ زادراہ لے کر سفر کرتے تھے تو تم کیسے کہتے ہو کہ زادراہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے؟

جواب: ہم نے کب یہ کہا ہے کہ زادراہ ساتھ لے جانا حرام ہے یہ تو یقینا جائز و مباح ہے بلکہ حرام یہ ہے کہ مسافر اپنے اس حقیر ساز و سامان ہی پر بھروسہ کرے اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ نہ کرے پھر تمہارا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں کیا خیال ہے؟ جبکہ اللہ

تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا: وَ تَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ (پ۱۹ سورۃ الفرقان آیت ۵۸) اور بھروسہ کرو اس زندہ پر جو کبھی نہ مرے گا۔

کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھانا پانی یا درھم یا دینار کے ساتھ سفر فرما کر اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی کی؟ ہرگز نہیں حضور سے قطعاً نافرمانی صادر نہیں ہوئی بلکہ یہ سب زادِ راہ ہوتے ہوئے بھی آپ کا قلب مبارک اللہ تعالیٰ کی ذات سے وابستہ رہا اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہی توکل و بھروسہ تھا جیسا کہ ان کے پروردگار نے انہیں حکم فرمایا تھا اس لئے کہ آپ ہی کی وہ بے مثل ذات ہے جس نے دنیا کے اسباب کی طرف قطعاً توجہ نہیں فرمائی اور جب آپ کو تمام روئے زمین کے خزانوں کی کنجیاں پیش کی گئیں تو آپ نے اپنا ہاتھ مبارک کنجیوں کی طرف نہ بڑھایا بلکہ اس کی طرف نظر بھی نہ فرمائی (چنانچہ حدیث میں ہے فَوُضِعَتْ بَيْنَ يَدَيَّ یعنی میرے سامنے وہ کنجیاں رکھ دی گئیں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سلف صالحین کا سفر خرچ لے کر چلنا دوسروں کی اعانت و مدد کی نیت سے تھا اس لئے نہیں تھا کہ وہ سفر خرچ ہی پر معاذ اللہ اعتماد و بھروسہ کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ پر کوئی بھروسہ نہیں تھا اس بیان سے بالکل واضح ہو گیا کہ سفر خرچ لے کر چلنے میں اصلاً نیت اور ارادے ہی کا اعتبار ہے اسے اچھی طرح سمجھو اور خوابِ غفلت سے بیدار ہو جاؤ اللہ تعالیٰ تمہیں نیکیوں کی توفیق عطا فرمائے۔

سوال: کیا سفر خرچ لے کر چلنا بہتر ہے یا نہ لے کر چلنا بہتر ہے؟

جواب: سفر خرچ لے کر چلنا یا نہ لے کر چلنا حالات اور اشخاص کے اعتبار سے مختلف ہیں اگر قوم کا مقتدیٰ و پیشوا سفر خرچ اس ارادے سے لے کر چلے کہ لوگوں پر اس کا جائز اور مباح ہونا روشن و واضح ہو جائے یا سفر میں دوسرے مسلمان بھائی کی مدد کرنا

مقصود ہو یا کسی مظلوم و پریشان حال کی اعانت کی نیت ہو یا اس قسم کا کوئی اور نیک ارادہ ہوتو ایسی صورت میں اپنے ساتھ سفر خرچ لے کر چلنا بہتر وافضل ہے اور اگر کوئی اکیلا شخص سفر کرنا چاہے اور اس کا دل اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات پر قوی ومضبوط ہے اور اسے یہ اندیشہ ہے کہ زادسفر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عبادت و بندگی سے غافل کردے گا تو ایسے شخص کو اپنے ساتھ توشہ نہ لے جانا ہی بہتر ہے ان باتوں کو اچھی طرح سمجھ لو اور یاد کرلو کہ تمہاری رہبری کریں گی اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔

دوسرا عارضہ خطرات اور ان کا قصد وارادہ: اس عارضے سے بچنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ تم اپنے سارے معاملات اللہ تعالیٰ کے سپرد کردو اور اپنے معاملات اللہ تعالیٰ کے سپرد وحوالے کرنا دو باتوں کی وجہ سے واجب ہے۔

(۱) پہلی وجہ یہ ہے کہ اسی وقت تمہارے دل کو اطمینان وسکون مل جائے گا اس لئے کہ وہ امور جب اہم و بلند پایہ ہوں اور تم ان کی اچھائی یا برائی سے واقف نہ ہو تو ایسے امور کی فکر میں دل مضطرب اور نفس پریشان ہو جاتا ہے اور تمہیں یہ بھی نہیں معلوم کہ تمہارا یہ کام درست ہوگا یا خراب ہوگا اور جب تم اپنے تمام معاملات اللہ تعالیٰ کے حوالے کردو گے تو تمہیں یقین ہو جائے گا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ یہ امور میرے حق میں بہتر ہی ہوں گے اور اس میں مجھے بھلائی ہی نصیب ہوگی تو تم ہر قسم کے خطرات اور آفتوں اور مخالفتوں سے محفوظ و مامون ہو جاؤ گے اور تمہیں اسی وقت اطمینان قلبی میسر ہو جائے گا اور یہ امن وسکون اور دل کا اطمینان بہت بڑی نعمت ہے چنانچہ ہمارے شیخ حضرت ابوبکر وراق اکثر و بیشتر اپنی مجلسوں میں فرمایا کرتے تھے اپنی تمام تدبیریں اس ذات کے سپرد کردو جس نے تمہیں پیدا فرمایا ہے تو تم راحت پا جاؤ گے اور ہمارے

شیخ نے اسی کے متعلق یہ چند اشعار بھی کہے۔

اِنَّ مَنْ کَانَ لَیْسَ یَدْرِیْ أَ فِی
الْمَحْبُوْبِ نَفْعٌ لَهُ اَوِ الْمَکْرُوْهِ

بے شک جو شخص یہ نہ جانتا ہو کہ میرا نفع میری پسندیدہ چیز میں ہے یا میری ناپسندیدہ چیز میں۔

لَحَرِیٌّ بِاَنْ یُفَوِّضَ مَا یَعْجِزُ
عَنْهُ اِلَی الَّذِیْ یَکْفِیْهِ

تو ایسے شخص کو چاہئے کہ اپنے اس کام کو جسے وہ خود کرنے سے عاجز ہے اس ذات کے سپرد کردے جو تمام معاملات میں کافی ہے۔

اَلْاِلٰهَ اَکْبَرِ الَّذِیْ هُوَ بِالرَّافَةِ
اَحْنٰی مِنْ اُمِّهٖ وَ اَبِیْهِ

اللہ تعالیٰ (کے سپرد کردے) جو محسن ہے اور جو ماں باپ سے زیادہ رحیم و شفیق ہے۔

(۲) اپنے معاملات اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ زمانہ آئندہ میں بھی تمہیں صلاح و بھلائی حاصل ہوگی اور یہ اس لئے کہ کام انجام و نتائج کے اعتبار سے مبہم و مخفی ہوتے ہیں کیونکہ بہت سی برائیاں ایسی ہیں جو بظاہر بھلائی معلوم ہوتی ہیں اور اسی طرح بہت سے نقصان دہ امور ایسے ہیں جو بظاہر زیور نفع سے مزین و مرقع دکھائی دیتے ہیں اور اسی طرح بہت سی زہر آلود چیزیں بظاہر شہد معلوم ہوتی ہیں حالانکہ تم ان کے اسرار اور انجام سے بے خبر و ناواقف ہو تو جب تم کسی معاملے کو اپنے عزم و ارادے اور اپنے اختیار سے شروع کرو گے تو بہت جلد ہلاکت اور تباہی و بربادی

میں پڑ جاؤ گے اور تمہیں شعور تک نہیں ہوگا۔

حکایت: روایت ہے کہ ایک عبادت گزار اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا تھا کہ مجھے شیطان دکھا دیا جائے تو اس سے کہا گیا کہ تم شیطان مردود سے اللہ تعالیٰ کی عافیت مانگو مگر وہ اپنے اسی سوال پر ڈٹا رہا تو اللہ تعالیٰ نے ایک دن اس عابد پر شیطان مردود کو ظاہر فرما دیا جب اس عبادت گزار نے اس شیطان کو دیکھا تو اسے مارنا چاہا ابلیس نے کہا اگر تمہیں سو سال تک زندہ نہ رہنا ہوتا تو میں تمہیں اور تمہارے انجام کار سب کو ہلاک کر دیتا تو عابد شیطان کے اس قول سے دھوکہ کھا گیا اور اپنے دل میں کہنے لگا ابھی میری عمر بہت ہے لہٰذا آزادی کے ساتھ جو چاہوں کروں پھر آخر وقت میں توبہ کر لوں گا چنانچہ نتیجہ یہ ہوا کہ عابد فسق و فجور میں مبتلاء ہو گیا اور عبادت الٰہی چھوڑ دی اور ہلاک و برباد ہو گیا۔

اس حکایت میں تمہارے لئے اس بات کی تنبیہ ہے کہ تم اپنے ارادے کی اتباع و پیروی نہ کرو اور اپنے مطلوب کے حصول میں اصرار نہ کرو اور اس بات کی بھی تنبیہ ہے کہ تم لمبی لمبی امیدوں سے گریز کرو اس لئے کہ لمبی لمبی امیدیں کرنا بہت ہی بڑی آفت ہے کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

وَ اِیَّاكَ الْمَطَامِعَ وَ الْاَمَانِیْ
فَکَمْ اُمْنِیَّةٍ جَلَبَتْ مَنِیَّهْ

لالچ کی چیزوں اور لمبی امیدوں سے بچو اس لئے کہ بہت سی امیدیں انسان کو موت کے گھاٹ اتار دیتی ہیں۔

لیکن جب تم اپنے معاملات اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سپرد کر دو گے اور تم اللہ تعالیٰ سے یہ

سوال کرو کہ اے اللہ! میرے حق میں جو بہتر ہو وہ عطا فرمادے تو ان شاء اللہ تعالیٰ تمہیں بھلائی اور درستگی ہی عطا فرمائے گا۔

اللہ تعالیٰ اپنے ایک نیک بندے (حضرت شمعان یا حزقیل یا جبریل علیہ الصلاۃ و السلام) کی ایک حکایت نقل کرتے ہوئے فرماتا ہے: وَ اُفَوِّضُ اَمْرِیْۤ اِلَى اللّٰهِؕ اِنَّ اللّٰهَ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ○ فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا وَ حَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ○ (پ۲۴ سورۃ المؤمن آیت ۴۴۔۴۵) اور میں اپنے کام اللہ کے حوالے کرتا ہوں بے شک اللہ تعالیٰ بندوں کو دیکھتا ہے۔تو اللہ تعالیٰ نے اسے بچالیا ان کے مکر وفریب کی برائیوں سے اور فرعونیوں کو بُرے عذاب نے گھیرلیا۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کتنی وضاحت کے ساتھ بندے کے معاملات اللہ کے سپرد کرنے اور برائیوں سے بچنے اور دشمنوں کے خلاف مدد کرنے اور مقصد میں کامیاب ہونے کا بیان فرمایا۔اس میں خوب اچھی طرح غور وخوض کرو ان شاء اللہ تعالیٰ بھلائی حاصل ہوگی۔

سوال: تفویض کا معنیٰ اور اس کا حکم بیان فرمائیے؟

جواب: یہاں دو فصلیں ہیں جن کے سمجھنے سے بات بالکل واضح ہوجائے گی۔

(۱) تفویض کا مقام اور اس کے احکام

(۲) تفویض کے معنی اور اس کی تعریف اور تفویض کی ضد کا بیان

مقام تفویض: اس کی تفصیل اور وضاحت یہ ہے کہ کام اور مرادیں تین قسم کی ہیں

(۱) پہلا وہ کام ہے جسے تم یقینی طور پر بُرا اور خراب جانتے ہو اور اس کے بُرے ہونے میں ذرہ برابر شک وشبہ کی گنجائش نہیں جیسے جہنم اور عذاب اور افعال میں

جیسے کفر بدعت اور گناہ وغیرہ تو اس قسم کے کاموں کے ارادہ کرنے کی قطعاً اجازت و گنجائش نہیں۔

(۲) دوسرا کام وہ ہے جس کے عمدہ اور بہتر ہونے کا تمہیں کامل یقین ہے جیسے جنت ایمان اور سنت نبویہ وغیرہ ان امور کا ارادہ کرنا لازم اور ضروری ہے ان کاموں میں تفویض (سپرد کرنا) جائز نہیں اور نہ اس کی اجازت و گنجائش ہے اس لئے کہ یہ خطرات سے پاک ہیں اور ان کے بہتر اور عمدہ ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔

(۳) مراد کی تیسری قسم یہ ہے کہ جس کے متعلق تم یقینی طور پر نہیں جانتے کہ یہ تمہارے حق میں اچھی ہے یا خراب فائدہ مند ہے یا نقصان دہ جیسے نوافل اور جائز و مباح امور ان کاموں میں تفویض (سپرد کرنا) جائز ہے ان کاموں کا قطعی اور یقینی طور پر ارادہ کرنا اچھا نہیں بلکہ ایسے کاموں کا ارادہ کرتے وقت ان شاء اللہ ضرور کہہ لیا جائے بغیر ان شاء اللہ کہے ان کاموں کا ارادہ کرنا صحیح نہیں بلکہ بغیر ان شاء اللہ کہے ان کاموں کا ارادہ مذموم ہے جس کی شرعا ممانعت ہے۔ ان کاموں کا ارادہ کرتے وقت ان شاء اللہ کہہ لینا تفویض ہے۔ ان کاموں کا ارادہ کرتے وقت ان شاء اللہ نہ کہنا بدترین طمع ہے جو شرعاً ممنوع ہے خلاصۂ کلام یہ ہے کہ جن امور میں تمہیں خطرہ ہو اور تمہیں اس کے بہتر ہونے کا پکا یقین نہ ہو تو ان امور کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دو۔

تفویض کے معنی: ہمارے مشائخ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے تفویض کے مختلف معانی بیان فرمائے ہیں ہمارے بعض مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ نے تفویض کے یہ معنی بیان فرمائے ہیں کہ ہر وہ کام جس میں خطرہ ہو اس میں اپنے ارادے اور اختیار کو چھوڑ دینا اور مختار کل مدبر کائنات اور مخلوق کی مصلحتوں کو بخوبی جاننے والے کے سپرد کر دینا جس

کی شان لا الٰہ الا اللہ ہے۔

اور حضرت شیخ ابو محمد سجزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تفویض کا یہ معنی بیان کیا ہے کہ خطرہ کے کام میں اپنے اختیار کو چھوڑ دینا اور مختار کل کے سپرد کر دینا تفویض ہے تاکہ وہ تمہارے لئے بھلائی کو پسند فرمائے۔ اور حضرت شیخ ابو عمر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تفویض کے یہ معنی کئے ہیں: تفویض کا معنی لالچ کا چھوڑ دینا ہے اور لالچ ایسی چیز کا ارادہ کرنا ہے جس میں خطرہ ہو۔

ہمارے مشائخ عظام کے نزدیک تفویض کے یہ مختلف معانی تھے جو اوپر بیان کیے گئے لیکن ہمارے نزدیک تفویض کے یہ معنی ہیں: جن کاموں میں تمہیں خطرہ ہو ان میں یہ ارادہ کرلینا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری ان مصلحتوں کی حفاظت فرمائے۔

اور تفویض کی ضد طمع ہے اور طمع کی دو قسم ہے (۱) طمع کی پہلی قسم رجاء (امید) ہے یعنی ایسی چیز کا ارادہ کرنا جس میں کوئی خطرہ نہ ہو یا خطرہ ہو مگر ان شاء اللہ کہہ لیا جائے۔

یہ طمع جو رجاء کے معنی میں ہے اسے ممدوح اور غیر مذموم کہتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ طمع رجاء کے معنی بیان فرماتا ہے: وَالَّذِیْٓ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْٓـَٔتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ (پ۱۹ سورۃ الشعراء آیت ۸۲) اور وہ جس کی مجھے آس لگتی ہے کہ میری خطائیں قیامت کے دن بخش دے گا۔

دوسرے مقام پر فرماتا ہے: اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰیٰنَآ (پ۱۹ سورۃ الشعراء آیت ۵۱) ہمیں طمع ہے کہ ہمارا رب ہماری خطائیں بخش دے۔

طمع کی یہ قسم (طمع ممدوح غیر مذموم) تفویض کے باب میں بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

طمع کی دوسری قسم طمع مذموم ہے جس کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:
اپنے آپ کو طمع سے بچاؤ اس لئے کہ طمع کرنا محتاجی ہے (طبرانی اوسط عن جابر)
حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ نے حضرت خواجہ حسن بصری رضی اللہ عنہ سے فرمایا طمع میں دین کی ہلاکت اور اس کا فساد ہے اور تقویٰ اور ورع دین کی حفاظت کرتا ہے۔
اور ہمارے شیخ حضرت ابو بکر وراق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ طمع مذموم کی دو صورتیں ہیں (۱) ایسی چیز سے دل کا سکون وراحت حاصل کرنا جس کا نفع مشکوک ہو (۲) دوسری صورت یہ ہے کہ خطرے والی چیز کا بغیر ان شاء اللہ کہے ارادہ کرنا۔
طمع مذموم میں جو ارادہ ہوتا ہے وہی تفویض کا مد مقابل اور تفویض کا مخالف ہے اس ارادہ کے علاوہ ارادے کی کوئی قسم تفویض کے مقابل ومخالف نہیں لہٰذا اسے خوب اچھی طرح سمجھ لو۔
ان امور کا بیان جن کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا اور ان کی حفاظت کرنا ضروری ہے۔
(۱) معاملات میں خطرہ
(۲) ہلاکت وبربادی کا امکان
(۳) معاملات میں فساد وخرابی
(۴) انسان کا خطرے کی چیزوں سے محفوظ رہنے سے عاجز ہونا۔
(۵) اپنی جہالت وکمزوری کی وجہ سے خطرے کی چیزوں سے نہ بچ سکنا۔
اگر تم ان دونوں باتوں کو (یعنی خطرے کی چیزوں سے عاجز ہونا اور اپنی جہالت وکمزوری کی وجہ سے خطرے کی چیزوں سے باز نہ رہ سکنا) ذہن میں بیٹھا لو اور ان پر ہمیشگی اختیار کر لو تو تمہارے دل میں خود بخود ارادہ پیدا ہو جائے گا کہ تمہیں کو اپنے

تمام معاملات اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سپرد کر دینا چاہیئے اور حکم کی حفاظت کرنی چاہیئے اور بغیر ان شاء اللہ تعالیٰ کہے ان کاموں کا ارادہ نہیں کرنا چاہیئے اور اگر ان امور میں تمہیں بھلائی اور خیر کا یقین کامل ہو تو بغیر ان شاء اللہ کہے ارادہ کرنے میں کوئی حرج نہیں اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق عطا فرمانے والا ہے۔

سوال: آپ جن خطروں کا بار بار ذکر کرتے ہیں اور اس کی وجہ سے اپنے تمام امور اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا ضروری ہے آخر وہ خطرہ کیا ہے؟

جواب: جان لو کہ خطرے کی دو قسمیں ہیں (۱) شک وشبہ کا خطرہ یعنی یہ معلوم نہیں کہ یہ کام ہوگا بھی یا نہیں، کیا معلوم اس تک تم پہنچ سکو گے یا نہیں اور اس خطرہ شک کے لئے ان شاء اللہ کہنا ضروری ہے تا کہ اسے بھلائی ملے اور اگر ان شاء اللہ نہ کہے گا تو لمبی لمبی امیدوں میں پڑ جائے گا۔

(۲) دوسرا خطرہ فساد ہے تمہیں یہ یقین کے ساتھ معلوم نہیں کہ اس کام میں تمہارے لئے بھلائی و بہتری ہے اس خطرہ کے لئے تفویض یعنی اس کام کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا ضروری ہے۔

پھر خطرہ کی تعریف میں ائمہ کرام رضی اللہ عنہم کے مختلف اقوال ہیں۔

(۱) بعض ائمہ کرام نے خطرہ کی یہ تعریف کی ہے

فعل (کام) میں خطرہ یہ ہے کہ اس کے غیر (نہ کرنے) میں نجات ہو اور اس کے کرنے میں گناہ سرزد ہونے کا امکان ہو۔

خطرے کی اس تعریف کے اعتبار سے ایمان اور طاعت وعبادت پر استقامت اور سنت میں کسی قسم کا کوئی خطرہ واندیشہ نہیں اس لئے کہ بغیر ایمان کے قطعاً نجات ناممکن

ہے اور طاعت و شریعت پر استقامت سے کسی گناہ کا صدور نہیں ہوسکتا لہٰذا ایمان استقامت اور سنت کا ارادہ یقینی طور پر درست ہونا چاہیئے۔

(۲) ہمارے استاد حضرت شیخ ابو اسحاق ابراہیم اسفرائینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فعل (کام) میں خطرہ ہونے کی وضاحت یوں فرمائی ہے۔

خطرہ وہ امر عارض جسے بعض اوقات اصل کام چھوڑ کر کرنا پڑے اور اس وقت اصل کام کے بجائے اس امر عارض کا کرنا زیادہ بہتر ہو۔

خطرہ کی یہ تعریف مباحات (جائز) اور سنن و فرائض سب کو شامل ہے اس کی تفصیل اس مثال سے سمجھو کہ ایک شخص ہے جس کی نماز کا وقت تنگ ہو چکا ہو اور اس نے اسے ادا کرنے کا ارادہ کرلیا ہو پھر عین اسی وقت وہ شخص کہیں جلتی آگ یا دریا میں گر پڑا اور اس سے بچنا ممکن ہے تو ایسی صورت میں نماز میں مشغول ہونے اور نماز کا ارادہ کرنے کے بجائے اپنے آپ کو بچانا ضروری و لازمی اور بہتر ہے اس تعریف کی رو سے اس وقت مباحات اور نوافل و سنت اور بہت سے فرائض کا ارادہ کرنا قطعاً درست نہیں بلکہ ان شاء اللہ کہہ لینا چاہیئے۔

سوال: یہ کیسے درست ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر کوئی کام فرض فرمائے اور اس کے چھوڑنے پر وعید فرمائے اور پھر بھی بندے کے لئے اس کام میں بھلائی و بہتری نہ ہو؟

جواب: ہمارے شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بندہ پر جس چیز کا حکم فرماتا ہے تو اس میں بندہ کے لئے ضرور بھلائی و بہتری ہوتی ہے جبکہ وہ عوارض اور رکاوٹوں سے خالی ہو اور جب اللہ تعالیٰ بندہ پر کوئی کام فرض فرماتا ہے تو اس میں اس

طرح تنگی نہیں فرماتا کہ بندہ اس کام سے کسی اور طرف عدول نہ کر سکے اور بندہ کے لئے اس فعل میں یقینا بھلائی اور بہتری ہوتی ہے بعض دفعہ اللہ تعالیٰ اس فرض کام سے عدول کے اسباب اور عذر پیدا فرما دیتا ہے پھر اس عذر کی وجہ سے ایک حکم کو چھوڑ کر دوسرے حکم کو اختیار کرنا بہتر اور اولیٰ ہو جاتا ہے جیسا کہ ہم نے پہلے (خطرے کے بیان میں) بیان کیا تو ایسے اسباب و عذر پیش آنے کی صورت میں بندہ (فرض چھوڑنے پر) معذور سمجھا جائے گا بلکہ اس صورت میں اس سے زیادہ اجر وثواب کا مستحق ہوگا اور یہ اجر وثواب فرض چھوڑنے کی وجہ سے نہیں بلکہ دوسرا فرض ادا کرنے کی وجہ سے ملے گا جو پہلے فرض سے اولیٰ و بہتر ہے۔

اور میں نے امام الحرمین حضرت ابوالمعالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو فرماتے سنا ہے کہ تمام وہ امور جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر فرض فرمائے ہیں مثلاً نماز، روزہ اور حج وغیرہ ان امور میں یقینا بندوں کے لئے بھلائی و بہتری ہے کیونکہ ان امور کی بجا آوری کے وقت ان شاءاللہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ ان امور کا یقینی اور قطعی ارادہ کرنا چاہئے اور حضرت امام الحرمین ابوالمعالی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ اس پر تمام مشائخ کرام کا اتفاق ہے اس تفصیل سے واضح ہو گیا کہ فرائض اور واجبات خطرہ کے حکم سے خارج ہیں تو اب صرف مباحات اور نوافل تفویض کے حکم میں رہ جاتے ہیں لہٰذا ان امور کو اچھی طرح سمجھ لو کیونکہ یہ مشکل ترین بحثوں میں سے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق عطا فرمانے والا ہے۔

سوال: کیا اپنے تمام کاموں کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنے والا ہلاکت وفساد وغیرہ سے محفوظ و مامون ہوتا ہے یا نہیں حالانکہ دنیا تو مصیبتوں اور آفتوں کا مسکن ہے؟

جواب: اکثر و بیشتر اپنے امور اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنے والا ایسی بلاؤں سے محفوظ رہتا ہے اور بھلائی و خیر ہی کا کام کرتا ہے شاذ و نادر بہت کم کبھی کبھار ہی بھلائی کا کام نہیں کرتا ہے اسی وجہ سے بعض اوقات وہ شرمندہ و پشیماں ہوتا ہے اور تفویض کے مرتبہ و مقام سے گر جاتا ہے اور اس شرمندگی اور تفویض کے مرتبہ سے گر جانے میں بندے کے لئے کوئی بھلائی و بہتری نہیں ہے۔

اور یہی بات حضرت شیخ ابو عمر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی فرمائی اور کہا گیا ہے کہ تفویض کرنے والا شخص اپنے ان امور میں جو اس نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سپرد کیے ہیں خیر ہی پاتا ہے اور ذلت و رسوائی اور تفویض کے بلند مرتبہ سے گرنا' ان امور میں ہوتا ہے جن میں تفویض نہیں پائی جاتی کیونکہ جن امور میں تفویض نہیں ہوتی ان کے فساد میں کسی قسم کا شبہ و شائبہ بھی نہیں ہوتا اور تفویض ان امور میں ہوتی ہے جن کی درستگی اور فساد میں شک و شبہ ہو اور یہ ہمارے شیخ ابوبکر وراق علیہ الرحمہ کے نزدیک دونوں قول میں سے زیادہ پسندیدہ و بہتر قول ہے اس لئے کہ اگر تفویض کرنے سے ہلاکت اور فساد و خرابی سے محفوظ رہنے کی امید نہ ہو تو تفویض (اپنے امور کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنے) کا فائدہ ہی کیا ہے۔

سوال: کیا اللہ تعالیٰ پر مفوض (اپنے امور اللہ کے حوالے کرنے والے) کے لئے افضل اور بہتر چیز ہی مہیا کرنا واجب ہے؟

جواب: جان لو کہ اللہ تعالیٰ کے ذمہ کسی چیز کا واجب کرنا باطل و محال ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ پر بندوں کے لئے کوئی چیز واجب نہیں اور بعض اوقات اللہ تعالیٰ اپنی حکمت عملی سے بندے کے حق میں ایسی چیز مقدر فرما دیتا ہے جو حقیقت میں بندے کے لئے بہتر اور

عمدہ ہوتی ہے مگر ظاہری طور پر وہ چیز بندے کی نظر میں بہتر و افضل نہیں ہوتی۔

مثال: کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے لیلۃ التعریس میں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے دن چڑھ آنے تک نیند مقدر فرمادی یہاں تک کہ آپ کی اور آپ کے صحابہ کی تہجد اور فجر کی نماز قضاء ہوگئی حالانکہ نماز کی ادائیگی نیند سے افضل و بہتر ہے اسی طرح بسا اوقات اللہ تعالیٰ بندے کے لئے دنیا کی مالداری اور نعمتوں کا فیصلہ فرمادیتا ہے حالانکہ ظاہری طور پر اس کے حق میں فقر افضل ہوتا ہے اسی طرح بعض دفعہ اللہ تعالیٰ بندے کے حق میں بیویاں اور اولاد مقدر فرمادیتا ہے حالانکہ ظاہری طور پر اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی عبادت اور ذکر و اذکار زیادہ بہتر ہوتا ہے بے شک اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے بندوں کے احوال کو جانتا دیکھتا ہے۔

بندے کے حق میں حقیقتاً بہتر مقدر ہونے کی مثال یہ ہے کہ ایک ماہر اور خیر خواہ ڈاکٹر مریض کے لئے جو کا پانی تجویز کرتا ہے اگرچہ گنے کا رس اس کے لئے بہتر اور عمدہ ہوتا ہے لیکن ڈاکٹر جو کا پانی اس بیمار کے لئے اس لئے تجویز کرتا ہے کہ ڈاکٹر کو معلوم ہے کہ مریض کا علاج اور اس کی اصلاح اسی جو کے پانی میں ہے اور بندے کا مقصد بھی ہلاکت سے نجات حاصل کرنا ہے فساد اور ہلاکت کے ساتھ ساتھ شرافت و بزرگی حاصل کرنا مقصود نہیں ہوتا۔

سوال: کیا اپنے معاملات اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنے والا سپرد کرنے کے باوجود بھی مختار ہوتا ہے یا نہیں؟

جواب: اس سلسلے میں ہمارے علمائے حق اہلسنّت و جماعت کے نزدیک حق اور صحیح یہ ہے کہ تفویض (اپنے معاملات سپرد کرنے) سے اس کا اختیار باطل و زائل نہیں ہوتا بلکہ

اس کا اختیار باقی رہتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب بندے کو مفضول اور افضل چیز میں بھلائی و بہتری نظر آتی ہے تو مفوض (حوالے کرنے والے) کو اس بات کا ارادہ کرنے کا حق رہتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کرے کہ اے اللہ! میرے لئے افضل واعلیٰ چیز کے حصول کا سبب وذریعہ پیدا فرمادے اور اس کی مثال یوں سمجھو کہ مریض ڈاکٹر سے کہے کہ میرے مرض کی دوا جو کے پانی کے بجائے گنے کا رس تجویز کردی جائے بشرطیکہ میرے مرض کا علاج دونوں میں ہوتا کہ مجھے شرافت و بزرگی اور علاج دونوں حاصل ہوجائیں۔

یہی مثال بندے کی بھی ہے کہ جب بندہ اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہے کہ اے اللہ! میرے لئے اس چیز کا فیصلہ فرمادے جو افضل و بہتر ہو اور جس میں میری بھلائی ہو اس کے لئے سبب وذریعہ بنادے تاکہ مجھے فضیلت و درستگی دونوں حاصل ہوجائیں مگر اس کے لئے شرط یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے بندے کے لئے غیر افضل چیز میں اصلاح و درستگی متعین فرمادی ہے تو بندہ اس پر راضی ہو۔

سوال: بندے کو درست اور صحیح چیز کو چھوڑ کر افضل چیز پسند کرنے کا اختیار کیوں کر حاصل ہوتا ہے؟

جواب: اے میرے عزیز! جان لو کہ افضل اور درست میں فرق یہ ہے کہ بندہ مفضول سے افضل کو پہچانتا ہے لیکن درست وصحیح چیز کو فاسد وخراب چیز سے جدا نہیں کرسکتا اس لئے قطعی طور پر بغیر ان شاء اللہ کہے صحیح چیز کا فیصلہ بھی نہیں کرسکتا پھر افضل چیز کے اختیار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ سے سوال کرے کہ میرے لئے جس چیز میں بھلائی و بہتری ہو اس کا فیصلہ فرمادے اور میرے لئے بہتر چیز کو منتخب و

مقدر فرمادے بندہ اپنی طرف سے کسی چیز کا فیصلہ نہیں کرتا لہٰذا اسے اچھی طرح سمجھ لو۔ یہ علم تفویض کی باریکیاں اور اس کے اسرار کے چند چھینٹے ہیں اگر اس علم کی یہاں ضرورت نہیں پیش آتی تو اس علم کو یہاں بیان نہیں کیا جاتا اس لئے کہ یہ تو علوم مکاشفہ کے سمندر کی موجیں ہیں مگر اس کے باوجود میں نے اس کتاب میں مختصر نکتوں پر اکتفاء کیا جو کافی ہیں اور ساتھ ہی ساتھ وضاحت کا بھی خیال رکھا ہے تاکہ اس سے اکابر علمائے کرام، مبتدی اور عام لوگ سب ہی فائدہ حاصل کرسکیں ان شاء اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرماتا ہے۔

تیسرا عارضہ قضاء و تقدیر اور اس کی اقسام ہیں

تیسرا عارضہ: قضاء اور اس کے اقسام کا انسان پر وارد ہونا ہے اور اس کا علاج صرف یہ ہے کہ انسان قضاء الٰہی (جس کا ازل میں فیصلہ ہو چکا ہے) پر راضی ہو جائے تمہیں اللہ عزوجل کے فیصلہ پر دو وجہ سے راضی ہونا لازم و ضروری ہے۔

(۱) قضاء پر راضی ہونے کی پہلی وجہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے فارغ ہونا ہے اس لئے کہ اگر تم قضاء الٰہی (اللہ کے فیصلے) پر راضی نہ ہو گے تو تمہارا دل ہمیشہ غمگین اور مشغول رہے گا کہ یہ بات کیوں ایسے ہے اور یہ کام کیوں ایسا ہے جب تمہارا دل اس قسم کے تفکرات میں مشغول رہے گا تو عبادت کے لئے فراغت و یکسوئی کیسے حاصل ہوگی اس لئے کہ تمہارے پاس صرف ایک ہی دل ہے اور اسے بھی تم نے تفکرات اور وسوسوں اور امور دنیا سے جو کچھ ہو گئے اور جو کچھ ہونے والے ہیں بھر دیا ہے جب تم نے اپنے دل کے تمام گوشوں کو دنیاوی خیالات سے بھر رکھا ہے تو اللہ کے ذکر اور اس کی عبادت اور فکر آخرت کے لئے کونسی جگہ اور کونسا گوشہ خالی رہ گیا۔

حضرت ابو علی شقیق بن ابراہیم بلخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بالکل سچ فرمایا ہے بے شک تمہارے گذرے ہوئے کاموں کی حسرت اور آئندہ کی تدبیر کے خیالات و تفکرات نے اس موجودہ ساخت کی برکت کو ضائع و برباد کر دیا ہے۔

(۲) قضاء الٰہی پر راضی ہونے کی دوسری وجہ قضاء الٰہی پر راضی نہ ہونے سے اللہ تعالیٰ کے غضب و ناراضگی کا خطرہ ہے روایتوں میں آیا ہے کہ کسی نبی علیہ السلام نے اپنی کسی تکلیف (بھوک، فقر) کی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکایت کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی بھیجی اور ارشاد فرمایا کیا تم میری شکایت کرتے ہو حالانکہ میں مذمت اور شکایت سے منزہ و پاک ہوں کیا تم ایسی نامناسب بات کا اظہار کرتے ہو؟ تمہارے متعلق میرے نزدیک علم غیب (ام الکتاب) میں ایسا ہی ظاہر ہے لہذا تم میرے قضا و فیصلہ سے ناراضگی کا اظہار نہ کرو کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تمہاری وجہ سے دنیا بدل دوں یا تمہاری خاطر لوح محفوظ میں تبدیلی کر دوں اور اپنے ارادے کو چھوڑ کر ایسی چیز کا تمہارے لئے فیصلہ کر دوں جسے تم چاہتے ہو اور تمہارے لئے ایسی چیز مہیا کر دوں جو تم کو پسند ہو اور مجھے پسند نہ ہو مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم! اگر تمہارے دل میں آئندہ کبھی اس قسم کا خطرہ و وسوسہ پیدا ہوا تو میں تم سے ضرور بالضرور نبوت کا مقدس لباس و عظیم مرتبہ چھین لونگا اور تجھے جہنم کی آگ میں ڈال دونگا اور مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں۔

میں کہتا ہوں عقلمند اور سمجھدار شخص کو اس عظیم الشان سیاست اور اتنی غضبناک وعید پر غور کرنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں اور برگزیدہ بندوں سے اتنا سخت کلام فرما رہا ہے اور ڈانٹ رہا ہے جب اللہ تعالیٰ اپنے مقدس و برگزیدہ بندوں کو ایسے کلمات

سے خطاب فرما رہا ہے تو غیر انبیاء و اصفیاء سے کتنا سخت کلام و معاملہ فرمائے گا اور یہ بھی ثابت ہوا کہ جب انبیاء کو زجر و توبیخ فرماتا ہے تو غیر انبیاء کو تو بدرجہ اولیٰ زجر و توبیخ اور عذاب فرمائے گا پھر اللہ عزوجل کے اس فرمان پر غور کرو اگر تمہارے دل میں دوبارہ اس قسم کا خیال آیا تو تمہاری نبوت چھین لی جائے گی جب صرف دل کے ارادے اور خیال پر اتنی سخت وعید اور اس قدر غضب فرمایا تو اس شخص پر اس کے غضب کا کیا حال ہوگا جو بے صبری سے چیخے اور چلائے اور فریاد رسی کے لئے بلائے اور شکایت کرے اور اپنی تباہی و بربادی کے لئے اپنے کرم و احسان فرمانے والے پروردگار کو پکارے صرف اکیلا نہ پکارے بلکہ اپنی دعا و پکار میں اپنے ساتھیوں اور دوستوں کو بھی شامل کرلے اور یہ ناراضگی اور غضب اور وعید اس کے لئے ہے جس نے پوری عمر میں صرف ایک مرتبہ اپنے رب کی بارگاہ میں شکایت کی تو جس کی ساری عمر ہی اللہ تعالیٰ کے شکوؤں اور شکایتوں ہی میں گذری ہو تو اس کا کیا حال و انجام ہوگا۔ پھر یہ غضب و ناراضگی اور سخت کلامی اس کے لئے ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکوہ کیا تو جو شخص غیروں کے سامنے اللہ تعالیٰ کا شکوہ کرے تو وہ سخت ترین سزا کا مستحق ہے ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے اپنے نفس کے شر سے اور اپنے بُرے اعمال سے اور ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں وہ ہمیں معاف فرمادے اور ہمارے بُرے آداب کو درگذر فرمادے اور ہمارے احوال کو صحیح و درست فرمائے بے شک اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ مہربان ہے۔

رضاء بالقضاء کے معنی اور اس کی حقیقت و حکم کا بیان

سوال: قضاء الٰہی پر راضی ہونے کے کیا معنی ہیں اور اس کی حقیقت و حکم کیا ہے؟

جواب: ہمارے علمائے کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ رضا ناراضگی کے چھوڑنے کو کہتے ہیں

اور غصہ فیصلہ کے خلاف ایسی چیز کو اولیٰ و بہتر کہنے کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کے خلاف ہو اور جس کا بُرا یا اچھا ہونا یقینی نہ ہو سخط و غصہ کو چھوڑنا رضا کے لئے ضروری و شرط ہے ورنہ رضامندی متحقق نہ ہوگی۔

سوال: کیا شرور و معاصی اللہ تعالیٰ کی قدر و قضاء سے نہیں ہیں؟ تو بندہ شر سے کیسے راضی ہوگا اور اللہ تعالیٰ بندے پر یہ شر کیسے لازم فرمائے گا؟

جواب: رضاء کا تعلق قضاء سے ہے یعنی قضاء الٰہی سے راضی ہونا ضروری ہے اور قضائے شر شر نہیں بلکہ شر و برائی تو وہ چیز ہے جس کے شر ہونے کا فیصلہ کر دیا گیا ہو لہذا اس سے لازم نہیں آتا کہ رضاء بالقضاء رضا بالشر ہے بے شک ہمارے مشائخ عظام علیہم الرحمہ فرماتے ہیں جن امور کا اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرما دیا ہے ان کی چار قسمیں ہیں۔(۱) نعمت (۲) شدت (۳) خیر (۴) شر۔

نعمت: نعمت میں قاضی یعنی اللہ تعالیٰ اور قضاء (فیصلہ) اور مقضی یعنی نعمت سب پر راضی ہونا واجب و ضروری ہے اور بندے پر نعمت کے نعمت ہونے کیوجہ سے اس کا شکر ادا کرنا بھی واجب ہے اور اس طرح نعمت کا اظہار کرنا بھی واجب ہے کہ جس سے نعمت کے اثر کا اظہار ہو۔

شدت: شدت و تکلیف اور مصیبت میں بھی قاضی (اللہ تعالیٰ) اور قضاء اور اس مصیبت و تکلیف تینوں باتوں سے راضی ہونا ضروری اور اس کی سختی اور تکلیف ہونے کے اعتبار سے اس پر صبر کرنا بھی واجب و ضروری ہے۔

خیر: بھلائی اور نیکی میں بھی تین چیزوں (۱) اللہ تعالیٰ (۲) قدر و قضاء (۳) بھلائی پر راضی ہونا لازم و ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ کے احسان کا اعتراف اور یاد رکھنا بھی

لازمی وضروری ہے کہ وہ خیر، خیر ہے اوراس نے اس خیر کی بندے کوتوفیق دی۔

شر: برائی میں بھی انہیں تین چیزوں یعنی اللہ تعالیٰ اور قضاء اور مقضی یعنی اس برائی پر جس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ان سب پر راضی ہونا واجب ہے ہاں اس حیثیت سے اس کے ساتھ راضی نہیں ہوسکتا کہ وہ شر، شر و برائی ہے۔ اوراس شر کا شر ہونا در حقیقت قضاء اور قاضی (اللہ تعالیٰ) کی طرف لوٹتا ہے۔

اس رضا مندی کو اس طرح سمجھو مثال کے طور پر تم کسی بُرے مذہب پر رضامندی کا اظہار کرو اس اعتبار سے کہ مجھے اس مذہب کا علم اوراس کی پہچان ہوجائے نہ اس اعتبار سے کہ وہ تمہارا مذہب ہوجائے تو اس مذہب کا معلوم ہونا تمہارے علم کیطرف لوٹتا ہے تو حقیقت میں اس برے اور باطل مذہب سے رضا ومحبت نہیں بلکہ یہ رضا ومحبت حقیقت میں محض اس باطل مذہب کے علم اور پہچان کے لئے ہے اسی طرح شر پر راضی ہونے کا مطلب اس کی برائی پر راضی ہونا نہیں بلکہ اس بات پر راضی ہونا ہے کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کے مقدر اور فیصلہ فرمانے سے ہے۔

سوال: کیا قضاء پر رضا مندی کا اظہار کرنے والے کے لئے زیادہ طلب کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: زیادہ کا طلب کرنا خیر اور صلاح کی شرط ونیت کے ساتھ جائز ہے نہ کہ حکم کی شرط کے ساتھ تو یہ زیادتی طلب کرنا راضی رہنے والے کو رضا سے باہر نہ کرے گی یعنی یہ قضاء الٰہی پر راضی ہونے کے خلاف نہیں ہے بلکہ اس شرط کے ساتھ زیادتی طلب کرنا رضامندی کی دلیل اور ایسا ارادہ اولیٰ و بہتر ہے اس لئے کہ جو شخص کسی چیز کو پسند کرتا ہے وہ اس چیز کی زیادتی کا طالب ہوتا ہے اور اس سے راضی وخوش ہوتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کی عادت کریمہ تھی کہ جب آپکے سامنے دودھ پیش کیا جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے اے اللہ تعالیٰ! اس دودھ میں ہمارے لئے برکت عطا فرما اور زیادہ فرما اور اگر دودھ کے علاوہ کوئی دوسری چیز پیش کی جاتی تو یہ فرماتے اور ہمیں اس سے بہتر میں اضافہ فرما اور ان دونوں مقام میں کسی جگہ بھی یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی مقدر کی ہوئی چیز پر راضی نہیں تھے۔

سوال: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے استثناء (ان شاء اللہ) اور خیر وصلاح کی شرط مذکور نہیں ہے آخر کیوں؟

جواب: یاد رکھو! کہ اس قسم کے معاملات کا تعلق اور ان کا دار و مدار دل سے ہوتا ہے اس لئے عموماً انہیں زبان سے ادا نہیں کیا جاتا مگر دل میں وہ چیز ضرور موجود ہوتی ہے لہذا زبان سے ان کا تذکرہ نہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

چوتھا عارضہ سختیاں اور مصیبتیں

اس عارضہ کا سد باب صرف صبر ہی سے ہوسکتا ہے لہذا ایسے تمام مقامات پر تمہیں صبر کرنا لازم وضروری ہے اور ایسے عارضے کے مقامات پر صبر کا وجوب دو باتوں کی وجہ سے ہے۔

پہلی وجہ: تاکہ بندہ عبادت تک پہنچ سکے اور اس عبادت کے ذریعہ اپنا مقصود و مطلوب حاصل کرلے اس لئے کہ تمام عبادتوں کا دار و مدار صبر کرنے اور مشقتیں برداشت کرنے ہی پر ہے لہذا جو شخص صبر نہیں کرے گا تو وہ حقیقت میں عبادت کے کسی مقام پر کامیابی نہیں حاصل کرسکتا اس لئے کہ جو شخص خلوص دل سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کریگا تو وہ عبادت کے لئے یقینی طور پر تیار ہوجائے گا اور اسے مختلف مشقتوں اور مصیبتوں

اور سختیوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔

(۱) پہلی مصیبت و مشقت: یہ ہے کہ کوئی عبادت ایسی نہیں ہے جس میں مشقت نہ پیش آئے اسی لئے اس کی پوری ترغیب اور کامل ثواب کا وعدہ کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ جب تک نفسانی خواہشات کا قلع قمع نہ کیا جائے اور نفس پر سختی اور دباؤ نہ ڈالا جائے عبادت کا کوئی فعل صادر نہیں ہو سکے گا اس لئے کہ خواہشات اور نفس دونوں ہی بندوں کو عبادت سے روکتے ہیں اور انسان کو اپنے نفس اور خواہش پر قابو پانا بہت مشکل کام ہے۔

(۲) دوسری مشقت: یہ ہے کہ جب بندہ کوئی نیکی اور بھلائی کا کام کرتا ہے تو اس میں اس کے لئے احتیاط بہت ضروری ہے تاکہ وہ نیک کام فاسد وفوت نہ ہو جائے اور اعمال کو مفسدات اور آفات سے بچانا بہت دشوار کام ہے۔

(۳) تیسری مشقت: عبادت کرنے والے کے لئے تیسری مشقت یہ پیش آتی ہے کہ بے شک دنیا دار الفتن اور بلاؤں کا گڑھ ہے لہذا دنیا میں جو شخص ہوگا اسے ضرور قسم قسم کی آزمائشیں اور مشکلات و مصائب اور سختیاں پیش آئیں گی اور یہ مصائب و آلام بھی کئی (چار) قسم کے ہیں۔

(۱) اہل وعیال، عزیز و اقارب، رشتہ داروں، بھائیوں اور دوستوں کا مرنا یا ان کا گم ہو جانا یا ان سے جدائی۔

(۲) اپنی ذات کا طرح طرح کے مہلک امراض و تکالیف میں مبتلا ہونا۔

(۳) لوگوں کا اسے قتل کر کے اس کی عزت و آبرو ریزی کرنا اور طمع و لالچ کرنا یعنی اس کے اہل وعیال پر دست درازی کرنا، اسے حقیر جاننا اس کی غیبت کرنا اور اس پر جھوٹا

الزام لگانا۔

(۴) مال میں تباہی وبربادی کا ہونا۔

یہ چاروں مصیبتیں اور تکلیفیں اپنے اپنے مراتب ومعیار کے مطابق انسان کو طرح طرح کے جھٹکے دیتی ہیں اور زخمی کرتی ہیں اور اس کے دل کو جلاتی ہیں لہذا ان تمام مصائب پر صبر کی سخت ضرورت ہے ورنہ غم وافسوس اور جزع وفزع اور بے صبری انسان کو عبادت سے روک دے گی۔

(۴) چوتھی مصیبت: عابد کو چوتھی مشقت یہ پیش آتی ہے کہ آخرت کا طلبگار سخت آزمائش میں مبتلا کیا جاتا ہے اور ہمیشہ اسے سخت وشدید محنت ومشقت میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے جتنا قریب ونزدیک ہوگا اسے دنیا میں اتنی ہی زیادہ مصیبتیں بھی پیش آئیں گی کیا تم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی نہیں سنا لوگوں میں سے سب سے سخت آزمائش میں انبیاء کرام مبتلا کئے جاتے ہیں پھر علماء پھر جو مرتبہ میں ان کے قریب ہیں پھر جو درجہ میں ان کے قریب ہیں (طبرانی عن فاطمہ اخت حذیفۃ)

لہذا جو شخص بھی بھلائی اور نیکی کا ارادہ کرے گا اور آخرت کے راستہ پر چلنے کے لئے تیار ہوگا تو یہ تمام دشواریاں اور مشقتیں اس کے سامنے آئیں گی تو جو شخص ان سختیوں پر صبر نہ کرسکا اور انہیں برداشت نہ کرسکا وہ راہ راست سے بھٹک جائیگا اور عبادت سے محروم ہوجائے گا تو وہ کسی نیک کام تک نہ پہنچ سکے گا۔

اور بے شک اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہمیں مشقتوں اور مصیبتوں سے باخبر وہوشیار رہنے کے متعلق واضح طور پر بیان فرمادیا کہ ہم تمہیں ضرور آزمائشوں اور مشقتوں میں مبتلاء کریں گے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لَتُبْلَوُنَّ فِیْٓ اَمْوَالِکُمْ وَ اَنْفُسِکُمْ وَ

لَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ مِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا اَذًى كَثِيْرًا ۝ (پ۴ سورۃ آل عمران آیت۱۸۶) اور بے شک ضرور تمہاری آزمائش ہوگی تمہارے مال اور تمہاری جانوں میں اور بے شک ضرور تم اپنے سے پہلے کتاب والوں (یہود ونصاریٰ) اور مشرکوں سے بہت بُرا سنو گے۔

پھر فرماتا ہے: وَ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝ (پ۴ سورۃ آل عمران آیت۱۸۶) اور اگر تم صبر کرو اور بچتے رہو تو یہ بڑی ہمت کا کام ہے۔

گویا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ان آیات کریمہ میں یہ ارشاد فرمارہا ہے کہ اپنی جانوں کے متعلق یہ گمان کرلو کہ تمہیں ضرور آزمائشوں اور مصیبتوں سے دوچار ہونا ہے اور تمہیں تکلیفیں اور سختیاں جھیلنی ہیں۔ اگر تم ان مصیبتوں پر صبر کروگے تو واقعی تم اپنی مردانگی کا ثبوت دوگے اور تمہارے عزائم واراداے مردوں والے ہوں گے۔ پس جو شخص اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عبادت کا عزم وارادہ کرے تو اس پر سب سے پہلے لازم وضروری ہے کہ وہ صبر عظیم کے لئے تیار ہوجائے۔ اور موت تک مسلسل آنے والی مصیبتوں اور مشقتوں کے برداشت کرنے کے لئے آمادہ ہوجائے ورنہ سمجھ لو کہ تم ایک ایسے کام کا ارادہ کررہے ہو جس کا تمہارے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہے اور جسکے ذریعہ وہ کام پائے تکمیل کو پہنچ سکتا ہے تم اس کے خلاف کرنے کا قصد وارادہ کررہے ہو۔

حضرت فضیل بن عیاض تمیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں جو شخص آخرت کا راستہ طے کرنے کا عزم وارادہ رکھتا ہے تو سب سے پہلے وہ اپنے اندر موت کے چار رنگ پیدا کرلے (۱) سفید (۲) سرخ (۳) کالا (۴) سبز۔

۱} موت کا سفید رنگ بھوک ہے ۲} موت کا سرخ رنگ نفس اور شیطان کی مخالفت ہے

۳} موت کا کالا رنگ لوگوں کی برائی و مذمت ہے ۴} موت کا ہرا رنگ یکے بعد دیگرے پیش آنے والے واقعات وحوادث پر صبر کرنا ہے۔

(۲) صبر کرنے کی دوسری وجہ: یہ ہے کہ صبر کرنے ہی سے دنیا وآخرت کی بھلائی ملے گی اوراسی میں انسان کی کامیابی اور نجات ہے اوراس کے بے شمار فوائد ہیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشادفرمایا: وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مَخْرَجًا ۝ وَّیَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ ط (پ۲۸ سورۃ الطلاق آیت۳،۲) اور جو اللہ سے ڈرے (اس کا حکم بجالائے اورمنہیات سے بچے) تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے نجات کی راہ نکال دے گا اور اسے وہاں سے رزق عطا فرمائے گا جہاں سے اس کا وہم وگمان بھی نہیں ہوگا۔

اس آیت کریمہ کا مطلب ومفہوم یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے صبر کے ساتھ ڈرے گا تو اللہ تعالیٰ اسے سختیوں اور مصیبتوں سے نجات عطا فرمادے گا۔

فائدہ (۱) اورصبر کی وجہ سے انسان اپنے دشمنوں پر غلبہ وفتح حاصل کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشادفرماتا ہے: فَاصْبِرْ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِیْنَ ۝ (پ۱۱ سورۃ ھود آیت۴۹) توصبر کرو بے شک اچھا انجام پرہیزگاروں کا ہے۔

فائدہ (۲) صبر ہی کے ذریعہ انسان اپنی مراد ومقصود کو پالیتا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ بِمَا صَبَرُوْا ط (پ۹ سورۃ الاعراف آیت۱۳۷) اورتمہارے رب کا اچھا وعدہ بنی اسرائیل پر پورا ہوا بدلہ ان کے صبر کا۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والد حضرت یعقوب کے جواب میں یہ لکھا جب کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام

کے فراق وجدائی کے غم کا تذکرہ کیا: بے شک آپ کے آباء واجداد نے صبر کیا تو وہ کامیاب ہوئے لہٰذا آپ بھی صبر کریں جیسا کہ آپ کے آباء نے صبر کیا تو آپ بھی انہیں کی طرح کامیاب ہوجائیں گے۔

یہ اشعار بھی اسی مفہوم میں کہے گئے ہیں

(۱) لَا تَيْأَسَنْ وَاِنْ طَالَتْ مُطَالَبَةٌ
اِذَا اسْتَعَنْتَ بِصَبْرٍ اَنْ تَرٰى فَرَجاً

تم ہرگز مایوس نہ ہو اگرچہ مطالبہ اور سوال کرتے کرتے عرصہ دراز گذر جائے جب تم نے صبر سے مدد لی ہے تو ضرور تمہیں وسعت وکشادگی حاصل ہوگی۔

(۲) اَخْلِقْ بِذِي الصَّبْرِ اَنْ يَّحْظٰى بِحَاجَتِهٖ
وَمُدْمِنُ الْقَرْعِ لِلْاَبْوَابِ اَنْ يَّلِجَا

صبر کرنے والے کے لئے مناسب اور لائق یہی ہے کہ وہ بلند اخلاق کا مظاہرہ کرے کہ وہ اپنے مقصد وحاجت میں کامیاب ہوجائے۔ اور اسی طرح مسلسل اور لگاتار بارگاہ خداوندی کے دروازوں کو کھٹکھٹانے والوں کی مرادوں کا دروازہ کھل جاتا ہے۔

فائدہ (۳) صبر کرنے کا تیسرا فائدہ یہ ہے کہ صبر ہی کی وجہ سے وہ لوگوں کا پیشوا اور رہنما اور امام بن جاتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: **وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا۝** (پ۲۱ سورۃ السجدۃ آیت ۲۴) اور ہم نے ان میں سے کچھ امام بنائے کہ ہمارے حکم سے بتاتے جبکہ انہوں نے صبر کیا۔

فائدہ (۴) صبر کا چوتھا فائدہ یہ ہے کہ صبر کی وجہ سے بندہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی تعریف و ثناء کا مستحق ہوجاتا ہے۔ چنانچہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: **اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِراً**

نِعۡمَ الۡعَبۡدُ اِنَّہٗۤ اَوَّابٌ ٥ (پ۲۳ سورۃ ص آیت ۴۴) بے شک ہم نے اسے (ایوب علیہ السلام کو) صبر کرنے والا پایا کیا اچھا بندہ بے شک وہ بہت رجوع لانے والا ہے۔

فائدہ (۵) صبر کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ صبر کرنے والے کو جنت کی خوشخبری ملتی ہے اور اللہ کی مغفرت اور اس کی رحمتوں اور نعمتوں کا مستحق ہو جاتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِیۡنَ ٥ الَّذِیۡنَ اِذَاۤ اَصَابَتۡہُمۡ مُّصِیۡبَۃٌ قَالُوۡۤا اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّاۤ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ ٥ اُولٰٓئِکَ عَلَیۡہِمۡ صَلَوٰتٌ مِّنۡ رَّبِّہِمۡ وَ رَحۡمَۃٌ وَ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُہۡتَدُوۡنَ ٥ (پ۲ سورۃ البقرۃ آیت ۱۵۵ تا ۱۵۷) اور خوشخبری سناؤ ان صبر کرنے والوں کو کہ جب ان پر کوئی مصیبت آئے تو کہیں ہم اللہ کے مال ہیں اور ہمیں اسی کی طرف لوٹنا ہے یہ وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی درودیں ہیں اور رحمت اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔

فائدہ (٦) صبر کرنے والے کو صبر کا ایک فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے محبت فرماتا ہے اور اسے اپنا دوست رکھتا ہے چنانچہ فرماتا ہے: وَ اللّٰہُ یُحِبُّ الصّٰبِرِیۡنَ ٥ (پ۴ سورۃ آل عمران آیت ۱۴۶) اور صبر کرنے والے اللہ تعالیٰ کے دوست ہیں۔

فائدہ (۷) صبر کرنے والے کو اللہ تعالیٰ جنت میں بلند درجات عطا فرماتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اُولٰٓئِکَ یُجۡزَوۡنَ الۡغُرۡفَۃَ بِمَا صَبَرُوۡا (پ۱۹ سورۃ الفرقان آیت ۷۵) ان کو جنت کا سب سے اونچا بالا خانہ انعام ملے گا ان کے صبر کے بدلے۔

فائدہ (۸) صبر کرنے والے کو اللہ تعالیٰ شرافت و بزرگی اور عزت و عظمت سے نوازتا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: سَلٰمٌ عَلَیۡکُمۡ بِمَا صَبَرۡتُمۡ (پ۱۳ سورۃ الرعد آیت ۲۴) سلامتی ہو تم پر تمہارے صبر کے بدلے۔

فائدہ (۹) صبر کی وجہ سے بندے کو آخرت میں بے حد و حساب اجر و ثواب ملے گا جو مخلوق کے وہم و گمان اور اس کے شمار سے باہر ہوگا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اِنَّمَا یُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ○ (پ۲۳ سورۃ الزمر آیت ۱۰) صابروں کو ہی ان کا بھرپور بے گنتی ثواب دیا جائے گا۔

سبحان اللہ! اس بزرگ و برتر ذات نے مخلوق پر کتنی کرم نوازی فرمائی اور جس نے اپنے بندے کو ایک ساعت صبر کرنے کے بدلے دنیا و آخرت میں یہ سب (۹) کرامتیں اور فضیلتیں عطا فرمائی ہیں اب تم پر یہ بات بالکل واضح اور روشن ہوگئی کہ دنیا و آخرت کی خوبیاں اور بھلائیاں صرف صبر ہی میں مضمر و پنہاں ہیں۔

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا: مَا اُعْطِیَ اَحَدٌ مِنْ عَطَاءٍ خَیْرٍ اَوْسَعَ مِنَ الصَّبْرِ (رواہ ابن منیع) صبر سے بڑھ کر وسیع و کشادہ بھلائی کسی انسان کو نہیں دی گئی۔

اور امیر المومنین فاروق اعظم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: جَمِیْعُ خَیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ فِیْ صَبْرِ سَاعَةٍ وَاحِدَةٍ مسلمانوں کی ہر قسم کی بھلائی صرف ایک لمحہ صبر کرنے میں ہے۔

کسی شاعر نے اسی بات کو کیا خوب انداز میں بیان کیا ہے

اَلصَّبْرُ مِفْتَاحُ مَا یُرْجٰی
وَ کُلُّ خَیْرٍ بِهٖ یَکُوْنُ

صبر ہر قسم کی بھلائی کی کنجی ہے اور تمام بھلائی صبر ہی سے حاصل ہوتی ہے۔

فَاصْبِرْ وَ اِنْ طَالَتِ اللَّیَالِیْ
فَرُبَّمَا اَمْکَنَ الْحُرُوْنُ

تم صبر کرو اگر چہ صبر میں راتیں دراز ہو جائیں (کافی عرصہ گزر جائے) اس لئے کہ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک دشوار کام آسان و ممکن ہو جاتا ہے۔

وَ رُبَّمَا نِيلَ بِاِصْطِبَارٍ
مَا قِيلَ هَيْهَاتَ لَا يَكُوْنُ

اور اکثر و بیشتر صبر کے ذریعہ ایسے معاملات میں کامیابی ہوگئی ہے جن کے متعلق کہا جاتا تھا کہ ان معاملات کا ہونا بہت مشکل ہے۔

ایک دوسرے شاعر نے اسی مضمون کو اس طرح بیان کیا ہے۔

صَبَرْتُ وَ كَانَ الصَّبْرُ مِنِّي سَجِيَّةً
وَ حَسْبُكَ اَنَّ اللّٰهَ اَثْنٰى عَلَى الصَّبْرِ

میں صبر کرتا ہوں اور صبر کرنا میری عادت بن چکی ہے۔ اور تمہارے لئے صبر کی اہمیت و فضیلت میں صرف اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صبر کی تعریف فرمائی ہے۔

سَاَصْبِرُ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا
فَاِمَّا اِلٰى يُسْرٍ وَاِمَّا اِلٰى عُسْرٍ

میں ہمیشہ صبر کرتا رہوں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے درمیان آسانی یا تنگی کا فیصلہ فرما دے۔

جب تمہیں صبر کے فضائل کا علم ہو چکا تو تم پر لازم و ضروری ہے کہ اس بہترین اور عمدہ خصلت کو اپنانے کی کوشش کرو اور اسے غنیمت جانو اور اس کے حاصل کرنے میں پوری جد و جہد کرو ان شاء اللہ تعالیٰ تم ضرور کامیاب ہو جاؤ گے اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق عطا فرمانے والا ہے۔

سوال: صبر کی حقیقت اور اس کا حکم بیان فرمائیے؟

جواب: صبر کے لغوی معنی روکنے کے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ (پ۱۵ سورۃ الکھف آیت ۲۸)

اور اپنی جان ان سے مانوس رکھو جو صبح وشام اپنے رب کو پکارتے ہیں الخ۔

یعنی تم اپنے آپ کو اللہ کی یاد میں مشغول رہنے والوں کے ساتھ روکے رکھو۔ اور اللہ تعالیٰ کو بھی صابر اسی لئے کہا جاتا ہے کہ وہ مجرموں سے عذاب روکے رکھتا ہے اور ان پر عذاب نازل کرنے میں جلدی نہیں فرماتا۔

اور صبر کا اصطلاحی معنی یہ ہے کہ صبر دل کی کوششوں میں سے ایک کوشش کا نام ہے اس لئے کہ صبر نفس کو جزع فزع سے روکنے کو کہتے ہیں اور جزع کی تعریف علمائے کرام نے اس طرح بیان کی ہے: تکلیف اور شدت کے وقت اپنی تکلیف اور اضطراب (بے چینی) کا بیان کرنا۔

اور بعض علماء نے جزع کی یوں تعریف کی ہے کہ اپنی طاقت کے بل بوتے پر سختی اور تنگی سے نکلنے کا ارادہ کرنا اور اس جزع کے چھوڑ دینے کو صبر کہتے ہیں۔

صبر پیدا کرنے کا طریقہ: اپنے اندر صبر پیدا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی شدت و سختی کی مقدار اور اس کے اوقات کو یاد کرے اور یاد رکھے کہ شدت میری بے صبری سے نہ زیادہ ہوگی اور نہ اس میں کمی ہوگی اور نہ ہی مقدم و موخر ہوگی اور یہ بھی خیال رہے کہ جزع فزع کرنے میں کوئی فائدہ نہیں ہے بلکہ اس میں سراسر نقصان اور خطرہ ہے اور اپنے اندر صبر پیدا کرنے کا سب سے اعلیٰ و بہترین طریقہ یہ ہے کہ صبر کے اس بہترین بدلے کو یاد کرے جس کا اللہ تعالیٰ نے دینے کا وعدہ فرمایا ہے اور اس کے انعام

وا کرام کو یاد کرتا رہے صبر کے متعلق یہ چند کلمات عظیمہ بیان کئے گئے ہیں ان پر عمل کرے اور اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمانے والا ہے۔

فصل: رزق، خطرات، قضاء اور مصائب کی سخت ترین گھاٹی عبور کرنے کا طریقہ:

اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کے لئے فراغت حاصل کرنے کی خاطر تم پر لازم ہے کہ ان مشکل ترین گھاٹی اور ان کے اسباب وعلل کو اپنے راستہ سے ہٹا کر اس سخت اور اہم گھاٹی کو عبور کرو اور اگر تم ان عوارض وموانع میں مبتلا رہو گے تو تمہیں اپنے مقصود یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت کو یاد کرنے کی بھی مہلت نہ ملے گی چہ جائے کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور اس میں کامیابی حاصل کرو۔ اور ان عوارض میں سے ہر ایک عارضہ الگ الگ قسم کی مشغولیت ومصروفیت میں مشغول کرتا ہے بعض عوارض بہت جلد مشغول کر لیتے ہیں اور بعض کچھ دیر سے۔ پھر ان چاروں عوارض میں سے سب سے بڑا اور سب سے سخت رزق اور اس کی تدبیر کا مرحلہ ہے اس لئے کہ رزق ہی مخلوق کے لئے سب سے بڑی مصیبت ہے جس نے مخلوق کی جانوں کو تھکا دیا ہے اور انہیں عاجز کر دیا ہے اور انکے دلوں کو عبادت سے غافل کر دیا ہے اور لوگوں کو بے پناہ تفکرات اور پریشانیوں میں مبتلا کر رکھا ہے اور ان کی عمروں کو ضائع و برباد کر دیا اور یہ رزق ہی لوگوں کو بڑے بڑے گناہوں اور قسم قسم کی برائیوں میں ملوث کر دیتا ہے اور یہ رزق ہی لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی عبادت وخدمت سے پھیر کر دنیا اور مخلوق کی خدمت میں مشغول کر دیتا ہے چنانچہ لوگ رزق ہی کی وجہ سے اللہ کی یاد سے غافل ہو جاتے ہیں اور گناہ کی تاریکیوں میں ڈوب جاتے ہیں اور رزق کی تلاش میں در در کی ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں اور ذلت وخواری میں اپنی عمر عزیز کو ضائع و برباد کر دیتے ہیں اور نیکیوں سے بالکل تہی

داماں (خالی) ہوکر اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ ان پر اپنا فضل وکرم نہ فرمائے تو وہ سخت ترین حساب اور عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

ذرا غور تو کرو کہ اللہ تعالیٰ نے اس رزق کے متعلق قرآن کریم کی کتنی آیتیں نازل فرمائیں۔اور کس قدر وعدے فرمائے اور رزق کی ذمہ داری لی اور اس کے اقسام بیان فرمائے اور ہمیشہ انبیائے کرام اور علمائے عظام لوگوں کو وعظ و نصیحت کرتے رہے اور لوگوں کو سیدھا راستہ دکھاتے رہے اور علمائے کرام نے لوگوں کے لئے اس کے متعلق بے شمار تصانیف تحریر کی ہیں عبرت و نصیحت کے لئے مختلف مثالیں دے کر انہیں سمجھاتے رہے اور اللہ تعالیٰ کے عذاب اور اس کے مؤاخذہ سے ڈراتے رہے لیکن لوگ اس کے باوجود سیدھے راستہ پر نہیں چلتے اور تقویٰ نہیں اختیار کرتے اور رزق کی طرف سے مطمئن نہیں ہوتے بلکہ وہ لوگ روزی کی تلاش میں جنون کی حد تک پہنچ جاتے ہیں اور ہمیشہ رزق کا جنون ان کے دماغ میں سوار رہتا ہے اور ہمیشہ اس بات سے خوف زدہ رہتے ہیں کہ کہیں دن کا یا شام کا کھانا ہاتھ سے نہ نکل جائے۔ان تمام بیماریوں اور غفلتوں کی جڑ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ان آیتوں میں تدبر نہ کرنے اور اللہ تعالیٰ کی قدرتوں میں غور وفکر نہ کرنے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقدس کلام سے نصیحت حاصل نہ کرنے اور سلف صالحین کے اقوال میں غور وفکر نہ کرنے کا نتیجہ ہے۔اور اس کے علاوہ لوگ شیطانی وسوسوں اور جاہلوں کی باتوں میں الجھ کر ان تمام تعلیمات کو پس پشت ڈال دیتے ہیں اور غافلوں کی عادتوں اور ان کی خصلتوں سے اس قدر دھوکہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ شیطان لعین نے ان پر اپنا پوری طرح تسلط جما لیا ہے اور یہ بری عادتیں ان کے دلوں میں بیٹھ چکی ہیں اس طرح لوگ ضعف قلب اور یقین واعتقاد کے

کمزور ہونے کی بلاء و بیماری میں مبتلا ہو گئے لیکن اصحاب بصیرت اور عبادت و ریاضت میں کوشش ومجاہدہ کرنے والے جو اللہ تعالیٰ کے نیک اور برگزیدہ بندے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے فیصلہ اور اس کی رضا پر راضی ہیں اور آخرت کے راستے اور توشہ کو سمجھتے ہیں اس لئے وہ دنیاوی ساز وسامان کو خاطر میں نہیں لاتے اور وہ اللہ تعالیٰ کے دین پر مضبوطی کے ساتھ قائم ہیں اور اسی وجہ سے ان لوگوں نے مخلوق سے بالکل علیحدگی اختیار کرلی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں پر کامل یقین رکھتے ہیں اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے دین کے راستے کو اچھی طرح سمجھ لیا ہے اس لئے وہ شیطان اور مخلوق اور نفس کے وسوسوں اور ان کے مکروفریب میں نہیں آتے اور جب شیطان یا نفس یا کوئی انسان انہیں فریب دینے کی کوشش کرتا ہے تو وہ ان کا ڈٹ کر مقابلہ کرتے ہیں پورے طور پر ان کی مدافعت و مخالفت کرتے ہیں یہاں تک کہ مخلوق ان سے منہ پھیر لیتی ہے اور شیطان ان سے جدا ہوجاتا ہے اور نفس ان کا مطیع وفرمانبردار ہوجاتا ہے اور وہ صراط مستقیم پر اور زیادہ مستحکم ہوکر قائم ہوجاتے ہیں۔

حکایت: چنانچہ اسی سلسلہ میں ابو اسحاق حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے متعلق ایک حکایت منقول ہے کہ جب انہوں (حضرت ابراہیم) نے بغیر سفرخرچ کے ایک جنگل پار کرنے کا ارادہ کیا تو شیطان مردود نے آکر آپ کو اس طرح خوف زدہ کرنے کی کوشش کی یہ ایک خطرناک جنگل ہے اور آپ کے پاس کوئی توشہ اور دنیاوی ساز وسامان بھی نہیں لیکن حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے پختہ ارادہ کرلیا کہ میں ضرور اس خوفناک وخطرناک جنگل کو بغیر توشہ کے ہی طے کروں گا بلکہ ہر ایک میل پر ایک ہزار رکعت نفل نماز بھی پڑھوں گا چنانچہ انہوں نے جو ارادہ کیا اسے

پورا کر دکھایا اور شیطانی وسوسوں کی طرف کوئی توجہ نہ دی اور بارہ سال تک اسی جنگل میں مقیم رہے یہاں تک کہ اسی دوران ہارون رشید حج بیت اللہ شریف کے ارادہ سے اس جنگل سے گذرے تو انہوں نے ان (حضرت ابراہیم) کو ایک جگہ نماز پڑھتے دیکھا لوگوں نے بتایا کہ یہ نماز پڑھنے والے بزرگ حضرت ابراہیم بن ادہم ہیں تو ہارون رشید نے ان سے کہا اے ابواسحاق آپ اپنے آپ کو اس حال میں کیسا پاتے ہیں؟ تو حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ اشعار سنائے۔

نُرَقِّعُ دُنْيَانَا بِتَمْزِيْقِ دِيْنِنَا
فَلَا دِيْنُنَا يَبْقَى وَ لَا مَا نُرَقِّعُ

ہم دین برباد کر کے دنیا سنوارتے ہیں تو نہ ہمارا دین باقی رہتا ہے اور نہ ہی ہماری دنیا سنورتی ہے۔

فَطُوْبٰى لِعَبْدٍ آثَرَ اللهَ رَبَّهٗ
وَ جَادَ بِدُنْيَاهُ لِمَا يَتَوَقَّعُ

تو وہ شخص کتنا خوش نصیب ہے جس نے ہر معاملے میں اپنے رب کی رضا وخوشنودی کو ترجیح دی اور اپنی دنیا کو آخرت کی نجات پر قربان و نچھاور کر دیا۔

حکایت: ایک بزرگ علیہ الرحمہ کے متعلق منقول ہے کہ وہ کسی جنگل میں تھے تو شیطان ان کے پاس آ کر وسوسہ ڈالنے لگا کہ آپ تنہا اس خطرناک اور ویران جنگل میں بغیر زادِ راہ ہیں یہاں تو کوئی انسان بھی نظر نہیں آتا اور نہ ہی اس جنگل میں کہیں آبادی کے نام ونشان معلوم ہوتے ہیں تو اس بزرگ نے اسے شیطانی وسوسہ محسوس کر کے پختہ ومضبوط ارادہ کر لیا کہ اب میں بغیر توشہ کے ہی اسے طے کروں گا اور اسی

طرح چلتا رہوں گا نہ کسی سے کچھ لوں گا اور نہ ہی میں اس وقت تک کچھ کھاؤں گا جب تک کہ میرے منہ میں زبردستی گھی اور شہد نہ ڈالا جائے اس کے بعد وہ بزرگ اس جنگل کے بالکل اجڑے اور ویران حصہ کی طرف رخ کر کے چل پڑے وہ بزرگ فرماتے ہیں کہ میں اس جنگل میں چلتا رہا یہاں تک کہ اچانک ایک دن میں نے ایک قافلہ دیکھا جو راستہ بھول کر میری طرف آ رہا ہے تو میں اس قافلہ کو دیکھتے ہی زمین پر لیٹ گیا تا کہ وہ مجھے نہ دیکھ سکے لیکن اللہ تعالیٰ کی شان کہ وہ سیدھے میری ہی طرف چلے آ رہے تھے یہاں تک کہ وہ میرے سر کے پاس آ کر کھڑے ہوگئے میں نے اپنی آنکھیں بند کرلیں جب وہ میرے بالکل قریب ہوئے تو ایک دوسرے سے کہنے لگے معلوم ہوتا ہے اس کا سفر خرچ ختم ہوگیا ہے اور بھوک و پیاس کی وجہ سے بے ہوش ہوکر گر پڑا ہے لہٰذا گھی اور شہد لاؤ اور اسے اس کے حلق میں ڈالا جائے ممکن ہے ہوش میں آ جائے چنانچہ وہ گھی اور شہد لائے تو میں نے اپنا منہ مضبوطی کے ساتھ بند کرلیا تو انہوں نے چھری منگوا کر میرا منہ زبردستی کھول دیا فرماتے ہیں میں ہنس پڑا اور میں نے اپنا منہ کھول لیا قافلہ والے میری ہنسی دیکھ کر کہنے لگے کیا تم مجنون (پاگل) ہو؟ میں نے کہا نہیں اللہ تعالیٰ کا شکر ہے۔ اور میں نے انہیں شیطان کے آنے اور وسوسہ ڈالنے کے واقعہ سے آگاہ کیا یہ واقعہ سنکر وہ بہت متعجب ہوئے۔

حکایت: ہمارے بزرگوں میں سے ایک بزرگ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے طالب علمی کے زمانے میں سفر کے دوران آبادی سے دور ایک مسجد میں قیام کیا اور اپنے بزرگوں کی روایت وسنت کے مطابق سفر خرچ سے خالی تھا (میرے پاس کھانے پینے کی کوئی چیز نہیں تھی) تو شیطان آ کر مجھے وسوسہ دینے لگا کہ یہ مسجد آبادی

سے بہت دور ہے اس لئے اس مسجد میں ٹھہرنے کے بجائے اگر تم کسی ایسی مسجد میں ٹھہرو جو آبادی کے قریب واقع ہو تو وہاں کے لوگ تمہارا خیال بھی کریں گے اور تمہارے کھانے پینے کا انتظام بھی کردیں گے میں نے شیطان کو جواب دیا کہ نہیں میں یہیں رہوں گا اور میں نے کہا کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کا عہد و پیمان ہے کہ میں حلوے کے علاوہ کوئی دوسری چیز کھاؤں گا ہی نہیں اور یہ بھی اس وقت تک نہیں کھاؤں گا جب تک کہ ایک ایک لقمہ کرکے میرے منہ میں نہ ڈالا جائے۔ چنانچہ میں نے اس مسجد میں عشاء کی نماز ادا کی اور مسجد کا دروازہ بند کردیا پھر جب رات کا کچھ حصہ گذر گیا تو اچانک کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا اور اس کے ہاتھ میں ایک چراغ بھی ہے جب اس نے بہت زیادہ دروازہ کھٹکھٹایا تو میں نے دروازہ کھول دیا میں نے دیکھا کہ ایک بوڑھی عورت ہے اور اس کے ساتھ ایک نوجوان لڑکا ہے پھر وہ بڑھیا اندر داخل ہوگئی اور میرے سامنے حلوے سے بھرا ہوا ایک تھال رکھ دیا اور کہنے لگی یہ نوجوان لڑکا میرا بیٹا ہے میں نے یہ حلوہ اس کے لئے تیار کیا تھا مگر اس نے گفتگو کے دوران قسم کھائی کہ یہ حلوہ میں اکیلا نہیں کھاؤں گا بلکہ کسی مسافر کے ساتھ کھاؤں گا یا اس بوڑھی عورت نے یہ کہا کہ (اس جوان نے کہا) میں اس وقت تک نہیں کھاؤں گا جب تک وہ مسافر نہ کھائے جو اس مسجد میں ٹھہرا ہوا ہے۔ لہٰذا تم یہ حلوہ کھالو اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے گا۔ چنانچہ وہ بڑھیا ایک لقمہ میرے منہ میں اور ایک لقمہ اپنے بیٹے کے منہ میں ڈالنے لگی یہاں تک کہ ہم نے سیر ہوکر کھالیا پھر وہ دونوں (نوجوان اور بڑھیا) واپس چلے گئے اور میں نے دروازہ بند کرلیا اس واقعہ سے مجھے بہت تعجب ہوا۔ اس قسم کے بے شمار واقعات ہیں جو بزرگوں کے مجاہدے اور شیطان کی مخالفت پر مشتمل ہیں۔ اس قسم کے واقعات

سے تین فائدے حاصل ہوتے ہیں۔

فائدہ (۱) اتنا یادرکھو کہ جورزق مقدر ہو چکا ہے وہ ہر حال میں انسان کو ملے گا۔

فائدہ (۲) تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ رزق اور توکل کا معاملہ بہت دشوار ہے اور اس سلسلے میں شیطان کے مکر وفریب اور وسوسے بہت خطرناک اور عظیم ہیں یہاں تک مذکورہ بالا ائمہ کرام وزاہدین وبزرگان دین جیسے بہت سے زاہدین بھی شیطان کے ان وسوسوں سے محفوظ نہ رہ سکے یہاں تک کہ ان بزرگوں کے اس قدر مجاہدوں اور انتہائی ریاضتوں کے باوجود شیطان انہیں گمراہ کرنے سے مایوس و ناامید نہیں ہوا چنانچہ ان بزرگوں کو ان وسوسوں سے بچنے کے لئے بڑے سے بڑے ذرائع استعمال کرنے پڑتے ہیں میری عمر کی قسم! جولوگ ستر سال تک نفس کے مکروفریب اور شیطانی وسوسوں سے بچنے کے لئے مجاہدے اور مقابلے میں مصروف رہے پھر بھی اس کے وسوسوں اور مکر وفریب سے محفوظ نہیں رہ سکے جس طرح ابتدائی عبادت گزار بلکہ غافل لوگ جو اس قسم کی محنت وریاضت کا تصور بھی نہیں کر سکتے وہ بھی اس کے وسوسوں اور شر سے محفوظ و مامون نہیں رہ سکتے اور اگر نفس اور شیطان ان پر ذرہ برابر بھی داؤ چلے تو وہ انہیں ہلاک و برباد کر دیں جس طرح وہ غافلوں اور مغروروں کو ہلاک کر دیتے ہیں۔ اس میں بصیرت والوں کے لئے عبرت ونصیحت ہے۔

فائدہ (۳) بزرگوں کے ایسے واقعات سے تیسرا فائدہ یہ حاصل ہوتا ہے کہ تم اچھی طرح سمجھ لو کہ رزق کے معاملے میں توکل کی منزل صرف کوشش اور پورے مجاہدے ہی سے طے ہو سکتی ہے اس لئے کہ یہ ائمہ کرام اور بزرگان دین تمہاری طرح گوشت، خون، بدن اور روح والے تھے بلکہ ان کے بدن تم سے بھی زیادہ کمزور تھے اور ان کے

اعضاء تم سے زیادہ دبلے وضعیف تھے اور ان کی ہڈیاں تم سے زیادہ پتلی تھیں لیکن انہیں علم کی قوت اور یقین کا نور اور امور دینی میں ہمت حاصل تھی اسی وجہ سے وہ اس قدر سخت مجاہدے کرتے رہے یہاں تک کہ وہ اس بلند مقام پر فائز ہوئے لہٰذا تم بھی ذرا ان بزرگان دین کی زندگیوں کے مقابلے میں اپنی زندگیوں کی طرف غور کرو اللہ تعالیٰ ہم پر اور تم پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔ تمہیں اس لاعلاج بیماری کی دوا کرنی چاہئے تا کہ تم آخرت میں فلاح پا جاؤ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

فصل بزرگوں کے واقعات کے چند اہم نکات

اب میں ان واقعات کے بعد اس سلسلے میں تمہیں چند ایسے نکات بتاتا ہوں جو مجھے معلوم ہوئے ہیں جب تم ان نکتوں کو غور اور دھیان کے ساتھ سنو گے تو وہ نکتے تمہارے دل میں بیٹھ جائیں گے۔ اور رزق پر توکل کرنے کی مشقتوں سے بچ جاؤ گے اور ان نکتوں میں غور وفکر کرنے اور ان پر عمل کرنے سے تم پر راہ حق واضح وروشن ہو جائے گی اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ توفیق عطا فرمانے والا ہے۔

پہلا نکتہ: تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مقدس کتاب میں اپنے بندوں کے رزق کی ضمانت وذمہ لیا ہے لہذا تمہارے رزق کا بھی ذمہ وکفالت لی ہے تو تمہاری اس سلسلے میں کیا رائے ہے کہ اگر دنیا کے بادشاہوں میں سے کوئی بادشاہ اس بات کا وعدہ کر لے کہ آج رات کو تمہاری میرے یہاں دعوت ہے اور تمہارا اس کے متعلق حسن ظن (بہتر گمان) بھی ہو کہ وہ اپنے وعدہ میں سچا ہے جھوٹا نہیں اور وعدہ خلافی بھی نہیں کرتا تو تم ضرور اور یقینا اس کی بات پر اعتماد و بھروسہ کر لو گے بلکہ اگر کوئی یہودی یا بازاری یا نصرانی یا مجوسی (آگ کی پوجا کرنے والا) جس کا ظاہری حال تمہارے

سامنے ہے وہ اپنی بات میں سچا اور پکا وعدہ کرے تو اس پر بھی تم پورا پورا اعتماد کرلو گے۔ اور تم اس کی بات پر مطمئن ہو جاؤ گے اور اس رات کے قیام وطعام کے متعلق تم ان کی بات پر بھروسہ کر کے بے فکر ہو جاؤ گے تم عام بازاری یا یہودی یا نصرانی یا مجوسی کے صرف ظاہری حال اور اپنے حسن ظن کی وجہ سے ان پر اعتماد و بھروسہ کر بیٹھتے ہو لیکن کتنے افسوس کی بات ہے کہ تم اپنے پروردگار کی بات پر اعتماد نہیں کرتے جس نے تم سے رزق کا وعدہ فرمالیا ہے اور تمہارے رزق کا اور تمہاری کفالت کا ذمہ لیا ہے بلکہ اپنے مقدس کلام میں متعدد مقامات پر اس وعدۂ رزق پر قسم کے ساتھ وعدہ فرمایا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے ان تاکیدی وعدوں کے باوجود بھی رزق کے معاملے میں تمہارا دل مطمئن نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کی کفالت وضمانت پر اطمینان وسکون نہیں اور تم اللہ تعالیٰ کی قسموں پر غور وفکر بھی نہیں کرتے بلکہ تمہارا دل مضطرب و پریشان رہتا ہے اور تم ہمیشہ روزی کی تلاش میں سرگردان رہتے ہو اور اس کے اہتمام وتدبیر میں لگے رہتے ہو اگر اللہ تعالیٰ کے ان وعدوں اور کفالت وضمانت اور قسم وتاکید پر اعتماد نہ کرنے کا وبال تم پر واضح وروشن ہو جائے اور تمہیں اس کی برائی ومصیبت کا علم ہو جائے تو تمہارے لئے کس قدر رسوائی وذلت کا مقام ہے کہ اس کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا چنانچہ اس سلسلے امیر المؤمنین حضرت علی مرتضی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

أَتَطْلُبُ رِزْقَ اللهِ مِنْ عِنْدِ غَيْرِهٖ
وَتُصْبِحُ مِنْ خَوْفِ الْعَوَاقِبِ آمِنَا

کیا تم اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں سے رزق طلب کرتے ہو اور تم دنیا کے عواقب و مصیبتوں سے محفوظ ومامون رہنے میں بے خوف وبے فکر ہو؟

وَتَرْضٰی بِصَرَّافٍ وَاِنْ کَانَ مُشْرِکًا
ضَمِیْنًا وَلَا تَرْضٰی بِرَبِّکَ ضَامِنًا

اور کتنے افسوس کی بات ہے کہ تم ایک مشرک صراف (سونا فروش) کے ذمہ دار بننے پر راضی وخوش ہوجاتے ہومگر اپنے پروردگار کے ضامن (ذمہ دار) بننے پر رضا مند نہیں ہوتے اور نہ اس پر اعتماد کرتے ہو۔

کَاَنَّکَ لَمْ تَقْرَاَ بِمَا فِیْ کِتَابِہٖ
فَاَصْبَحْتَ مَنْحُوْلَ الْیَقِیْنِ مُبَایِنًا

گویا کہ تم نے قرآن کریم کی آیتوں کو پڑھا ہی نہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے رزق کا ذمہ لیا ہے اسی لئے تم راہ حق سے بھٹکے ہوئے ہو اور یقین سے پھرے ہوئے ہو۔

رزق کے معاملے میں اللہ تعالیٰ پر اعتماد نہ کرنے ہی کی وجہ سے انسان تباہ وبرباد ہوجاتا ہے یعنی شک وشبہ میں مبتلا ہوجاتا ہے اور معاذ اللہ ایسے لوگوں کے دین اور دین کی معرفت چھن جانے کا خوف واندیشہ ہے (والعیاذ باللہ) اسی وجہ سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَ عَلَی اللّٰہِ فَتَوَکَّلُوْا اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ (پ۶ سورۃ المائدہ آیت۲۳) اور اللہ ہی پر بھروسہ کرو اگر تم ایمان والے ہو۔

وَعَلَی اللّٰہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ (پ۱۳ سورۃ ابراھیم آیت۱۱) اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیئے۔

دین کی اہمیت اور احساس رکھنے والے مسلمانوں کے لئے صرف یہی ایک نکتہ کافی ہے گناہوں سے بچنے کی کوئی طاقت نہیں مگر اللہ کی توفیق سے اور طاعت وعبادت کی قوت

نہیں مگر اللہ بزرگ و برتر کی توفیق سے۔

دوسرا نکتہ: یہ بات جان لو کہ تقسیم کیا ہوا رزق جس کا ثبوت وصحت اللہ تعالیٰ کی مقدس کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیثوں میں وارد ہے اور تم اس بات کا بھی یقین کرلو کہ اللہ تعالیٰ کی اس تقسیم میں کوئی تغیر و تبدلی نہیں ہوسکتی لہذا اگر تم ان دلائل کے ہوتے ہوئے اس تقسیم کا انکار کردیا اس میں ردوبدل کو جائز جانو تو معاذ اللہ تم نے کفر کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ اور جب تمہیں اس بات کا یقین ہوگیا کہ یہ تقسیم حق ہے اس میں کوئی ترمیم نہیں ہوسکتی تو رزق کے لئے اہتمام کرنے اور اس کی تلاش و جستجو میں سوائے دنیاوی ذلت ورسوائی اور آخرت میں تنگی اور خسارہ کے کوئی فائدہ نہیں ہے اسی لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مچھلی اور بیل کی پیٹھ پر لکھا ہوا ہے کہ فلاں بن فلاں کا رزق اتنا ہے تو رزق کے معاملے میں لالچی شخص کے لئے سختی اور مشقت کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

اور اسی کے متعلق ہمارے شیخ حضرت ابوبکر وراق علیہ الرحمہ نے فرمایا: بے شک جن لقموں کا چبانا تیرے مقدر میں لکھ دیا گیا ہے ان لقموں کو تمہارے علاوہ دوسرا کوئی نہیں چبا سکتا لہذا تم اپنے حصہ کا رزق عزت کے ساتھ کھاؤ اور ذلت ورسوائی کے ساتھ نہ کھاؤ یہ دوسرا نکتہ بھی اتنا جامع وبلیغ ہے کہ جس سے ہر عقلمند آدمی قناعت حاصل کرسکتا ہے

تیسرا نکتہ: اس نکتے کو میں نے اپنے شیخ امام الحرمین ابوالمعالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سنا ہے جس کو انہوں نے اپنے استاد حضرت ابو اسحاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے نقل کیا ہے میرے شیخ کے استاد حضرت ابو اسحاق علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: رزق کے معاملے میں جس چیز سے مجھے رضامندی وقناعت حاصل ہوئی وہ یہ ہے کہ میں نے اپنے نفس سے

کہا کیا یہ رزق زندہ رہنے کے لئے نہیں؟ مردوں کو رزق سے کیا مطلب جب بندے کی زندگی اللہ تعالیٰ کے خزانے اور اس کے قبضۂ قدرت میں ہے تو اسی طرح رزق بھی اسی کے اختیار وقبضہ میں ہے اگر چاہے تو مجھے عطا فرمائے اور چاہے تو نہ دے اور منع فرمادے اور رزق کے معاملے میں اللہ تعالیٰ کی مشیت مجھ سے پوشیدہ ہے اور میری قدرت سے باہر ہے اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے وہی جیسے چاہتا ہے تدبیر عطا فرماتا ہے اور میں اسی وجہ سے سکون پذیر ہو گیا۔ اور یہ تیسرا نکتہ بھی اہل تحقیق و معرفت کے لئے بہت مفید ہے۔

چوتھا نکتہ: یہ نکتہ وہی ہے جسے ہم نے توکل کے بیان میں ذکر کیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے رزق کا ضامن وکفیل ہے مگر صرف اتنے ہی رزق وغذا کا ذمہ لیا ہے جو اس کے بدن کی تربیت وصحت کے لئے کافی ہو اس سے زیادہ کا نہیں۔

اسباب وذرائع کا بیان

یعنی کھانا' پینا جب بندہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے لوگوں سے علیحدگی اختیار کر لے اور اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسہ کر لے تو بعض اوقات کھانے پینے کے ظاہری اسباب اس سے روک لیے جاتے ہیں ان ظاہری اسباب کے روک لیے جانے پر بندے کو رنجیدہ نہیں ہونا چاہئے اور نہ ہی اس کی حقیقت جاننے کی پرواہ کرنی چاہئے اس لئے کہ جب رزق کی حقیقت اس پر عیاں وروشن ہے کہ جبتک میری زندگی باقی ہے تو اللہ تعالیٰ وعزوجل نے میرے بدن کو قائم رکھنے اور اس کو باقی رکھنے کا وعدہ وذمہ لیا ہے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات پر توکل کرنے کا مطلب بھی یہی ہے کہ اس کا جسم قائم وبرقرار رہے ہلاک نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کی ذات سے بھی اسی چیز کا انتظار کیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ یقینا

مدد و قوت عطا فرمائے گا تا کہ بندے کی جبتک زندگی ہے اللہ تعالیٰ کی عبادت و خدمت کے حقوق کی ادائیگی میں پوری توجہ کے ساتھ مشغول رہے اور مقصود و مطلوب بھی یہی ہے کہ بندے کا بدن صحت مند رہے تا کہ اللہ تعالیٰ کی طاعت و عبادت میں مصروف و مشغول رہے اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ قادر مطلق ہے اپنے بندے کے جسم کو جبتک چاہے باقی رکھے خواہ کھانے' پینے کے ذریعہ باقی رکھے چاہے مٹی و ریت کے ذریعہ باقی رکھے چاہے فرشتوں کی طرح تسبیح و تہلیل کے ذریعہ زندہ رکھے اور اگر چاہے تو بغیر کھلائے پلائے اپنے بندوں کو زندہ رکھے بندے کا اللہ تعالیٰ کی عبادت و خدمت پر قوت و طاقت حاصل کرنے کے علاوہ کوئی اور مقصود نہیں ہے بندے کو کھانے' پینے اور شہوت اور دنیاوی لذت حاصل کرنے کے لئے نہیں پیدا کیا گیا لہذا اس تفصیل سے واضح ہو گیا کہ ان حالات میں ظاہری اسباب کا اعتبار کرنا کوئی ضروری نہیں یہ بات بزرگان دین اور متقیوں کے دلوں میں کامل طور پر بسی ہوئی ہے اس لئے عابدین و زاہدین لمبی لمبی مسافتیں کئی کئی راتیں اور کئی کئی دنوں بغیر کھائے پئے طے کرنے کی قوت رکھتے ہیں اور بعض ایک مہینہ یا دو مہینے بغیر کھائے' پیئے طے کرنے کی قوت رکھتے ہیں چنانچہ ان عابدوں میں سے کچھ عابد دس دس دن تک کچھ نہیں کھاتے پیتے اور بعض ایک مہینہ یا دو مہینہ بغیر کھائے پئے گزار لیتے ہیں اس کے باوجود ان کی طاقت و قوت باقی رہتی اور ان بزرگوں میں بعض ایسے بزرگ بھی تھے جو صرف ریت ہی پھانک کر گزارہ کر لیتے تھے اور اللہ تعالیٰ ریت ہی کو ان کی غذا بنا دیتا چنانچہ حضرت سفیان بن سعید ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بارے میں روایت ہے کہ مکہ معظّمہ کے قیام کے دوران آپ کا خرچ ختم ہو گیا تو پندرہ دن تک مسلسل ریت پھانک کر گزارہ کرتے رہے۔

اور حضرت ابو معاویہ الاسود رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو دیکھا کہ وہ بیس دن تک مسلسل صرف مٹی کھا کر گزارہ کرتے رہے۔

اور حضرت ابو سلیمان بن مہران اعمش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابراہیم بن یزید تیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مجھ سے فرمایا کہ میں نے ایک مہینہ سے کچھ نہیں کھایا میں نے کہا ایک ماہ سے؟ انہوں نے فرمایا نہیں بلکہ دو ماہ سے اور اس دو ماہ کے دوران صرف ایک مرتبہ ایک شخص نے مجھے اللہ کی قسم دیکر تھوڑے سے انگور کھلا دیئے تو میں نے اسے کھا لیا لیکن مجھے اپنے پیٹ سے اب تک اس بات کی شکایت ہے۔

میں (امام غزالی) کہتا ہوں اے لوگو! تمہیں بزرگان دین اور سلف صالحین کے ایسے واقعات سے تعجب نہیں ہونا چاہئے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے اور اس کے متعلق اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ بعض بیمار ایک ایک مہینہ تک کھاتے پیتے نہیں پھر بھی زندہ رہتے ہیں حالانکہ بیمار آدمی ہر حال میں تندرست آدمی سے زیادہ کمزور ہوتا ہے اور جو شخص بھوک کی حالت میں مر جائے تو وہ اپنی موت مرتا ہے اس کی زندگی ہی صرف اتنی تھی نہ یہ کہ اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے کی وجہ سے مرا ہے اس کا مرنا ایسا ہی ہے جیسے بعض لوگ خوب پیٹ بھر کھا لینے کی وجہ سے مر جاتے ہیں یہ بھی اپنی موت مرتے ہیں نہ کہ پیٹ بھر کھانے کی وجہ سے۔

مجھ تک حضرت ابو سعید خراز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ایک روایت پہنچی ہے فرماتے ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ میرا معاملہ یہ تھا کہ وہ ہر تیسرے دن مجھے کہیں نہ کہیں سے

کھانا کھلاتا تھا ایک دفعہ میں ایک جنگل چلا گیا تین دن گزر گئے کہ کھانے پینے کی کوئی صورت نظر نہیں آئی جب چوتھا دن آ گیا تو میں نے کچھ کمزوری محسوس کی چنانچہ میں ایک جگہ بیٹھ گیا تو اچانک غیب سے آواز سنائی دی اے ابوسعید! کیا تمہارے لئے غذا و خوراک کا انتظام کرنا ہی ضروری ہے یا تمہیں صرف چلنے پھرنے کی طاقت وقوت دیدی جائے تو وہی کافی ہے۔ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا رب! میرے لئے صرف قوت ہی کافی ہے اس کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں چاہئے چنانچہ میں اسی وقت کھڑا ہو گیا اور میں لگاتار بارہ دن تک بغیر کچھ کھائے پئے سفر کرتا رہا اور مجھے کسی بات کی کوئی تکلیف و کمزوری تک محسوس نہ ہوئی لیکن جب بندہ دیکھے کہ کھانے' پینے کے ظاہری اسباب میں رکاوٹ آ رہی ہے اور اپنے اندر اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے کا علم ہو جائے تو یقین کر لینا چاہئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ضرور قوت عطا فرمائے گا لہذا ظاہری اسباب میں رکاوٹ ہونے کی وجہ سے رنجیدہ نہ ہو بلکہ بندہ پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا اس بات پر کثرت سے شکریہ ادا کرے اس لئے کہ یہ اس کا احسان وکرم نوازی ہے کہ اس نے مشقت اور پریشانیوں سے بچا لیا اور ہمیں اپنی امداد سے سرفراز فرمایا اور مقصود اصلی تک پہنچا دیا اور کھانے' پینے کے ظاہری اسباب کی پریشانی اور بوجھ سے نجات عطا فرما دی اور عادت کے خلاف قوت عطا فرمائی اور بغیر کھائے پئے اپنی عبادت کی قدرت عطا فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے بندے کے حال کو فرشتوں کے حال کے مشابہ بھی فرما دیا اور اس کے حال کو چوپایوں اور عام لوگوں کے حال سے بلند فرما دیا ہمارے اس بیان میں غور کرو بلکہ اس عظیم الشان اور کثیر نفع کو غنیمت جانو۔

سوال: میں کہتا ہوں کہ شاید تم کہو کہ آپ نے اس کتاب کی شرط کے خلاف رزق کے

متعلق گفتگو کا سلسلہ لمبا وطویل کر دیا جبکہ آپ نے پہلے کہا تھا کہ اس کتاب میں ہر موضوع بہت اختصار سے بیان کیا جائے گا؟

جواب: میں کہتا ہوں اللہ کی قسم رزق کا معاملہ جتنا اہم و نازک ہے اس کی بہ نسبت یہ بیان بہت ہی کم اور مختصر ہے اس لئے کہ رزق عبادت کے لئے انتہائی اہم و اعظم ہے بلکہ رزق ہی پر دین و دنیا کے تمام معاملات کا دار و مدار ہے لہذا اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جس میں ہمت ہے تو اسے چاہیے کہ ان امور پر مضبوطی کے ساتھ عمل پیرا ہو جائے اور ان کے تمام حقوق کی ادائیگی میں پوری رعایت کرے اور اگر وہ ایسا نہیں کر سکتا تو وہ مقصود سے بہت دور ہے اور جو چیز تمہاری رہنمائی کرنے والی ہے وہ علمائے آخرت اور عارفین باللہ کی بصیرت ہے کہ انہوں نے اپنے تمام معاملات کی بنیاد اللہ تعالیٰ کے توکل اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے علیحدگی اور تمام مخلوق سے تعلقات ختم کر دینے پر رکھی تھی ان علمائے آخرت نے اس موضوع پر بے شمار کتابیں تصنیف فرمائیں اور اپنے انتقال کے وقت اس سلسلے میں بہت سی وصیتیں فرمائیں اور اللہ تعالیٰ نے دین کے معاملے میں کتنے مخلص مددگار اور معاون مہیا فرما دیئے یہاں تک کہ انہوں نے خیر و بھلائی کا وہ مقام و رتبہ حاصل کر لیا جو اہل سنت و جماعت کے خلاف عقیدہ رکھنے والے عابدوں اور زاہدوں کے کسی گروہ کو بھی حاصل نہیں ہو سکا جیسے فرقہ کرامیہ ہے اس لئے کہ ان کے عقیدوں کی بنیاد ہی اصول حقہ کے بالکل خلاف ہے اور جب تک ہم اہل سنت و جماعت اپنے دینی پیشوا اور بزرگان کرام کی سیرت طیبہ اور ان کے نقش قدم پر چلتے رہیں گے اور اپنی عبادت گاہوں مدرسوں سے علم و اخلاق سیکھ کر نکلتے رہیں گے تو اللہ تعالیٰ ہمیں مکرم و معظم رکھے گا اور علم کا امام بنا دے گا چنانچہ علم کے میدان میں رکن

الدین حضرت استاد ابو اسحاق ابراہیم بن محمد' ابو حامد احمد بن ابو طاہر محمد' ابو الطیب طاہر بن عبد اللہ اور ہمارے شیخ امام ابو بکر وراق اور ان کے جیسے اور بہت سے ائمہ و مشائخ ہمارے امام و پیشوا ہیں اور سچی عبادت کے میدان میں حضرت ابو اسحاق ابراہیم بن علی شیرازی' ابو سعید الصوفی' ابو الفتح نصر بن ابراہیم مقدسی وغیرہم جیسے مقدس حضرات ہمارے رہنما ہیں جو لوگ علم اور زہد و تقویٰ میں بلند مقام رکھتے تھے مگر افسوس کہ اب ہم میں سے بعض کے دل کمزور ہو گئے اور ہم ایسی چیزوں میں مبتلا ہوئے کہ جن کے نقصانات اس کے نفع سے زیادہ ہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سلف صالحین کے بعد ہمارے تمام دینی معاملات برعکس (الٹے) ہو گئے اور ہماری ہمتیں جواب دے گئیں اور برکتیں ختم ہو گئیں اور عبادت کی لذتیں اور حلاوتیں ختم ہو گئیں اب بہت مشکل ہے کہ کسی کی عبادت کے یہ اوصاف دوبارہ آ جائیں یا اسے علم نافع اور عبادت کی حقیقت حاصل ہو اور اس وقت ہم میں سے جن لوگوں میں علم و عمل کی معمولی روشنی پائی جاتی ہے اور ہمارے اسلاف کے نقش قدم پر عمل پیرا ہیں وہ صرف ابو عبد اللہ حارث بن اسد زاہد بصری محاسبی اور امام شافعی حضرت محمد بن ادریس شافعی اور ابو ابراہیم اسماعیل بن یحییٰ مزنی اور حضرت ابو عبد اللہ حرملہ بن یحییٰ مصری وغیرہم جیسے ائمہ دین رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں یہ ائمہ کرام ایسے ہیں جن کے اوصاف کسی شاعر نے اس طرح بیان کیے ہیں۔

وَمَا صَحِبُوا الْاَيَّامَ اِلَّا تَعَفُّفًا

وَمَا وَجَدُوا مِنْ حُبِّ سَيِّدِهِمْ بُدًّا

یہ وہ حضرات ہیں جنہوں نے اپنی زندگی انتہائی پاکیزگی و پاکدامنی کے ساتھ گذاری اور وہ اپنے آقا و مولیٰ (اللہ تعالیٰ) کی محبت کے علاوہ کوئی چیز سکون بخش نہیں پاتے۔

اَفَاضِلُ صِدِّیْقُوْنَ اَھْلُ وِلَایَۃٍ
اِلٰی سَیِّدِ السَّادَاتِ قَدْ جَعَلُوْا الْقَصْدَا

یہ لوگ بڑے فضیلت وسچائی والے ہیں جو اللہ کے دوست ہیں ہمیشہ ان کی توجہ سرداروں کے سردار اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رہتی ہے۔

تَحَلَّلَ عَقْدُ الصَّبْرِ مِنْ کُلِّ صَابِرٍ
وَمَا حَلَّتِ الْاَیَّامُ مِنْ عَقْدِھِمْ عَقْدَا

حوادث زمانے نے بڑے بڑے صبر کرنے والوں کی گرہیں کھول دیں مگر ان نفوس قدسیہ کے صبر کی ایک گرہ بھی نہ کھول سکے۔

اور ہم لوگ ابتدائے زمانہ میں دین اسلام کی پیروی کرنے کی وجہ سے بادشاہ تھے لیکن دین اسلام کی پیروی نہ کرنے کی وجہ سے اب ہم ایک بازاری شخص کی طرح ہو گئے۔ ہم دین کے شہسوار تھے اور اب ہم پیدل ہو گئے کاش کہ ہم ایک مرتبہ بھی راہ راست سے نہ ہٹے ہوتے اور اللہ تعالیٰ ہی مصیبتوں پر ہمارا مددگار ہے اور اسی سے ہم خلوص دل کے ساتھ سوال کرتے ہیں کہ وہ ہم میں دین کی جو معمولی خوشبو و رمق (معرفت کا تھوڑا حصہ) باقی رہ گئی اسے نہ چھینے بے شک وہ بخشش و کرم فرمانے والا اور احسان و رحم فرمانے والا ہے عبادت کی قوت نہیں اور نہ گناہوں سے بچنے کی طاقت ہے مگر اللہ بزرگ و برتر کی توفیق سے۔

تفویض (سپرد کرنے) کا بیان

تفویض کے معنی تمہیں معلوم ہو چکا ہے کہ اپنے تمام معاملات اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دینا تفویض کو مکمل طریقہ پر سمجھنے کے لئے دو باتوں کا سمجھنا ضروری ہے۔

(۱) پہلی بات یہ ہے کہ کسی بھی چیز یا کسی معاملے کی اچھائی وخرابی میں وہی شخص فرق و امتیاز کرسکتا ہے جو اس معاملے کو ہر جہت سے جانتا ہو اور اس کے ظاہر و باطن اور اس کے حال و انجام سے پوری طرح آگاہ وخبردار ہو اور اگر کسی شخص کو کسی چیز کی اچھائی برائی وغیرہ کا علم نہ ہو تو وہ اچھے بُرے اور غلط صحیح، کھرے کھوٹے میں ہرگز فرق نہیں کرسکتا تم اس بات کو اس طرح سمجھو کہ اگر تم کسی بدوی (جنگلی) یا دیہاتی یا بکریاں چرانے والے سے کہو کہ ان درھموں کو پرکھو اور کھرے کھوٹے میں فرق کرو یعنی دیکھو اس میں کون کھرا اور کون کھوٹا ہے۔ تو وہ کھرے کھوٹے میں فرق و تمیز نہیں کرسکتا کیونکہ وہ اس سے بے خبر ہے اور اسی طرح اگر تم یہی بات کسی صراف (سنار) کے علاوہ کس شہری سے کہو گے تو اسے بھی دشواری ومشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا اس لئے کہ اس پر بھی تم مطمئن نہ ہو گے لہذا جبتک ایسے سنار کو نہ دو گے جو سونے چاندی اور اس کے اسرار و خواص سے اچھی طرح واقف ہو تو تم مطمئین نہ ہو گے اور ایسا علم جو تمام معاملات کو ہر جہت وطریقہ سے محیط ہو وہ صرف اللہ رب العالمین کو ہی ہے لہذا اللہ تبارک وتعالیٰ کے سوا کسی کو لائق و مناسب نہیں کہ معاملات کے اچھے بھلے ہونے کا فیصلہ کرے اور ان کی تدبیر خود ہی کرے بلکہ یہ سب کچھ اللہ وحدہٗ لاشریک کے ساتھ ہی مخصوص ہے اسی لئے اللہ عزوجل قرآن کریم میں ارشار فرماتا ہے: **وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ ؕ وَمَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ** (پ۲۰ سورۃ القصص آیت۶۸) اور تمہارا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور پسند فرماتا ہے ان (مشرکوں) کا کچھ اختیار نہیں۔

پھر دوسرے مقام پر ارشاد فرماتا ہے: **وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ** (پ۲۰ سورۃ القصص آیت۶۹) اور تمہارا رب جانتا ہے جو ان کے سینوں میں

(کفر اور عداوت رسول) چھپا ہے اور جو ظاہر کرتے ہیں۔

ایک بزرگ کے بارے میں روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں ارشاد ہوا'' جو چاہو مانگو تمہیں عطا کیا جائے گا اور وہ بزرگ مستجاب الدعوات تھے تو انہوں نے عرض کیا سبحان اللہ! وہ ذات پاک جو تمام معاملات وعلوم پر حاوی ہے ایک ایسے جاہل سے فرماتی ہے جو چاہو مانگو جسے کسی بھی چیز کے متعلق یہ علم نہیں کہ وہ میرے لئے بہتر ہے یا نہیں تا کہ میں اس کے متعلق سوال کروں لہذا اے میرے پروردگار! میرے حق میں جو بہتر ہو وہ تو اختیار و مقدر فرمادے۔

(۲) تفویض کی حقیقت سمجھنے کے لئے دوسری چیز جس کا سمجھنا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص تم سے یہ کہے کہ تمہارے سارے معاملات میں انجام دوں گا اور تمہاری مصلحتوں اور ضرورتوں کی تمام چیزوں کی تدبیر میں کرونگا لہذا تم اپنے تمام معاملات میرے حوالے کردو اور تم اپنے کسی اہم کام میں مشغول ہوجاؤ جبکہ یہ شخص تمہارے نزدیک اپنے زمانے میں تمام معاملات کا سب سے زیادہ واقف وجان کار ہے اور سب سے زیادہ منصف ہے اور اپنے کاموں کو پورا کرنے میں سب سے زیادہ طاقتور ہے اور لوگوں پر سب سے زیادہ مہربان ہے اور سب سے زیادہ متقی و پرہیزگار ہے اور گفتگو کرنے میں سب سے زیادہ سچا ہے اور سب سے زیادہ وعدہ پورا کرنے والا ہے تو کیا تم اس شخص کی اس عظیم پیشکش کو اپنے لئے بہترین غنیمت نہیں سمجھو گے اور بہت بڑی نعمت نہیں شمار کرو گے اور کیا تم اس کے بہت بڑے احسان مند نہ ہو گے اور اس کے بے انتہا شکر گذار نہ ہو گے اور تم اس کی بہت زیادہ تعریف وتوصیف نہ بیان کرو گے؟ یقینا کرو گے پھر جب وہ شخص تمہارے لئے کسی چیز کو منتخب و پسند کرے جسکی

عمدگی کے متعلق تمہیں کچھ علم نہ ہو تو تم اس کے اس انتخاب و پسندیدگی پر ہرگز رنجیدہ اور کبیدہ خاطر نہ ہوگے بلکہ تم اس کی اس تدبیر پر پورا اعتماد و بھروسہ کرلوگے اور اسکی اس تجویز پر اطمینان کا اظہار کروگے اور تمہیں پورا یقین ہوگا کہ یہ شخص میرے لئے وہی چیز پسند کرے گا جو میرے حق میں بہتر و مفید ہوگی اگرچہ اس کا انجام کیسا ہی ہو اس کے باوجود تم اس پر کامل اعتماد کرتے ہوئے اپنے سارے معاملات اس شخص کے سپرد کرکے بالکل مطمئن و بے فکر ہوجاتے ہو جب تم ایک انسان پر اس طرح بھروسہ کرلیتے ہو تو تمہیں کیا ہوا ہے کہ تم اپنے تمام معاملات سارے جہان کے پروردگار اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حوالے نہیں کرتے حالانکہ وہی آسمان و زمین کے تمام معاملات کی تدبیر کرتا ہے اور وہ سب جاننے والوں سے زیادہ جاننے والا ہے اور ہر قادر سے بڑھ کر قادر ہے اور تمام مہربانوں سے زیادہ مہربانی فرمانے والا ہے اور ہر بے نیاز سے زیادہ بے نیاز ہے وہ ذات اپنے کامل علم اور اپنی حسن تدبیر سے تمہارے لئے وہ چیز پسند کرے گی جس کا تم وہم وگمان بھی نہیں کرسکتے جب تمہارے تمام معاملات کا ضامن اور کفیل اللہ تبارک وتعالیٰ ہے تو چاہئے کہ تمام تعلقات چھوڑ کر آخرت کی اصلاح میں مشغول ہوجاؤ اور جب اللہ تعالیٰ تمہارے لئے کوئی چیز منتخب فرمائے تو تم اس پر راضی و خوش رہو اگرچہ اس کی اچھائی و برائی تم پر عیاں نہیں ہے اس لئے کہ جو چیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگی وہ تمہارے حق میں بہتر اور اچھی ہوگی لہذا ہدایت کی غرض سے غور و فکر کرو ان شاء اللہ تعالیٰ کامیاب ہوگے اور ہر کام اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہوگا۔

رضا بالقضاء کا بیان

رضا بالقضاء کے بارے میں بھی دو ایسی چیزوں کا جاننا ضروری ہے جن کے

کسی اور چیز کی ضرورت ہی نہیں۔

پہلی چیز: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلہ اور تقدیر پر راضی ہونے کا حال اور مستقبل (ابھی، آئندہ) میں کیا فائدہ ہے۔

رضا بالقضاء کا وقتی فائدہ یہ ہے کہ دل فضول اور بے کار شواغل اور ہر قسم کی فکر و غم سے پاک ہوجاتا ہے اسی وجہ سے کسی زاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ جب قضاء و قدر حق ہے تو اس کی فکر کرنا باطل وفضول ہے اور اس زاہد کے قول کی اصل و بنیاد وہ حدیث شریف ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے عبد اللہ! تم اپنے ہر معاملے میں اپنی فکر کو کم کرو اس لئے کہ جو کچھ مقدر ہو چکا ہے وہ ہونا ہے اور جو تمہارے مقدر میں نہیں وہ ہرگز نہیں ہوگا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ایسا کلام ہے جو بہت جامع و بلیغ ہے کہ الفاظ کے اعتبار سے کم ہے مگر بے شمار معانی وفوائد سے پر ہے۔

اور رضا بالقضاء کا انجام کے اعتبار سے اور بعد کے لحاظ سے یہ فائدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے اور اس کی مقدر کی ہوئی چیز پر راضی ہونے والے کو اللہ تعالیٰ اجر وثواب اور اپنی رضا وخوشنودی عطا فرماتا ہے چنانچہ خود اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: **رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ** (پ۳۰ سورۃ البینۃ آیت۸) اللہ ان (فرمانبرداروں) سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں۔

اور برخلاف اس کے کہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی وقتی طور پر اس دنیا میں بھی فکر وغم اور پریشانی کا سبب ہے اور آخرت میں بھی خواہ مخواہ عذاب وسزا اور بوجھ کا باعث بنے گی

کیونکہ قضاء الٰہی تو یقینا نافذ ہو کر رہے گی وہ تمہاری ناراضگی اور تمہارے چاہنے سے ہرگز نہیں بدل سکتی چنانچہ کسی شاعر نے کہا ہے۔

مَا قَدْ قُضِیَ یَا نَفْسُ فَاصْطَبِرِیْ لَہٗ
وَلَکِ الْاَمَانُ مِنَ الَّذِیْ لَمْ یُقْدَرِ

اے نفس! تیرے لئے جو کچھ مقدر ہو چکا ہے اس پر صبر کر اور جو کچھ تیرے مقدر میں نہیں ہے اس سے تو محفوظ و سلامت ہے اس سے تجھے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔

وَ تَحَقَّقِیْ اَنَّ الْمُقَدَّرَ کَائِنٌ
حَتْماً عَلَیْكِ صَبَرْتِ اَمْ لَمْ تَصْبِرِیْ

اور اے نفس! تو اس بات کا پکا یقین رکھ کہ جو کچھ تیرے مقدر میں ہے وہ ضرور ہو کر رہے گا خواہ تو صبر کرے یا صبر نہ کرے۔

اور عقلمند و سمجھدار آدمی بلا وجہ راحت قلب اور جنت کے ثواب کو چھوڑ کر اس چیز کو ہرگز اختیار نہیں کرے گا جو آخرت میں عذاب و عقاب کا سبب بنے۔

دوسری چیز: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی میں عظیم خطرات اور نقصانات اور کفرو نفاق میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس سے محفوظ رکھے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر غور کرو: فَلَا وَ رَبِّكَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَكِّمُوْكَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَ یُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا (پ۵ سورۃ النساء آیت ۶۵) تو اے محبوب! تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہونگے جبتک اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں پھر جو کچھ تم حکم دو اپنے دلوں میں اس سے رکاوٹ ورنجش نہ پائیں اور دل سے مان لیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں اس شخص کے ایمان کی ہی نفی فرمادی اور اس کے ایمان ختم ہونے پر قسم کا بھی ذکر فرمایا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلہ پر ناراضگی کا اظہار کرے یا حضور کے فیصلہ سے اپنے دل میں ذرہ برابر بھی تنگی اور رنجش محسوس کرے تو جو شخص اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کو نہ مانے بلکہ الٹا اس سے ناراضگی کا اظہار کرے تو وہ کیسے مسلمان ہوسکتا ہے؟

حدیث قدسی میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جو شخص میرے فیصلہ پر راضی نہ ہو اور میری آزمائشوں پر صبر نہ کرے اور میری عطا کی ہوئی نعمتوں کا شکر ادا نہ کرے تو وہ میرے علاوہ کسی اور کو اپنا معبود بنالے (طبرانی کبیر)

دوسرے الفاظ میں یوں سمجھو کہ اس حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ جب یہ شخص ناراض ہوتا ہے تو میرے فیصلہ پر ناراض ہوتا ہے تو وہ میرے رب ہونے پر راضی نہیں ہوتا لہذا وہ کوئی اور معبود بنالے جس سے وہ راضی ہو۔ یہ حدیث تھوڑی سی بھی عقل رکھنے والے کے لئے انتہائی زجر وتوبیخ اور باعث وعید ہے۔

ایک بزرگ سے جب عبودیت اور ربوبیت کا معنی پوچھا گیا تو انہوں نے کیا خوب جواب ارشاد فرمایا "ربوبیت یہ ہے کہ وہ (اللہ تعالیٰ) جو چاہے حکم نافذ فرمائے اور عبودیت یہ ہے کہ وہ (بندہ) اپنے رب کے ہر حکم وفیصلہ کو بے چون وچرا مان لے اور جب رب کسی بات کا حکم دے اور بندہ اس کو نہ کرے بلکہ اس سے راضی نہ ہو تو وہاں نہ عبودیت ہے نہ ربوبیت۔

اس دوسری اصل اور وجہ میں غور کرو اور اپنے آپ کو عبودیت کے لائق بناؤ تا کہ تم اللہ کی مدد اور اس کی توفیق سے محفوظ وسلامت رہو۔

صبر کا بیان

صبر ایک کڑوی دوا ہے اور ناپسندیدہ شربت ہے مگر اس کے باوجود بہت متبرک ہے اور ہر قسم کے نفع کی دعوت دیتا ہے اور تم سے ہر قسم کے نقصان کو دفع کرتا ہے جب صبر ایسی بابرکت اور نفع بخش دوا ہے تو عقلمند انسان اپنی طبیعت و نفس کو ایسی دوا پینے پر مجبور کرتا ہے اور گھونٹ گھونٹ کر کے پی لیتا ہے اس کی تلخی کو برداشت کرتا ہے اور اس دوا کی تلخی تو ایک گھڑی کے لئے ہے اور اس کا نفع و راحت سالہا سال تک کے لئے ہے اب ہم ان منافع کی تفصیل بیان کرتے ہیں جو منافع صبر کرنے سے حاصل ہوتے ہیں پس جان لو کہ صبر کی چار قسمیں ہیں (۱) طاعت و عبادت پر صبر کرنا (۲) گناہوں و نافرمانی سے صبر کرنا (۳) دنیا کی ضرورت سے زائد چیز پر صبر کرنا (۴) مصائب و آلام پر صبر کرنا۔

جب کوئی بندہ صبر کی تلخی برداشت کرے اور صبر کی ان چاروں قسموں پر عمل پیرا ہو جائے تو اسے اللہ تعالیٰ کی طاعت اور استقامت کے مراتب حاصل ہو جائیں گے اور آخرت میں اس کا بہت بڑا ثواب ملے گا پھر ایسا بندہ گناہوں اور گناہوں کی بلاء میں مبتلاء نہ ہوگا اور آخرت میں گناہوں کے وبال سے محفوظ ہوگا پھر ایسا شخص دنیا کی طلب میں مبتلا نہ ہوگا اور پانچ روزہ زندگی میں دنیاوی مشاغل سے محفوظ رہے گا اور آخرت میں عذاب سے بھی محفوظ رہے گا پھر اگر دنیاوی آزمائش میں مبتلا ہو جائے اور دنیا کی عیش و عشرت ختم ہو جائے تو اس سے رنجیدہ بھی نہیں ہوتا اور نہ اس کا اجر و ثواب ضائع ہوتا ہے غرض انسان کو صبر کرنے کی وجہ سے طاعت اس کے بلند درجات، طاعت کا ثواب، زہد و تقویٰ اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے اچھا بدلہ، اچھی جزا اور بے حد و

حساب ثواب ملتا ہے اور صبر کی مکمل تفصیل اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

صبر نقصان دہ چیزوں کو دور کرتا ہے تو صبر کرنے والے کو اولاً دنیا میں جزع وفزع کی مشقت وتکلیف سے راحت وسکون مل جاتا ہے اور پھر آخرت میں بے صبروں کو دیئے جانے والے عذاب وعقاب سے محفوظ ہوجاتا ہے لیکن جب انسان بے صبری اختیار کرلے اور جزع وفزع اور شکوہ کرنے لگے تو اس کی ہر قسم کی منفعتیں فوت ہوجاتی ہیں اور طرح طرح کے نقصانات وتکالیف میں مبتلاء ہوجاتا ہے اس لئے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی طاعت وبندگی کی مشقت برداشت نہیں کرسکتا اور اس پر صبر نہیں کرسکتا تو وہ طاعت وبندگی بھی نہیں کرسکتا اور اس بے صبری کی وجہ سے وہ طاعت وبندگی کی کبھی حفاظت نہیں کرسکتا اس لئے اس کا اجر وثواب بھی ضائع وبرباد ہوجاتا ہے یا اللہ تعالیٰ کی عبادت وبندگی پر ہمیشگی ودوام نہیں کرسکتا جسکی وجہ سے استقامت کا بلند مرتبہ نہیں حاصل کرسکتا یا گناہ ونافرمانی پر صبر نہ کرے گا تو گناہ میں مبتلاء ہوجائے گا یا لغو وبیہودہ باتوں پر صبر نہ کرے گا تو وہ فضولیات میں پڑ جائے گا یا مصائب وآلام پر صبر نہ کرے گا تو صبر کے ثوابِ عظیم سے محروم ہوجائے گا اور بسا اوقات زیادہ جزع وفزع کرنے اور بے صبری کا مظاہرہ کرنے سے صبر کے اخروی ثواب کے علاوہ دنیاوی بدلہ بھی ہاتھ سے نکل جاتا ہے تو صبر نہ کرنے والے کو دو، دو مصیبتیں لاحق ہوجاتی ہیں۔

پہلی مصیبت: یہ ہے کہ دنیا کی نعمتیں فوت ہوجاتی ہیں۔

دوسری مصیبت: یہ ہے کہ آخرت کا اجر وثواب اور بدلہ بھی فوت ہوجاتا ہے اس کے علاوہ بہت ساری الجھنیں پیدا ہوجاتی ہیں اور صبر جیسی عظیم نعمت سے محروم ہو جاتا ہے کسی بزرگ نے سچ فرمایا ہے ''مصیبت کے وقت صبر نہ کرنا مصیبت سے زیادہ

سخت و بدتر مصیبت ہے' لہذا ایسی چیز کو اختیار کرنے کا کیا فائدہ جو حاصل شدہ چیز کو بھی فوت کردے اور گمی ہوئی چیز کو واپس نہ لاسکے لہذا کوشش کرو کہ ایک چیز فوت ہو جائے تو دوسری چیز فوت نہ ہونے پائے۔ اور صبر ہی کی اہمیت وفضیلت کے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ سے انتہائی جامع و بہترین قول منقول ہے آپ نے ایک شخص کی بیمار پرسی کی تو صبر کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا ''اگر تم مصیبت پر صبر کرو گے تو اللہ تعالیٰ نے تیری تقدیر میں جو مقدر فرمایا ہے وہ ہو کر رہے گا اور تم اجر وثواب بھی پاؤ گے اور اگر تم جزع فزع اور بے صبری کا مظاہرہ کرو گے تو بھی جو تقدیر میں ہے ہو کر رہے گا مگر گنہگار رہو گے''

پھر میں (امام غزالی) کہتا ہوں کہ دل کو دنیا کی مرغوب چیزوں سے علیحدہ کرکے اور نفس امارہ کو اس کی بُری پختہ عادت سے روک کر محض اللہ عزوجل کی ذات پر بھروسہ کرنا اور اپنے تمام معاملات کی تدابیر وتجاویز کو چھوڑ دینا اور اپنے تمام معاملات اور ان کے نفع ونقصان اور ان کی باریکیوں کو جانے بغیر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سپرد کردینا اور نفس میں جزع وفزع کی رغبت وخواہش ہوتے ہوئے اسکو اس سے روکنا اور نفس کو رضا بالقضاء کی لگام ڈالنا اور صبر ورضا سے نفرت ہونے کے باوجود نفس کو صبر کے تلخ اور کڑوے گھونٹ پلانا بے شک یہ سب معاملات بہت تلخ اور علاج بہت سخت اور ایسے بھاری اور بوجھل ہیں کہ ناقابل برداشت ہیں لیکن اس کے باوجود تدبیر نہایت عمدہ اور راستہ سیدھا ہے اور اسی سے اپنی اصلاح ودرستگی ہو سکتی ہے اور اس کا انجام بہت اچھا ہے اور اسی سے سعادت ونیک بختی کے احوال حاصل ہوتے ہیں۔

اس مشفق اور مالدار باپ کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جو اپنے آنکھوں کے بیمار پیارے و چہیتے بیٹے کو کھجور یا سیب وغیرہ پھل کھانے سے روک دے بلکہ اسے پھل

فروٹ دینے کے بجائے کسی سخت اور ہوشیار معلم کے حوالے کر دے جو سارا دن (تعلیم دینے کے لئے) اسے اپنے پاس روکے رکھے اور اسے ڈانٹ پھٹکار کرتا رہے اور اس کا باپ اسے پچھنا (سینگی) لگوانے کے لئے حجام کے پاس لے جائے جو اسے اپنے جراحی عمل سے تکلیف دے اور اسے قلق واضطراب میں مبتلا کر دے تو کیا تم یہ کہہ سکتے ہو کہ اس کا باپ اپنے بخل و کنجوسی کی وجہ سے اسے پھل فروٹ کھانے سے منع کرتا ہے ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا جبکہ اس کا باپ اجنبی لوگوں پر فراخ دلی وفیاضی کے ساتھ خرچ کرتا ہے اور انہیں مال و دولت عطا کرتا ہے بھلا بتاؤ ایسا شخص اپنی لاڈلی اولاد کے حق میں کیسے بخیل ہوسکتا ہے اور اپنی اولاد کو اپنے مال و دولت سے کیونکر منع کرسکتا ہے اور اپنی اولاد کو کیونکر ذلیل وخوار کرسکتا ہے حالانکہ جو کچھ اس کے پاس ہے سب اس کی اولاد ہی کا ہے کیا اس کا باپ پھل فروٹ کھانے سے منع کر کے اور سخت معلم کے حوالے کر کے اسے دکھ اور تکلیف دینا چاہتا ہے ہرگز نہیں کیونکہ اس کا بیٹا تو اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اور اس کے دل کا چین ہے بلکہ اس باپ کا حال تو یہ ہے کہ اگر اس کے بیٹے کو ہوا بھی لگ جائے تو باپ بے چین و بے قرار ہو جاتا ہے ایسا ہرگز مت گمان کرو کہ باپ اپنے بیٹے کو ایذا و تکلیف وغیرہ دینا چاہتا ہے بلکہ وہ اپنے بیٹے کے ساتھ ایسا سلوک اس لئے کرتا ہے کہ وہ جانتا ہے اسی میں اس کی بہتری اور بھلائی ہے اور تعلیم و تربیت کی اس مختصر تکلیف ومشقت سے اس کا بیٹا عظیم صفات وکمالات کا مالک بن جائے گا اور اسی طرح اس خیر خواہ ومخلص اور ماہر حکیم کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جو ایک شدید بیمار کو پانی پینے سے منع کرتا ہے حالانکہ پیاس کی شدت کی وجہ سے اس مریض کا حال خراب ہو رہا ہے اور اس کا کلیجہ جل رہا ہے لیکن اس کے باوجود وہ حکیم اس بیمار کو نہایت

تلخ اور کڑوی دوا دیتا ہے جو اس مریض کی طبیعت اور اس کے نفس پر گراں ہوتی ہے تو کیا تم اس منع کرنے اور کڑوی دوا پلانے کی وجہ سے اس ماہر حکیم کے بارے میں یہ گمان کر سکتے ہو کہ وہ حکیم مریض سے دشمنی اور عداوت اور اسے اذیت و تکلیف دینے کے لئے کڑوی دوا دے رہا ہے ہرگز نہیں بلکہ اس میں اس مریض کے ساتھ بھلائی و خیر خواہی اور احسان ہے اس لئے کہ طبیب جانتا ہے کہ مریض اپنی خواہش کے مطابق جو کچھ مانگتا ہے اس میں اس کی ہلاکت اور موت ہے اور اسے ان چیزوں سے منع کر دینے میں ہی اس کی شفاء و بقاء اور تندرستی ہے لہذا تمہیں ان مثالوں میں غور کر کے سمجھ لینا چاہئے کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی وقت تمہیں ایک روٹی یا ایک درہم نہیں عطا فرماتا تو تمہیں یقین کر لینا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری خواہش کا مالک ہے اور ان چیزوں کو تم تک پہنچانے پر قادر ہے اور وہی جود و سخا اور فضل و کرم کا مالک ہے اور اللہ تعالیٰ تمہاری تنگدستی سے اچھی طرح باخبر ہے اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں اس کے باوجود اگر اللہ عز و جل تمہیں تمہاری خواہش کی چیزیں نہیں عطا فرماتا تو اس کا یہ مطلب ہرگز ہرگز نہیں کہ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ وہ چیز اس کے خزانے میں نہیں یا وہ اس سے عاجز ہے یا اسے تمہارے حال کا علم نہیں یا وہ بخیل ہے وہ تو ان تمام عیوب و نقائص سے پاک اور منزہ و مبرا ہے اس لئے کہ وہ تمام مالداروں سے زیادہ غنی (مالدار) ہے اور تمام قدرت والوں سے زیادہ قادر ہے اور تمام عالموں سے بڑھ کر عالم ہے اور تمام سخیوں سے بڑا جواد ہے لہذا تم یقین کر لو کہ وہ تمہیں تمہاری خواہش کی چیزیں بعض اوقات اسی لئے نہیں عطا فرماتا کہ اس میں تمہاری بہتری و بھلائی ہے عطا نہ فرمانے کی ہرگز یہ وجہ نہیں کہ وہ عاجز یا بخیل ہے اسی لئے وہ تو اپنے مقدس کلام میں یوں ارشاد فرماتا ہے: هُوَ

الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا (پ۱ سورۃ البقرۃ آیت ۲۹) اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے پیدا فرمایا جو کچھ زمین میں ہے۔

اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے زمین میں جو کچھ ہے سب ہم نے تمہارے لئے پیدا کیا تو اس کی طرف بخل کی نسبت کیسے ہوسکتی ہے نیز اس نے تمہیں اپنی معرفت جیسی عظیم نعمت کے سمندر پھیلا دیئے اور اسی کی وجہ سے دنیا حاصل ہوتی ہے حدیثِ مشہور میں آیا ہے ،،اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے میں اپنے دوستوں کو دنیا کی نعمتوں سے اس طرح دور رکھتا ہوں جس طرح مہربان چرواہا اپنے اونٹ کو خارش والے اونٹوں کی جگہوں سے دور رکھتا ہے،، جب اللہ تعالیٰ تمہیں دنیاوی مشقتوں اور مصیبتوں میں مبتلا فرمائے تو تمہیں یقین کرلینا چاہیئے وہ تمہارا امتحان لینے اور تمہیں آزمائش میں مبتلا کرنے سے بے نیاز ہے وہ تمہارے حال سے اچھی طرح واقف ہے' تمہاری کمزوری کو بھی بخوبی جانتا ہے اور وہ تم پر نہایت مہربان اور رحم فرمانے والا ہے کیا تم نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان نہیں سنا فرماتے ہیں: بے شک اللہ تعالیٰ اپنے مؤمن بندہ پر اس ماں سے زیادہ مہربان ہے جو اپنے بچے پر شفقت کرتی ہے (صحیح البخاری و صحیح مسلم عن عمر بن خطاب)

جب تمہیں اس بات کا علم ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں آزمانے اور تمہارا امتحان لینے سے بے نیاز ہے وغیر ذلک تو تمہیں اس بات کا بھی یقین کرلینا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ صرف تمہاری اصلاح و درستگی ہی کے لئے تمہیں تکلیف و مصیبت میں مبتلاء فرماتا ہے مگر تم ان کے اسرار سے بے خبر ہو اللہ تعالیٰ اصلاح سے باخبر ہے اسی وجہ (اصلاح اور ترقی درجات) سے اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں اور اپنے مقرب و برگزیدہ بندوں کو بہت زیادہ آزمائش و مصائب میں مبتلاء فرماتا ہے حالانکہ یہ لوگ اللہ کی بارگاہ میں انتہائی باعزت

و باوقار ہیں اسی لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کو اپنا دوست بناتا ہے تو اسے مختلف آزمائشوں میں مبتلاء فرماتا ہے۔

اور دوسرے مقام پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: بے شک سب سے زیادہ امتحان و آزمائش میں انبیاء کرام مبتلاء کئے جاتے ہیں پھر شہداء پھر وہ جو درجہ وفضیلت میں ان کے قریب ہیں پھر جو ان کے قریب ہیں۔ لہذا جب تم دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے دنیا کی نعمتیں روک لی ہیں یا تم پر سختیوں اور بلاؤں اور مصیبتوں کی کثرت و یلغار ہو تو یقین کرلو کہ تم اللہ کی بارگاہ میں باعزت و باوقار ہو گئے اور اللہ کی بارگاہ میں صاحب مرتبہ ہو گئے اور اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے دوستوں کے راستہ پر چلا رہا ہے اس لئے کہ وہ تمہارے حالات سے بخوبی واقف ہے اور وہ کسی بات میں تمہارا محتاج نہیں بلکہ وہ ان سب باتوں سے بے نیاز ہے کیا تم نے اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ فرمان نہیں سنا: وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا (پ۲۷ سورۃ الطور آیت ۴۸) اور اے محبوب! تم اپنے رب کے حکم پر ٹھہرے رہو بے شک تم ہماری نگہداشت میں ہو۔ بلکہ ان مصائب و مشکلات کے وقت تمہیں اللہ تعالیٰ کا احسان مند ہونا چاہئے کہ تم پر اس کے بڑے احسانات ہیں مثلاً وہ تمہاری نگہبانی و حفاظت کرتا ہے' تمہاری اصلاح فرمانا چاہتا ہے تمہیں زیادہ سے زیادہ اجر وثواب عطا فرمانا چاہتا ہے اور آخرت میں نیکوں کے مرتبہ پر فائز کرنا چاہتا ہے چنانچہ ان مصائب و آلام پر صبر کرنے کا کتنا عمدہ نتیجہ وانجام ہے اور قسم قسم کے انعامات و بخششیں ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی اپنے فضل وکرم سے توفیق عطا فرماتا ہے اور بڑا مددگار ہے۔

فصل: خلاصئہ کلام یہ ہے کہ جب تمہیں یقین ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اس رزق کا

ضامن ہو چکا جس سے تمہاری زندگی کی بقاء وابستہ ہے اور جس سے تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کو قائم و دائم رکھ سکو اور بے شک وہ تمام امور پر قادر ہے جسے چاہتا ہے جیسے چاہتا ہے وجود بخشتا ہے اور تمہاری ہر حالت اور ہر گھڑی کی حاجت کو جانتا ہے لہذا تمہیں اللہ تعالیٰ کی ضمانت و کفالت اور اس کے سچے وعدہ پر اعتماد و بھروسہ کرنا چاہئے اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر اس اعتماد و بھروسہ کی وجہ سے تمہارا دل مطمئن اور پر سکون ہو جائے گا اور تم دنیا کے تمام تعلقات و اسباب سے بالکل علیحدہ ہو جاؤ گے اور تمہارا دل ان تمام اسباب و تعلقات سے پھر جائے گا اس لئے کہ دنیا کے تمام تعلقات و اسباب بھی تمہیں بغیر اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بے نیاز نہیں کر سکتے اور تمہاری کفایت نہیں کر سکتے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کھانے پینے کی چیزوں میں سہولت و آسانی پیدا فرماتا ہے پھر وہ اس پر تہنیت و مبارک بادی پیش کرتا ہے پھر ان چیزوں کے ذریعے بدن میں تقویت و نفع بھی پہنچاتا ہے اور ان اسباب سے پیدا ہونے والی ہر قسم کی گرانی اور نقصان کو اللہ تعالیٰ ہی دور فرماتا ہے اللہ تعالیٰ بالکل بے نیاز ہے جب چاہے ان اسباب کے بغیر تمہیں بے نیاز کر دے غرض ہر قسم کے معاملات اسی ذات وحدہ لا شریک لہ کے اختیار و قبضہ میں ہیں لہذا اسی کی ذات پر توکل و بھروسہ کرو اور اسی طرح اپنے تمام معاملات میں اپنی تدابیر کو اہمیت نہ دو بلکہ اس ذات کے سپرد کر دو جو آسمان و زمین کے نظام کی تدبیریں کرتا ہے اور تم اپنے آپ کو آئندہ کے تمام معاملات میں غور و فکر اور تدابیر سے نجات و راحت دے دو اس لئے کہ تمہارے علم اور فکر و فہم کی رسائی آنے والے معاملہ میں وہاں تک نہیں ہو سکتی اور تم اپنے آپ کو ہر آنے والے معاملے میں غور کرنے اور الجھنے کہ کل ہوگا یا نہیں ہوگا اور کیسے ہوگا اور **لَعَلَّ** (شاید یہ کام ہو جائے) اور **لَوْ** (اگر

ایسا کروں تو یہ کام ہو جائے گا) سے بچاؤ اس لئے کہ اس میں وقت ضائع کرنے اور دل مشغول و مصروف ہونے کے سوا کچھ نہیں ممکن ہے کل ایسے امور اور حالات پیش آجائیں جن کا تمہیں وہم وگمان بھی نہ ہو تو تم جو پروگرام بنا رہے تھے اور جن معاملات میں غور وفکر کر رہے تھے ان میں سے کچھ بھی نہ ہو سکے اور اسی غور وفکر میں تمہارا قیمتی وقت لغو اور بے کار اور بے سود ضائع ہو جائے بلکہ یہ ایسا خسارہ ہے کہ جس پر ندامت و پشیمانی ہوتی ہے اور اس میں دل کی مشغولیت اور عمر عزیز برباد کرنے کی وجہ سے بہت بڑا نقصان ہے اسی بات کو کسی زاہد و متقی رضی اللہ عنہ نے یوں بیان کیا ہے۔

سَبَقَتْ مَقَادِيْرُ الْاِلٰهِ وَحُكْمُهٗ
فَاَرِحْ فُؤَادَكَ مِنْ لَعَلَّ وَمِنْ لَوْ

اللہ تعالیٰ کے فیصلے اور احکام نافذ ہو چکے لہذا تم اپنے دل کو لَعَلَّ (شاید) اور لَوْ (اگر، مگر) سے محفوظ رکھو۔

اور ایک دوسرے بزرگ فرماتے ہیں۔

سَيَكُوْنُ مَا هُوَ كَائِنٌ فِيْ وَقْتِهٖ
وَاَخُو الْجَهَالَةِ مُتْعَبٌ مَحْزُوْنُ

جو کچھ مقدر میں ہے وہ اپنے وقت میں ضرور ہو گا اور جاہل خواہ مخواہ مشقت وغم میں مبتلا ہے۔

فَلَعَلَّ مَا تَخْشَاهُ لَيْسَ بِكَائِنٍ
وَلَعَلَّ مَا تَرْجُوْهُ لَيْسَ يَكُوْنُ

تو ممکن ہے جس بات کا خدشہ وخطرہ ہے وہ نہ ہو اور جس کی تمہیں امید ہے وہ بھی نہ ہو۔

تم اپنے نفس سے مختصراً کہو اے نفس! ہمارے حصے میں صرف وہی چیز پہنچے گی جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے حق میں مقدر فرمادی ہے وہ ہمارا آقا و مولیٰ ہے وہی ہمارے لئے کافی اور بہترین کارساز ہے وہ ایسا قادر ہے کہ جس کی قدرت کی کوئی انتہا نہیں اور ایسا حکمت والا ہے کہ اس کی حکمتیں بیان سے باہر ہیں ایسا رحیم ہے کہ جس کی رحمتوں کی کوئی حد و انتہا نہیں جو ان صفات کا مالک ہو وہی توکل و بھروسہ کئے جانے کا اہل ہے اور اسی ذات پر توکل و بھروسہ کیا جائے اور اپنے تمام کام اسی کے حوالے کئے جائیں لہذا تم پر لازم ہے کہ تم اپنے تمام امور اسی کے حوالے کرو اور اسی طرح تم پر یہ بھی لازم ہے کہ تم اپنے دل کو اس بات کا یقین دلاؤ (پختہ عقیدہ رکھو) کہ اللہ تعالیٰ جو کچھ تمہارے لئے فیصلہ فرما چکا اور جو کچھ فرمائے گا سب کچھ میرے لئے زیادہ موافق اور زیادہ بہتر ہے اگرچہ ہمارا علم اس کی کیفیات و اسرار کے جاننے سے قاصر ہے اور تم اپنے نفس کو یہ بھی کہو اے نفس! جو کچھ مقدر میں ہے وہ ضرور ہو کر رہے گا لہذا غصہ کرنے اور بے چین ہونے میں کوئی فائدہ نہیں اور بھلائی و بہتری تو اسی میں ہے جو اللہ تعالیٰ فرمائے اس لئے اس سے ناراضگی اور غصہ کی کوئی وجہ نہیں اے نفس! کیا تو نے رضیت باللّٰہ ربا (میں اللہ کے رب ہونے سے راضی ہوں) نہیں کہا جب اللہ تعالیٰ کی ربوبیت پر راضی ہے تو اس کے فیصلے اور حکم پر کیوں راضی نہیں ہے حالانکہ قضاء تو ربوبیت کی شان وصفت ہے اور اس کے حقوق میں سے ہے لہذا اللہ تعالیٰ کے حکم و فیصلے پر راضی ہونا لازم و ضروری ہے اور اسی طرح جب تمہیں کوئی مصیبت و پریشانی لاحق ہو جائے یا کوئی ناگوار معاملہ پیش آجائے تو اس وقت اپنے نفس کی حفاظت کرو اور اپنے دل کو قابو میں رکھو یہاں تک کہ جزع فزع اور بے چینی اور کسی قسم کی شکایت و دکھ کا اظہار نہ کرو خاص کر پہلے صدمہ

کے وقت کیونکہ صدمہ اولیٰ کے وقت صبر وتحمل کی فضیلت ہے اور یہ ایک دشوار ومشکل مرحلہ ہے اور صدمہ اولیٰ کے وقت نفس پر قابو پانا بہت مشکل ہے کہ نفس اس وقت بہت تیزی سے جزع فزع اور بے چینی کی طرف بڑھتا ہے ایسے وقت میں اپنے نفس سے کہو اے نفس! یہ مصیبت تو سر پر آ گئی ہے اسے دفع کرنے کی کوئی تدبیر اور حیلہ نہیں اور بے شک اللہ تعالیٰ اس سے بھی بڑی بڑی آفتوں اور مصیبتوں سے تمہیں نجات عطا فرما چکا ہے اس لئے کہ بے شمار قسم کی آفتیں اور مصیبتیں اس کے خزانے میں موجود ہیں ان شاء اللہ تعالیٰ یہ مصیبت بھی جلد ہی ختم ہو جائے گی پھر کوئی مصیبت نہ ہوگی اور مصیبت کا یہ بادل بھی عنقریب چھٹ جائے گا لہذا اے نفس! تھوڑی دیر کے لئے صبر وتحمل کا دامن مضبوطی کے ساتھ تھام لے ان شاء اللہ تعالیٰ تمہیں اس کے بدلے دائمی خوشی اور بہت بڑا اجر وثواب ملے گا اور تم جانتے ہو کہ آنے والی مصیبت ٹالی نہیں جا سکتی تو جزع فزع کرنے اور بے چین ہونے اور بے صبری کا مظاہرہ کرنے میں کوئی فائدہ نہیں حقیقت یہ ہے کہ صبر وتحمل کے ہوتے ہوئے کوئی مصیبت وآفت نہیں آتی لہذا جب کوئی مصیبت آئے تو فوراً زبان سے انا للہ و انا الیہ راجعون ٥ کا ورد کرنے لگو اور اپنے دل میں اس اجر وثواب کا تصور کرلو جو تمہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں ملے گا اور ایسے وقت میں صبر وتحمل پر ثابت رہنے والے انبیائے کرام اور اولیائے عظام کے صبر وتحمل کو یاد کرو جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں معزز و باوقار ہیں اور اگر کسی وقت اللہ تعالیٰ تم سے دنیاوی اسباب روک لے تو تم اپنے نفس سے کہو اے نفس! اللہ تعالیٰ تمہارے تمام حالات سے واقف ہے وہ تم پر بہت زیادہ مہربان اور بہت کرم فرمانے والا بھی ہے وہ تو خسیس و ذلیل کتے کو روزی دیتا ہے بلکہ کافر کو بھی روزی دیتا ہے جو اس کا کھلا ہوا دشمن ہے اور میں تو اس کا

پہچاننے اور ایک ماننے والا (مسلمان) بندہ ہوں تو کیا وہ مجھے ایک روٹی بھی نہیں دے سکتا یہ بھی اس کے لئے محال ہے لہذا اے نفس! تو یقین کر لے کہ اگر وہ اس کے باوجود تم سے دنیاوی اسباب روکے تو یقیناً اس میں کوئی بہت بڑا نفع پوشیدہ ہے اور عنقریب اللہ تعالیٰ ہر تنگی اور سختی کے بعد آسانی وسہولت عطا فرمائے گا اے نفس! تھوڑی دیر صبر سے کام لے ان شاء اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اللہ تعالیٰ کے لطف وکرم سے عجیب و غریب اور عمدہ عمدہ چیزوں کا مشاہدہ کروگے کسی شاعر نے کیا خوب بات کہی کیا تم نے نہیں سنا۔

تَوَقَّعْ صُنْعَ رَبِّكَ سَوْفَ يَاْتِيْ

بِمَا تَهْوَاهُ مِنْ فَرَجٍ قَرِيْبِ

اپنے پروردگار کے لطف وکرم کے منتظر رہو عنقریب تمہیں وہ کشادگی وسہولت مل جائے گی جس کے تم خواہش مند ہو۔

وَلَا تَيْاَسْ اِذَا مَا نَابَ خَطْبٌ

فَكَمْ فِي الْغَيْبِ مِنْ عَجَبٍ عَجِيْبِ

اور جب تمہیں کوئی بڑی سے بڑی مشکل ومصیبت پیش آئے تو اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو اس لئے کہ پردۂ غیب میں بہت سے عجائب وغرائب پوشیدہ و پنہاں ہیں۔

اسی طرح ایک اور بزرگ نے فرمایا

اَلَا يَا اَيُّهَا الْمَرْءُ الَّذِيْ الْهَمُّ بِهٖ بَرَّحْ

اے وہ شخص جس کے رنج وغم اور فکریں بڑھ چکی ہیں۔

اِذَا اشْتَدَّتْ بِكَ الْعُسْرٰى فَفَكِّرْ فِيْ اَلَمْ نَشْرَحْ

جب تمہاری تنگی شدت اختیار کر لے تو سورۂ الم نشرح کے معنی میں غور وفکر کرو

فَعُسْرٌ بَيْنَ يُسْرَيْنِ اِذَا كَرَّرْتَهٗ فَافْرَحْ

اس لئے کہ اس سورت میں واضح طور پر فرمایا گیا ہے کہ دو آسانیوں کے درمیان ایک تنگی ہے جتنی تم اس سورۃ کی تکرار کروگے غموں سے کشادگی اور فرحت حاصل ہوگی۔

جب تم اس قسم کی باتوں کو اپنے دل میں لاتے رہوگے اور ان کی تکرار اور مشق کرتے رہوگے اور تھوڑے عرصے تک ہمت ومحنت اور کوشش سے کام لوگے تو تمہاری یہ تمام مشکلیں آسان ہو جائیں گی اور جب تم نے یہ مقام حاصل کر لیا تو یقینا تم نے ان چاروں عوارض (رزق، خطرات، مصائب و آلام اور قضاء الٰہی) سے اپنے آپ کو بچا لیا اور تم نے اپنے نفس کو قابو میں کر لیا اور تم نے ان کی مشقتوں اور بوجھ کو اٹھا لیا اور تم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توکل و بھروسہ کرنے والوں اور اپنے معاملات اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنے والوں اور اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی ہونے والوں اور بلاؤں اور مشقتوں پر صبر کرنے والوں میں سے ہو گئے اور دنیا میں تمہیں دلی اور بدنی راحت مل گئی اور آخرت میں ثوابِ عظیم اور بہت بڑا ذخیرہ حاصل ہو گیا اور اللہ رب العالمین کے حضور بہت بڑا مرتبہ حاصل ہو گیا اور محبت و دوستی کا تاج مل گیا تمہیں دنیا و آخرت کی بھلائی حاصل ہو گئی اور تمہیں اللہ تعالیٰ کی عبادت کا سیدھا راستہ مل گیا اس لئے تمہیں اللہ کی عبادت کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے اور نہ دل کو عبادت سے مشغول کرنے والی کوئی چیز ہے اب تم نے اس کٹھن اور مشکل گھاٹی کو عبور کر لیا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ ہمیں اور تمہیں حسن توفیق عطا فرمائے اس لئے کہ تمام امور اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں وہی ہر چیز کا مالک و مختار ہے اور وہی سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربانی فرمانے والا

ہے گناہوں سے بچنے کی قوت نہیں مگر اللہ ہی کی توفیق سے اور اللہ کی طاعت وعبادت کی طاقت نہیں مگر اسی کی توفیق سے۔

پانچویں گھاٹی طاعت وبھلائی پر ابھارنے والے اسباب کے بیان میں

اے میرے دینی بھائی! جب تمہارے لئے عبادت کی راہ ہموار اور درست ہوگئی اور عبادت کا راستہ آسان وسہل ہوگیا اور ہر قسم کی رکاوٹیں دور ہوگئیں اور ہر قسم کے عوارض ختم ہوگئے تو اب تمہیں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی راہ پر چلنا لازمی وضروری ہے لیکن اس راہ پر اسی وقت چلنا ممکن ہے جب تم اپنے اندر خوف ورجاء کا شعور پیدا کرلو اور ان دونوں کو کماحقہ اختیار کرلو۔

خوف کا بیان

خوف کا اختیار کرنا دو باتوں کی وجہ سے لازم وضروری ہے

پہلی وجہ: یہ ہے کہ انسان خوف ہی کی وجہ سے گناہوں اور نافرمانیوں سے بچ سکتا ہے اس لئے کہ یہ نفس برائیوں اور شرارتوں کی طرف بہت زیادہ مائل کرتا ہے اور فتنہ وفساد کی باتوں سے بہت زیادہ شوق ورغبت دلاتا ہے لہذا یہ نفس اپنی شرارتوں اور برائیوں سے اس وقت تک باز نہیں آسکتا جب تک اپنے اندر خوف عظیم پیدا نہ کرلیا جائے اور جب تک اپنے آپ کو زجر وتوبیخ اور سخت قسم کی دھمکی نہ دی جائے اور نفس امارہ میں وفا اور حیاء کی صفت ہی نہیں کہ وہ برائیوں اور شرارتوں سے روکے چنانچہ کسی شاعر نے بیان کیا ہے۔

اَلْعَبْدُ يُقْرَعُ بِالْعَصَا وَالْحُرُّ تَكْفِيهِ الْمَلَامَةُ

غلام صرف ڈنڈے کی مار سے باز آتا ہے اور آزاد وشریف آدمی کو تو تھوڑی سی ملامت اور تنبیہ کافی ہوتی ہے۔

نفس امارہ کے اصلاح کرنے اور عبادت کی راہ پر چلانے کی تدبیر یہ ہے کہ تم اسے قول وفعل اور فکر کے اعتبار سے ہمیشہ خوف کا کوڑا مارتے رہو جیسا کہ کسی بزرگ کے متعلق منقول ہے کہ ان کا نفس انہیں کسی گناہ کی طرف رغبت دلاتا تھا تو وہ بزرگ کسی جنگل میں نکل گئے اور وہاں جا کر اپنے کپڑے اتار دیئے اور تپتی ہوئی ریت پر لوٹنے لگے اور اپنے نفس کو مخاطب کر کے کہا اے رات میں مردار کی طرح پڑے رہنے والے اور دن میں لغویات میں پڑے رہنے والے نفس! اس تپش کا مزہ چکھو جہنم کی تپش تو اس تپش سے کہیں زیادہ ہے یعنی جب تم اس حرارت وگرمی کو نہیں برداشت کر سکتے تو جہنم کی تپش اور گرمی کو کیسے برداشت کر سکو گے۔

دوسری وجہ: خوف اپنانے کی دوسری وجہ اس لئے ضروری ہے کہ نفس عجب اور خود پسندی میں مبتلا نہ ہو کر کہیں ہلاک نہ ہو جائے بلکہ ہمیشہ نفس کو اس برائی اور عیب و نقص کے ذریعہ ذلیل ورسوا کرتا رہے جو برائیاں اور خامیاں اور گناہ نفس میں ہیں کہ جن کی وجہ سے قسم قسم کے خطرات واقع ہونے کا اندیشہ ہے اور اس کے مثل (وغیر ذالک) اور یہ بات خوف کے بغیر نہیں ہوسکتی جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے فرماتے ہیں: اگر میرے اور عیسیٰ (علیہما السلام) کے اپنے ان اعمال کا مواخذہ ہو جو ہم سے ہوئے تو (معاذ اللہ) ہم کو ایسے عذاب میں مبتلا کیا جائے جو دنیا کے کسی فرد کو نہ دیا جائے اور آپ نے اپنی دو انگشت مبارک سے اپنی اور عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اشارہ فرمایا۔ (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کو خوف کی تعلیم کی غرض سے فرمایا اور اپنی عاجزی اور

تواضع وانکساری بیان فرمائی ہے یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آپ حضرات سے گناہ سرزد ہوا کیونکہ نص اوراجماع امت سے ثابت ہے کہ انبیائے کرام ہر قسم کے صغائر وکبائر سے معصوم ہیں لہذا اس فرمان کو تعلیم امت یا تواضع وانکساری ہی پر محمول کرسکتے ہیں مترجم)

حضرت خواجہ حسن بصری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: ہم میں سے کوئی شخص گناہ کرنے سے بے خوف نہ ہو پھر اس کی مغفرت کا دروازہ بند کردیا جائے اور وہ بے کار عمل کرے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ اپنے نفس کو عتاب فرماتے ہوئے یوں خطاب فرماتے ہیں: اے نفس! تو باتیں زاہدوں اور متقیوں کی کرتا ہے اور اعمال منافقوں جیسا کرتا ہے اور اس پر جنت کی خواہش وامید لگائے بیٹھا ہے افسوس افسوس ایسی امید ایک بعید بات ہے بے شک جنتی وہ لوگ ہیں جن کے اعمال تیرے اعمال سے بالکل مختلف ہیں۔ بندہ پر لازم وضروری ہے کہ وہ ائمہ کرام کے ان مذکورہ اقوال اور اس قسم کے دیگر واقعات کو اپنے نفس کو یاد دلاتا رہے اور اسے ڈراتا رہے اور اپنے نفس پر بار بار دہراتا رہے تاکہ نفسِ امارہ کسی عبادت میں عجب وخود پسندی کا شکار نہ ہو یا معصیت ونافرمانی میں مبتلاء نہ ہوجائے اور سب کچھ اللہ تعالیٰ کی توفیق ہی سے ہوتا ہے۔

رجاء (امید) کا بیان

رجاء کے معنی کا علم وشعور حاصل کرنا دو باتوں کی وجہ سے لازم وضروری ہے۔

پہلی وجہ: رجاء کے معنی جاننا اس لئے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت وطاعت اور نیکیوں کا جذبہ پیدا ہو اس لئے کہ نیکیاں گراں ودشوار ہوتی ہیں اور شیطان بھی نیکی کرنے سے روکتا ہے اور نفسانی خواہشات برائی اور شر کی دعوت دیتی ہیں اور مخلوق میں

سے غافلوں کا حال نفس کے بارے میں بالکل ظاہر ہے یعنی نیک کاموں کو بالکل چھوڑ کر خالص دنیا کی پرستش میں مشغول ومصروف ہیں اور آخرت میں طاعات وعبادات پر جو اجر وثواب مرتب ہوں گے وہ بالکل ناپید ہے اور اس ثواب تک پہنچنے کی مدت دور ہے اور جب صورت حال یہی ہے تو نفس نیکیوں اور بھلائیوں کے لئے تیار وآمادہ نہیں ہوسکتا ہے اور نہ ہی کما حقہ رغبت ہوسکتی ہے اور نہ ہی نفس اس بھلائی کے لئے حرکت کر سکتا ہے ہاں اگر اس کے ساتھ ایسی چیز ہو جو ہر مقام پر ان موانع کا مقابلہ کر سکے اور ان کا دفاع کر سکے اور اس کے برابر ہو بلکہ یہ نیکیوں کی طرف رغبت وتوجہ دلانے والی چیزیں نیکیوں سے روکنے والی چیزوں کی بہ نسبت زیادہ قوی ہوں اور اسی کو رجاءِ قوی کہتے ہیں (اللہ تعالیٰ کی رحمت کی قوی امید) اور اللہ تعالیٰ کے حسن ثواب اور اللہ کے کریمانہ اجر کی کامل ترغیب ہے۔

ہمارے شیخ حضرت ابوبکر وراق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے: غم وفکر کھانے کی اشتہاء کو ختم کر دیتا ہے اور خوفِ خدا گناہوں سے روک دیتا ہے اور رحمتِ الٰہی کی امید عبادات وطاعات کی قوت بخشتی ہے اور موت کی یاد فضول ولغو کاموں سے دوری اور نفرت پیدا کر دیتی ہے۔

دوسری وجہ: رجاء کے معنی جاننا اس لئے ضروری ہے کہ اس کی وجہ سے عبادات کی مشقتیں اور دشواریاں آسان وسہل ہو جاتی ہیں یاد رکھو! کہ جو شخص اپنی مطلوبہ چیز کی اہمیت وضرورت پہچان لیتا ہے تو اس شخص کو اس چیز کے حصول کے لئے اپنی ہر چیز قربان کر دینا اور تمام تر کوششیں صرف کر دینا آسان ہو جاتا ہے اور جس شخص کو کوئی چیز پسند آ جائے اور دل وجان سے اس چیز کی خواہش ورغبت رکھے تو وہ اس چیز کے حصول

میں ہر قسم کی مشقتوں کو برداشت کرلیتا ہے خواہ اسے تکلیفیں اٹھانی پڑیں وہ اس کی بالکل پرواہ بھی نہیں کرتا اور جو شخص کسی سے حد درجہ محبت کرتا ہے تو وہ اس کے حصول میں ہر طرح کی مشقت ومحنت کو بھی برداشت کرتا ہے بلکہ اسے اپنی پسندیدہ چیز کے حصول میں محنت ومشقت برداشت کرنے میں ایک قسم کی لذت محسوس ہوتی ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ شہد نکالنے والا نفع حاصل کرنے کی خاطر مکھیوں کے کاٹنے کی تکلیف کی پرواہ نہیں کرتا (اس لئے کہ اسے شہد کی حلاوت کا چسکہ لگا ہوا ہے) اسی طرح مزدور گرمیوں کے بڑے بڑے دنوں میں شدید دھوپ میں سارا دن دو درھم کی خاطر بھاری سے بھاری بوجھ اپنے اوپر لاد کر اونچی اونچی سیڑھیوں پر چڑھتا رہتا ہے اور اسی طرح کسان اناج وغلہ حاصل کرنے کی خاطر سارا سال گرمی اور سردی کی تکلیفیں اور مشقتیں برداشت کرنے کو آسان سمجھتا ہے۔ اسی طرح اے میرے بھائی! اللہ تعالیٰ کے عبادت گذار بندے جب جنت میں حاصل ہونے والے آرام وآسائش کی جگہوں اور حوروں محلوں اور کھانے پینے اور بہترین زیور ولباس اور اس کے علاوہ جنتیوں کے لئے جنت میں اللہ تعالیٰ کی تیار کردہ تمام نعمتوں کو یاد کرتے ہیں تو ان پر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں پیش آنے والی مشقتیں اور مشکلیں آسان ہوجاتی ہیں اور جو کچھ ان سے دنیا کی لذتیں اور نعمتیں فوت ہوجاتی ہیں تو انہیں اس کا کوئی دکھ ورنج نہیں ہوتا اور حصول جنت کی خاطر ہر طرح کی ذلت ورسوائی اور نقصان مشقت وپریشانی بخوشی برداشت کرتے ہیں۔

حکایت: حضرت سفیان بن سعید ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ساتھیوں نے حضرت سفیان ثوری کے خوف خدا اور عبادت الٰہی میں انتہا درجہ مشقت اور ان کی خستہ حالی کو

دیکھ کر عرض کیا اے استاد محترم! اگر آپ اس مشقت سے کچھ کم درجہ کی مشقت و کوشش کریں گے تب بھی ان شاء اللہ تعالیٰ آپ اپنی مراد و مقصود پالیں گے تو حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جواب میں فرمایا میں کیوں نہ کوشش کروں مجھے اس بات کی خبر پہنچی ہے کہ جنتی لوگ اپنے اپنے مقام و منزل میں ہوں گے کہ اچانک ان پر ایک نور کی تجلی ظاہر ہوگی جس سے آٹھوں جنتیں منور و روشن ہو جائیں گی تو سب جنتی گمان کریں گے یہ نور اللہ سبحانہ رب العالمین کی طرف سے ہے پھر یہ جنتی حضرات سجدے میں گر پڑیں گے انہیں ندا دی جائے گی اپنے اپنے سر سجدے سے اٹھا لو یہ وہ چیز نہیں ہے جس کا تم گمان کر رہے ہو بلکہ یہ تو ایک جنتی لڑکی اپنے شوہر کے سامنے مسکرا رہی ہے اس کا نور ہے اور اس کی روشنی ہے پھر حضرت سفیان ثوری علیہ الرحمہ نے یہ اشعار پڑھے۔

مَا ضَرَّ مَنْ كَانَتِ الْفِرْدَوْسُ مَسْكَنَهٗ
مَا ذَا تَحَمَّلَ مِنْ بُؤْسٍ وَاِقْتَارٍ

جس کا ٹھکانا و مسکن جنت فردوس ہے اسے مشقت و تنگدستی برداشت کرنے میں کوئی نقصان و ضرر نہیں۔

تَرَاهُ يَمْشِيْ كَئِيْباً خَائِفاً وَجِلاً
اِلَى الْمَسَاجِدِ يَمْشِيْ بَيْنَ اَطْمَارٍ

ایسے شخص کو تم غمگین و خوف زدہ اور پریشان حال مسجدوں کی طرف جاتا ہوا دیکھو گے۔

يَا نَفْسُ مَا لَكِ مِنْ صَبْرٍ عَلٰى لَهَبٍ
قَدْ حَانَ اِنْ تَقْبَلِيْ مِنْ بُعْدِ اَدْبَارٍ

اے نفس! تجھے جہنم کی آگ کے شعلے برداشت کرنے کی ہمت نہیں ہے وقت آ گیا ہے کہ دور سے تیرا استقبال کیا جائے۔

میں (امام غزالی) کہتا ہوں جب امر عبودیت کا دار و مدار دو چیزوں پر ہے۔

(۱) اللہ تعالیٰ کی طاعت وعبادت کا بجالانا (۲) گناہ ونافرمانی سے بچنا۔

اس نفسِ امارہ (برائی کا حکم دینے والے نفس) کے ہوتے ہوئے ان دونوں چیزوں میں صرف اسی وقت کامیابی حاصل ہوسکتی ہے جب نفس کو امید وخوف کے ذریعہ ترغیب وترہیب دلائی جائے اور اس طرف متوجہ کیا جائے اس لئے کہ سرکش جانور اسی وقت قابو میں رہتا ہے جب ایک آگے کھینچنے والا ہو اور ایک پیچھے سے ہانکنے والا ہو۔ اور جب یہ جانور کسی ہلاکت کی جگہ گر پڑتا ہے تو ایک طرف سے کوڑا مارا جاتا ہے اور دوسری طرف سے چارہ دکھایا جاتا ہے تب جا کر وہ کھڑا ہوتا ہے اور جس جگہ پھنس گیا تھا وہاں سے نجات پاجاتا ہے اسی طرح سرکش ونافرمان بچہ والدین کے لالچ دلائے اور استاد کے رعب ودبدبہ اور خوف دلائے بغیر مدرسہ جاتا ہی نہیں بعینہ یہی حالت اس نفسِ امارہ کی بھی ہے یہ بھی ایک سرکش جانور ہے جو دنیا کی مہلک چراگاہ میں گرتا پڑتا رہتا ہے خوف نفس کے لئے کوڑے اور ہانکنے کا کام دیتا ہے اور ثواب واجر کی امید نفس کا چارہ اور اس کا قائد ہے جو اسے عبادت وطاعت کی طرف رغبت وتوجہ دلاتا ہے اور یہ نفسِ امارہ سرکش ونافرمان بچے کے مثل ہے جسے عبادت اور تقویٰ کی درسگاہ کی طرف لے جانا مقصود ہے جہنم اور اس کے عذاب کا ذکر کرنے سے اس کے اندر ڈر اور خوف پیدا ہوتا ہے اور جنت اور اعمال کا اجر وثواب بیان کرنے میں اسے امید اور رغبت دلانا ہے اسی طرح عبادت وریاضت کے طلب گار بندے پر لازم وضروری ہے کہ وہ اپنے ان

دونوں امور یعنی خوف اور رجاء کا شعور پیدا کرے ورنہ یہ سرکش نفس عبادت کرنے کے لئے کسی وقت تیار نہ ہوگا اسی وجہ سے قرآن حکیم میں دونوں پہلوؤں کو خوب مبالغہ و زیادتی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے یعنی مطیع وفرمانبردار کے لئے ثواب کا وعدہ اور گناہ گار و نافرمان کے لئے عذاب وعقاب کی وعید اسی طرح ترغیب وترہیب ان دونوں میں سے ہر ایک کو انتہائی مبالغہ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے چنانچہ ثواب کا تذکرہ اس انداز سے کیا گیا ہے کہ خواہ مخواہ کشش اور رغبت پیدا ہوتی ہے اور اس پر صبر ہو ہی نہیں سکتا اور اسی طرح دردناک عذاب کا ایسا سخت اور تفصیلی بیان کیا گیا کہ انسان میں اس کے برداشت کی سکت و ہمت ہی نہیں لہذا تم پر لازم ہے کہ خوف اور رجاء دونوں کو اپنے ساتھ لازم کرلو تاکہ عبادت کی بجاآوری جو تمہارا مقصودِ اصلی ہے حاصل ہو جائے اور عبادت کی مشقت وتکلیف برداشت کرنا آسان ہو جائے اور اللہ تعالیٰ ہی اپنے فضل و کرم سے توفیق عطا فرماتا ہے اور وہی بہترین مددگار ہے۔

خوف ورجاء کی حقیقت اور اس کا حکم

سوال: خوف ورجاء کی حقیقت و ماہیت اور ان کا حکم بیان کیجئے؟

جواب: خوف ورجاء ہمارے علماء (ماہرین تصوف) علیہم الرحمہ کے نزدیک خطرات کے قبیل سے ہیں بندے کی قدرت میں صرف اتنا ہی ہے کہ وہ خوف و رجاء کے مقدمات کو پیشِ نظر رکھے اور بروئے کار لائے چنانچہ ہمارے علماء نے خوف کی تعریف اس طرح بیان فرمائی ہے۔

خوف: خوف وہ ڈر ہے جو کسی بُری چیز کے پہنچنے کے گمان وخیال سے دل میں پیدا ہوتا ہے۔ اور خشیت بھی خوف کے معنی کے قریب قریب ہے لیکن خشیت کے معنی میں

ایک قسم کی ہیبت وعظمت کا تصور بھی شامل ہوتا ہے اور خوف کا مقابل اور اس کی ضد جرات ہے لیکن کبھی کبھی خوف کے مقابلہ میں امن بھی بولا جاتا ہے چنانچہ کہا جاتا ہے خائف (ڈرنے والا) اس کا مدمقابل آمن (امن والا) اور خوف (ڈر) بمقابل امن (حفاظت) اس لئے کہ آمن (بے خوف) وہ شخص ہے جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے احکام پر جرات ولا پرواہی برتے اور حقیقت یہی ہے کہ خوف کا مقابل جرات ہی ہے۔

اپنے اندر خوف پیدا کرنے کے چار مقدمات ہیں

(۱) اپنے گذشتہ لاتعداد گناہوں کو یاد کرنا اور ان جھگڑوں کو کثرت سے یاد کرنا جو ظالم سے صادر ہو چکے اور تم نے اس ظالم کو اپنے عمل سے چھپائے رکھا جس سے اب تک تمہیں چھٹکارا نہیں ملا۔

(۲) اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اس سخت وشدید سزا وعقوبت کو یاد کرنا جسے برداشت کرنے کی تمہیں طاقت وقوت نہیں۔

(۳) اللہ تعالیٰ کے عذاب کو برداشت کرنے میں اپنی کمزوری وناتوانی کو یاد کرنا۔

(۴) اللہ تعالیٰ کی قدرت کو یاد کرنا کہ وہ جب چاہے جس طرح چاہے تم سے مواخذہ کرسکتا ہے۔

رجاء کی تعریف: اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کو پہچان کر دل کا خوش ہونا اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وسعت سے دل کا آرام وسکون حاصل کرنا۔ رجاء کا یہ معنیٰ ومفہوم خطرات اور وسوسوں میں سے ہے جو بندے کی طاقت وقدرت سے باہر ہے ہاں رجاء کا وہ مفہوم جو بندے کی قدرت میں ہے وہ یہ ہے: اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اس کی رحمت کی وسعت کو یاد کرنا۔ رجاء کی یہ تعریف بندے کی قدرت میں ہے۔

اور خطرات وحوادث کے بارے میں استثناء (ان شاء اللہ) کے ساتھ رجاء ہے یعنی یہ یقین وعقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا۔ رجاء کے اس بیان میں رجاء کا پہلا معنی مراد ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کو یاد کرکے خوش ہونا اور اللہ کی رحمت کی وسعت سے راحت حاصل کرنا رجاء کی ضد اور اس کا مقابل یاس (ناامیدی) ہے۔

یاس و ناامیدی کی تعریف: اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے فضل وکرم کے فوت ہونے کو یاد کرنا اور دل کا اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اس کی رحمت کی امید سے منقطع ہونا۔ اس قسم کی ناامیدی خالص گناہ ہے۔ رجاء کا جو مفہوم بیان کیا گیا ہے اس قسم کی رجاء وامید کرنا فرض ہے جبکہ بندے کو یاس (ناامیدی) سے بچنے کا صرف یہی طریقہ ہو اس کے علاوہ کوئی طریقہ نہ ہو (کہ اس رجاء ہی کے ذریعہ بچ سکتے ہیں) اور اگر ناامیدی سے بچنے کا کوئی طریقہ ہے تو یہ رجاء وامید نفل ہے بشرطیکہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اس کی رحمت کی وسعت کا عقیدہ مضبوط و مستحکم ہو۔

رجاء کے چار مقدمات ہیں چار چیزوں سے رجاء پیدا ہوتی ہے۔

(۱) اللہ تعالیٰ کے تمام انعامات واحسانات سابقہ کو یاد کرنا جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں بغیر کسی عمل اور بغیر کسی سفارش کے عطا فرمائے۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے اپنے بے پایاں فضل وکرم کے مطابق بے حد وحساب اجر وثواب اور بے پناہ عزت وسربلندی عطا فرمانے کے وعدے فرمائے ہیں ان کو یاد کرنا اپنے عمل کے مطابق اجر وثواب لینے کو نہ یاد کرنا یعنی عمل کے بدلے جس اجر وثواب کے مستحق ہو اسے ذہن میں نہ رکھنا اس لئے کہ اگر بندے کو اس کے اعمال وافعال کی حیثیت کے مطابق اجر وثواب ملے تو وہ بہت ہی کم اور تھوڑا اور حقیر ہوگا۔

(۳) دین و دنیا کے معاملے میں بغیر استحقاق اور بے مانگے اللہ تعالیٰ نے جو امداد اور مہربانیاں اور قسم قسم کی نعمتیں تمہیں فی الحال عطا فرمائیں ہیں ان سب کو یاد کرنا۔

(۴) اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کی وسعت اس کے غضب پر غالب ہونے کو یاد کرنا اور یہ بھی یاد کرنا کہ اللہ تعالیٰ اپنے مسلمان بندوں پر بڑا مہربان رحم والا بے نیاز و بے پرواہ کرم فرمانے والا بہت مہربان ہے لہذا جب تم خوف اور امید دونوں کو کما حقہ اور ہمیشہ یاد کرتے رہو گے تو تم میں ہر وقت خوف اور امید کا شعور بیدار رہے گا اللہ تعالیٰ ہی اپنے فضل و کرم سے توفیق عطا فرماتا ہے۔

فصل: اے اللہ کے بندو! اب تم پر پوری احتیاط اور پوری توجہ اور پوری حفاظت و رعایت کے ساتھ خوف و رجاء کی اس گھاٹی کو بھی طے کرنا ضروری ہے اس لئے کہ یہ گھاٹی انتہائی دشوار اور پرخطر ہے کیونکہ خوف و رجاء کی اس گھاٹی کا راستہ دو خوفناک اور ہلاک کن راستوں کے درمیان سے گذرتا ہے۔

(۱) پہلا خوفناک راستہ اللہ تعالیٰ سے بالکل بے خوف ہونا ہے۔

(۲) دوسرا خوفناک راستہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بالکل مایوس و ناامید ہو جانا ہے اور انہیں دو مہلک اور خوفناک راستوں کے درمیان خوف و رجاء کا راستہ ہے اس لئے اگر رجاء تم پر اس قدر غالب آ گئی کہ تمہیں اللہ تعالیٰ کا بالکل ہی خوف نہ رہا تو تم بے خوفی کے راستہ میں گرفتار ہو جاؤ گے چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: **فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ** (پ۹ سورۃ الاعراف آیت ۹۹) تو اللہ کی خفیہ تدبیر سے صرف تباہی والے ہی نڈر و بے خوف ہوتے ہیں۔

اور اگر تم پر خوف اس قدر غالب آ گیا کہ تم اللہ تعالیٰ کی رحمت و بخشش سے بالکل ہی

ناامید ہوگئے (تمہارے اندر امید و رجاء کا نام ونشان تک باقی نہ رہا) تو ناامیدی اور مایوسی کے راستہ میں واقع ہوجاؤ گے اور یہ دونوں یعنی بالکل ہی بےخوف ہوجانا اور حد تک خوف زدہ ہوجانا کہ امید کی کوئی راہ نہ رہے بالکل غلط ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّهٗ لَا یَایْــٴَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ (پ۱۳ سورۃ یوسف آیت ۸۷) اللہ کی رحمت سے ناامید نہیں ہوتے مگر کافر لوگ۔ اگر تم نے خوف اور رجاء کے درمیان کا راستہ اختیار کرلیا اور دونوں کا دامن ایک ساتھ مضبوطی سے پکڑ لیا تو یہی وہ درمیانہ اور سیدھا راستہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے دوستوں اور اس کے مخلص و برگزیدہ بندوں کا راستہ ہے جن کی اللہ تعالیٰ نے خود اپنی مقدس کتاب قرآن کریم میں ان الفاظ میں تعریف و توصیف بیان فرمائی ہے: اِنَّهُمْ كَانُوْا یُسٰرِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ وَ یَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّ رَهَبًا وَ كَانُوْا لَنَا خٰشِعِیْنَ (پ۱۷ سورۃ الانبیاء آیت ۹۰) بےشک انبیاء پہلے کاموں میں جلدی کرتے تھے اور ہمیں پکارتے تھے امید اور خوف سے اور ہمارے حضور گڑگڑاتے ہیں۔ جب تم پر یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ اس خوف و رجاء کی گھاٹی میں تین مختلف راستے ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ سے مکمل بےخوفی اور جرات و بےباکی کا راستہ۔

(۲) اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مکمل ناامیدی و مایوسی کا راستہ۔

(۳) ان دونوں ہلاک کن راستوں کے درمیان خوف و رجاء کا راستہ۔

تو اب اگر تم ذرا سا بھی دائیں یا بائیں جانب مائل ہوئے (جھکے) تو تم دو مہلک راستوں میں جا گرو گے اور ہلاک ہونے والوں کے ساتھ ہلاک و برباد ہوجاؤ گے پھر سب سے اہم و اعظم بات یہ ہے کہ بےخوفی اور ناامیدی و مایوسی کے دونوں ہلاک کن و

خطرناک راستے درمیانے راستہ کی بہ نسبت بہت زیادہ کشادہ اوران دونوں راستوں کی طرف بلانے والے بھی بہت زیادہ ہیں اوران دونوں مہلک راستوں پر چلنا بہ نسبت بیچ والے راستہ کے بہت آسان وسہل ہے اس لئے کہ اگرتم بے خوفی و بے باکی کی طرف دیکھوگے توتمہیں اللہ تعالیٰ کی وسیع رحمت اوراس کے فضل وکرم اور جود وعطا کے ٹھاٹھیں مارتے سمندر نظر آئیں گے جس کی وجہ سے تمہارے دل میں خوف وہراس کا کوئی شائبہ بھی باقی نہ رہے گا چنانچہ تم اللہ تعالیٰ کے اس فضل وکرم اوررحمت بے پایاں پراعتماد کرکے بے خوف وبے باک ہوجاؤگے اوراگرتم خالص خوف کے راستہ کی طرف نظر ڈالوگے توتمہیں اللہ تبارک وتعالیٰ کی عظیم الشان قدرت اوراس کی کامل تدبیر اور اس کی ہیبت وجلال کی کثرت کا مشاہدہ ہوجائے گا اوراس کے معاملہ کی دقت اوراس کے حساب وکتاب کی سختی وگرفت اوراپنے (اللہ کے) دوستوں اور برگزیدہ بندوں کے ساتھ پکڑ کے سخت واقعات کا نظارہ تمہارے سامنے آجائے گا کہ جس کو دیکھ کر رجاء و امید باقی ہی نہ رہے گی تو ناامیدی و مایوسی کے شکار ہوجاؤگے گویا اب تمہارے اندر خوف ورجاء باقی نہ رہالہٰذاایسی صورت میں تم پر لازم وضروری ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی وسیع رحمت ہی پر نگاہ نہ رکھوتاکہ تم اس کی رحمتِ بے پایاں پر بھروسہ کرکے بالکل بے خوف نہ ہوجاؤ اورنہ صرف اس کی عظیم ہیبت اوراس کی سخت ترین گرفت ہی کو دیکھو کہ تم اس ہیبت کو دیکھ کر ناامیدی و مایوسی کے شکار ہوجاؤگے بلکہ ان دونوں (خوف اور رجاء) پہلوؤں کو ایک ساتھ پیش نظر رکھو اور خوف ورجاء دونوں سے تھوڑا تھوڑا حصہ اختیار کرکے ایک بیچ کی راہ متعین کرلو اوراس پر چل پڑو ان شاء اللہ تعالیٰ بھٹکنے اور ہلاک ہونے سے محفوظ رہوگے اس لئے کہ خالص رجاء کا راستہ جس میں خوف کا شائبہ

بھی نہ ہو بہت آسان وسہل ہے اور بہت کشادہ وچوڑا ہے لیکن اس کا انجام اللہ کے احکام وعذاب سے بے باکی وبے خوفی ہے اور سراسر خسارہ ونقصان ہے اور اسی طرح خوف خالص جو رجاء سے پاک ہو اس کا راستہ بھی انتہائی وسیع وعریض ہے لیکن اس کا انجام ضلالت وگمراہی ہے اور خوف ورجاء کا راستہ (جس میں خوف ورجاء دونوں شامل ہوں) اگرچہ انتہائی مشکل اور دشوارترین راستہ ہے لیکن ہر قسم کے خطرات وگمراہی سے محفوظ ومامون ہے اور واضح وروشن راستہ ہے جس کا انجام مغفرت وبھلائی ہے پھر اس کے بعد جنت اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی زیارت نصیب ہوتی ہے کیا تم نے خوف ورجاء کے اس درمیانے راستہ پر چلنے والوں کے متعلق اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان عالی شان نہیں سنا: يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا (پ۲۱ سورۃ السجدۃ آیت ۱٦) اپنے رب کو ڈرتے اور امید کرتے ہوئے پکارتے ہیں۔

پھر دوسرے مقام پر انکی جزاء کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے: فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (پ۲۱ سورۃ السجدۃ آیت ۱۷) تو کوئی نفس نہیں جانتا جو آنکھ کی ٹھنڈک ان کے لئے چھپا رکھی ہے جو ان کے کاموں (اعمال) کا بدلہ ہے۔ لہذا ان آیات مبارکہ پر خوب اچھی طرح غور کرو اور اپنے آپ کو اس سیدھے راستہ پر چلنے کے لئے تیار کرو اور اس راستہ پر چلنے کے لئے مستعد وکاربند ہو جاؤ اس لئے کہ خوف ورجاء کی اس منزل ومرتبہ کو حاصل کرنا آسان نہیں ہے اللہ تعالیٰ ہی اس بات کی توفیق عطا فرماتا ہے اور گناہوں سے بچنا اسی کی مدد پر منحصر ہے پھر جان لو کہ اس خوف ورجاء کے راستہ پر چلنا اور اس کاہل وسست نفس کو جو طاعت وعبادت سے منحرف ہے اس کی اس محبوب وپسندیدہ چیز سے چھڑا کر نیکیوں پر آمادہ کرنا

اور عبادت میں لگانا جو اس کے لئے سخت ناگوار ہے تین اصولوں کو ذہن نشین کیے بغیر اور مسلسل ان اصولوں پر کاربند رہے بغیر حاصل ہی نہیں ہو سکتا وہ تین اصول یہ ہیں۔

پہلا اصول: ترغیب اور ترہیب و تخویف کے متعلق جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے جو ارشادات ہیں انہیں یاد کرنا۔

دوسرا اصول: گرفت و مواخذہ اور عفو و درگذر کے متعلق اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے جو افعال ہیں انہیں یاد رکھنا۔

تیسرا اصول: آخرت میں نیک و فرمانبردار بندوں کے ثواب اور گنہگار و نافرمانوں کے عذاب و عقاب کو یاد رکھنا۔

ان تینوں اصول میں سے ہر ایک کی کما حقہ تفصیل بیان کرنے کے لئے دفتر اور بے شمار صفحات کی ضرورت ہے اور ان باتوں کے لئے ہم نے ایک مستقل کتاب ،،تنبیہ الغافلین،، تصنیف کی ہے اور اس مختصر کتاب میں ہم صرف ان ہی کلمات کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو تمہیں تمہارے مقصود و مطلوب پر ان شاء اللہ عزوجل باخبر و آگاہ کردیں گے اللہ تعالیٰ بہترین مددگار اور توفیق دینے والا ہے۔

پہلا اصول ترغیب اور ترہیب و تخویف کے متعلق اللہ تعالیٰ کے فرمان

اے میرے پیارے بھائیو! تم ترغیب اور ترہیب اور امید و خوف کے متعلق قرآن کریم میں جو آیات وارد ہیں ان میں غور و فکر کرو۔

رجاء کے متعلق چند آیتیں یہ ہیں

(۱) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا (پ۲۴ سورۃ الزمر آیت ۵۳) اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو بے شک اللہ سب گناہ

بخش دیتا ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ (پ۴ سورۃ آل عمران آیت ۱۳۵) اللہ کے سوا گناہ کون بخشے۔

(۳) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: غَافِرِ الذَّنْبِ وَ قَابِلِ التَّوْبِ (پ۲۴ سورۃ المؤمن آیت ۳) اللہ تعالیٰ (ایمانداروں کے) گناہ بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا ہے۔

(۴) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَهُوَ الَّذِىْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَ يَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ (پ۲۵ سورۃ الشوریٰ آیت ۲۵) اور وہی اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا اور گناہوں سے درگذر فرماتا ہے۔

(۵) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ (پ۷ سورۃ الانعام آیت ۵۴) تمہارے پروردگار نے اپنے ذمہ کرم پر رحمت لازم کرلی ہے۔

(۶) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَ رَحْمَتِىْ وَسِعَتْ كُلَّ شَىْءٍ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ (پ۹ سورۃ الاعراف آیت ۱۵۶) اور میری رحمت ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے تو عنقریب میں ان کے لئے نعمتوں کو لکھ دوں گا جو (اللہ سے) ڈرتے ہیں۔

(۷) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (پ۱۷ سورۃ الحج آیت ۶۵) بے شک اللہ آدمیوں پر بڑی رحمت والا مہربان ہے۔

(۸) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا (پ۲۲ سورۃ الاحزاب آیت ۴۳) اور اللہ مسلمانوں پر مہربان ہے۔

یہ رجاء کے متعلق چند آیتیں مذکور ہوئیں اور اس کے علاوہ بھی رجا کے متعلق بہت سی آیتیں قرآن کریم میں ہیں۔

خوف اور تدبیر کی چند آیتوں کا بیان

(۱) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: يٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ (پ۲۳ سورۃ الزمر آیت۱۶) اے بندو! تم مجھ سے ڈرو۔

(۲) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ (پ۱۸ سورۃ المؤمنون آیت۱۱۵) تو کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ہم نے تمہیں بیکار پیدا فرمایا اور تمہیں ہماری طرف لوٹنا نہیں ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى (پ۲۹ سورۃ القیامۃ آیت۳۶) کیا آدمی اس گھمنڈ و غرور میں ہے کہ اسے آزاد چھوڑ دیا جائے گا۔

(۴) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَاۤ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ (پ۵ سورۃ النساء آیت۱۲۳) کوئی کام نہ تمہارے خیالوں پر ہے اور نہ کتاب والوں کی ہوس پر۔

(۵) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا (پ۵ سورۃ النساء آیت۱۲۳) جو برائی کرے گا وہ اس کا بدلہ پائے گا اور اللہ کے سوا نہ کوئی اپنا حمایتی پائے گا نہ مددگار۔

(۶) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا (پ۱۶ سورۃ الکہف آیت۱۰۴) اور وہ اس خیال میں ہیں کہ ہم اچھا کام کر رہے ہیں۔

(۷) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ (پ۲۴ سورۃ الزمر آیت۴۷) اور انہیں اللہ کی طرف سے وہ بات ظاہر ہوئی جو ان کے خیال میں بھی نہ تھی۔

(۸) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَقَدِمْنَاۤ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً

مَّنْثُوْرًا (پ۱۹ سورۃ الفرقان آیت ۲۳) اور انہوں نے جو کچھ کام کیے تھے ہم نے قصد فرما کر انہیں باریک باریک غبار کی طرح بکھرے ہوئے ذرے کر دیا۔

ہم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرتے ہیں کہ وہ اپنی رحمت کاملہ سے ہمیں ہلاکت میں پڑنے سے بچالے۔

چند وہ آیات مقدسہ جن میں خوف ورجاء دونوں کا بیان ہے

(۱) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: نَبِّئْ عِبَادِیْ اَنِّیْ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ (پ۱۴ سورۃ الحجر آیت ۴۹) اے محبوب! میرے بندوں کو خبر کردو کہ بے شک میں ہی انہیں بخشنے والا مہربان ہوں۔

(۲) پھر اسی آیت کریمہ کے فوراً بعد ہی ارشاد فرمایا: وَ اَنَّ عَذَابِیْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ (پ۱۴ سورۃ الحجر آیت ۵۰) اور بے شک میرا عذاب ہی دردناک عذاب ہے۔

اس آیت کریمہ میں رجاء کے فوراً بعد عذاب کا ذکر اس لئے فرمایا تاکہ تم پر صرف رجاء ہی کا غلبہ نہ ہو جائے۔

(۳) پھر سورۂ مومن میں یوں ارشاد فرماتا ہے: شَدِیْدِ الْعِقَابِ (پ۲۴ سورۃ الغافر آیت ۳) سخت عذاب کرنے والا ہے۔

(۴) پھر اس کے بعد متصلاً ہی فرماتا ہے: ذِی الطَّوْلِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (پ۲۴ سورۃ الغافر آیت ۳) بڑا انعام فرمانے والا اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے انعام واکرام کا تذکرہ اس لئے فرمایا کہ تم پر صرف خوف اور ہیبت ہی غالب نہ آجائے اور اس سے زیادہ تعجب خیز بات یہ فرمائی۔

(۵) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَ یُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ (پ۳ سورۃ آل عمران آیت ۳۰) اور اللہ

تمہیں اپنے عذاب سے ڈراتا ہے۔

پھر اس کے فوراً بعد ہی فرماتا ہے:

(۶) وَاللّٰہُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ (پ۳ سورۃ آل عمران آیت ۳۰) اور اللہ بندوں پر مہربان ہے

اس آیت کریمہ سے زیادہ تعجب خیز بات اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اس فرمان میں ہے:

(۷) مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ (پ۲۶ سورۃ ق آیت ۳۳) جو رحمٰن سے بے دیکھے ڈرتا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے خوف وخشیت کو اپنے وصفی نام رحمٰن کے ساتھ ذکر فرمایا اپنے نام جبار (تسلط فرمانے والا) یا منتقم (بدلہ لینے والا) متکبر (تکبر کرنے والا) یا کسی اور نام کے ساتھ ذکر نہ فرمایا حالانکہ یہ اسماء خوف وخشیت کے مناسب و لائق ہیں مگر اس کے باوجود رحمت والا نام ذکر فرمایا تاکہ خشیت کے ساتھ ساتھ رحمت کا بھی ذکر ہو جائے کیونکہ خشیت کا ذکر کرنے سے تمہارے دل پر صرف خشیت ہی طاری رہے گی اس لئے خوف کے ساتھ ساتھ امن دینے کا بھی ذکر فرمایا اور تحریک کے ساتھ تسکین کا بھی ذکر فرمایا۔

اس آیت کریمہ کی مثال ایسی ہی ہے جیسے تم کسی کو کہو تم اپنی مشفقہ ومہربان والدہ سے کیوں نہیں ڈرتے یا تم اپنے مشفق ومہربان باپ سے کیوں نہیں خوف کرتے یا تم رحم دل بادشاہ وحاکم سے کیوں خوف نہیں کھاتے۔

اس قسم کے جملوں کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ اعتدال سے کام لو یعنی خوف وامن کے درمیان کا راستہ اختیار کرو اور بالکل بے خوف وبے باک یا بالکل مایوس نہ ہو جاؤ اللہ تعالیٰ تمہیں اور ہمیں اپنے رحم وکرم کے طفیل اس ذکر حکیم (حکمت والے ذکر) میں تدبر

اور غور و فکر کرنے والوں میں سے بنادے بے شک اللہ جود و عطا کا مالک ہے اور بخشش و کرم فرمانے والا ہے۔ گناہوں سے بچنے کی طاقت نہیں ہے مگر اللہ کی توفیق سے اور عبادت کی کوئی قوت نہیں ہے مگر اللہ کی توفیق سے۔

دوسرا اصول اللہ بزرگ و برتر کے افعال و معاملات کے بیان میں

خوف کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کے افعال کے چند واقعات پر غور کر لینا ہی کافی ہے کہ جن سے بندوں کے دل میں خوف الٰہی پیدا ہوگا۔

خوف سے متعلق چند عبرتناک واقعات

(ا) یاد رکھو کہ ابلیس لعین نے اسی ہزار برس تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کی ایک قدم رکھنے کے برابر بھی اس نے کوئی ایسی جگہ نہیں چھوڑی جس پر اس نے اللہ تعالیٰ کے لئے سجدہ نہ کیا ہو پھر اس نے صرف ایک حکم کی نافرمانی کی (حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا) تو وہ مردود و راندہ بارگاہ ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے اس لعین کی اسی ہزار سال کی عبادت اس کے منہ پر مار دی اور قیامت تک کے لئے اس کے گلے میں لعنت کا طوق ڈال دیا اور ہمیشہ کے لئے اسے دردناک عذاب کا ایندھن بنا دیا یہاں صادق الامین نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جبرئیل امین علیہ الصلاۃ والسلام کو دیکھا کہ وہ ابلیس کے اس عبرتناک انجام کے بعد کعبہ شریف کے پردہ سے لپٹ کر خوب زار و قطار اللہ کے حضور یہ دعا مانگ رہے ہیں: اِلٰهِیْ وَ سَیِّدِیْ لَا تُغَيِّرْ اِسْمِیْ وَ لَا تُبَدِّلْ جِسْمِیْ اے میرے معبود اور اے میرے آقا و مولیٰ! میرا نام نیکوں کی فہرست سے نکال کر بدوں کی فہرست میں نہ ڈال اور میرا جسم بخشے ہوئے لوگوں سے نکال کر عذاب دیئے جانے والوں کے گروہ میں نہ فرما۔

(۲) پھر سیدنا حضرت آدم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ایسے برگزیدہ بندے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا پھر انکا مرتبہ و مقام ظاہر فرمانے کے لئے اپنے تمام فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ سیدنا آدم علیہ السلام کا سجدہ کریں پھر حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں کی گردنوں پر اٹھا کر اپنے جوار رحمت میں (جنت النعیم میں) جگہ عطا فرمائی اور جنت میں بے روک ٹوک بے تکلف ہو کر رہے مگر جس چیز کی اجازت نہیں دی گئی تھی اس میں سے ایک لقمہ چکھ لینے کی وجہ سے ان سے جنت جیسی عظیم نعمت چھین لی اور اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا: خبردار میرا نافرمان میرے جوار رحمت میں رہنے کے لائق نہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے انہی فرشتوں کو حکم فرمایا جو حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے نورانی تخت پر اٹھا کر جنت میں لے گئے تھے کہ آدم علیہ السلام کو اوپر کے آسمان سے نیچے کے آسمان کی طرف اتار دو اسی طرح ان کو بالکل زمین پر اتار دو یہاں تک کہ فرشتوں نے انہیں زمین پر اتار دیا اور ان کی توبہ قبول نہ ہوئی یہاں تک کہ دو سو سال تک مسلسل روتے رہے اور پھر اس سلسلے میں حضرت آدم علیہ السلام کو سخت ترین مشقتیں اور تکلیفیں برداشت کرنی پڑیں اور اسی مشقت اور رنج کے اثرات ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اولاد آدم میں باقی رہ گئے۔

(۳) پھر حضرت نوح علیہ السلام کی ذات کا مطالعہ کرو جو رسولوں کے شیخ (سب سے پہلے رسول) ہیں اللہ تعالیٰ کا درود و سلام نازل ہو ان پر اور تمام رسولوں پر حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے دین کی تبلیغ میں کتنی مشقیں اور اذیتیں برداشت کیں لیکن جب حضرت نوح علیہ السلام کے منہ سے صرف ایک کلمہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے خلاف

نکلا (اے میرے رب! میرا بیٹا بھی تو میرے گھر والا ہے جبکہ ان کا بیٹا کنعان منافق تھا مترجم) تو اللہ تعالیٰ نے فوراً ارشاد فرمایا: فَلَا تَسْئَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنِّيْۤ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ (پ۱۲ سورۃ ھود آیت۴۶) تو تم مجھ سے اس چیز کا سوال نہ کرو جس کا تمہیں علم نہیں میں تمہیں نصیحت فرماتا ہوں کہ نادان نہ بنو۔

بعض روایتوں میں آیا ہے کہ اس کے بعد حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے شرم وحیاء کی وجہ سے چالیس سال تک آسمان کی طرف اپنا سر نہیں اٹھایا۔

(۴) پھر حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی لغزش کو ملاحظہ کر وان سے صرف ایک لغزش و نامناسب بات سرزد ہوگئی (اپنے والد کے لئے مغفرت کی دعا کی) تو اس کی وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کتنا خوف طاری ہوا اور بے پناہ روئے گڑگڑائے اور عرض کیا: وَ الَّذِيْۤ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓـَٔتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ (پ۱۹ سورۃ الشعراء آیت۸۲) وہ جس کی مجھے آس وامید لگی ہے کہ قیامت کے دن میری خطائیں معاف فرمائے گا۔

فائدہ جلیلہ: انبیاء کرام معصوم ہیں ان سے گناہ سرزد نہیں ہوتے ان کا اپنے رب کے حضور استغفار کرنا تواضع اور انکساری کے طور پر ہے اور امت کے لئے طلب مغفرت کی تعلیم ہے اور بیضاوی شریف میں ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اللہ کی بارگاہ میں استغفار کرنا کسر نفسی کے طور پر ہے اور امت کے لئے تعلیم ہے کہ وہ معصیت و گناہ سے بچتی رہے اور چوکنا و محتاط رہے اور اپنے گناہوں کی معافی مانگتی رہے۔

اہل سنت و جماعت کا عقیدہ ہے کہ تمام انبیاء ورسل معصوم ہیں اور یہ عصمت انبیاء و ملائکہ کا خاصہ ہے لیکن نجدیوں کا سرغنہ مولوی اسماعیل دہلوی اور باطنیہ ملاحدہ کا اختلاف ہے یہ نبی وملک کے سوا دوسروں کو بھی معصوم مانتے ہیں مثلاً مولوی دہلوی صدیق کے لئے عصمت کو ثابت مانا

جس سے اپنے پیر کا مرتبہ بہت بلند ٹھہرایا۔ عصمت انبیاء کے معنی یہ ہیں کہ قبلِ اعلانِ نبوت اور بعدِ اعلانِ نبوت ان سے خلاف شرع امور کا صدور محال ہے یعنی انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات سے انجان ہونے سے معصوم ہیں اور ایسی حالت پر ہونے سے جو ذات وصفات باری تعالیٰ میں سے کسی شئی کے علمِ اجمالی کے منافی ہو اعلانِ نبوت کے بعد عقلاً واجمالاً اور اعلانِ نبوت سے قبل دلیل سمعی ونقلی سے اور جو امور ان انبیاء نے مقرر فرمائے اور جو وحی اپنے رب کی طرف سے ہم تک پہنچائی اس میں سے کسی شئی کے علم کے منافی حالت پر ہونے سے بھی قطعاً، عقلاً اور شرعاً معصوم ہیں اور جان بوجھ کر یا انجان میں خلافِ واقعہ بات کہنے سے بھی معصوم ہیں جب سے اللہ تعالیٰ نے انہیں نبی بنا کر بھیجا ان کا جھوٹا ہونا محال ہے اور قبلِ اعلانِ نبوت وہ اس سے یقیناً منزہ ہیں اور کبیرہ گناہوں سے اجماعا اور صغیرہ گناہوں سے تحقیق کی رو سے پاک ومنزہ ہیں اور دائمی سہو وغفلت سے وہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے منزہ ہیں اور اپنی امت کے لئے جو انہوں نے جائز ومشروع فرمایا اس میں غلط ونسیان کے استمرار سے قطعاً منزہ ہیں کما قال قاضی عیاض۔

اس بات پر بھی امت کا اجماع ہے کہ انبیاء کفر سے معصوم ہیں لیکن خوارج میں سے فرقہ ازارقہ انبیاء کے لئے گناہ کا صدور ممکن مانتے ہیں اور ان کے نزدیک ہر گناہ کفر ہے جب انہوں نے انبیاء کے لئے گناہ ممکن ٹھہرایا تو اس سے لازم آیا کہ انہوں نے انبیاء کے لئے کفر کو ممکن مانا بلکہ ان سے منقول ہے کہ ایسے نبی کا مبعوث ہونا ممکن ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے علم میں ہو کہ وہ اپنی نبوت کے بعد کافر ہو جائے گا (معاذ اللہ) لیکن ایسی بات ملحد کے علاوہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ عقلاً وشرعاً ہر اعتبار سے باطل ومردود ہے اور ان کے جھوٹے اور باطل ومردود ہونے کے لئے اتنا کافی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ پارہ ۸ سورۂ انعام آیت نمبر ۱۲۵ میں ارشاد فرماتا ہے: اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ یعنی اللہ خوب جانتا ہے جہاں اپنی رسالت رکھے۔ اور پارہ ۲۷ سورۂ حدید آیت نمبر ۲۱ میں فرماتا ہے: ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَن يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ یعنی یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔ اور پارہ ۲۷ سورۂ نجم آیت نمبر ۲، ۳، ۴ میں فرماتا ہے: وَمَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى وَمَا يَنطِقُ عَنِ

الھویٰ إن ھو الا وحی یوحیٰ یعنی تمہارے صاحب نہ بہکے نہ بے راہ چلے اور وہ یعنی نبی کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے وہ تو نہیں مگر وحی جو انہیں کی جاتی ہے۔ اور پارہ ۶ سورۂ نساء آیت نمبر ۱۷۰ میں فرماتا ہے: یٰاَیہا الناسُ قد جآء کم الرَّسولُ بالحقِ من ربکم فاٰمِنُوا خَیرًا لَّکم یعنی اے لوگو! تمہارے پاس یہ رسول حق کے ساتھ تمہارے رب کی طرف سے تشریف لائے تو ایمان لاؤ اپنے بھلے کو۔ اور علامہ ابن حجر علیہ الرحمہ فرماتے ہیں اگر کوئی یہ کہے کہ فلاں نبی نے جو فرمایا اگر سچ ہے تو میں نجات پاؤں گا یہ کہنا بھی کفر ہے اس لئے کہ لفظ اگر سے اس نے نبی کو حق و سچ بات پہنچانے میں شک اور تردد کیا۔ بلکہ قاضی عیاض علیہ الرحمہ تو یوں فرماتے ہیں کہ جو وحدانیت اور صحتِ نبوت اور ہمارے نبی صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی نبوت کو مانتا ہے لیکن انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے لئے جھوٹ بولنا ان باتوں میں جو وہ لے کر آئے جائز ٹھہراتا ہے چاہے اس دعویٰ میں اپنے زعم سے مصلحت کا مدعی ہو یا نہ ہو جب بھی وہ بالا جماع کافر ہے اور قاضی عیاض علیہ الرحمہ مزید فرماتے ہیں: ایسے ہی وہ جو ہمارے نبی صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی طرف ان باتوں میں جو حضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اپنے رب کی طرف سے پہنچائیں اور ان کی خبر دی دانستہ جھوٹ بولنے کی نسبت کرے یا حضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی سچائی میں شک کرے یا حضور کو دشنام دے یا یوں کہے کہ حضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے پیغام نہ پہنچایا یا حضور کو یا کسی نبی کو ہلکا جانے یا انبیاء کی توہین کرے یا انہیں ایذا دے یا کسی نبی کا قاتل ہو یا ان سے جنگ کرے تو وہ بالا جماع کافر ہے۔

بعض حضرات ذنب کے معنی صرف گناہ کرتے ہیں یہ صحیح نہیں اس لئے کہ ذنب کے معنی الزام کے بھی آتے ہیں جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قول قرآن کریم میں ہے: لَھُمْ عَلَیَّ ذَنْبٌ فَاَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ (پ۱۹ سورۃ الشعراء آیت ۱۴) ان کا مجھ پر الزام ہے تو میں ڈرتا ہوں کہیں قتل نہ کردیں اور الغفر کے معنی چھپانے، مٹانے کے ہیں عینی شرح بخاری میں ہے الغفر فی اللغۃ الستر و فی العباب الغفر التغطیۃ (عینی ص۱۶۶ ج۱) اس کا مطلب یہ ہوا کہ انبیاء علیہم السلام پر جتنے الزامات لگائے گئے یا لگائے جائیں گے سب مٹا دیئے گئے اور قسطلانی میں ہے: ای حال بینك و بین الذنوب فلا تاتیھا لان الغفر الستر

(ص ۸۵) اللہ تعالیٰ آپ کے اور گناہوں کے درمیان حائل ہو گیا اس لئے آپ سے گناہ صادر نہ ہوا مترجم)

روایتوں میں یہاں تک وارد ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام خوف کی شدت کی وجہ سے اتنا روئے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی تسلی کے لئے حضرت جبرئیل امین علیہ السلام کو آپ کی خدمت میں بھیجا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور اللہ رب العالمین کا سلام پیش کرنے کے بعد عرض کیا: اے ابراہیم! علیہ السلام کیا آپ نے کوئی ایسا دوست دیکھا ہے جو اپنے دوست کو آگ کا عذاب دے؟ تو حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو جواب دیا کہ اے جبرئیل! جب مجھے اپنی لغزش اور خطا یاد آتی ہے تو میں خوف کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوستی کو بھول جاتا ہوں (عن ابن ابی الدنیا فی کتاب الخائفین)

(۵) پھر حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے واقعہ پر بھی غور کرو ان سے صرف اتنی لغزش ہوئی کہ انہوں نے غصہ میں ایک کافر شخص (قبطی) کو ایک گھونسا مار دیا تو اس فعل پر ان کے دل میں بے حد اللہ کا خوف پیدا ہوا اور خوب گریہ وزاری کی اور اپنے رب کے حضور خوب استغفار کیا اور عرض کیا: رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْلِیْ (پ۲۰ سورۃ القصص آیت ۱۶) اے میرے پروردگار! میں نے اپنی جان پر زیادتی وظلم کیا تو مجھے بخش دے۔ (حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کا یہ کلام تواضع اور انکساری کے طور پر ہے کیونکہ انبیاء معصوم ہوتے ہیں ان سے کوئی معصیت وگناہ سرزد نہیں ہوتا لیکن قبطی کا مارنا دفع ظلم اور امداد مظلوم کی وجہ سے تھا تفصیل تفسیر میں دیکھیں مترجم)

(۶) پھر حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے زمانے میں ایک شخص بلعم بن باعوراء کے واقعہ پر بھی غور کرو کہ گمراہ ہونے سے پہلے اسکی حالت وکیفیت کا عالم یہ تھا کہ جب وہ

آسمان کی طرف نظر اٹھاتا تو اس کی نگاہ عرش اعظم تک کام کرتی تھی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مقدس کلام میں اسی بات کا یوں تذکرہ فرمایا ہے: وَ اتْلُ عَلَیْهِمْ نَبَاَ الَّذِیْۤ اٰتَیْنٰهُ اٰیٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا (پ۹ سورۃ الاعراف آیت ۱۷۵) اے محبوب! انہیں ان کے احوال سنادو جسے ہم نے اپنی نشانیاں دیں تو وہ ان سے صاف نکل گیا۔

بلعم بن باعوراء گمراہ صرف اس وجہ سے ہوا کہ وہ صرف ایک مرتبہ دنیا اور دنیا والوں کی طرف مائل ہو گیا اور صرف ایک مرتبہ کسی موقع پر اللہ تعالیٰ کے دوستوں میں ایک برگزیدہ دوست (حضرت موسیٰ علیہ السلام) کی عزت و توقیر نہیں کی تو اللہ تعالیٰ نے اس سے اپنی معرفت اور اپنا علم چھین لیا اور اسے دھتکارے ہوئے کتے کی طرح کر دیا چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے: فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ اِنْ تَحْمِلْ عَلَیْهِ یَلْهَثْ (پ۹ سورۃ الاعراف آیت ۱۷۶) تو اس کا حال کتے کی طرح ہے اگر تم اس پر حملہ کرو تو وہ زبان نکالے۔ (بلعم بن باعوراء کی غلطی صرف یہ تھی کہ جب حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے جبارین سے جنگ کا ارادہ فرمایا تو بلعم بن باعوراء کی قوم نے بلعم بن باعوراء سے کہا کہ یہ ہدیہ لے لو اور حضرت موسیٰ کے خلاف بددعا کر دو تو اس نے بددعا کر دی تفصیل تفاسیر صاوی، جلالین میں دیکھیں مترجم)

تو اللہ تعالیٰ کے ایک برگزیدہ بندے اور اس کے دوست حضرت موسی علیہ السلام کی شان میں صرف ایک بار گستاخی کرنے اور ایک مرتبہ دنیا والوں کی طرف مائل ہو جانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اسے (بلعم بن باعوراء کو) گمراہی اور ہلاکت کے سمندر میں غرق کر دیا گیا حتیٰ کہ میں نے بعض علماء سے سنا ہے کہ بلعم بن باعوراء کے گمراہ ہونے سے پہلے اس کی مجلس میں صرف ایک وقت میں بارہ بارہ ہزار دینی طالب علم موجود ہوتے تھے جو اس کے علم و معرفت سے لبریز ملفوظات تحریر کرتے تھے اور

پھر گمراہی میں مبتلا ہونے کے بعد اس کی یہ حالت ہوگئی کہ یہی وہ پہلا شخص ہے جس نے انکار ذات باری تعالیٰ کے مسئلہ پر سب سے پہلے ایک کتاب تصنیف کی (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور اس کے دردناک عذاب اور اس کی طرف مسلط ہونے والی عظیم ذلت وخواری سے جو ہماری طاقت سے باہر ہے ان سب چیزوں سے ہم بار بار اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں لہذا اب تم خود دنیا کی خباثت اور اس کی بدبختی کا مشاہدہ کرلو کہ ماوشما (ہم، تم) اور عوام تو کیا بڑے بڑے علماء کو ضلالت وگمراہی کے گھاٹ اتار دیتی ہے ذرا ہوش میں آ جاؤ اور غور وفکر سے کام لو اس لئے کہ معاملہ انتہائی خطرناک اور عمر بہت مختصر ہے اور ہمارے اعمال خامیوں اور کوتاہیوں سے پر ہیں اور اعمال کی جانچ پڑتال کرنے والا بخوبی واقف ہے اگر وہ ہمارے اعمال خیر کے ساتھ پورا فرمادے اور ہمارا خاتمہ بالخیر فرمادے اور ہماری خطاؤں، لغزشوں کو درگزر اور معاف فرمادے تو یہ اس کے لئے کوئی مشکل نہیں۔

(۷) پھر حضرت سیدنا داؤد علیہ السلام کا واقعہ بھی سنتے چلو جو روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کے نائب وخلیفہ تھے ان سے صرف ایک لغزش صادر ہوگئی تو وہ خوف الٰہی سے اس قدر روئے کہ ان کے آنسو سے زمین میں سبزہ اگ آیا اور اللہ کی بارگاہ میں یوں عرض کی: اے میرے آقا ومولیٰ! کیا تجھے میری اس گریہ وزاری پر رحم نہیں آتا؟ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا اے داؤد! تم اپنی خطا بھول گئے اور اپنا رونا یاد رکھا ہے۔

روایتوں میں آیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی توبہ چالیس دن تک قبول نہیں ہوئی اور بعض روایتوں میں آیا ہے کہ چالیس سال تک ان کی توبہ قبول نہیں ہوئی۔

(۸) پھر اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت یونس علیہ السلام سے صرف اتنی سی بات سرزد ہوئی کہ

ایک مرتبہ انہیں بے موقع ومحل غصہ آ گیا (ان کی قوم نے ان کی دعوت قبول نہ کی بلکہ کفر پر قائم رہی تو آپ نے اپنی قوم سے عذاب کا وعدہ کیا تھا اس میں تاخیر ہوئی تو غصہ میں آپ چھپ کر نکل گئے اور دریائی سفر کا قصد کرلیا ہجرت کے جائز ہونے کا گمان کرتے ہوئے تو دستور کے مطابق آپ پانی میں ڈال دیئے گئے تو مچھلی نے نگل لیا کیوں کہ آپ نے نکلنے میں جلدی کی اور قوم سے جدا ہونے میں امر الٰہی کا انتظار نہ کیا) تو سمندر کی گہرائیوں میں چالیس دن تک مچھلی کے پیٹ میں مقید کردیئے گئے اور وہاں اس طرح اللہ کو ندا دیتے رہے: لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ (پ۱۷ سورۃ الانبیاء آیت۸۷) تیرے (اللہ کے) سوا کوئی معبود نہیں تیری پاکی ہے بیشک مجھ سے بے جا ہوا۔

فرشتوں نے حضرت یونس علیہ السلام کی آواز سنی تو عرض کیا اے ہمارے معبود! اور اے ہمارے آقا ومولیٰ! یہ آواز جانی پہچانی ہے مگر یہ نہیں معلوم کہاں سے آ رہی ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ آواز جو تم سن رہے ہو وہ آواز میرے بندے یونس علیہ السلام کی ہے اس پر فرشتوں نے حضرت یونس علیہ السلام کی سفارش کی مگر ان تمام باتوں کے باوجود اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کا نام مبارک بدل دیا اور ان کے قید خانہ کی طرف نسبت کرتے ہوئے ان کا اسم گرامی ذوالنون رکھ دیا پھر اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا: فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ مُلِیْمٌ ○ فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِیْنَ لَلَبِثَ فِیْ بَطْنِهٖۤ اِلٰى یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ (پ۲۳ سورۃ الصافات آیت ۱۴۲ تا ۱۴۴) پھر اسے مچھلی نے نگل لیا اور وہ اپنے آپ کو ملامت کرتا تھا تو اگر وہ تسبیح کرنے والا نہ ہوتا ضرور اس (مچھلی) کے پیٹ میں رہتا جس دن لوگ اٹھائیں جائیں گے (قیامت کے دن تک)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام پر اپنی نعمت اور احسان کا اس طرح بیان فرمایا: لَوْلَآ اَنْ تَدٰرَكَهٗ نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ لَنُبِذَ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ مَذْمُوْمٌ

(پ۲۹ سورۃ نون آیت ۴۹) اگر اس کے رب کی خبر نہ پہنچتی تو ضرور میدان میں پھینک دیا جاتا الزام دیا ہوا۔ لہٰذا اے میرے مسکین بھائیو! اللہ تعالیٰ کی اس تدبیر و سیاست پر اچھی طرح غور کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔

(۹) پھر اسی طرح تم اللہ تعالیٰ کے اس مقرب و برگزیدہ بندے کی بارگاہ میں آؤ اور دیکھو جو تمام رسولوں کا سردار اور اللہ کی تمام مخلوقات میں اکرم و افضل ہے اور جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی بارگاہ میں درجوں بلندی عطا فرمائی اس سید المرسلین سے اللہ تعالیٰ یوں خطاب فرماتا ہے: فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (پ۱۲ سورۃ ھود آیت ۱۱۲) تو (اپنے رب کے حکم اور اس کے دین کی دعوت پر) قائم رہو جیسا تمہیں حکم ہے اور جو تمہارے ساتھ رجوع لایا اور اے لوگو! سرکشی نہ کرو بے شک وہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اس حکم کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے مجھے سورۂ ھود اور اس جیسی دوسری سورتوں نے بوڑھا کر دیا۔

علماء و مشائخ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ان کلمات (ھود و اخواتھا) سے مذکورہ بالا آیت (فاستقم الآیہ) اور اس جیسی قرآن کریم کی دوسری آیات کریمہ مراد لی ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ (پ۲۴ سورۃ الغافر آیت ۵۵) اور اپنوں کے گناہوں کی معافی چاہو۔

(اس حکم کے مطابق حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلسل استغفار کرتے رہے بخاری شریف کی روایتوں میں آیا ہے یعنی بے شک میں روزانہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ستر مرتبہ استغفار اور توبہ کرتا ہوں۔ اور ایک روایت میں ستر مرتبہ سے زائد کا لفظ آیا ہے مترجم) یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے نبی

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عفو و غفران کے ساتھ انعام و اکرام بھی فرمادیا اور یوں ارشاد فرمایا: وَ وَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۝ الَّذِیْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ (پ۳۰ سورۃ الم نشرح آیت۳) اور ہم نے تمہاری پیٹھ سے وہ بوجھ اتار لیا جس نے تمہاری پیٹھ توڑ دی تھی۔

اور دوسرے مقام پر ارشاد فرماتا ہے: لِیَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَ مَا تَاَخَّرَ (پ۲۶ سورۃ الفتح آیت۲) تا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے سبب سے تمہارے اگلے اور پچھلوں کے گناہ بخش دے۔

ان آیات اور وعدوں کے باوجود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حال یہ تھا کہ رات میں سوتے نہیں تھے بلکہ ساری رات اس قدر نماز پڑھتے تھے کہ آپ کے قدم مبارک سوج جاتے تھے تو صحابہ کرام حیرت سے سوال کرتے یا رسول اللہ آپ ساری ساری رات جاگ کر اتنی مشقت کیوں برداشت کرتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے اور پچھلوں کے گناہ بخش دیئے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تو کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟ اور حضور علیہ الصلاۃ والسلام یہ بھی فرمایا کرتے تھے: اگر میرا اور عیسی (علیہما الصلاۃ والسلام) کے ان اعمال کا مواخذہ ہو جو ہم سے ہوئے تو (معاذ اللہ) ہم کو ایسے عذاب میں مبتلا کیا جائے جو دنیا کے کسی فرد کو نہ دیا جائے۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ساری ساری رات نماز پڑھتے اور روتے رہتے تھے اور سجدے میں جا کر یہ دعا مانگتے تھے: اے اللہ! میں تیری معافی کی پناہ لیتا ہوں تیرے عذاب سے اور تیری ناراضگی سے تیری رضا و خوشنودی کی پناہ لیتا ہوں اور تیری نافرمانی سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور میں تیری حمد و ثناء بیان کرنے کے لائق نہیں تو ویسا ہی ہے جیسی تو نے خود اپنی تعریف بیان فرمائی ہے (مسند احمد، صحیح مسلم)

پھر صحابہ کرام جو تمام زمانوں سے اچھے اور بہتر زمانے والے ہیں اور تمام امت سے اعلیٰ اور افضل ہیں ان سے آپس میں ہنسی مذاق کے دوران کوئی بات سرزد ہو گئی تو فوراً اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَ مَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَ لَا یَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَیْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ كَثِیْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ (پ۲۷ سورۃ الحدید آیت ۱۶) کیا ایمان والوں کو ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی یاد اور اس حق کے لئے جھک جائیں جو اترا اور ان جیسے نہ ہوں جن کو پہلے کتاب دی گئی پھر ان پر لمبی مدت گذر گئی تو ان کے دل سخت ہو گئے اور ان میں بہت سے فاسق ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس امت کے مرحوم ہونے کے باوجود مجرموں کو تنبیہ اور تادیب کے طور پر سزائیں اور تدبیریں متعین فرمادیں ہیں یہاں تک کہ حضرت یونس بن عبید تابعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: جس طرح تم دنیا میں کسی کا پانچ درہم چوری کرنے سے اپنا عمدہ عضو (ہاتھ) کٹنے سے بے خوف نہیں ہو اسی طرح آخرت میں اللہ کے عذاب سے بھی تمہیں بے خوف و بے فکر نہیں ہونا چاہئے۔

ہم اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں جو بڑا مہربان اور کرم فرمانے والا ہے کہ وہ ہمارے ساتھ صرف اپنے فضل و کرم کا معاملہ فرمائے بے شک وہ سب سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے۔

رجاء سے متعلق چند امید افزاء واقعات

رجاء و امید کا مقام و مرتبہ حاصل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی رحمتِ واسعہ سے وابستہ رہنا چاہئے اور اس کی رحمتوں کا خوب چرچا کرنا چاہئے اور اس میں کوئی حرج و مضائقہ

نہیں اور کون ہے جو اللہ تعالیٰ کی غایت رحمت کا اندازہ لگا سکے اور اس کی رحمت کی انتہا کو سمجھ سکے بے شک وہ اتنا مہربان ہے کہ ایک پل کے ایمان سے ستر سال کے کفر کو مٹا دیتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: قُلْ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ یَّنْتَهُوْا یُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ (پ۹ سورۃ الانفال آیت۳۸) اے محبوب! تم کافروں سے فرما دو اگر وہ باز رہے تو جو کچھ کر گزرے وہ ان سے معاف ہو جائے گا۔

(۱) کیا تم فرعون کے جادوگروں کے واقعہ کو نہیں دیکھتے جو (اپنی مکمل تدبیر سے آراستہ و لیس ہو کر) حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام سے مقابلہ و مناظرہ کے لئے آئے اور اللہ تعالیٰ کے دشمن فرعون کی عزت کی قسم کھا کر مقابلے کے لئے تیار ہو گئے مگر انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صرف ایک معجزہ کا مشاہدہ کیا تو انہیں حق کی معرفت ہو گئی اور پکار اٹھے: اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (پ۹ سورۃ الاعراف آیت۱۲۱) ہم ایمان لائے سارے جہاں کے رب پر۔

اور ان جادوگروں کے متعلق یہ ذکر بھی کہیں نہیں آیا کہ انہوں نے ایمان کے علاوہ کوئی اور نیک عمل کیا ہے مگر اس کے باوجود دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے محض ان کے ایمان کی وجہ سے اپنے مقدس کلام میں کس قدر ان کی تعریف و توصیف کا تذکرہ فرمایا ہے اور ایک گھڑی بلکہ ایک لحظہ کے ایمان کی برکت سے ان کے کتنے صغائر و کبائر گناہ معاف فرما دیئے بلکہ انہوں نے سچے دل سے صرف اتنا ہی کہا تھا: ہم سارے جہاں کے پروردگار پر ایمان لائے۔ خلوص نیت کے ساتھ صرف اتنے جملے کے بدلے اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی رحمت و نوازش کی ایسی بارش فرمائی کہ ان کی کایا پلٹ کر رکھ دی اور گزشتہ تمام گناہ معاف فرما دیئے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ان کو جنت میں شہداء کا سردار بنا دیا اللہ تبارک

وتعالیٰ کی کرم نوازی کا یہ حال ان لوگوں پر ہے جنہیں قسم قسم کے فسق و فجور اور کفر و گمراہی و جادوگری میں مبتلا رہنے کے بعد صرف ایک لحظہ کے لئے اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی وحدانیت بیان کرنے کا موقع ملا تو ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ کے انعام واکرام کا کیا عالم ہوگا جنہوں نے اپنی ساری زندگی اللہ تعالیٰ کی معرفت وعبادت اور اس کی وحدانیت بیان کرنے میں صرف کردی اور دونوں جہاں میں اپنے تمام معاملات اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو سپرد نہ کئے۔

(۲) کیا تم نے اصحاب کہف کا واقعہ نہیں سنا جو عرصہ دراز تک کفر وگمراہی میں مبتلا رہے پھر انہیں اچانک ایمان وتوحید کی دولت عطا ہوئی چنانچہ قرآن کریم میں ہے: اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَا مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلٰهًا (پ۱۵ سورۃ الکہف آیت ۱۴) جب (دقیانوس کے سامنے) کھڑے ہوکر بولے ہمارا رب وہ ہے جو آسمان اور زمین کا رب ہے ہم ہرگز اس کے سوا کسی معبود کی عبادت نہ کریں گے۔

پھر جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا پیش کی تو اللہ تعالیٰ نے فوراً ان کی التجا کو قبول فرمایا اور اپنے مقبول بندوں کا مقام ومرتبہ عطا فرمایا پھر انہیں ہر قسم کے انعامات و اعزاز سے نوازا چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنے مقدس کلام میں ارشاد فرماتا ہے: وَ نُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْیَمِیْنِ وَ ذَاتَ الشِّمَالِ (پ۱۵ سورۃ الکہف آیت ۱۸) اور ہم ان کی داہنی اور بائیں کروٹیں بدلتے ہیں۔

اور انہیں اللہ تعالیٰ نے کس قدر عزت وحرمت عطا فرمائی اور کس قدر ہیبت و دہشت کا لباس پہنایا کہ ان تک کوئی نہ پہنچ سکا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی ہیبت ورعب کا

تذکرہ اپنے محبوب اکرم سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یوں فرمایا: لَوِ اطَّلَعۡتَ عَلَيۡهِمۡ لَوَلَّيۡتَ مِنۡهُمۡ فِرَارًا وَلَمُلِئۡتَ مِنۡهُمۡ رُعۡبًا (پ۱۵ سورۃ الکہف آیت۱۸) (اے سننے والے) اگر تم انہیں جھانک کر دیکھو تو ان سے پیٹھ پھیر کر تیز قدم چلو اور ان سے ہیبت کی وجہ سے پھر جاؤ۔

بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے کتے کا بھی کس قدر اعزاز فرمایا یہاں تک کہ اپنی مقدس کتاب میں بار بار اس کا تذکرہ فرمایا پھر دنیا میں ان کا ساتھی بنادیا اور آخرت میں اعزاز و اکرام کے طور پر ان کے ساتھ ان کے کتے کو بھی جنت میں داخل فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فضل وکرم تو اس ایک کتے پر ہے جو بغیر کسی خدمت وعبادت کے صرف چند دن اور چند قدم اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنے والوں اور توحید بیان کرنے والوں کے ساتھ چلا تو اللہ تبارک وتعالیٰ کا اس مسلمان بندہ پر کس قدر فضل وکرم ہوگا جو ستر سال اس کی وحدانیت بیان کرتا رہے اور اس کی خدمت وعبادت میں مصروف رہے۔ بلکہ ستر سال کیا چیز ہے اگر وہ بندۂ مومن ستر ہزار سال بھی زندہ رہتا تو اس کی طاعت وبندگی میں لگا رہتا۔

(۳) کیا تمہیں نہیں معلوم کہ جب حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے مجرموں کی ہلاکت و بربادی کی بددعا کی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم پر کس طرح عتاب و ناراضگی کا اظہار فرمایا چنانچہ روایتوں میں ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے ابراہیم! میں تم سے زیادہ اپنے بندوں پر مہربان ہوں تم اتر جاؤ تو وہ لوگ توبہ کرکے واپس آجائیں گے۔

(۴) اور اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر قارون کے معاملہ میں کیسا عتاب

فرمایا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا اے موسیٰ! قارون نے تم سے مدد مانگی مگر تم نے اس کی مدد نہ کی میری عزت وجلال اور کبریائی کی قسم اگر قارون مجھ سے فریاد کرتا تو میں ضرور بالضرور اس کی فریاد رسی کرتا اور اس کی مدد کرتا اور اس کے گناہ معاف کر دیتا۔

(۵) اور کیا تم نے حضرت یونس علیہ السلام کے اس واقعہ کا مشاہدہ نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام پر ان کی قوم کے بارے میں کس قدر عتاب فرمایا اور خفگی کا اظہار فرمایا اور ارشاد فرمایا: اے یونس! تمہیں کدو کی ایک بیل دار درخت خشک ہو جانے کا تو غم وافسوس ہے جس کو میں نے ایک گھڑی میں اگایا اور ایک پل میں خشک کر دیا لیکن نینوی شہر کے ایک لاکھ یا اس سے زیادہ باشندوں کا تمہیں کوئی غم وافسوس نہیں ہوا؟

(۶) پھر اس بات پر بھی غور کرو کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کا عذر کتنی جلدی قبول فرمالیا اور ان سے بہت بڑا عذاب اٹھالیا جبکہ انہوں نے گمراہی کا راستہ اختیار کر لیا تھا اور گمراہی میں مبتلاء ہو چکے تھے۔

(۷) پھر تم اس واقعہ پر بھی غور تو کرو کہ اللہ تعالیٰ نے حضور سید العالمین والمرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کیسی عتابانہ وحی نازل فرمائی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دفعہ باب بنی شیبہ (باب السلام باب بنی عبد الشمس) سے اندر داخل ہوئے تو وہاں ایک قوم (گروہ) کو ہنستے دیکھا تو فرمایا کیوں ہنستے ہو؟ اب اس کے بعد میں تمہیں ہنستا ہوا نہ دیکھوں پھر حجر اسود (کالے پتھر) کی طرف چل پڑے ابھی حجر اسود کے قریب پہنچے تھے کہ الٹے قدم فوراً واپس لوٹے اور فرمایا ابھی ابھی میرے پاس حضرت جبرئیل امین علیہ السلام آئے اور اللہ

تعالیٰ کی طرف سے یہ پیغام لائے کہ اے محمد! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بے شک اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے تم نے میرے بندوں کو میری رحمت سے مایوس کیوں کر دیا چنانچہ فرماتا ہے: نَبِّئۡ عِبَادِیۡۤ اَنِّیۡۤ اَنَا الۡغَفُوۡرُ الرَّحِیۡمُ (پ۱۴ سورۃ الحجر آیت ۴۹) اے محبوب! میرے بندوں کو خبر دے دو کہ بے شک میں ہی انہیں بخشنے والا مہربان ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی یہی ارشاد گرامی ہے: اللہ تعالیٰ اپنے (مسلمان) بندوں پر مشفق و مہربان ماں کے اپنی اولاد پر شفیق ہونے سے زیادہ مہربان ورحیم ہے (صحیح البخاری، صحیح مسلم عن عمر ابن خطاب)

اور ایک مشہور حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے فرماتے ہیں: بے شک اللہ تعالیٰ کے پاس سو رحمتیں ہیں (ویسے تو اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا شمار واحاطہ ممکن نہیں لیکن یہاں تمثیل کے طور پر بیان کیا گیا مترجم) ان میں سے صرف ایک رحمت تمام جناتوں اور انسانوں اور حیوانوں کے درمیان تقسیم فرمائی ہے تو ہر جاندار صرف اسی ایک رحمت کے ذریعہ سے ایک دوسرے سے نرمی ورحم دلی کا برتاؤ کرتا ہے اور باقی ننانوے رحمتیں اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے روک رکھی ہیں جن کے ذریعہ وہ قیامت کے دن اپنے بندوں پر رحم وکرم فرمائے گا (صحیح مسلم، سنن ابن ماجہ، بیہقی عن ابی ھریرۃ)

جب اللہ تعالیٰ نے تم کو دنیا میں اپنی سو رحمتوں میں سے صرف ایک ہی رحمت (اپنی رحمتوں کا سواں حصہ) سے بے شمار رحمتیں اور نعمتیں عطا فرمائی ہیں مثلاً تمہیں اپنی معرفت جیسی عظیم نعمت عطا فرمائی اور تمہیں اس امت مرحومہ (محمدیہ) میں پیدا ہونے کا شرف واعزاز بخشا اور پھر مذہب حقہ اہل سنت والجماعت سے ہونے اور اس کی پہچان کا طریقہ بتایا اور اس کے علاوہ بے شمار باطنی وظاہری نعمتیں عطا فرمائیں تو اس کے فضل عظیم سے اس بات کی بھی امید رکھو کہ وہ تم پر اپنی نعمتیں مکمل فرمادے اس لئے کہ جو

احسان کی ابتداء کرتا ہے تو اس کا پورا کرنا بھی اس کے ذمہ ہوتا ہے اور بقیہ رحمت کے ننانوے حصوں میں سے تمہیں وافر وخاصہ حصہ عطا فرمائے گا ہم اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اپنے فضل وکرم سے آخرت میں نامراد ورسوا نہ فرمائے بے شک اللہ تعالیٰ بہت کرم فرمانے والا آقا ہے اور بہت مہربان بخشش وعطا فرمانے والا ہے۔

تیسرا اصول: آخرت کے وعد (ثواب) اور وعید (عذاب) کا بیان

اس سلسلے میں ہم پانچ قسم کے احوال بیان کرتے ہیں

(۱) موت (۲) قبر (۳) قیامت (۴) جنت (۵) دوزخ

اور ان مقامات میں فرماں برداروں اور نافرمانوں اور کوتاہی کرنے والوں اور نیکی میں پوری کوشش ومجاہدہ کرنے والوں کو جو خطرات عظیمہ پیش آئیں گے ان کو بھی بیان کریں گے۔

موت کا بیان: موت کے بیان میں دو آدمیوں (۱) نیک بخت (۲) بد بخت کا حال بیان کروں گا

(۱) نیک بخت آدمی کا حال اور یہ وہی ہے جو ابن شبرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ شعبی کے ساتھ ایک مریض کی عیادت کے لئے گیا وہ مریض نزع کے عالم میں تھا اور اس کے پاس ایک دوسرا آدمی بیٹھا تھا جو اسے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ کی تلقین کر رہا تھا تو حضرت شعبی نے اس تلقین کرنے والے سے کہا کہ مریض کے ساتھ نرمی اور شفقت کا برتاؤ کریں مریض حضرت شعبی کا یہ جملہ سن کر بول اٹھا اور کہنے لگا تم مجھے اس کلمہ کی تلقین کرو یا نہ کرو میں اس کلمہ کو ضرور پڑھوں گا پھر اس

مریض نے یہ آیت کریمہ تلاوت کی: وَ اَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَ كَانُوْۤا اَحَقَّ بِهَا وَ اَهْلَهَا (پ۲۶ سورۃ الفتح آیت۲۶) اور ان پر پرہیزگاری کا کلمہ (لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ) لازم فرمایا اور وہ اس کے زیادہ حق دار تھے۔تو حضرت شعبی نے فرمایا: تمام خوبیاں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے ہمارے ساتھی کو نجات عطا فرمائی۔

(۲) دوسرا بد بخت اور شقی القلب آدمی کا حال ہے وہ یہ ہے جو حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے کسی شاگرد کے پاس گئے اور اس کے انتقال کا وقت قریب ہو چکا تھا یعنی بالکل نزع کے وقت پہنچے اور اس کے قریب بیٹھ کر یٰس شریف کی تلاوت کرنا چاہی تو اس نے کہا کہ اے استاد محترم آپ سورۂ یٰس نہ پڑھیں چنانچہ حضرت فضیل بن عیاض خاموش ہو گئے پھر اسے کلمہ توحید کی تلقین کی کہ لا الہ الا اللہ پڑھو مگر اس بد بخت نے کہا میں یہ کلمہ نہیں پڑھوں گا میں اس کلمہ سے بیزار و بری ہوں اور یہی جملہ کہہ کر مر گیا اس کے بعد حضرت فضیل بن عیاض علیہ الرحمہ اپنے گھر چلے گئے اور انہیں اپنے شاگرد کے بُرے خاتمہ کا سخت صدمہ ہوا اس صدمہ کی وجہ سے چالیس دن تک اپنے گھر سے باہر نہ نکلے اور برابر روتے رہے اس کے بعد خواب میں دیکھا کہ فرشتے اس شاگرد کو دوزخ کی طرف گھسیٹتے لے جا رہے ہیں حضرت فضیل بن عیاض علیہ الرحمہ نے اس سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے کس وجہ سے تجھ سے ایمان کی معرفت چھین لی حالانکہ میرے شاگردوں میں تیرا بہت بلند و اعلیٰ مقام تھا اور تو لائق و فائق ترین اور صاحب علم شاگرد تھا؟ اس نے جواب دیا کہ تین عیوب کی وجہ سے میرے ایمان کی دولت چھین لی گئی۔

(۱) چغلخوری کہ میں اپنے ساتھیوں کو کچھ بتاتا تھا اور آپ کو اس کے خلاف۔

(۲) حسد کہ میں اپنے ساتھیوں سے حسد کیا کرتا تھا۔
(۳) تیسرا عیب یہ کہ میں شرابی تھا کہ مجھے ایک ایسی بیماری تھی کہ میں نے حکیم سے اس کا علاج پوچھا تو اس نے کہا کہ سال میں ایک گلاس شراب پیا کرو تو تمہیں اس بیماری سے نجات مل جائے گی اور تم صحت مند ہو جاؤ گے ورنہ یہ بیماری تمہارا پیچھا نہیں چھوڑے گی چنانچہ میں سال میں ایک دفعہ ایک گلاس شراب پی لیا کرتا تھا ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ لیتے ہیں اس کی اس ناراضگی سے جسکی ہم طاقت نہیں رکھتے۔
پھر میں دوسرے دو آدمیوں کا حال بیان کرتا ہوں
(۱) پہلے متقی آدمی کا حال جو حضرت عبد اللہ بن مبارک (تابعی) علیہ الرحمہ کے متعلق مروی ہے کہ جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آسمان کی طرف نظر اٹھائی اور پھر ہنسے پھر فرمایا عمل کرنے والوں کو ایسا ہی عمل کرنا چاہیے۔
میں نے امام الحرمین حضرت ابو المعالی عبد الملک بن شیخ ابو محمد رضی اللہ عنہ سے سنا وہ اپنے استاد حضرت ابو بکر محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ایک حکایت بیان کرتے ہیں کہ طالب علمی کے زمانے میں میرا ایک ساتھی تھا جو ابتدائی کتابیں پڑھتا تھا اور حصول علم میں بہت زیادہ محنت کرتا تھا اور متقی و پرہیزگار اور بڑا عبادت گزار تھا مگر بہت زیادہ کوشش و محنت کے باوجود اسے بہت کم علم حاصل ہوا ہمیں اس کے اس حال پر تعجب ہوتا تھا پھر وہ طالب علم اچانک بیمار ہو گیا اور ہسپتال میں داخل ہونے کی بجائے اللہ کے دوستوں کی ایک خانقاہ میں پڑ گیا لیکن سخت بیماری کے باوجود محنت کے ساتھ پڑھتا رہا یہاں تک کہ اس کی حالت بہت زیادہ نازک ہو گئی اور اس وقت میں اس کے پاس ہی بیٹھا ہوا تھا اچانک اس نے اپنی نگاہ آسمان کی طرف اٹھائی پھر مجھ سے کہا اے ابن فورک! عمل کرنے

والے ایسا ہی عمل کرتے ہیں اور اسی وقت انتقال ہو گیا (اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمت نازل فرمائے)

(۲) دوسرا بد بخت آدمی کا حال جو کہ مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ وہ اپنے پڑوسی کے پاس اس کے انتقال کے وقت تشریف لے گئے اس پڑوسی نے حضرت مالک بن دینار کو دیکھ کر کہا اے مالک بن دینار! اس وقت میرے سامنے آگ کے دو پہاڑ نظر آرہے ہیں اور مجھ سے کہا جا رہا ہے کہ ان پر چڑھو لیکن ان پر چڑھنا میرے لئے دشوار ہے حضرت مالک بن دینار فرماتے ہیں تو میں نے اس کے گھر والوں سے اس کے بارے میں پوچھا تو ان لوگوں نے بتایا کہ اس کے پاس غلہ ناپنے کے دو پیمانے ہیں ایک سے غلہ ناپ کر لیتا تھا اور دوسرے سے غلہ ناپ کر دیتا تھا حضرت مالک بن دینار فرماتے ہیں میں نے ان دونوں پیمانوں کو منگوایا اور ایک دوسرے پر رکھ کر توڑ دیئے پھر میں نے اس قریب المرگ شخص سے پوچھا اب تمہارا کیا حال ہے؟ اس نے جواب دیا میرے ساتھ ویسا ہی معاملہ ہے بلکہ پہلے سے زیادہ ابتر و خراب ہے۔

قبر اور موت کے بعد کے حال کا بیان

اس بیان میں بھی دو آدمیوں کا واقعہ قابل ذکر ہے۔

(۱) پہلا نیک اور متقی شخص کا واقعہ وہ یہ ہے کہ ایک بزرگ (ابو قبیصہ) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو عبد اللہ سفیان ثوری رضی اللہ عنہ کو ان کی وفات کے بعد خواب میں دیکھا تو میں نے ان سے پوچھا اے ابو عبد اللہ (سفیان ثوری) آپکا کیا حال ہے؟ انہوں نے مجھ سے اعراض کیا اور فرمایا یہ کُنیتوں سے پکارنے اور یاد کرنے

کا وقت نہیں ہے پھر میں نے کہا اے سفیان! آپ کا کیا حال ہے؟ تو انہوں نے جواب میں یہ اشعار پڑھے۔

نَظَرْتُ اِلٰی رَبِّیْ عِیَانًا فَقَالَ لِیْ
هَنِیْئًا رِضَائِیْ عَنْكَ یَا اِبْنَ سَعِیْدٍ

میں نے اپنے پروردگار کو بالکل سامنے سے دیکھا تو میرے رب نے مجھ سے فرمایا اے سعید کے بیٹے! (سفیان ثوری) تمہیں میری رضا وخوشنودی مبارک ہو۔

لَقَدْ كُنْتُ قَوَّامًا اِذَا اللَّیْلُ قَدْ دَجَا
بِعَبْرَةِ مُشْتَاقٍ وَّقَلْبِ عَمِیْدٍ

اے سفیان! تو دنیا میں رات کی تاریکیوں میں میرے لئے کھڑا رہتا تھا اور تیری آنکھوں سے ذوق وشوق کے آنسو جاری رہتے تھے اور تیرا دل سچی محبت کے ساتھ میری طرف متوجہ رہتا تھا۔

فَدُوْنَكَ فَاخْتَرْ اَیَّ قَصْرٍ تُرِیْدُهٗ
وَزُرْنِیْ فَاِنِّیْ عَنْكَ غَیْرُ بَعِیْدٍ

یہ جنت کے محلات تمہاری نظروں کے سامنے ہیں لہذا ان میں سے جو چاہو لے لو اور ہر وقت میری زیارت سے لطف اندوز ہوتے رہو اس لئے کہ میں بالکل تمہارے سامنے اور قریب ہوں۔

(۲) دوسرے شخص کا واقعہ جو بدبخت تھا وہ یہ ہے کہ اس کو بعض لوگوں نے خواب میں دیکھا کہ اس کا رنگ بدلا ہوا ہے اور اس کے دونوں ہاتھ اس کی گردن میں بندھے ہوئے ہیں لوگوں نے اس سے پوچھا کہ اے شخص! اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ کیا

معاملہ کیا؟ تو اس نے یہ شعر پڑھا۔

تَوَلّٰی زَمَانٌ لَعِبْنَا بِهٖ
وَهٰذَا زَمَانٌ بِنَا يَلْعَبُ

ایک وہ زمانہ تھا کہ جس سے ہم کھیلتے تھے اور یہ وہ زمانہ ہے جو ہم سے کھیل رہا ہے۔

دو اور آدمیوں کا واقعہ بھی سن لو جو بہت ہی قابل ذکر ہے۔

(۱) پہلا واقعہ یہ ہے کہ ایک بزرگ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا لڑکا شہید ہو گیا اور سیدنا امیر المومنین عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کی وفات تک ان بزرگ نے اپنے شہید بیٹے کو خواب میں نہیں دیکھا لیکن جب حضرت سیدنا عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کا وصال ہو گیا تو ان بزرگ نے اپنے شہید بیٹے کو خواب میں دیکھا تو پوچھا اے بیٹے! کیا تمہارا انتقال نہیں ہو گیا؟ اس شہید بیٹے نے جواب دیا میں مردہ نہیں ہوں بلکہ مجھے تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہادت جیسی عظیم نعمت ملی ہے اور میں اللہ تعالیٰ کے قرب میں زندہ ہوں مجھے جنت سے قسم قسم کے پھلوں سے رزق ملتا ہے وہ بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا کہ تم یہاں کیسے آ گئے؟ تو اس نے جواب دیا تمام آسمان والوں میں اعلان کیا گیا کہ سنو! آج کوئی نبی، کوئی صدیق اور شہید یہاں نہ رہے سب کے سب عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ میں شریک ہوں چنانچہ میں بھی ان کی نماز جنازہ میں شرکت کے لئے حاضر ہوا پھر نماز سے فارغ ہو کر آپ سے بھی سلام کے لئے آ گیا۔

(۲) دوسرا واقعہ یہ ہے جو حضرت ہشام بن حسان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میرا ایک بچہ جوانی کی حالت میں فوت ہو گیا تو ایک دن میں نے اس کو خواب میں دیکھا کہ وہ بوڑھا ہو چکا ہے میں نے پوچھا اے بیٹے! تم بوڑھے کیسے

ہوگئے؟ تو اس بچے نے جواب دیا کہ جب فلاں آدمی ہمارے پاس آیا تو دوزخ نے اسے دیکھ کر غصہ میں ایک سانس لی جس کی وجہ سے ہم سب ایک پل میں بوڑھے ہوگئے ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں دردناک عذاب سے جو بڑا مہربان ہے۔

قیامت کا بیان: قیامت کے دن لوگوں کا کیا حال ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے ان کا حال اس آیت کریمہ میں بیان فرمایا ہے: **یَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِیْنَ اِلَی الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ۝ وَنَسُوْقُ الْمُجْرِمِیْنَ اِلٰی جَهَنَّمَ وِرْدًا** (پ۱۶ سورۃ مریم آیت ۸۵، ۸۶) ہم جس دن پرہیزگاروں کو رحمن کی طرف مہمان بنا کر لے جائیں گے اور مجرموں کو جہنم کی طرف پیاسا ہانکیں گے۔

ایک شخص اپنی قبر سے اس حالت میں اٹھے گا کہ اس کی سواری کے لئے قبر کے پاس براق تیار ہوگا اور قبر سے نکلتے ہی اس کے سر پر نوری تاج رکھا جائے گا اور عمدہ قسم کا لباس پہنایا جائے گا اور پھر براق پر بٹھا کر جنت النعیم کی طرف لے جایا جائے گا اور اس کا اعزاز واکرام اس قدر زیادہ ہوگا کہ اسے جنت تک پیدل نہیں چلنے دیا جائے گا۔

اور ایک دوسرے شخص کا حال یہ ہوگا کہ قبر سے اٹھے گا تو سخت ترین و بارعب فرشتے اور دوزخ کی زنجیریں، بیڑیاں اور مختلف قسم کے عذاب مسلط ہوں گے اور دوزخ کی طرف پیدل بھی جانے نہیں دیا جائے گا بلکہ قبر سے نکلتے ہی فرشتے منہ کے بل گھسیٹتے ہوئے دوزخ میں لے جائیں گے اور دوزخ میں ڈال دیں گے۔

ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں اس کے غضب سے اور اس کی ناراضگی سے۔

میں نے بعض علمائے کرام سے یہ حدیث مبارک سنی ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں: قیامت کے دن ایک قوم اپنی اپنی قبروں سے نکلے گی جن کے لئے

باہر سبز پروں والی نہایت عمدہ قسم سواریاں تیار ہوں گی یہ قوم ان سواریوں پر سوار ہو جائے گی پھر یہ سواریاں انہیں اڑا کر میدان محشر سے کچھ آگے لے جائیں گی یہاں تک کہ جنت کی دیوار کے قریب پہنچ جائیں گی جنت کے محافظ فرشتے انہیں دیکھ کر آپس میں ایک دوسرے سے پوچھیں گے یہ کون لوگ ہیں؟ تو فرشتے کہیں گے معلوم نہیں کون لوگ ہیں شاید یہ لوگ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امتی ہیں پھر چند فرشتے ان لوگوں کے پاس آئیں گے اور پوچھیں گے تم کون ہو کس امت سے ہو؟ تو یہ لوگ جواب دیں گے ہم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امتی ہیں پھر فرشتے پوچھیں گے کیا تمہارا حساب کتاب ہو چکا ہے؟ وہ جواب دیں گے نہیں پھر فرشتے پوچھیں گے کیا تمہارے نامہ اعمال تولے جا چکے ہیں؟ یہ لوگ جواب دیں گے اب تک ہمارے اعمال بھی نہیں تولے گئے ہیں فرشتے پوچھیں گے کیا تم نے اپنے نامہ اعمال پڑھ لئے ہیں؟ وہ جواب دیں گے نہیں تو فرشتے ان سے کہیں گے واپس چلو اس لئے کہ یہ ساری کارروائی پیچھے رہ گئی تو یہ لوگ کہیں گے کہ کیا تم نے ہم لوگوں کو کوئی چیز دی تھی کہ اس کا حساب ہم لوگوں سے لوگے۔

اور ایک دوسری حدیث میں ہے یہ لوگ جواب دیں گے کہ ہم دنیا میں کسی چیز کے مالک ہی نہیں تھے کہ ہم عدل وانصاف کرتے یا ظلم کرتے ہم تو دنیا میں اپنے پروردگار کی عبادت و بندگی میں مصروف رہے یہاں تک کہ ہمیں یہاں بلالیا گیا اتنے میں ایک پکارنے والا پکارے گا میرے بندوں نے سچ کہا خلوص کے ساتھ نیکی میں زندگی گزارنے والوں سے ان کے اعمال کے بارے میں کوئی پوچھ گچھ نہیں اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں سنا: اَفَمَنۡ يُّلۡقٰى فِى النَّارِ خَيۡرٌ اَمۡ مَّنۡ يَّاۡتِىۡۤ

اٰمِنًا یَّوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ (پ۲۴ سورۃ حم سجدہ آیت ۴۰) تو کیا جو آگ میں ڈالا جائے گا وہ اچھا ہے یا جو قیامت کے دن امان سے آئے گا۔

تو وہ شخص کتنا عظیم المرتبت ہوگا جو قیامت کے دن ان ہولناکیوں اور ہیبت ناک زلزلوں اور خوفناک واقعات کا مشاہدہ کرے گا مگر پھر بھی اس کے دل میں کوئی گبھراہٹ اور کوئی پریشانی و بوجھ بھی محسوس نہیں ہوگا بلکہ وہ اللہ کے فضل و کرم سے قیامت کے ہولناک میدان سے امن وسکون کے ساتھ جنت کی طرف چلا جائے گا ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اور تمہیں نیک بختوں کے زمرے میں داخل فرمائے اور یہ اللہ جل جلالہ کے لئے کوئی مشکل نہیں۔

جنت اور دوزخ کا بیان

جنت اور دوزخ کے متعلق قرآن کریم کی صرف ان دو آیتوں پر غور کر لینا کافی ہے۔

(۱) ایک مقام پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَسَقٰھُمۡ رَبُّھُمۡ شَرَابًا طَھُوۡرًا ۝ اِنَّ ھٰذَا کَانَ لَکُمۡ جَزَآءً وَّ کَانَ سَعۡیُکُمۡ مَّشۡکُوۡرًا (پ۲۹ سورۃ الدھر آیت ۲۱،۲۲) اور انہیں ان کے رب نے پاکیزہ وستھری شراب پلائی (ان سے فرمایا جائے گا) بے شک یہ (تمہاری اطاعت وفرمانبرداری کا) بدلہ ہے اور تمہاری محنت ٹھکانے لگی۔

(۲) دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کفار کے متعلق ارشاد فرماتا ہے: رَبَّنَا اَخۡرِجۡنَا مِنۡھَا فَاِنۡ عُدۡنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوۡنَ ۝ قَالَ اخۡسَئُوۡا فِیۡھَا وَلَا تُکَلِّمُوۡنَ (پ۱۸ سورۃ المؤمنون آیت ۱۰۷، ۱۰۸) اے ہمارے رب! ہم کو دوزخ سے نکال دے پھر اگر ہم گمراہی کی طرف لوٹیں تو ہم ظالم ہیں رب فرمائے گا دھتکارے پڑے رہو اس سلسلے میں مجھ سے کوئی اور بات نہ کرو۔

روایت میں آیا ہے کہ جہنمیوں کی شکلیں کتوں کی طرح ہوجائیں گی اور وہ کتوں کی طرح بھونکتے پھریں گے ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں اس کے دردناک عذاب سے جو بڑا مہربان اور رحمت والا ہے۔

تو معاملہ ایسا ہے جیسا کہ حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہمیں نہیں معلوم کہ دو مصیبتوں میں سب سے بڑی مصیبت کونسی ہے (۱) جنت کا ہاتھ سے نکل جانا (۲) دوزخ میں داخل ہونا۔ جنت سے صبر ہی نہیں ہوسکتا اور دوزخ کا عذاب برداشت کرنے کی ہمت ہی نہیں۔ بہرحال نعمتوں کا فوت ہونا دوزخ کا عذاب برداشت کرنے سے آسان ہے پھر دوزخ میں ہمیشہ رہنا بہت بڑا حادثہ اور بہت بڑی مصیبت ہے اس لئے کہ اگر دوزخ کا عذاب کسی وقت ختم ہوجاتا تو پھر بھی کچھ نہ کچھ آسانی وسہولت تھی لیکن وہ عذاب تو ہمیشہ ہمیشہ بغیر وقفہ کے ہوگا تو کونسا دل ہے جو اس عذاب کو برداشت کرسکے اور کونسا نفس (جان) ہے جو اس پر صبر کرسکتا ہے اسی لئے حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا دوزخ میں ہمیشہ رہنے کا ذکر ڈرنے والوں کے دلوں کو ٹکڑے ٹکڑے کردیتا ہے۔

اور حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ایک شخص کا ذکر کیا گیا کہ دوزخ سے جو شخص سب سے آخر میں نکلے گا اس کا نام ہناد ہوگا جسے ایک ہزار برس عذاب ہوچکا ہوگا وہ یا حنان یا منان پکارتے ہوئے دوزخ سے نکلے گا تو حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رونے لگے اور فرمایا: کاش ہناد میں ہی ہوتا۔ تو لوگوں کو خواجہ صاحب کی اس بات سے سخت تعجب ہوا تو انہوں نے فرمایا بہت افسوس کی بات ہے کہ تم بات نہیں سمجھتے کسی نہ کسی دن تو وہ دوزخ سے نکلے گا۔

میں (امام غزالی) کہتا ہوں کہ یہ ڈر اور خوف کا سارا معاملہ ایک اصولی بات کی طرف لوٹتا ہے اور یہ وہی نکتہ ہے جو بندوں کی پیٹھوں کو توڑ کر رکھ دیتا ہے اور چہروں کو پیلا کر دیتا ہے اور جگروں' کلیجوں کو پگھلا دیتا ہے اور دلوں کو پارہ پارہ کر دیتا ہے اور آنکھوں سے آنسو جاری کر دیتا ہے اور وہ نکتہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور ایمان کی دولت چھن جانے کا خوف و اندیشہ ہے اور یہ ڈرنے والوں کے ڈرنے کا انتہائی درجہ ہے اور جس پر رونے والوں کی آنکھیں آنسو برساتی ہیں۔

بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ غم کی تین قسمیں ہیں

(۱) طاعت و بندگی کا غم وہ یہ کہ شاید ہماری بندگی قبول نہ ہو۔

(۲) گناہ و نافرمانی کا غم کہ کہیں مغفرت نہ ہو۔

(۳) ایمان و معرفت کا غم کہ کہیں یہ عظیم دولت چھن نہ جائے۔

بعض مخلص حضرات نے فرمایا کہ حقیقت میں یہ سارے غم ایک ہی غم ہیں اور وہ غم معرفت الٰہی اور ایمان کی دولت چھن جانے کا غم ہے باقی اس کے علاوہ سارے غم ہیچ ہیں اس لئے کہ ہر غم کا کسی نہ کسی وقت تدارک ہوسکتا ہے لیکن ایمان و معرفت کے غم کا تدارک نہیں ہوسکتا۔

ہمیں یوسف بن اسباط شیبانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے خبر ملی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں حضرت سفیان ثوری علیہ الرحمہ کے پاس گیا تو میں نے دیکھا کہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ساری رات روتے رہے میں نے پوچھا کہ کیا آپ گناہوں کے ڈر سے رو رہے ہیں؟ حضرت سفیان ثوری نے ایک تنکا اٹھایا اور فرمایا گناہ تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس تنکے سے بھی حقیر تر ہیں مجھے تو صرف اس بات کا خوف ہے کہ

اللہ تعالیٰ مجھ سے اسلام کی دولت نہ چھین لے۔ ہم اپنے پروردگار اور احسان فرمانے والے اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں کسی مصیبت میں مبتلا نہ فرمائے اور اپنے فضل وکرم سے ہمیں اپنی بے شمار نعمتیں عطا فرمائے اور ہمیں دین اسلام پر موت دے بے شک وہ ارحم الراحمین ہے اور ہم نے سوء خاتمہ کے اسباب اور اس کے معانی اپنی کتاب احیاء علوم الدین میں بیان کر دیئے ہیں لہذا تفصیل وہاں سے حاصل کرلو اس لئے کہ اس بحث کو چھیڑنا ایک لمبی بحث کا دروازہ کھولنا ہے اس لئے تم انہیں مختصر ہدایت سے پُر کلمات کو اچھی طرح سمجھ لو کیونکہ بعض اوقات تفصیل سے خلاف مقصود اوہام پیدا ہوتے ہیں شاید تمہیں اللہ تعالیٰ کی مدد واعانت اور اس کی حسن توفیق سے نجات وکامیابی حاصل ہوجائے۔

سوال: خوف ورجاء کے راستوں میں سے کونسا راستہ ہمیں اختیار کرنا چاہئے؟

جواب: تم نہ خوف کا راستہ اختیار کرو نہ رجاء کا بلکہ ان دونوں کے درمیان کا راستہ اختیار کرو اس لئے کہ جس شخص پر رجاء کا غلبہ ہوجائے گا تو وہ مرجیئہ (یہ ایک فرقہ ہے جس کے عقائد یہ ہیں: ایمان کے ساتھ گناہ کی کوئی حقیقت نہیں جس طرح کفر کے ہوتے ہوئے طاعت کی کوئی اہمیت نہیں مزید تفصیل الملل والنحل اور غنیۃ الطالبین میں دیکھئے مترجم) ہوجائے گا جس سے اس کے ایمان سے محروم ہونے کا خوف ہے۔ اور بسا اوقات اس پر خرّمی ہونے کا خوف ہے۔ اور جس شخص پر خوف کا غلبہ ہوجائے گا تو وہ حروری (خارجیوں کا ایک فرقہ ہے) ہوجائے گا اس قول کا مطلب یہ ہے کہ صرف خوف یا صرف رجاء کو اختیار نہ کرو اس لئے کہ حقیقت میں رجائے حقیقی خوف حقیقی سے جدا نہیں ہوسکتی اور اسی طرح خوف حقیقی رجائے حقیقی سے جدا نہیں ہوسکتا اسی لئے کہا

جاتا ہے کہ رجاء پورا کا پورا خوف کرنے والوں کے لئے ہے بے خوف لوگوں کے لئے نہیں اور خوف سب کا سب رجاء والوں کے لئے ہے ناامیدوں اور مایوسوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

سوال: کیا حالات کے پیش نظر ان میں سے کسی ایک کو ایک دوسرے پر ترجیح دے سکتے ہیں یا ہر حال میں خوف و رجاء کے درمیانے راستے پر ہی چلنا ضروری ہے؟

جواب: جان لو کہ جب بندہ تندرست و طاقتور ہو تو اس پر خوف کا غالب ہونا زیادہ بہتر ہے اور جب بندہ بیمار اور کمزور ہو اور خاص کر جب مرنے کے قریب ہو تو اس پر رجاء کا غالب ہونا زیادہ بہتر ہے میں نے علمائے کرام رضی اللہ عنہم سے ایسا ہی سنا ہے۔

میں (امام غزالی) کہتا ہوں اس کے متعلق ایک حدیث قدسی بھی مروی ہے اللہ سبحانہ و تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: میں ان لوگوں کے پاس رہتا ہوں جن کے دل میرے خوف سے چور چور ہو چکے ہیں۔ تو اس وقت اس کے لئے رجا اولیٰ و بہتر ہے اس لئے کہ جب بندہ صحت مند اور تندرست ہوتا ہے تو اس پر خوف غالب ہوتا ہے اسی لئے ان شکستہ دلوں سے کہا جاتا ہے لَا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا کسی قسم کا کوئی خوف اور کوئی غم نہ کرو۔

سوال: کیا اللہ تعالیٰ کے متعلق حسن ظن رکھنے اور حسن ظن کی ترغیب کے متعلق بہت سی حدیثیں وارد نہیں ہیں؟

جواب: یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کے متعلق حسن ظن یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچے اور اس کے عذاب کی گرفت سے ڈرے اور اس کی عبادت و بندگی میں پوری کوشش کرے۔ واضح رہے کہ رجاء کے بیان میں ایک قاعدہ کلیہ اور عجیب و غریب نکتہ ہے جس میں اکثر لوگ غلطی کا شکار ہو جاتے ہیں اور وہ قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ رجاء اور تمنا و

آرزو میں فرق ہے اس لئے کہ رجاء تو کسی دلیل و اصل سے وابستہ ہوتی ہے مگر تمنا و آرزو کسی اصل و دلیل سے متعلق نہیں ہوتی۔ ان دونوں کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص نے بیج ڈالے پھر اس کی دیکھ بھال اور مکمل نگرانی کرے اور محنت و جانفشانی کے بعد فصل کاٹ کر کھلیان میں رکھے اور کہے مجھے امید ہے کہ یہ سو بوری غلہ ہوگا تو اسی کو رجاء و امید کہتے ہیں۔ اور اس کے برخلاف ایک دوسرا شخص ہے جس نے کھیت میں نہ بیج ڈالا اور نہ ایک دن کھیتی باڑی کا کام کیا بلکہ سارا سال غفلت میں پڑا رہا اور نیند کرتا رہا اور جب فصل کاٹنے کا وقت آیا تو کہنے لگا کہ مجھے امید ہے کہ سو بوری غلہ تیار مل جائے گا تو ایسے شخص کو کہا جائے گا کہ تیری یہ امید حقیقت میں امید ہی نہیں بلکہ یہ تو محض باطل و بے بنیاد تمنا ہے۔ بالکل اسی طرح بندہ جب اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی کی کوشش و محنت کرتا رہے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچتا رہے تو یہ کہہ سکتا ہے کہ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس حقیر عبادت کو قبول فرمائے گا اور اس کوتاہی کو پوری فرمادے گا اور اس پر ثواب عظیم عطا فرمائے گا۔ اور ہر قسم کی لغزشوں کو معاف فرمائے گا اللہ تعالیٰ کی ذات کے متعلق حسن ظن رکھے تو اسی کو بندے کی رجاء و امید کہتے ہیں اور ایسی امید رکھنا بہت اچھی بات ہے۔

اور اگر ایک بندہ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے غافل ہو اور اللہ کی نافرمانی کرتا ہو اور طاعات و نیکیاں بالکل چھوڑ دے اور اللہ کی نافرمانی میں لگا رہے اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی و ناراضگی اور اس کے وعدے و وعید کی کوئی پرواہ نہ کرے پھر یہ کہتا پھرے کہ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے جنت عطا فرمائے گا اور دوزخ سے نجات عطا فرمائے گا تو یہ اس کی محض باطل و بے بنیاد آرزو و تمنا ہے جو بالکل بے سود و لاحاصل ہے اس نے اس کو رجاء

اور حسن ظن کا نام دے دیا ہے جو سراسر غلطی و گمراہی ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ نے اسی مضمون کو نظم میں اس طرح پیش کیا ہے۔

تَرۡجُو النَّجَاةَ وَلَمۡ تَسۡلُكۡ مَسَالِكَهَا

اِنَّ السَّفِيۡنَةَ لَا تَجۡرِيۡ عَلَى الۡيَبَسِ

تم نجات کی امید رکھتے ہو حالانکہ نجات کا راستہ اختیار نہیں کرتے کشتی خشکی میں کبھی نہیں چل سکتی۔

میں (امام غزالی) کہتا ہوں اس قاعدہ کلیہ اور نکتہ کی تائید اور وضاحت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان سے ہوتی ہے فرماتے ہیں: سمجھدار اور عقلمند وہ ہے جو اپنے نفس کو شریعت مطہرہ اور احکام خداوندی کا تابع و فرمانبردار بنائے اور آخرت کے لئے اعمال کا ذخیرہ جمع کرے اور احمق وہ ہے جو اپنے کو نفس و خواہشات کے تابع رکھے اور اللہ تعالیٰ سے جنت و مغفرت کی امید لگائے رکھے (امام احمد، سنن الترمذی)

اور اسی احمق کی تمنا و آرزو کے بارے میں حضرت خواجہ حسن بصری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بے شک کچھ لوگ دنیا میں ایسے بھی ہوتے ہیں جو دنیا میں بخشش و مغفرت کی امید لگائے بیٹھے ہیں نیکی بالکل ہی نہیں کرتے یہاں تک کہ دنیا سے بالکل مفلس جاتے ہیں کہ ان کے پاس کوئی نیکی بھی نہیں ہوتی اور کہتے ہیں ہم اپنے پروردگار سے حسن ظن رکھتے ہیں (اور امید رکھتے ہیں کہ وہ ہمارے ساتھ اچھا معاملہ فرمائے گا) لیکن یاد رکھو ایسے لوگ جھوٹے ہیں اس لئے کہ اگر یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے حسن ظن رکھتے تو ان کے اعمال بھی اچھے ہوتے۔

پھر انہوں نے قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت فرمائی: فَمَنۡ كَانَ يَرۡجُوۡا لِقَآءَ رَبِّهٖ

فَلۡیَعۡمَلۡ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا یُشۡرِكۡ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا (پ۱۶ سورۃ الکھف آیت ۱۱۰) تو جسے اپنے رب سے ملنے کی امید ہو اسے چاہئے کہ نیک کام کرے اور اپنے رب کی عبادت و بندگی میں کسی کو شریک نہ کرے۔

اور دوسری آیت یہ تلاوت فرمائی: وَ ذٰلِكُمۡ ظَنُّكُمُ الَّذِیۡ ظَنَنۡتُمۡ بِرَبِّكُمۡ اَرۡدٰىكُمۡ فَاَصۡبَحۡتُمۡ مِّنَ الۡخٰسِرِیۡنَ (پ۲۴ سورۃ السجدۃ آیت ۲۳) اور یہ تمہارا وہ گمان ہے جو تم نے اپنے رب کے ساتھ کیا اور اس نے تمہیں ہلاک کردیا تو اب تم گھاٹا اٹھانے والوں میں سے ہوگئے۔

حضرت جعفر ضبعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں ایک مرتبہ میں نے حضرت ابو میسرہ عابد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی میں محنت و مشقت اور کثرت مجاہدہ کی وجہ سے ان کی پسلیاں ظاہر ہوگئی ہیں۔ میں نے کہا اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمت بہت وسیع ہے تو میری اس بات پر حضرت ابو میسرہ غصہ ہوئے اور کہنے لگے آپ نے میرے اندر کونسی ایسی چیز دیکھی کہ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ میں اللہ کی رحمت سے مایوس ہوں۔ اِنَّ رَحۡمَتَ اللّٰهِ قَرِیۡبٌ مِّنَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ (پ۸ سورۃ الاعراف آیت ۵۶) بے شک اللہ کی رحمت نیکوں سے قریب ہے۔ حضرت جعفر ضبعی فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت ابو میسرہ کے اس فرمان کو سن کر رونا آ گیا کہ جب حضرات انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام اور تمام ابدال اور اولیائے عظام عبادت و طاعت میں انتہائی محنت و کوشش اور مجاہدہ کرنے اور معصیت و نافرمانی سے اجتناب کے باوجود ہر وقت خوف الٰہی اور خشیت خداوندی سے لرزتے رہتے ہیں تو ان کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے کیا وہ اللہ تعالیٰ سے حسن ظن نہیں رکھتے۔ یقینا حسن ظن رکھتے

ہیں بلکہ یہ حضرات تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وسعت وکشادگی سے اچھی طرح واقف ہیں اور اللہ تعالیٰ کے جود وعطا پر زیادہ حسن ظن رکھتے ہیں یہ حضرات بخوبی جانتے ہیں کہ طاعت وبندگی میں کوشش ومحنت کے بغیر حسن ظن نہیں ہوتا بلکہ محض باطل آرزوئیں ہیں اور دھوکا وفریب ہے لہذا اس نکتہ اور قاعدہ کلیہ سے عبرت ونصیحت حاصل کرو اور بزرگان دین کے حالات پر غور وفکر کرو اور خواب غفلت سے بیدار ہوجاؤ اللہ تعالیٰ بہترین مددگار وتوفیق عطا فرمانے والا ہے۔

خوف ورجاء (امید) پیدا کرنے کا طریقہ

اس پوری گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی اس وسعت رحمت پر غور کروگے جو اس کے غضب وناراضگی پر غالب ہے اور اس کی رحمت تمام چیزوں کو گھیرے ہوئے ہے اور پھر اس بات کو بھی یاد رکھوگے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس امت مرحومہ کریمہ میں پیدا فرمایا پھر اللہ تعالیٰ کے انتہائی فضل عظیم اور اس کے کمال جود وکرم کو بھی یاد کرو اور اس بات پر بھی غور کرو کہ اس نے اپنی مقدس کتاب میں جو تمہاری ہدایت ورہبری کے لئے نازل فرمائی اس کو بسم اللہ الرحمن الرحیم سے شروع فرمایا پھر تم اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں کو یاد کرو جسے اس نے تمہیں بغیر کسی سفارش اور بغیر کسی طاعت و بندگی کے بدلے نوازا اور اپنے فضل وکرم سے تمہیں بے شمار ظاہری و باطنی انعام و اکرام سے سرفراز فرمایا۔ اور دوسری طرف اس کے کمال وجلال، اس کی عظمت اور اس کی بادشاہت کا رعب و دبدبہ اور اس کی ہیبت کو یاد کرو اور اس کے غیظ وغضب کی شدت کو بھی ملحوظ خاطر رکھو کہ جس کے آگے آسمان وزمین بھی قائم نہیں رہ سکتے۔ پھر تم اپنی انتہائی غفلت اور اپنے گناہوں کی کثرت اور اپنے دل کی قساوت وسختی اور اپنے

نازک معاملات کو بھی یاد کرو اللہ تعالیٰ تمہارے تمام عیوب اور پوشیدہ باتوں اور تمہاری حرکتوں سے اچھی طرح واقف ہے ہر چیز اس کے علم و بصر کے احاطہ میں ہے۔ پھر تم اس کے حسن وعدہ اور اس ثواب کو بھی یاد کرو جس کی حقیقت و ماہیت تک انسانی وہم و گمان بھی نہیں پہنچ سکتا اور اس کی شدید وعیدوں اور اس کے دردناک عذاب وعقاب پر بھی غور کرو کہ جس کے تذکرے سے انسانی دل بھی کانپ جائے اور لرز اٹھے۔ اسی طرح کبھی تم اس کی رحمت اور فضل و کرم کو دیکھو تو دوسری طرف اس کے عذاب کو بھی دیکھو اور اسی طرح کبھی تم اس کی رحمت و شفقت کو دیکھو اور اپنے نفس کی سرکشی و زیادتی اور اس کی بے راہ روی کو بھی دیکھو تو جب یہ تمام باتیں تمہارے اندر پیدا ہو جائیں گی تو خود بخود تمہارے اندر خوف و رجاء کی صفت پیدا ہو جائے گی اور تم درمیانے راستے پر چل پڑو گے اور تم بے خوفی و ناامیدی دونوں کے تباہ کن راستوں کے بیچ کی راہ پر گامزن ہو جاؤ گے اور بے خوفی و ناامیدی کی مہلک وادی میں حیران و پریشان نہ پھرو گے۔ اور ہلاک ہونے والوں کے ساتھ ہلاک ہونے سے بچ جاؤ گے اور عدل و انصاف کی مخلوط شراب سے سرشار ہو جاؤ گے اور خالص رجاء کی ٹھنڈک سے ہلاک نہ ہو گے اور نہ خالص خوف کی حرارت و تپش سے تباہ و برباد ہو گے۔ گویا اب تم منزل مقصود تک بلا نقصان پہنچ گئے اور بے خوفی و ناامیدی دونوں مہلک بیماریوں سے نجات پا گئے اور تم اپنے نفس کو طاعت و بندگی کے لئے تیار پاؤ گے اور تمہارا نفس بغیر سستی و غفلت کے رات و دن اپنے پروردگار کی عبادت و بندگی میں مصروف ہو جائے گا اور تمہارا نفس ہر قسم کی معصیت اور ذلت و رسوائی سے محفوظ ہو جائے گا اور اس قسم کی تمام برائیوں سے یقینی طور پر چھٹکارا حاصل کر لے گا۔

چنانچہ حضرت نوف بن فضالہ بکالی تابعی (حضرت کعب احبار کی بیوی کے دوسرے شوہر سے صاحب زادے ہیں) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں جب میں جنت کا ذکر کرتا ہوں تو میرے دل میں جنت کا شوق بڑھ جاتا ہے اور جب مجھے جہنم یاد آتی ہے تو خوف کے مارے آنکھوں سے نیند اڑ جاتی ہے جب تم خوف و رجاء کی صحیح اور درمیانی راہ اختیار کرلو گے تو تم اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ و خاص عابدوں میں سے ہوجاؤ گے جن کی اللہ تعالیٰ نے قرآن عزیز میں یوں تعریف وتوصیف بیان فرمائی ہے: اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ (پ۱۷، سورۃ الانبیاء آیت ۹۰) بے شک وہ نیک کاموں میں جلدی کرتے تھے اور ہمیں پکارتے تھے امید وخوف کرتے ہوئے اور ہمارے حضور گڑگڑاتے ہیں۔

اب تم نے اللہ تعالیٰ کے اذن اور اس کی حسن توفیق سے اس خطرناک گھاٹی کو طے کرلیا اور تمہیں بے پناہ حلاوت و پاکیزگی مل گئی اور آخرت میں بہت بڑا ذخیرہ اور اجر عظیم حاصل ہوگیا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنی حسن توفیق اور درستگی سے ہماری اور تمہاری مدد فرمائے بے شک وہ ارحم الراحمین ہے اور سب سے زیادہ بخشش وعطا فرماتا ہے گناہوں سے بچنے کی طاقت نہیں مگر اللہ کی توفیق سے اور عبادت و بندگی کی قوت نہیں مگر اللہ ہی کی توفیق سے۔

چھٹی گھاٹی اعمال کی برائیوں کا بیان

(اعمال میں کل دس قسم کی برائیاں ہیں لیکن یہاں صرف دو بیان ہوں گی)

اے میرے پیارے بھائی! اللہ تعالیٰ ہماری اور تمہاری اپنی حسن توفیق سے تائید فرمائے جب تمہارے لئے دین اور عبادت کا راستہ صاف وظاہر ہوگیا اور اس راستے

کی معرفت و پہچان ہوگئی اور عبادت و بندگی پر استقامت ہوگئی اور اس راستے کی معرفت و پہچان ہوگئی اور عبادت و بندگی پر استقامت مل گئی تو اب تم پر عبادت کو خراب وبرباد کرنے والی چیزوں سے بچنا اور اس سے جدا رہنا بھی لازم وضروری ہے۔ عبادت کو ضائع وبرباد کرنے والی چیزوں سے اپنے آپ کو اسی وقت بچا سکتے ہو جبکہ اخلاص کو لازم پکڑ لو اور اللہ تعالیٰ کے احسانات کو یاد کرتے رہو اور ریاء سے بچتے رہو اور یہ بات صرف دووجہ سے لازم وضروری ہے۔

(۱) اخلاص کے ساتھ عمل کرنے میں بہت بڑا فائدہ ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اچھائی کے ساتھ وہ عمل بڑا ہوجاتا ہے اور اس پر ثواب حاصل کرنے میں کامیابی نصیب ہوجاتی ہے اور اگر اخلاص کے ساتھ عمل نہ کیا جائے تو یہی عمل مردود ہوجاتا ہے اور اس کا ثواب یا تو بالکل ضائع ہوجاتا ہے یا کچھ نہ کچھ برباد ہو ہی جاتا ہے چنانچہ حدیث مشہور میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے: بے شک اللہ سبحانہ وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: میں شرک سے بالکل بے نیاز ہوں جس شخص نے عمل (عبادت) میں میرے سوا کسی کو شریک کیا تو اس نے میرا حصہ بھی اس شریک کو دیدیا میں صرف اسی عمل کو قبول کرتا ہوں جو خالص میرے لئے کیا گیا ہو (موطا امام مالک)

حضرت عبداللہ بن حنیف انطا کی علیہ الرحمہ سے مروی ہے کہ قیامت کے دن جب بندہ اللہ تعالیٰ سے اپنے اعمال کا ثواب طلب کرے گا تو اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرمائے گا کیا تمہیں مجلسوں اور محفلوں میں وسعت وکشادگی نہیں دی گئی تھی، کیا تمہیں دنیا میں سرداری نہیں دی گئی تھی، کیا تمہارے کاروبار میں ترقی وآسانی اور رستائی نہیں دی گئی تھی، کیا تمہاری عزت وتکریم نہیں کی گئی؟ یعنی ہر قسم کے انعامات واحسانات اور

اعزازات عطا کیئے گئے اور اسی طرح تمہیں ہر قسم کی تکلیفوں اور خطروں اور ہر قسم کے نقصانات سے محفوظ رکھا گیا لہذا ان انعامات واکرامات کو خوب ذہن نشین کرلو (اور اسی قسم کی روایتیں حضرت عبداللہ بن سلام ودیگر حضرات سے بھی مروی ہیں)

ریاء کی مصیبتیں

میں (امام غزالی) کہتا ہوں ریاء کے خطروں میں کم از کم دو قسم کی ندامت ورسوائی اور مصیبتیں انسان کو ضرور پیش آتی ہیں۔ وہ دونوں ندامتیں اور رسوائیاں یہ ہیں

(۱) پہلی رسوائی پوشیدہ قسم کی ہے وہ یہ ہے کہ تمام فرشتوں کے سامنے اس کے تمام عیوب فاش ہوجاتے ہیں جس سے شرمندگی اور ندامت اٹھانی پڑتی ہے جیسا کہ روایت میں آیا ہے: کہ فرشتے بندے کا عمل خوشی خوشی آسمان پر لے جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس عمل کو سجین (جہنم کی ایک وادی) میں پھینک دو اس لئے کہ اس نے یہ عمل میری رضا وخوشنودی کے لئے نہیں کیا تو اس وقت یہ عمل اور وہ بندہ دونوں فرشتوں کے سامنے رسوا اور ذلیل ہونگے۔

(۲) دوسری ندامت ورسوائی اعلانیہ ہے کہ قیامت کے دن تمام مخلوقات کے سامنے ذلت ورسوائی سے دوچار ہونا پڑیگا چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے: بے شک ریاء کار بندہ قیامت کے دن چار ناموں سے پکارا جائے گا۔

(۱) اے کافر (۲) اے فاجر (۳) اے غدار (۴) اے نقصان اٹھانے والے تیری تمام کوششیں بے کار ورائیگاں ہوگئیں تیرے اعمال برباد ہوگئے اور تیرا اجر وثواب باطل وضائع ہوگیا آج یہاں تمہارا کوئی حصہ نہیں جاؤ! اپنا حصہ اس سے مانگو جس کو تم دکھانے کے لئے اعمال کرتے تھے۔

اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ قیامت کے دن ایک ندا کرنے والا ندا کرے گا جس ندا کو تمام مخلوق سنے گی کہاں ہیں وہ لوگ جو اللہ کے بجائے انسانوں کی عبادت کرتے تھے۔ کھڑے ہو جاؤ جن کے لئے تم عمل کرتے تھے ان سے اپنے اعمال کا بدلہ لے لو اس لئے کہ میں وہ عمل قبول کرتا ہوں جو بالکل خالص ہو اس میں ریاء وغیرہ کی آمیزش نہ ہو۔ ریاء سے دو قسم کی مصیبتیں پیش آتی ہیں

(۱) پہلی مصیبت جنت سے محرومی ہے اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے:

بے شک جنت بول اٹھے گی اور کہے گی میں بخیل اور ریاء کاروں پر حرام ہوں۔

اس حدیث کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں۔

(۱) بخیل سے وہ بخیل مراد ہے جو سب سے بہتر کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ﷺ زبان پر لانے میں بخل کرتا ہے اور اس ریاء کار سے وہ ریاء کار مراد ہے جو سب سے بدترین قسم کی ریاء کاری کرتا ہے اور وہ منافق ہے جو اپنے ایمان اور توحید کی نمائش کرتا ہے اور حدیث کے اس پہلے معنی میں امید کی کرن نظر آتی ہے کہ اگر عمل میں سچائی اور اخلاص ہو جائے تو اس کا معاملہ درست ہو سکتا ہے۔

(۲) حدیث کا دوسرا مفہوم یہ ہو سکتا ہے کہ جو شخص بخل اور ریاء کاری سے باز نہ آئے اور اپنی بھی رعایت نہ کرے تو اس صورت میں دو خطرے ہیں۔

(۱) پہلا خطرہ یہ ہے کہ اسے بخل اور ریاء کاری کی نحوست و بدبختی لاحق ہو جائے اور کفر میں مبتلاء ہو کر جنت سے بالکل محروم ہو جائے (معاذ اللہ)

(۲) دوسرا خطرہ یہ ہے کہ اس بخل و ریاء کی وجہ سے ایمان جیسی عظیم دولت ہی چھن جائے اور پھر اس کی وجہ سے دوزخ کا مستحق ہو جائے۔ ہم اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور اس

کے شدید غضب سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

(۲) دوسری مصیبت دوزخ میں داخل ہونا ہے اس لئے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: قیامت کے دن حساب کے لئے سب سے پہلے جن لوگوں کو بلایا جائے گا وہ تین قسم کے لوگ ہوں گے (۱) قاری قرآن (۲) مجاہد فی سبیل اللہ (۳) بہت مالدار شخص تو اللہ تعالیٰ قاری قرآن سے فرمائے گا کیا میں نے تمہیں وہ کتاب نہیں سکھائی جو میں نے اپنے رسول پر نازل فرمائی؟ تو قاری جواب دے گا ہاں اے رب! تو نے مجھے قرآن سکھایا تو اللہ تعالیٰ پوچھے گا تو نے اپنے علم کے مطابق کیا عمل کیا؟ قاری جواب دے گا اے میرے پروردگار! میں تیری رضا کی خاطر رات کے کچھ حصے اور دن کے کچھ حصوں میں قیام کرتا اور قرآن پڑھتا تھا اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا تو جھوٹ بولتا ہے اور فرشتے بھی بولیں گے تو جھوٹ بولتا ہے پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرمائے گا قرآن پڑھنے سے تیرا مقصد وارادہ یہ تھا کہ لوگ کہیں کہ فلاں شخص (تُو) قاری ہے اور تجھے قاری کہا جاچکا پھر مالدار شخص کو بلایا جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا کیا میں نے تجھے رزق میں ہر طرح سے وسعت وفراخی نہیں عطا فرمائی یہاں تک کہ میں نے تجھے کسی کا محتاج نہ رکھا؟ تو وہ (مالدار) جواب دے گا ہاں اے پرورگار! تو نے مجھے فراخی عطا فرمائی تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے تجھے جو مال عطا فرمایا تو نے اسے کس کام میں خرچ کیا؟ تو مالدار شخص کہے گا میں اس مال سے صلہ رحمی کرتا تھا اور تیری راہ میں صدقہ کرتا تھا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹا ہے اور فرشتے بھی کہیں گے تو جھوٹا ہے اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرمائے گا بلکہ تیری نیت یہ تھی کہ دنیا میں تجھے سخی اور فیاض کہا جائے اور یہ کہا جاچکا۔ اور تیسرا وہ شخص

جس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اسے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کیا جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا تو نے دنیا میں کیا کام کیا؟ عرض کرے گا مجھے تیری راہ میں جہاد کرنے کا حکم دیا گیا تو میں نے تیری راہ میں قتال کیا یہاں تک کہ تیری راہ میں قتل کر دیا گیا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹ بولتا ہے اور فرشتے بھی کہیں گے تو جھوٹ بولتا ہے اور اللہ تعالیٰ فرمائے گا بلکہ تیرا مقصد تو صرف یہ تھا کہ تجھے بہادر اور دلیر کہا جائے (کہ فلاں شخص بڑا بہادر ہے) اور یہ کہا جا چکا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا مبارک ہاتھ میرے گھٹنے پر مارا اور فرمایا اے ابو ہریرہ یہی وہ لوگ ہیں جن کو سب سے پہلے جہنم میں پھینک دیا جائے گا اور اللہ انہیں قیامت کے دن جہنم کی آگ میں جلائے گا۔

ایک اور حدیث حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا کہ دوزخ اور دوزخ والے ریاء کاروں سے چیخیں گے اور پناہ مانگیں گے عرض کیا گیا یا رسول اللہ! دوزخ کیسے پکارے گی؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس آگ کی تپش سے جس سے ریاء کاروں کو عذاب دیا جائے گا۔

قیامت کے دن کی ان ندامتوں اور رسوائیوں کے بیان کرنے میں عقلمندوں اور بصیرت والوں کے لئے عبرت اور نصیحت حاصل کرنے کا مقام ہے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہدایت عطا فرمانے والا ہے۔

اخلاص اور ریاء کی حقیقت وحکم کا بیان

سوال: آپ ہمیں اخلاص اور ریاء کی حقیقت اور اس کے نتائج سے مطلع فرمائیں اور اعمال میں ان دونوں کے اثرات کیا مرتب ہوتے ہیں؟

جواب: ہمارے علمائے صوفیاء کے نزدیک اخلاص کی دو قسمیں ہیں

(۱)عمل میں اخلاص (۲) ثواب طلب کرنے میں اخلاص

عمل میں اخلاص: یہ ہے کہ بندہ جب کوئی نیک عمل کرے تو اپنے اس عمل سے اللہ کے تقرب کی نیت و ارادہ کرے اور اس کے حکم کی تعظیم اور اس کی دعوت پر لبیک اور اس کی تعمیل کا ارادہ کرے اور عمل میں اخلاص پیدا ہونے کا دارومدار اعتقاد کی صحت پر ہے بغیر اعتقاد عمل میں صحیح اخلاص حاصل نہیں ہوسکتا اور اس اخلاص کی ضد نفاق ہے اور نفاق یہ ہے کہ عمل کرنے میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سوا کسی کے تقرب کا قصد وارادہ ہو اور ہمارے شیخ حضرت ابوبکر وراق علیہ الرحمہ فرماتے ہیں نفاق اس اعتقاد فاسد کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے دین کے متعلق منافق اپنے دل میں رکھتا ہے اور یہ اعتقاد قصد و ارادہ کے قبیل سے نہیں ہے جیسا کہ ہم دوسرے مقامات پر بیان کر چکے ہیں۔

طلب ثواب میں اخلاص: اخلاص کی دوسری قسم طلب ثواب میں اخلاص ہے اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ اپنے نیک اعمال سے آخرت کے نفع کا ارادہ کرے اور ہمارے شیخ حضرت ابوبکر وراق علیہ الرحمہ اس کی حقیقت یوں بیان فرماتے تھے ایسے نیک کام پر آخرت میں نفع حاصل ہونے کا ارادہ کرنا جسے شرعا رد کرنا دشوار ہو اور رد کرے تو آخرت میں نفع کی امید باقی نہ رہے۔

اور اخلاص کی تعریف میں جن شرائط اور قیود کا لحاظ کیا گیا ہے ہم نے ان کی شرح دوسرے مقام پر کردی ہے۔

ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے حواریوں (حضرت عیسیٰ کے اصحاب) نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھا اعمال میں اخلاص کیا ہے؟ حضرت عیسیٰ علیہ

السلام نے فرمایا اخلاص یہ ہے کہ بندہ جو نیک عمل کرے وہ اللہ تعالیٰ کے لئے کرے اور دل میں یہ خواہش نہ رکھے کہ اس نیک عمل پر کوئی اس کی تعریف وتوصیف کرے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس فرمان کا مطلب یہی ہے کہ بندہ ریاء کو اپنے نزدیک بھی نہ آنے دے خصوصیت کے ساتھ ریاء کو اس لئے ذکر کیا کہ ریاء ہی اخلاص میں سب سے بڑی رکاوٹ ڈالتا ہے اور حضرت جنید بن محمد بغدادی قدس سرہ فرماتے ہیں اعمال کو مکدرات (ہر قسم کی خرابی) سے پاک وصاف رکھنے کو اخلاص کہتے ہیں۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ مراقبہ کو دائمی شکل دینے اور ہر قسم کی چیزوں کے بھول جانے کو اخلاص کہتے ہیں اور یہ اخلاص کا کامل بیان ہے۔

اخلاص کے متعلق اور بھی بہت سے اقوال ہیں مگر اخلاص کی حقیقت واضح اور روشن ہو جانے کے بعد مزید اقوال نقل کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

سید الاولین والاخرین حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جب اخلاص کی تعریف وحقیقت کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا اخلاص یہ ہے کہ تم کہو میرا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے پھر جو تمہیں حکم دیا جائے اس پر ثابت قدم رہو۔ یعنی تم اپنے نفس اور اپنی خواہشات کی عبادت نہ کرو بلکہ صرف اپنے پروردگار کی ہی عبادت کرو اور جیسا تمہیں حکم دیا گیا ہے اسی کے مطابق اس کی عبادت و بندگی میں ثابت قدم رہو اور حضور کے اس فرمان میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز سے تعلق و رابطہ ختم کرلے اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر چیز سے اپنی نظر موڑ لے اور حقیقت میں اخلاص اسی کو کہتے ہیں اور اخلاص کی ضد ریاء ہے۔

ریاء: ریاء کی تعریف یہ ہے آخرت کے کام کے بدلے دنیاوی نفع کا ارادہ کرنا۔
پھر ریاء کی دو قسمیں ہیں (۱) ریائے محض (۲) ریائے مخلوط
ریائے محض: وہ عملِ آخرت جس میں صرف دنیاوی نفع کا ارادہ وخواہش ہو۔
ریائے مخلوط: وہ عمل آخرت جس میں دنیوی اوراخروی دونوں قسم سے نفع کا ارادہ ہو۔

یہ ہے اخلاص اور ریاء دونوں کی تعریف وحقیقت لیکن عمل میں اخلاص اور ریاء کی تاثیر تو عمل میں اخلاص کی تاثیر یہ ہے کہ تم اپنے فعل کو قربت ونزدیکی کا ذریعہ وسبب بنالو اور طلب ثواب میں اخلاص یہ ہے کہ تم اپنے عمل مقبول اور ڈھیروں ثواب وعظمت کا سبب بنالو اس کے برخلاف نفاق کی تاثیر یہ ہے کہ وہ عمل خیر کو ضائع وبرباد کردیتا ہے اور عمل کو نزدیکی وقربت کا سبب بننے سے اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے مطابق نیک عمل پر اجر وثواب کا مستحق بننے سے خارج کردیتا ہے بعض علمائے کرام کے نزدیک ریائے محض کا صدور عارف باللہ (اللہ والوں) سے نہیں ہوسکتا اگرچہ ریاء کے شائبہ سے آدھا ثواب باطل وضائع ہوجائے اور بعض دوسرے علماء کے نزدیک عارف باللہ سے ریائے محض کا صدور ہوسکتا ہے اور اس کی وجہ سے دگنے کا آدھا ثواب ضائع ہوجاتا ہے اور ریائے مخلوط سے دگنے کا چوتھائی ثواب ضائع وبرباد ہوتا ہے۔
اور ہمارے شیخ حضرت ابوبکر وراق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ ریائے محض عارف باللہ سے آخرت کے یاد ہوتے ہوئے صادر نہیں ہوسکتا ہاں آخرت کو یاد نہ رکھنے کی صورت میں تو عارف باللہ سے ریائے محض صادر ہونا بھی ممکن ہے لیکن بہتر وپسندیدہ یہ ہے کہ ریاء کی تاثیر سے عمل مقبول نہیں اور ثواب میں کمی ہوجاتی ہے اس بات

کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا ہے کہ آدھا ثواب ضائع ہوتا ہے یا چوتھائی ثواب اور اخلاص وریاء کے مسائل کی شرح بڑی طویل ہے ہم نے ان کی مکمل شرح وتفصیل اپنی کتاب احیاء علوم الدین اور اسرار معاملات الدین' میں بیان کر دی ہے اور وہاں کوئی گنجائش و تشنگی بھی باقی نہیں چھوڑی۔

سوال: اخلاص کا موقع و محل کیا ہے اور کونسی طاعت میں اخلاص ہوتا ہے اور کہاں اخلاص واجب ہے۔

جواب: واضح رہے کہ بعض علماء کے نزدیک اعمال کی تین قسمیں ہیں۔

پہلی قسم: وہ ہے جس میں اخلاص کی دونوں قسمیں (اخلاص فی العمل' طلب اجر کا اخلاص) پائی جاتی ہیں اور یہ عبادات ظاہرہ اصلیہ ہیں جیسے نماز وغیرہ۔

دوسری قسم: وہ ہے جس میں اخلاص کی دونوں قسموں میں سے کوئی قسم بھی نہیں پائی جاتی اور یہ عبادات باطنہ اصلیہ ہیں جیسے ایمان' توکل' تفویض وغیرہا

تیسری قسم: وہ ہے جس میں صرف طلب اجر وثواب کا اخلاص پایا جاتا ہے اور عمل کا اخلاص نہیں پایا جاتا اور یہ وہ مباح امور ہیں جن میں صرف ثواب ہی کی امید ہوتی ہے۔ ہمارے شیخ حضرت ابوبکر وراق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہر وہ عبادت اصلی جو اللہ کے سوا کسی کے لئے بھی ہو سکتی ہے (اس کا ثواب بھیجا جا سکتا ہے) ان میں اخلاص عمل پایا جاتا ہے تو اکثر عبادات باطنہ میں اخلاص عمل پایا جاتا ہے لیکن طلب اجر وثواب کا اخلاص تو اس کے متعلق فرقہ کرامیہ (یہ ایک فرقہ ہے جو اللہ تعالیٰ کو مخلوق کے مشابہ قرار دیتا ہے مترجم) کے مشائخ نے کہا ہے کہ طلب اجر وثواب کا اخلاص عبادات باطنہ میں نہیں پایا جاتا اس لئے کہ ان پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سوا کوئی واقف نہیں ہوتا لہذا

عبادات باطنہ میں ریاء کے اسباب و دواعی نہیں پائے جاسکتے اس لئے ان میں طلب اجر وثواب کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ ہمارے شیخ حضرت ابو بکر وراق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جب بندہ عبادات باطنہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر کے دنیوی نفع کا قصد کرتا ہے تو یہ بھی ریاء ہے۔

میں (امام غزالی) کہتا ہوں اس میں کوئی بعید بات نہیں کہ بہت سی عبادات باطنہ میں اخلاص کی دونوں قسمیں (عمل میں اخلاص، طلب ثواب میں اخلاص) پائی جاتی ہیں اسی طرح نوافل (نفل عبادتیں) شروع کرتے وقت اخلاص کی دونوں قسموں کا ہونا ضروری ہے لیکن مباح امور میں محض ثواب کی امید ہوتی ہے، ان امور مباح میں صرف طلب اجر وثواب کا اخلاص ہوتا ہے لیکن عمل کا اخلاص نہیں ہوتا ہے اس لئے کہ یہ مباح امور بذات خود قربت وعبادت بننے کی صلاحیت نہیں رکھتے بلکہ یہ تو قربت کا ذریعہ اور وسیلہ ہوتے ہیں۔

سوال: یہ تو آپ نے اخلاص کی دونوں قسموں کا موقع ومحل بیان فرمادیا اب عمل کرنے کے لئے دونوں اخلاص کا وقت بھی بیان فرمادیں؟

جواب: جان لو کہ بلاشبہ اخلاصِ عمل فعل کے ساتھ ہی ہوتا ہے اور اخلاص فعل سے کبھی جدا ہوتا ہی نہیں لیکن طلبِ اجر کا اخلاص بعض اوقات فعل سے جدا ومؤخر ہوتا ہے اور بعض علماء عمل سے فارغ ہونے کے وقت اخلاص کا اعتبار کرتے ہیں بندہ جب عمل سے فارغ ہو جاتا ہے تو اگر اس کا عمل اخلاص پر ختم ہوا ہے تو اخلاص کا اعتبار ہوگا اور اگر ریاء پر ختم ہوا ہے تو ریاء کا اعتبار ہوگا اور اب عمل پورا ہو چکا ہے اس لئے اس کا تدارک ممکن نہیں ہے۔ علمائے اہل سنت کے علاوہ مثلاً مشائخِ کرامیہ کے نزدیک یہ ہے کہ بندے

نے جب تک عمل میں ریاء سے کوئی دنیاوی منفعت حاصل نہ کی ہو تو اس وقت تک اس عمل میں اخلاص کی صورت پیدا ہو سکتی ہے اور اگر دنیاوی منفعت حاصل کر لی ہو تو پھر اخلاص ہو ہی نہیں سکتا اور بعض علمائے کرام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فرائض میں موت تک اخلاص قائم کیا جا سکتا ہے لیکن نوافل میں موت تک اخلاص کی صورت پیدا نہیں کی جا سکتی بلکہ شروع کرتے وقت ہی اخلاص کی صورت پیدا کی جا سکتی ہے اور انہوں نے فرائض اور نوافل میں فرق کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ فرائض میں بندہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے داخل ہوتا ہے اس لئے اس میں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اس کی طرف سے آسانی کی امید ہوتی ہے لیکن نوافل میں بندہ بذات خود داخل ہوتا ہے اور اپنی مرضی سے شروع کر کے اپنے اوپر لازم کر لیتا ہے اس لئے نوافل میں بندے سے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ وہ انہیں کما حقہ ادا کرے اور اس میں ذرہ برابر کوتاہی اور سستی نہ کرے۔

میں (امام غزالی) کہتا ہوں کہ اخلاص کے وقت کے مسئلہ میں ایک فائدہ یہ ہے کہ جس بندے سے ریاء کا صدور ہو چکا ہو یا عمل میں اخلاص کو چھوڑ دیا ہو تو اس مذکورہ بیان کی روشنی میں تلافی و تدارک ہو سکتا ہے اخلاص کے موقعہ ومحل اور ان کے اوقات کے ان باریک و دقیق مسائل میں لوگوں کے مختلف مذاہب نقل کرنے کا ایک مقصد تو یہ ہے کہ یہ بات معلوم ہو جائے کہ اس زمانے میں صحیح عمل کرنے والے بہت کم ہیں اور عبادت میں اخلاص کی راہ اختیار کرنے والوں کی رغبت اور انکا ذوق وشوق ختم ہو چکا ہے اور ان مذاہب کو نقل کرنے کا دوسرا مقصد یہ ہے کہ عبادت میں قدم رکھنے کے لئے آسانی وسہولت پیدا کی جائے اور اگر اس کو اپنی بیماریوں کا علاج ایک قول میں نہ

ملے تو دوسرے قول میں مل جائے کیونکہ امراض، اغراض اور اعمال کی خرابیاں اور ان کی آفتیں مختلف ہیں ان شاء اللہ تعالیٰ تم یہ مضمون اچھی طرح سمجھ لوگے۔

سوال: کیا ہر عمل کے لئے علیحدہ علیحدہ اخلاص کی ضرورت ہے یا ایک ہی اخلاص ہر عمل کے لئے کافی ہے؟

جواب: اس میں علمائے کرام کا اختلاف ہے

(۱) بعض علماء کہتے ہیں کہ ہر عمل کے لئے علیحدہ علیحدہ اخلاص کی ضرورت ہے۔

(۲) بعض علماء کہتے ہیں کہ کچھ اعمال ایسے ہیں جن میں صرف ایک ہی اخلاص کافی ہے مثلاً مختلف ارکان والے اعمال جیسے نماز اور وضو ان دونوں کے لئے ایک ہی اخلاص کافی ہے اس لئے کہ بعض کا بعض کے ساتھ اصلاح و درستگی اور بعض کا فساد کے لحاظ سے تعلق ہے اس لئے ایک چیز کے حکم میں ہے۔

سوال: بندہ اگر اپنے نیک عمل سے اللہ تعالیٰ کی رضا کا ارادہ نہیں کرتا بلکہ دنیاوی نفع کا ارادہ کرتا ہے اور اپنے نیک عمل پر لوگوں سے تعریف و نفع کا ارادہ نہیں رکھتا یعنی اس کی یہ خواہش نہیں ہوتی کہ لوگ میری تعریف و توصیف بیان کریں یا لوگ میرے عمل کو دیکھیں یا مجھے کوئی فائدہ پہنچائیں یہ سب مقصود نہیں تو کیا یہ عمل بھی ریاء کاری میں شامل ہوگا؟

جواب: عمل میں اس قسم کا قصد و ارادہ کرنا خالص ریاء ہے ہمارے علمائے کرام علیہم الرحمہ فرماتے ہیں ریاء میں مراد اور مقصود کا اعتبار ہوتا ہے جس سے مراد طلب کی جاتی ہے اس کا اعتبار نہیں ہوتا لہذا اگر عمل خیر سے تمہاری مراد دنیوی نفع یا فائدہ حاصل کرنا ہو تو یقیناً وہ ریاء ہے خواہ یہ مراد اللہ تعالیٰ سے طلب کی جائے یا بندوں سے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ وَ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ (پ۲۵ سورۃ الشوریٰ آیت ۲۰) جو آخرت کی کھیتی چاہے گا تو ہم اس کی کھیتی کو بڑھا دیں گے اور جو دنیا کی کھیتی کو چاہے تو ہم اس میں سے کچھ دیں گے اور آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہ ہوگا۔

اور لفظ ریاء کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا بلکہ نیت اور ارادے کا اعتبار ہوتا ہے ریاء رویۃ سے نکلا ہے جس کا معنی اَلنَّظَرُ بِحَاسَّةِ الْبَصَرِ یعنی آنکھ کی قوت سے دیکھنا ہے اس ارادۂ فاسدہ کا نام ریاء اس لئے رکھا گیا ہے کہ یہ اکثر و بیشتر لوگوں سے صادر ہوتا ہے اور لوگوں کی وجہ سے اور ان کے دیکھنے کی طرف سے ریاء پیدا ہوتا ہے اس کو اچھی طرح سمجھ لو۔

سوال: اگر کوئی بندہ اللہ تعالیٰ سے دنیا اس لئے مانگتا ہے کہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے بچ جائے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی کے لئے پورے طور پر تیار ہو سکے تو کیا یہ ارادہ بھی ریاء ہے؟

جواب: یہ بات ذہن نشین کر لو کہ مال کی کثرت اور جاہ و حشمت اور دنیا کے ساز و سامان کی زیادتی انسان کو لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے نہیں بچا سکتی بلکہ یہ بات محض (تھوڑے مال پر) قناعت کرنے اور رزق وغیرہ کے متعلق اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل و بھروسہ کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ اور طلب دنیا سے بالکل بے نیاز ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے تیار ہونا اور اس قسم کا قصد و ارادہ کرنا ریاء نہیں ہے لیکن اس تیاری سے وہ تیاری مراد ہوگی جس کا تعلق آخرت اور اس کے اسباب سے ہو اور

بندے کا ایسا قصد و ارادہ بھی یقیناً آخرت کی تیاری کے لئے ہی ہوگا لہٰذا اگر کسی عمل خیر سے اس قسم کا قصد و ارادہ ہو تو وہ ریاء نہیں ہے کیونکہ یہ دنیاوی امور بھی اس (عبادت کے لئے تیار ہونے کی) نیت سے نیک اور خیر ہو جاتے ہیں یا اعمال آخرت کے حکم میں ہو جاتے ہیں اور خیر و بھلائی کا ارادہ ریاء ہرگز نہیں ہو سکتا اسی طرح اگر تم یہ ارادہ کر لو کہ لوگوں میں عزت و توقیر ہو یا مشائخ عظام اور علمائے کرام تم سے محبت کریں تو یہ بھی اعمال آخرت کے حکم میں ہے اور ریاء نہیں ہے بشرطیکہ تمہارا مقصود اس سے تعظیم و توقیر اور محبت سے اہل حق کے مذہب کی تائید اور اہل بدعت کی تردید ہو یا علم دین کی ترویج و اشاعت مقصود ہو یا لوگوں کو عبادت کے لئے تیار کرنا مقصود ہو اور اسی قسم کے دوسرے نیک مقاصد ہوں اس میں اپنے نفس کی شرافت و عظمت و بزرگی اور حصول دنیا مقصود نہ ہو اس لئے کہ یہ سب کے سب اچھے اور عمدہ ارادے اور اچھی نیتیں ہیں ان میں ریاء کا کوئی شائبہ بھی نہیں کہ حقیقت میں ان سب امور سے آخرت ہی مقصود ہے۔

سوال: واضح رہے کہ میں نے اپنے بعض مشائخ عظام رحمۃ اللہ تعالیٰ سے پوچھا کہ بہت سے اولیائے کرام کا معمول اور ان کی عادت کریمہ رہی ہے کہ وہ تنگ دستی کے دنوں میں سورۂ واقعہ کی تلاوت کرتے ہیں تو ان کی یہ نیت نہیں ہوتی کہ اللہ تعالیٰ ان سے تنگ دستی کو دور فرما دے اور انہیں رزق کی فراخی اور وسعت عطا فرما دے کیا اعمال آخرت کے ذریعے حصول دنیا کی نیت اور اس کا ارادہ کرنا صحیح و درست ہے؟

جواب: ہمارے شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کا جو جواب ارشاد فرمایا اس کا مفہوم یہ ہے کہ ان اولیائے کرام کی اس عمل سے نیت اور مراد یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں قناعت عطا فرمائے یعنی تھوڑے رزق پر صبر و شکر کی توفیق عطا فرمائے اور اتنی مقدار

میں رزق عطا فرمائے کہ جس سے عبادت ادا کرنے کی بدن میں قوت رہے اور علم دین کے درس و تدریس کی طاقت برقرار رہے اور یہ سب بھی نیک اور اخروی ارادے ہیں دنیاوی ارادے نہیں ہیں۔

اور یہ بھی یاد رکھو کہ رزق میں تنگی اور سختی اور حاجت و ضرورت کے وقت فراخی رزق کے لئے سورۂ واقعہ کی تلاوت کرنا خود نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا معمول رہا ہے جس کے متعلق بے شمار حدیثیں وارد و ناطق ہیں (چنانچہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا جو شخص ہر رات سورۂ واقعہ پڑھے گا اسے کبھی بھی فاقہ نہیں پہنچے گا مترجم) یہاں تک کہ جب حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات سے کچھ عرصہ پہلے اپنا سارا مال خیرات کر دیا اور اپنی اولاد کے لئے کچھ بھی نہ چھوڑا' جب ان سے عتاب کیا گیا تو انہوں نے فرمایا میں نے اپنی اولاد کے لئے سورۂ واقعہ کو چھوڑا ہے۔

سنت کے اسی اصول کے پیش نظر ہمارے علمائے کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین میں یہ عادت و دستور چلا آ رہا ہے ورنہ بحمدہ تعالیٰ انہیں دنیا کی سختی اور تنگی یا وسعت و فراخی کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی بلکہ وہ لوگ تو دنیا کی سختی اور تنگیوں کو غنیمت جانتے ہیں اور اپنے درمیان اس تنگی میں حد سے تجاوز کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس تنگدستی اور سختی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعمت عظمیٰ شمار کرتے ہیں اور جب یہ لوگ دنیاوی ساز و سامان میں وسعت و کشادگی دیکھتے ہیں تو شدت سے ڈرتے ہیں کہ کہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مصیبت و آزمائش تو نہیں ہونے والی ہے جبکہ اکثر و بیشتر لوگ دنیاوی مال و دولت کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام و احسان ہی شمار کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے یہ دوست اور

اس کے برگزیدہ بندے تنگی و سختی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے احسان و انعام کیوں نہ جانیں کہ ان کا مقصود سفر کرنا اور اکثر و بیشتر بھوکے رہنا ہے۔

متقدمین اولیاء فرماتے ہیں بھوک ہماری دولت و سرمایہ ہے اور یہی اہل تصوف کے مذہب و مسلک کی اصل و بنیاد ہے اور میرا اور میرے مشائخ کا بھی یہی مذہب ہے اور اسی مذہب کی وجہ سے ہمارے اسلاف کا طریقہ و دستور بھی چلا آ رہا ہے رہا بعض متاخرین کا اس سلسلے میں کوتاہی و سستی کرنا تو اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

روزی کی تنگی اور وسعت و فراخی کا یہ نقطہ ہم نے اس لئے بیان کیا ہے تا کہ مخالفین جہالت کی وجہ سے انہیں حقیر و مجبور نہ جانیں یا صحیح العقیدہ مبتدی (عبادت کی راہ میں قدم رکھنے والا) ان کے متعلق غلطی میں مبتلاء نہ ہو جائے اور غلط فہمی کا شکار نہ ہو جائے۔

سوال: علمائے کرام اور عابدوں کے لئے اور علیحدگی اختیار کرنے والوں اور زاہدوں اور صبر و قناعت اختیار کرنے والوں کے لئے یہ کیونکر لائق و مناسب ہے کہ وہ دنیا حاصل کرنے کے لئے وظائف پڑھیں؟

جواب: جان لو کہ تنگی کے عالم میں وظائف مذکورہ بالا پڑھنا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے پھر اگر ان وظائف کے پڑھنے کا مقصد حصول قناعت اور اللہ تعالیٰ کی عبادت وغیرہ کے لئے تیار ہونا اور قدرت حاصل کرنا ہے اور شہوت و حرص کی پیروی مقصود نہ ہو اور نہ تنگی و سختی سے پریشانی و کمزوری کی اتباع مقصود ہو تو ان وظائف وغیرہ کا پڑھنا صحیح و درست ہے بلکہ احادیث نبویہ سے ثابت ہے اور جب تمہارا مقصد عبادت کی تیاری ہو تو اس وظیفے کے بعد اکثر و بیشتر تم اپنے دل میں قناعت پاؤ گے اور بھوک، ضعف و کمزوری کو مفقود پاؤ گے اور کھانے کی چیزوں سے بے نیازی اور حرص و طمع سے دوری

محسوس کرو گے جن لوگوں نے اس کا تجربہ کیا ہے یا آزمایا ہے ان کو اس بات کا اچھی طرح علم ہے لہذا ان باتوں کو اچھی طرح ذہن نشین کرلو اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔

عجب کا بیان

عبادت کو ضائع و برباد کرنے والی دوسری برائی عجب و خود پسندی ہے اس برائی سے بھی بچنا دو وجہوں سے لازم و ضروری ہے

پہلی وجہ: یہ ہے کہ بندہ اسی خود پسندی اور اترانے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی توفیق و تائید سے محروم ہوجاتا ہے اس لئے کہ اپنی عبادت پر اترانے والا اور غرور کرنے والا ذلیل وخوار ہوتا ہے اور جب بندہ اللہ تعالیٰ کی توفیق و تائید سے محروم و مقطوع ہوجاتا ہے تو بہت جلد ہلاک و برباد ہوجاتا ہے اسی لئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: تین چیزیں انسان کو ہلاک کردیتی ہیں (۱) بخل جس کی پیروی کی جائے۔(۲) نفسانی خواہشات جن کی اتباع کی جائے۔(۳) آدمی کا اپنے آپ کو اچھا سمجھنا (بیہقی)

دوسری وجہ: عجب و خود پسندی سے بچنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ عجب و خود پسندی نیک عمل کو ضائع و برباد کردیتی ہے اسی لئے حضرت عیسیٰ مسیح علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: اے میرے حواریو! بہت سے چراغوں کو ہوا نے بجھادیا اور بہت سے عابدوں کو عجب و خود پسندی نے تباہ و برباد کردیا۔ اور جب زندگی کا مقصود اور غرض و غایت ہی اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی ہے اور عجب کی بُری خصلت بندہ کو اس اصل مقصود سے محروم کردیتی ہے کہ بندہ کوئی نیکی و بھلائی کا کام کر ہی نہیں سکتا اور اگر کچھ تھوڑی بہت نیکی کر بھی لے تو یہ عجب و خود پسندی اس کو تباہ و برباد کردیتی ہے یہاں تک کہ وہ امور خیر سے بالکل خالی ہاتھ ہوجاتا ہے اس لئے بندہ کو اس دوسری برائی ''عجب و خود پسندی'' سے

بچنا بہت ہی ضروری ہے اللہ تعالیٰ ہی گناہوں سے بچنے کی توفیق دیتا ہے۔

عجب کی حقیقت و معنی اور اس کا حکم

سوال: عجب کی حقیقت اور اس کا معنی اور اس کی تاثیر و حکم بھی بیان کریں؟

جواب: جان لو کہ عجب کی حقیقت اپنے نیک اعمال کو عظیم و بڑا جاننا ہے۔

ہمارے علماء کے نزدیک عجب کی تفصیل یہ ہے کہ بندہ اس بات کا اظہار کرے کہ عمل صالح کی فضیلت و بزرگی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی چیز سے یا مخلوق یا نفس سے حاصل ہوتی ہے۔

اور بعض اوقات عجب ایسا ہوتا ہے کہ بندہ اظہار کرتا ہے کہ یہ شرف و بزرگی ان تین چیزوں سے حاصل ہوتی ہے وہ تین چیزیں یہ ہیں (۱) نفس (۲) مخلوق (۳) اللہ کے سوا کوئی اور چیز۔

اور کبھی عجب دو باتوں سے ہوتا ہے یعنی بندہ صرف دو چیزوں کا اظہار کرتا ہے۔

بعض اوقات صرف ایک چیز سے ہوتا ہے یعنی بندہ ان تینوں میں سے صرف ایک کا اظہار کرتا ہے اور عجب کی ضد اور اس کا مقابل احسان ہے اور احسان کا مطلب یہ ہے کہ بندہ اس بات کا اظہار کرے کہ اس عمل کی یہ سب بزرگی و فضیلت اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی توفیق و تائید سے ہے اور اللہ تعالیٰ ہی نے اس عمل کو شرف و بزرگی عطا فرمائی اور اسی نے مجھے یہ بزرگی اور یہ مقام عطا فرمایا اور اسی نے اس کا ثواب اور اس کی قدر و منزلت بڑھائی۔ عجب کے اسباب و علل کے ظہور کے وقت اللہ تعالیٰ کے احسانات کو یاد رکھنا اور اس کا تذکرہ کرنا فرض ہے اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کے احسانات کو یاد رکھنا مستحب و افضل ہے۔

اعمال صالحہ میں عجب اور خود پسندی کی تاثیر کے متعلق ہمارے بعض علماء فرماتے ہیں عجب وخود پسندی کرنے والا اپنے عمل اکارت وتباہ ہونے کا انتظار کرتا ہے اگر وہ اپنی موت سے پہلے توبہ کرلے تو اس کے اعمال صالحہ ضائع ہونے سے بچ جائیں گے ورنہ ضائع وبرباد ہوجائیں گے فرقہ کرامیہ کے شیوخ میں محمد بن صابر کا یہی مذہب ہے اور ان کے نزدیک عمل کے ضائع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس عمل کی تمام خوبیاں ختم ہوجاتی ہیں یہاں تک کہ کسی قسم کے ثواب اور تعریف وتوصیف کا بھی مستحق نہیں رہتا اور محمد بن صابر کے علاوہ دوسرے علماء کے نزدیک اعمال کے ضائع وبرباد ہوجانے کا مطلب یہ ہے کہ اعمال صالحہ کا جو دوچند یا اس سے زائد ثواب ملتا وہ سب ضائع ہوجاتا ہے لیکن اصل عمل کا ثواب باقی رہتا ہے۔

سوال: عارف بندہ پر یہ بات کیسے پوشیدہ رہ سکتی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اعمال صالحہ کی توفیق دیتا ہے اور بلند مرتبہ ومقام وبے حدوحساب ثواب عطا فرماتا ہے۔

جواب: اس جگہ ایک عجیب ولطیف نکتہ اور بہترین ذخیرہ ذہن نشین کرلینا چاہئے ان شاء اللہ تمام شکوک وشبہات رفع ہوجائیں گے اور جواب کے تمام پہلو روشن وعیاں ہوجائیں گے اور وہ نکتہ لطیفہ یہ ہے کہ عجب وخود پسندی کے اعتبار سے مخلوق کی تین قسمیں ہیں۔

پہلی قسم: یہ وہ لوگ ہیں جو ہر حال میں عجب وخود پسندی میں مبتلاء رہتے ہیں وہ معتزلہ اور قدریہ کا گروہ ہے (یہ وہ فرقہ ہے جس کا بانی واصل ابن عطاء ہے جس نے حضرت خواجہ حسن بصری کی مجلس سے اعتزال کیا اسی وجہ سے اس کے ماننے والوں کا نام معتزلہ ہوا ان

کے چند عقائد یہ ہیں (۱) مرتکب گناہ کبیرہ کو نہ مسلمان مانتے ہیں نہ کافر (۲) مطیع وفرمانبردار کو ثواب دینا اللہ تعالیٰ پر واجب قرار دیتے ہیں اور اسی طرح نافرمان کو عذاب وعقاب دینا اللہ تعالیٰ پر واجب مانتے ہیں (۳) اللہ تعالیٰ کی صفات کو قدیم نہیں مانتے بلکہ حادث قرار دیتے ہیں وغیرہا اور قدریہ فرقہ کے متعلق مختلف قول ہیں (۱) ایک قول یہ ہے کہ یہ فرقہ تقدیر کا منکر ہے اور کہتا ہے کہ ہر بندہ اپنے فعل کا خود خالق ہے اور کفر ومعصیت کو نہیں مانتا (۲) دوسرا قول یہ ہے کہ یہ معتزلہ کا لقب ہے اور معتزلہ وقدریہ یہ وہ گروہ ہے جو اپنے اعمال وافعال میں اللہ تعالیٰ کے احسان ومنت کا اعتقاد نہیں رکھتے بلکہ افعال کا خالق اپنے آپ کو مانتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی مدد اور اس کی توفیق خاص اور اس کے لطف وکرم کا منکر ہے اور ان کے عقائد کی یہ خرابی وبیماری ان کے ان شکوک وشبہات کی وجہ سے ہے جو ان پر غالب ہیں مترجم)

دوسری قسم: ان لوگوں کی ہے جو ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے احسان وتوفیق کو تسلیم کرتے ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے رب کی عبادت پر ثابت قدم ہیں ان لوگوں سے کسی بھی عمل میں عجب وخود پسندی صادر نہیں ہوتی اور یہ ان کی اس بصیرت کی وجہ سے ہے جو انہیں عطا ہوتی ہے اور اس تائید کی بنا پر ہے جو انہیں خصوصی طور پر عطا کی گئی۔

تیسری قسم: وہ ہے جو اپنے اعمال کو خلط ملط کرتے رہتے ہیں جو عام اہل سنت والجماعت ہیں یہ لوگ جب خواب غفلت سے بیدار ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کا احسان مانتے ہیں اور جب ان پر غفلت طاری ہوتی ہے تو عجب وخود پسندی میں مبتلا ہوجاتے ہیں اور یہ عارضی غفلت ان کی سستی اور بصیرت میں نقص وکمی کی وجہ سے ہوتی ہے۔

سوال: قدریہ اور معتزلہ کے اعمال وافعال کا کیا حال ہے کیا ان کے تمام اعمال ضائع وبرباد ہیں؟

جواب: اس میں مختلف اقوال ہیں

(۱) بعض کا قول ہے کہ ان کے تمام اعمال ان کے عقائد کی خرابی کی وجہ سے ضائع و بے کار ہیں۔

(۲) بعض کہتے ہیں کہ اسلامی عقائد کے تھوڑے فرق کی وجہ سے اعمال ضائع و برباد نہیں ہوتے جب تک کہ ہر عمل میں عجب وخود پسندی شامل نہ ہو اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ کوئی عمل عجب اور خود پسندی سے پاک نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس عمل کو اللہ تعالیٰ کے احسان کے ساتھ خاص نہ کرے۔

سوال: کیا ریاء اور عجب کے علاوہ بھی کوئی چیز اعمال کو خراب کرنے والی ہے؟

جواب: جی ہاں! ریاء اور عجب کے علاوہ بھی بہت سی چیزیں ہیں جو اعمال کو برباد کر دیتی ہیں لیکن ہم نے ان دونوں کا خصوصیت سے تذکرہ اس لئے کیا ہے کہ یہ دونوں اعمال کو برباد کرنے میں اصل اور بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں۔

بعض مشائخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بندے پر لازم ہے کہ وہ اپنے اعمال کو دس چیزوں سے محفوظ رکھے (۱) نفاق (۲) ریاء (۳) عمل کو دنیوی و اخروی نفع سے خلط ملط کرنا (۴) احسان جتانا (۵) اذیت و تکلیف پہنچانا (۶) ندامت و شرمندگی (۷) عجب وخود پسندی (۸) حسرت (۹) سستی و کاہلی (۱۰) لوگوں کی لعن طعن اور ملامت کا خوف۔ پھر ہمارے شیخ حضرت ابو بکر وراق رحمۃ اللہ علیہ نے ان میں سے ہر ایک خصلت کی ضد اور ان سے اعمال کو جو نقصان پہنچتا ہے ان سب کو بیان فرمایا ہے (چونکہ مقولہ ہے ہر چیز اپنی ضدوں سے پہچانی جاتی ہے مترجم) لہذا نفاق کی ضد اخلاصِ عمل ہے، ریاء کی ضد طلبِ ثواب میں اخلاص ہونا ہے، اعمال کو دنیوی و اخروی نفع سے مخلوط کرنے کی ضد اعمال کو نفع آخرت کے ساتھ خاص کرنا ہے، احسان جتانے کی ضد

اعمال کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا ہے، اذیت دینے کی ضد اعمال کو ضائع ہونے سے بچانا ہے، ندامت کی ضد اچھے اعمال پر نفس کو ثابت قدم رکھنا ہے، عجب کی ضد اللہ تعالیٰ کا احسان ماننا ہے، حسرت کی ضد بھلائی کو غنیمت جاننا ہے، سستی و کاہلی کی ضد اللہ کی توفیق کی عظمت و بڑائی بیان کرنا ہے، انسانوں کی ملامت کی ضد اللہ تعالیٰ سے ڈرنا ہے۔

خصلت قبیحہ کا حکم: اے میرے عزیز بھائیو! یاد رکھو کہ نفاق عمل کو تباہ و برباد کر دیتا ہے اور ریاء عمل کو مردود کر دیتا ہے اور احسان جتانا اور اذیت دینا صدقہ کے ثواب کو بالکل جڑ سے اکھاڑ دیتا ہے اور بعض مشائخ عظام رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک عمل کا اصل ثواب ضائع نہیں ہوتا بلکہ دوگنا تین گنا جو ثواب ملتا ہے وہ ضائع ہوجاتا ہے لیکن ندامت باتفاق علماء و مشائخ نیک اعمال کو تباہ و برباد کر دیتی ہے اور عجب سے عمل کا زائد ثواب ضائع ہوجاتا ہے (اصل اعمال صالحہ کا ثواب ملتا ہے) اور حسرت و سستی اور لوگوں کی ملامت کے خوف سے عمل کا ثواب کم ہوجاتا ہے اور عمل کی قدر و منزلت گھٹ جاتی ہے۔

میں (امام غزالی) کہتا ہوں عمل کا مقبول یا مردود ہونا اہل علم کے نزدیک چند قسم کا ہے (۱) تعظیم (۲) استخفاف اور اعمال کے ضائع ہونے کی بھی چند قسمیں ہیں (۱) کبھی فعل یا سببِ فعل کی وجہ سے منافع باطل ہوجاتا ہے (۲) بعض دفعہ ثواب باطل و برباد ہوجاتا ہے (۳) کبھی اصل ثواب کے علاوہ جو زائد ثواب ملتا ہے وہ باطل ہوجاتا ہے۔

ثواب تو عمل کا اصل نفع ہے جس منفعت و نفع کا وہ عین فعل اور اس کی علامتیں اور اس کے احوال مطالبہ کرتے ہیں اور تضعیف اس زیادتی و اضافہ کا نام ہے جو اس اصل ثواب پر اللہ تعالیٰ بندوں کو عطا فرماتا ہے اور اعمال کی خوبی اور اس کی قدر و قیمت اس زیادتی کا نام ہے جو دوسرے خارجی حالات و قرائن کے اقتضاء سے حاصل ہوتی

ہے مثلاً نیک لوگوں میں سے کسی کے ساتھ احسان ونیکی کرنا بھی ثواب کا کام ہے پھر والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا تو اس سے بھی بڑھ کر ثواب کا باعث ہے ان احسانات کی وجہ سے اعمال میں حسن وخوبی اوراس کی قدر وقیمت تو بڑھ جاتی ہے مگراس کا ثواب دوگنا تین گنا نہیں ملتا اس باب میں یہ گفتگو میری تحقیق کا خلاصہ ہے اس لئے اسے اچھی طرح سمجھ لو وباللہ التوفیق والعصمۃ

فصل: ریاء اور عجب کی برائیاں اوران سے بچنے کے طریقے

اب اس تفصیل کے بعد تم پر ریاء اور عجب جیسی خطرناک اور مہلک گھاٹی کو طے کرنا اوراس کا قلع قمع کرنا بھی لازم وضروری ہے جو مختلف قسم کی پریشانیوں اور ہلاکتوں کا مجموعہ ہے اس لئے ان سے بچنے کی سخت احتیاطی تدابیر کی ضرورت ہے کیونکہ طاعات اور نیکیوں کا سرمایہ جمع کرنے والوں کو ان گھاٹیوں سے گزرنا پڑتا ہے اوراس راستہ کی تمام مشقتوں کو برداشت کرنا پڑتا ہے درحقیقت عابدوں کو ان گھاٹیوں سے گزرنے کے بعد ہی عبادت کا مغز اور عظیم سرمایہ حاصل ہوتا ہے اس لئے کہ اس عظیم سرمایہ کے ضائع ہونے کا خطرہ زیادہ اسی گھاٹی میں پیش آتا ہے کیونکہ اس گھاٹی میں بے شمار لٹیروں کے اڈے ہیں جن میں اس عظیم سرمایہ آخرت کے چھن جانے کا خطرہ و اندیشہ ہے اور ایسی ایسی آفتیں نمودار ہوتی ہیں جو بندوں کے اعمال اوران کی عبادتوں کو تباہ وبرباد کر کے رکھ دیتی ہیں۔عبادت کی راہ میں سب سے زیادہ پیش آنے والے اور سب سے زیادہ خطرناک دوڈاکو ہیں پہلا ریاء اور دوسرا عجب لہذا ہم یہاں ان دونوں تباہ کن اور خطرناک برائیوں سے بچاؤ کے لئے چند ضروری اور جامع اصول بیان کرتے ہیں ان کو اچھی طرح ذہن نشین کرلو ان شاء اللہ تعالیٰ ان کے نقصانات اور

تباہی سے بچ جاؤ گے۔

ریاء سے بچنے کے اصول

پہلا اصول: ریاء کے متعلق سب سے پہلے میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نقل کرتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّ مِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ط یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ وَّ اَنَّ اللّٰہَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا (پ۲۸ سورۃ الطلاق آیت ۱۲) اللہ ہے جس نے سات آسمان بنائے اور اتنی (سات) ہی زمینیں بنائیں ان کے درمیان حکم اترتا ہے تاکہ تم جان لو کہ اللہ سب کچھ کر سکتا ہے اللہ کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔

اس آیت کریمہ میں گویا اللہ سبحانہ وتعالیٰ یہ ارشاد فرما رہا ہے کہ آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان جو مصنوعات اور عجیب وغریب چیزیں ہیں سب کو میں نے پیدا کیا ہے اور یہ سب کچھ پیدا کر کے تیرے حوالے کر دیا تاکہ تم خود مشاہدہ کر کے جان لو کہ میں ہر چیز پر قادر بھی ہوں اور ہر چیز سے واقف بھی ہوں۔ اے بندو! جبکہ تمہارا حال یہ ہے کہ جب تم دو رکعت نماز پڑھتے ہو تو اس میں بھی تم سے کتنی قسم کی کوتاہیاں واقع ہو جاتی ہیں اور کتنے عیوب ونقائص رہ جاتے ہیں اور میں چونکہ قادر مطلق ہونے کے ساتھ ساتھ ذرہ ذرہ کا علم رکھتا ہوں اس لئے میں تیری ان ناقص دو رکعتوں کو اچھی طرح دیکھ رہا ہوں مگر اس کے باوجود تو اپنی اس حقیر وناقص عبادت کے متعلق میری نظر اور میرے علم اور میری حمد وثناء اور قبولیت وقدر وقیمت کو کافی نہیں سمجھتا بلکہ تو اس بات کا خواہش مند ہے کہ لوگ تیری اس عبادت کو دیکھ کر تیری واہ واہ اور تیری تعریف وتوصیف کریں تو کیا تیرے اس نظریہ کا نام وفاداری ہے؟ کیا یہ عقلمندی و

دانشمندی کی بات ہے؟ کیا کوئی سمجھدار آدمی اپنے لئے ایسی بات پسند کرے گا ہرگز نہیں افسوس صد افسوس کتنی ناسمجھی اور بیوقوفی کا مظاہرہ کرتا ہے ذرا غور وفکر سے کام لے۔

دوسرا اصول: جس شخص کے پاس ایک عمدہ اور بہترین موتی ہو جسے وہ بیچ کر ایک لاکھ دینار حاصل کرسکتا ہے مگر اس کے باوجود اگر وہ اسے ایک پیسے میں بیچ دے تو کیا یہ بہت بڑا خسارہ نہیں ہے اور سراسر نقصان نہیں ہے اور اس کا یہ فعل پست ہمتی اور کم علمی کی روشن دلیل نہیں ہے اور ناقص و کمزور رائے اور بے عقلی کا ثبوت نہیں ہے؟ یقینا یہ اس کی کم عقلی کا بین ثبوت ہے بالکل یہی حال اس بندے کا ہے جو اپنے عمل و عبادت سے اللہ تعالیٰ جو سارے جہان کا پروردگار ہے اس کی رضا وخوشنودی اور اس کی بارگاہ میں جو تمہارے عمل کی قدر و قیمت ہے اس کو اور اللہ کی مدح وثناء اور اس کے اجر وثواب کو چھوڑ کر مخلوق کی مدح وستائش اور دنیا کی پونجی کے طلبگار ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ کی مدح و ستائش اور اس کی رضامندی اور اس کے اجر وثواب کے مقابلے میں مخلوق کی تعریف و توصیف اور متاع دنیا کی طلب لاکھوں دینار کے مقابلے میں ایک پیسے سے بھی کمتر و حقیر ہے بلکہ دنیا و مافیھا بلکہ ایک دنیا نہیں بیسیوں دنیا کے مقابلے میں بھی اللہ تعالیٰ کا ثواب بہت زائد اور بڑھ کر ہے تو کیا یہ کھلا ہوا نقصان نہیں ہے کہ اپنے نفس کو اعمال صالحہ کے بدلے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والی ان عظیم الشان عنایتوں اور نوازشوں سے محروم کر کے ان حقیر و ذلیل چیزوں کے طلب گار ہو پھر اگر تم ان ذلیل چیزوں کو چھوڑ نہیں سکتے تو پھر بھی آخرت ہی کو چاہو دنیا خود بخود اس کے ساتھ مل جائے گی بلکہ صرف اللہ رب العزت کی رضا کے طلبگار رہو اللہ تعالیٰ تمہیں دونوں جہان کی نعمتوں

سے مالا مال فرمادے گا اس لئے کہ وہ دونوں جہان کا مالک ہے اسی بات کو اللہ تعالیٰ اس آیت کریمہ میں بیان فرماتا ہے: مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ط (پ۵ سورۃ النساء آیت ۱۳۴) جو دنیا کا انعام چاہے تو دنیا و آخرت دونوں کا انعام ہے اللہ ہی کے پاس ہے۔

اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: بے شک اللہ آخرت کے اعمال (عبادت) کے بدلے دنیا بھی عطا فرماتا ہے لیکن دنیا کے کاموں کے بدلے آخرت نہیں عطا فرماتا۔ (رواہ ابن مبارك عن انس) لہذا تم اپنی نیت کو خالص اور صاف کرلو اور اپنی ہمت و کوشش کو آخرت کے لئے صرف کرو (دنیا کے کاموں میں بھی طلب آخرت کی نیت کرلو) تو تمہیں دنیا و آخرت دونوں ہی مل جائیں گی اور اگر تم نے صرف حصولِ دنیا ہی کا ارادہ کیا اور اسی کے خواہش مندر ہے تو آخرت ہاتھ سے نکل جائے گی اور بعض دفعہ تو تمہاری چاہت کے مطابق دنیا بھی نہیں ملے گی اور اگر تمہاری منشا و خواہش کے مطابق تمہیں دنیا مل بھی گئی تو چند دن میں فنا ہو جائے گی گویا تم نے چند دن کی بہار حاصل کرنے کے چکر میں دنیا و آخرت دنوں کا خسارہ مول لیا ہے لہذا اے عقلمند! ذرا ہوش میں آ اور غور و فکر سے کام لے۔

تیسرا اصول: جس مخلوق کے لئے تم یہ کام کر رہے ہو اور جس کی رضا کے تم طلبگار ہو اگر اسے معلوم ہو جائے کہ تم اس کی رضا جوئی کے لئے کام کر رہے ہو تو وہ یقیناً تم پر ناراض ہوگا اور غصہ کرے گا اور تمہیں ذلیل و حقیر جانے گا تو کوئی عقل مند آدمی اس شخص کے لئے ہرگز کوئی کام کرنے کو تیار نہ ہوگا جس کو معلوم ہو جائے کہ وہ میری رضا و خوشنودی کے لئے کام کر رہا ہے تو وہ اس پر ناراض ہو اور اس کو ذلیل جانے لہذا اے

مسکین بندو! اس ذات کی رضا وخوشنودی کے لئے کام کرو اور اسی کو اپنی کوششوں کا مرکز بناؤ اور اسی کو اپنا مقصود اصلی جانو جسے معلوم ہو جائے کہ میری رضا وخوشنودی کے لئے یہ کام کر رہا ہے تو وہ تمہیں اپنا محبوب بنا لے گا اور تجھے بے شمار نعمتیں عطا فرمائے گا اور تجھے شرف و بزرگی عطا فرمائے گا یہاں تک کہ وہ تجھے راضی اور خوش کر دے گا اور تجھے تمام مخلوقات سے بے نیاز کر دے گا لہذا اگر تم عقلمند ہو تو اس نکتے کو سمجھو اور ذہن نشین کر لو۔

چوتھا اصول: جس کے پاس کوشش وسعی کا اس قدر سرمایہ موجود ہے جس کے ذریعہ وہ دنیا میں سب سے بڑے بادشاہ کی رضا وخوشنودی حاصل کر سکتا ہے لیکن اس کے باوجود اس بڑے بادشاہ کی رضا حاصل نہیں کرتا بلکہ ایک ذلیل جھاڑو دینے والے کی رضا کا طالب ہے اس کی یہ حرکت اس کی بے وقوفی وحماقت اور اس کی فاسد رائے اور اس کی بدنصیبی کا بین ثبوت ہے ساری دنیا اس سے کہے گی کہ جب تمہارے لئے سب سے بڑے بادشاہ کی رضا وخوشنودی حاصل کرنا ممکن تھا تو اسے چھوڑ کر اس ذلیل خاکروب کی خوشنودی حاصل کرنے میں تیرے لئے کیا خوبی و بہتری ہے جبکہ جاروب کش بھی اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی وجہ سے ناراض ہے تو تم نے دونوں کی خوشنودی گنوا دی بعینہ یہی حال ریاء کار بندے کا ہے کہ جب وہ بندہ اللہ تبارک وتعالیٰ جو تمام مشکلات و مصائب کے لئے اور اعمال کا ثواب عطا فرمانے کے لئے کافی ہے اس کی رضا و خوشنودی حاصل کر سکتا ہے تو اس حقیر و ذلیل اور بے وقعت مخلوق کی رضا جوئی کی کیا ضرورت ہے پھر اگر تمہاری ہمت پست اور کمزور ہو اور تم صاحب بصیرت نہیں یہاں تک لا محالہ مخلوق کی رضا کے طلبگار بنے رہو تو اس صورت میں بھی اپنے آپ کو تباہی

سے بچانے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ تم اپنا ارادہ مخلوق کی رضا جوئی سے پھیر لو اور اپنی کوشش کو خالص اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لئے کر لو اس لئے کہ سارے لوگوں کے دل اور ان کی پیشانیاں اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ قدرت میں ہیں تو لوگوں کے دلوں کو تیری الفت سے بھر دے گا اور تمام لوگوں کو تیرے گرد جمع فرما دے گا (لوگوں کے دلوں میں تیری محبت والفت ڈال دے گا) تو تم اس خالص ارادے سے وہ کچھ حاصل کر لو گے جو تم اپنی سعی وکوشش سے بھی کبھی حاصل نہیں کر سکتے اور اگر تم اپنی کوششوں کو اللہ تعالیٰ کے لئے خالص نہ کر سکو اور اپنے اعمال سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سوا مخلوق کی رضا کے طلبگار بنے رہو تو ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کے دلوں کو تم سے پھیر دیگا اور لوگوں کے دلوں میں تیرے متعلق نفرت ڈال دے گا اور مخلوق کو تجھ سے ناراض فرما دے گا تو تمہارے اس کرتوت کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ بھی تم سے ناراض ہوگا اور مخلوق بھی ناراض ہوگی اور یہی چیز تمہارے نقصان اور محرومی کا باعث ہے۔

حکایت: حضرت خواجہ حسن بصری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص کہا کرتا تھا کہ اللہ کی قسم میں اللہ تعالیٰ کی ایسی عبادت کروں گا جس سے لوگوں میں میرا خوب چرچا ہونے لگے گا۔ چنانچہ وہ شخص نماز کے لئے مسجد میں سب سے پہلے آجاتا اور سب سے آخر میں نکلتا نماز کے وقتوں میں ہر شخص اسے نماز پڑھتا ہی دیکھتا اور مسلسل روزہ رکھتا اور ذکر و اذکار کی محفلوں میں بھی شرکت کرتا سات ماہ تک وہ شخص ایسا ہی کرتا رہا لیکن لوگوں کا اس کے ساتھ یہ رویہ تھا کہ جب بھی کہیں سے گزرتا تو لوگ یہی کہتے کہ اللہ تعالیٰ اس ریاء کار کو ہدایت عطا فرمائے جب اس نے قوم کا یہ رویہ دیکھا تو اپنے آپ پر ملامت کی اور اپنے دل میں کہا کہ میری تو ساری عبادت و بندگی ضائع و برباد ہوگئی اب میں

تمام عبادتیں خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کروں گا اس نے اپنے عمل (عبادت) میں پہلے کی بہ نسبت کچھ بھی اضافہ نہ کیا بلکہ اتنی ہی عبادت کرتا رہا لیکن اس نے صرف اپنی بُری نیت نیتِ خیر سے بدل لی کہ اس میں اخلاص پیدا کرلیا تو اب اس اخلاص کے بعد جب بھی کہیں سے گزرتا تو سب یہی کہتے کہ اللہ تعالیٰ فلاں عابد پر رحم فرمائے اب یہ خیر و بھلائی کی طرف متوجہ ہو گیا ہے یہ حکایت بیان کرنے کے بعد حضرت خواجہ حسن بصری رضی اللہ عنہ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجۡعَلُ لَهُمُ الرَّحۡمٰنُ وُدًّا ۝ (پ۱۶ سورۃ مریم آیت ۹۶) بے شک وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے عنقریب رحمٰن ان کے لئے محبت کردیگا۔

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں سے خود بھی محبت فرماتا ہے اور لوگوں کے دلوں میں بھی ان کی محبت پیدا فرمادیتا ہے۔

کسی شاعر نے بالکل صحیح کہا ہے۔

یَا مُبۡتَغِیۡ الۡحَمۡدَ وَ الثَّوَابَا
فِیۡ عَمَلٍ تَبۡتَغِیۡ مُحَالًا

اے لوگوں سے حمد و تعریف اور ثواب کے طلبگار! تو اپنے عمل میں محال چیز کا طلبگار ہے

قَدۡ خَیَّبَ اللّٰهُ ذَا رِیَاءٍ
وَ اَبۡطَلَ السَّعۡیَ وَ الۡكَلَالَا

اللہ تعالیٰ ریاء کار کو خائب و خاسر کردیتا ہے اور اس کے مقصد میں ناکام کردیتا ہے اور اس کی سعی و کوشش اور مشقت کو بے کار و ضائع فرمادیتا ہے۔

مَنۡ كَانَ یَرۡجُوۡ لِقَآءَ رَبِّهٖ

اَخۡلَصَ مِنۡ خَوۡفِہٖ الۡفِعَالَا

جو اپنے رب سے ملاقات کی امید رکھتا ہے وہ اس کے خوف و ڈر سے اپنے افعال و اعمال میں اخلاص پیدا کرتا ہے۔

اَلۡخُلۡدُ وَ النَّارُ فِیۡ یَدَیۡہِ
فَرَائِہٖ یُعۡطِكَ النَّوَالَا

جنت اور دوزخ اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ قدرت میں ہے اس لئے تم اپنے اعمال اسی کو دکھاؤ وہ تجھے اپنی عطاؤں سے مالا مال کردے گا۔

وَ النَّاسُ لَا یَمۡلِکُوۡنَ شَیۡئًا
فَکَیۡفَ رَائَیۡتَہُمۡ ضَلَالَا

لوگوں کی ملک اور قبضہ میں کچھ بھی نہیں ہے تو تم انہیں اپنے اعمال کیوں دکھاتے ہو حالانکہ وہ تمہارے اعمال سے بے خبر ہیں۔

عجب سے بچنے کے اصول

اب ہم عجب وخود پسندی سے بچنے کے لئے بھی چند جامع اصول بیان کرتے ہیں۔

پہلا اصول: یہ ہے کہ بلا شبہ بندے کا فعل اسی وقت کارآمد وبیش قیمت ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ کے حضور اسے شرفِ قبولیت اور اس کی رضا حاصل ہو جائے ورنہ اس کی مثال اس مزدور کی طرح ہے جو سارا دن دو درہم کے لئے مشقت برداشت کرتا رہتا ہے اور اس چوکیدار کے مثل ہے جو ساری رات دو پیسوں کے لئے جاگتا پھرتا ہے (دانق درہم کا چھٹا حصہ ہوتا ہے) اور انہیں کی طرح کاروباری اور پیشہ ور لوگ بھی صرف چند درہموں کے لئے رات و دن محنت ومشقت میں مبتلا رہتے ہیں اور اپنے قیمتی

وقت کو ضائع و برباد کرتے ہیں اب اگر تم اپنے افعال و اعمال اللہ تعالیٰ کے حوالے کر کے خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ایک روزہ رکھ لو تو آج تمہارے اس روزے کی قیمت کا کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا بشرطیکہ اللہ اس عمل سے راضی ہو جائے اور اسے شرف قبولیت سے نوازے دے۔

اللہ تعالیٰ خود ارشاد فرماتا ہے: **اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ** (پ۲۳ سورۃ الزمر آیت۱۰) صبر کرنے والوں ہی کو ان کا ثواب پورا پورا بے شمار دیا جائے گا۔

اور حدیث قدسی میں آیا ہے اللہ سبحانہ وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: میں نے اپنے روزہ دار بندوں کے لئے ایسا اجر و ثواب تیار کر رکھا ہے جس کو کسی آنکھ نے نہیں دیکھا اور نہ ہی کسی کان نے سنا اور نہ ہی کسی دل میں اس کا خیال گزرا (صحیح البخاری، صحیح مسلم عن ابی ھریرۃ)

یہ تیرا وہ دن ہے کہ سارا دن مشقت اور بار برداری کے بعد اس کی قیمت صرف دو درہم ہے لیکن جب اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لئے صرف ایک دن دوپہر کا کھانا شام تک موخر کرے (روزہ رکھے) تو اس پر اللہ تعالیٰ اس کی قدر و قیمت میں اضافہ فرما دیتا ہے اور اس کا اجر و ثواب اتنا زیادہ فرما دیتا ہے کہ اس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا اور اسی طرح ایک رات اللہ کی رضا کی خاطر قیام کرے تو شرف و بزرگی میں اس کے اس قیام کی قیمت کا کوئی شخص اندازہ نہیں کر سکتا۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: **فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ج جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝** (پ۲۱ سورۃ السجدۃ آیت۱۷) تو کسی جان کو نہیں معلوم جو آنکھ کی ٹھنڈک ان کے لئے چھپا رکھی ہے اور یہ ان کے کاموں کا بدلہ ہے۔

تو یہ وہ رات کی معمولی سی عبادت ہے جس کی قیمت دو دانق یا دو درہم ہے (دانق درہم

کا چھٹا حصہ ہوتا ہے) اور اس کی یہ بے حساب قدر و قیمت صرف اس کے خلوصِ نیت کی وجہ سے ہے بلکہ اگر محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ایک گھڑی میں دو ہلکی رکعتیں پڑھ لے یا ایک سانس میں صرف کلمہ لا الہ الا اللہ کہہ لے تو اس کے لئے بے پناہ اجر و ثواب ہے (حدیث شریف میں ہے کہ چار ہزار گناہ کبیرہ مٹا دیئے جائیں گے لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر اس نے کبیرہ گناہ نہ کیے ہوں؟ فرمایا اس کے اہل وعیال اور اس کے پڑوسیوں کے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے صحیح البخاری مترجم) چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ (پ۲۴ سورۃ المؤمن آیت ۴۰) جو اچھا کام کرے خواہ مرد ہو یا عورت اور وہ مسلمان ہو تو وہ جنت میں داخل کیے جائیں گے وہاں بے حساب رزق دیئے جائیں گے۔

یہ تمہاری سانسوں میں سے ایک سانس ہے جس کی دنیا داروں کے یہاں کوئی قدر و قیمت نہیں اور نہ ہی تیرے نزدیک کوئی عزت و وقار ہے تو اس جیسی کتنی سانسیں اور کتنے مواقع بے کار و فضول ضائع کرتے ہو اور اپنے قیمتی اوقات بے ہودہ و لغویات میں گزار دیتے ہو حالانکہ اگر اسی سانس کو اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے لئے استعمال کیا جائے تو اللہ کے فضل و کرم سے اس کی قدر و منزلت کتنی بڑھ جاتی ہے اور اس کی قیمت میں کتنا اضافہ ہو جاتا ہے لہذا عقلمندوں کو غور و فکر کرنا چاہئے کہ جب کوئی کام اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے نہیں ہوتا تو اس کی کوئی حیثیت اور وقعت اور کوئی قیمت نہیں ہوتی اور جب وہی کام اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے ارادے سے کیا جائے تو اس کی عظمت و بزرگی اور اس کی قدر و منزلت کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا اس لئے بندوں پر لازم و ضروری ہے کہ

اپنے عمل کی حقارت اور اس کے مرتبہ کی کمی پر نظر رکھیں اور ہر کام اللہ کی رضا کے لئے کرنا اپنا شیوہ بنالیں اور اپنے اعمال و افعال کو ایسی چیزوں سے بچائے رکھیں کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور مرضی کے خلاف صادر نہ ہوں کہ جس سے یہ حاصل شدہ ثواب و قیمت بھی ضائع ہوجائے اور وہی حقیر قیمت یعنی دراہم یا دانق واپس آجائیں بلکہ اس سے بھی خسیس و ذلیل قیمت ملے اور اس بات کو مثال سے اس طرح سمجھ سکتے ہیں کہ مثلاً انگور کا خوشہ اور ریحان کی شاخ جس کی بازار میں ایک پیسہ یا ایک درہم قیمت ہے اگر کوئی شخص اس کو بادشاہ کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کرے اگرچہ وہ بے وقعت و خسیس چیز ہے اور بادشاہ اس حقیر تحفہ کو شرف قبولیت بخشے اور خوش ہوکر اسے ایک ہزار دینار (اشرفی) عطا کردے تو بادشاہ کی خوشنودی کی وجہ سے اس حقیر چیز کی قیمت ایک ہزار دینار ہوگئی اور اگر بادشاہ اس تحفہ کو قبول نہ کرے تو اس کی قیمت وہی ایک پیسہ یا ایک درھم ہے اسی طرح بندوں کے اعمال کی حالت ہے کہ ہم انہیں دیکھ کر اترانے لگتے ہیں اور عجب و خود پسندی میں مبتلا ہوجاتے ہیں اور دوسروں کے اعمال کو حقیر و گھٹیا سمجھنے لگتے ہیں یہ ہمارے لئے بڑی مہلک و خطرناک چیز ہے بلکہ ایسے موقعوں پر ہمیں ہوشیاری اور سمجھداری سے کام لینا چاہئے اور اپنے تمام اعمال کو ہر اس چیز سے پاک رکھنا چاہئے جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ہو اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا کرنا چاہئے کہ اے اللہ تعالیٰ! یہ تمام اعمال و افعال تیرے فضل و کرم اور تیری توفیق کے سبب ہیں تو اسے دنیا و آخرت میں باعث اجر و ثواب بنا۔

دوسرا اصول: یہ ہے کہ تمہیں معلوم ہے کہ دنیا کے بادشاہ جب کسی آدمی کو کھانے یا پینے کی کوئی چیز دیتے ہیں یا پوشاک یا دنیا کے فانی دراہم و دنانیر (اشرفیاں) عطا

کرتے ہیں تو وہ آدمی دن ورات اس بادشاہ کی خدمت کے لئے تیار رہتا ہے حالانکہ اس خدمت میں ذلت وحقارت بھی ہوتی ہے اوراس کی خدمت میں اس طرح کھڑا رہتا ہے کہ اس کے پاؤں سن و بے حس ہوجاتے ہیں اور جب بادشاہ اپنی سواری پر سوار ہوتا ہے تو وہ اس کے ساتھ ساتھ دوڑتا ہے اور بسا اوقات ساری ساری رات اس کے دروازے پر پہرہ دینا پڑتا ہے اور کبھی بادشاہ کے دشمن سے مقابلہ کی نوبت آجاتی ہے تو اس سے قتال کرنا پڑتا ہے اوراپنی جان کی قربانی بھی دینی پڑتی ہے اور جس جان کا کوئی بدل نہیں ہوسکتا (پھر زندگی نہ مل سکے گی) اور یہ تمام خدمت وتکلیف ومشقت اور خطرات ونقصان صرف اس تھوڑے اور حقیر نفع کی وجہ سے برداشت کرنی پڑتی ہے حالانکہ حقیقت میں یہ منفعت ونوازشات اللہ کی طرف سے ہوتی ہیں اور وہ بادشاہ یہ نفع پہنچانے میں صرف ظاہری طور پرسبب وذریعہ ہوتا ہے۔ تیرے پروردگار نے تجھے پیدا فرمایا حالانکہ تیری کوئی حقیقت نہ تھی پھر بہت عمدہ طریقہ پر تیری پرورش وتربیت فرمائی پھر تجھ پر تیرے دین ونفس اور دنیا میں ظاہری وباطنی انعامات کی ایسی برسات فرمائی کہ جن کو سمجھنے سے تیری عقل وفہم قاصر ہے اور تیرے وہم وگمان سے باہر ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ (پ۱۳ سورۃ ابراھیم آیت ۳۴) اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرو تو شمار نہ کرسکو گے بے شک آدمی بڑا ظالم وناشکرا ہے۔

پھر جو تم دو رکعت نماز پڑھتے ہو اس میں کتنی خامیاں اور کوتاہیاں ہوتی ہیں اس کے باوجود ان دو رکعتوں پر اللہ تعالیٰ نے آخرت میں بہترین اجر وثواب اور قسم قسم کی نوازشات کا وعدہ فرمایا ہے پھر بھی تم ان دو رکعتوں کو بہت بڑی عبادت سمجھتے ہو اوراس

پر اتراتے ہواور عجب وخود پسندی ظاہر کرتے ہواور اگر تم ان باتوں پر غور وفکر کرو تو ظاہر ہو جائے گا کہ یہ عقلمند آدمی کا کام نہیں ان کلمات کو اچھی طرح یاد کرلو۔

تیسرا اصول: یہ ہے کہ وہ بادشاہ جس کی یہ شان ہو کہ اس کی خدمت دنیا کے بادشاہ اور امراء کرتے ہوں اور بڑے بڑے سردار لوگ ہاتھ باندھے کھڑے ہوں اور اس کی خدمت پر بڑے بڑے عقلاء اور بہت سے حکماء بھی فخر محسوس کرتے ہوں اور بڑے بڑے عقلاء وعلماء جس کی تعریف وتوصیف بیان کرتے ہوں اور جس کے آگے آگے اکابر اور رؤساء چلتے ہوں جب وہ بادشاہ کسی بازاری یا کسی دیہاتی کو اپنی عنایت ومہربانیوں سے اپنے دروازہ پر آنے کی اجازت دیدے یہاں تک کہ اس کے دروازے پر بادشاہوں اور سرداروں اور اکابر علماء وفضلاء کی اس بادشاہ کی خدمت اور اس کی تعریف وتوصیف کے لئے بھیڑ لگی ہو پھر وہ بادشاہ اس بازاری یا دیہاتی کو ان تمام اکابر کی موجودگی میں کوئی بلند مقام عطا کرے اور اس کی خدمت کو رضا وخوشی سے دیکھے حالانکہ اس کی اس خدمت میں کئی عیب ونقص بھی ہیں تو کیا یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس حقیر انسان پر بادشاہ نے بہت زیادہ انعام واکرام کیا ہے پھر اگر یہ حقیر انسان اپنی اس حقیر وعیب دار خدمت کی وجہ سے اس بادشاہ پر اپنا احسان جتانے لگے اور اس پر اترانے لگے تو کیا یہ نہیں کہا جائے گا کہ وہ انتہا درجہ کا بیوقوف ہے یا بالکل پاگل دیوانہ ہے کچھ بھی سمجھتا نہیں ہے۔ جب یہ تیسرا اصول سمجھ میں آ گیا اور یہ مثال ذہن نشین ہوگئی تو اب یہ سمجھنا چاہئے کہ ہمارا وہ معبود حقیقی اور وہ بادشاہ جس کے ساتوں آسمانوں اور زمینوں اور ان میں جو کچھ موجود ہیں اس کی تسبیح وتقدیس بیان کرتے ہیں اور کوئی چیز بھی ایسی نہیں جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی حمد اور تسبیح نہ بیان کرتی ہو اور ایسا معبود برحق جس

کے آگے آسمان وزمین میں جو چیزیں ہیں سب سجدہ ریز اور سرنگوں ہیں خواہ وہ خوشی سے یا مجبوری و ناخوشی سے اور اس کے باب (دروازہ) رحمت کے خدام میں سے حضرت جبرئیل امین، حضرت میکائیل، حضرت اسرافیل اور حضرت عزرائیل (علیہم السلام) اور عرش اٹھائے رہنے والے فرشتے اور سرداران ملائکہ، کروبین (فرشتوں کا وہ گروہ جو عرش کے ارد گرد ہے انہیں کروبی اس لئے کہتے ہیں کہ امت سے کرب وغم کو دفع کرنے پر مامور ہیں) اور روحانیین اور اللہ تعالیٰ کے تمام مقرب فرشتے ہیں جن کی تعداد اللہ رب العالمین کے سوا کوئی نہیں جانتا باوجودیکہ ان سب کے درجات ومراتب برے بلند وبالا ہیں اور ان کے نفوس پاک ہیں اور ان کی رات ودن کی عبادتیں بھی بڑی عظمت والی ہیں۔

پھر اسی رب سبحانہ وتعالیٰ کے باب رحمت کے خادم ابوالبشر حضرت آدم صفی اللہ، حضرت نوح نجی اللہ، حضرت ابراہیم خلیل اللہ، حضرت موسیٰ کلیم اللہ، حضرت عیسیٰ روح اللہ اور سیدنا محمد رسول اللہ جو ساری کائنات میں افضل اور اعلیٰ ترین ہیں باوجودیکہ ان تمام انبیاء ومرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین (اللہ تعالیٰ ان سب پر اپنی رحمتیں اور درود وسلام نازل فرمائے) کے مراتب بہت بلند ہیں اور ان کے فضائل ومناقب بڑے عمدہ اور شرف والے ہیں اور ان کے مقامات بڑے عالی شان ہیں اور عادتیں جلیل وعظیم القدر ہیں۔ پھر علمائے کرام، ائمہ عظام، نیک لوگ اور زاہدین بھی اپنے بلند وفاخرہ مراتب اور اپنے پاکیزہ اجسام اور اپنی خالص کثیر عبادتوں کے باوجود اسی باب رحمت کے خادم وغلام ہیں۔

اور دنیا کے تمام بادشاہ اور دنیا کے جبارین بھی اسی دروازے کے ذلیل ترین وحقیر ترین

خادم وغلام ہیں جو ذلت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں اور انتہائی خشوع وخضوع کے ساتھ اس کی بارگاہ میں اپنے چہروں کو مٹی سے ملتے ہیں اور اس کی بارگاہ میں رورو کر عاجزی اور انکساری کے ساتھ اپنی حاجتیں پیش کرتے ہیں اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ ریز وعاجز ہو کر اس کی عبودیت اور اپنی غلامی کا اقرار کرتے ہیں یہاں تک کہ بسا اوقات اللہ تعالیٰ ان کی طرف نظر کرم فرماتا ہے اور ان کی حاجتیں پوری فرماتا ہے اور اپنے کرم سے ان کی خطائیں وکوتاہیاں درگزر فرمادیتا ہے اور وہ اپنی اس عظمت وجلال اور بادشاہی وکمال کے اور تیری اس حقارت وذلت اور عیوب ونقائص اور گندگی کے باوجود بھی تجھے اپنے دربار میں حاضر ہونے کی اجازت عطا فرمادی ہے حالانکہ تیری حیثیت ووقعت یہ ہے کہ اگر تو اپنے شہر کے رئیس وچودھری سے اجازت طلب کرے تو وہ بھی اجازت نہ دے اور اگر تو اپنے محلے کے چودھری و سردار سے بات کرنا چاہے تو وہ منع کردے اور بات نہ کرے اور اگر تو اپنے شہر کے حاکم کے سامنے سجدہ کرنا چاہے تو وہ تیری طرف توجہ نہ کرے۔

اور تحقیق کہ اللہ جل جلالہ نے تجھے اس کی اجازت دے رکھی ہے کہ تم اس کی عبادت کرو اور اس کی حمد وثنا بیان کرو اور اسے مخاطب کرسکو بلکہ تم اس کی بارگاہ میں دل کھول کر اپنی ضروریات پیش کرسکتے ہو اور اپنے لئے وسعت وکشادگی مانگ سکتے ہو اور اپنی تمام حاجتیں اور مرادیں پوری کراسکتے ہو اور تم اپنے دنیاوی امور کی مہمات میں اللہ تعالیٰ سے کفایت طلب کرسکتے ہو پھر وہ تمہاری ناقص اور عیب دار دو رکعتوں سے راضی ہوتا ہے بلکہ ان پر اتنا ثواب عطا فرماتا ہے کہ کسی انسان کے دل میں خیال بھی نہیں گزر سکتا پھر بھی تم اپنی ان دو رکعتوں پر اتراتے ہو اور غرور کرتے ہو اور اسے بھی بہت زیادہ

سمجھتے ہو اور بڑی شمار کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ کی اس اجازت و رضامندی میں اس کے احسانات و انعامات کو نہیں دیکھتے تو تم کتنے برے اور کمینے غلام ہو اور کتنے بڑے جاہل ہو اللہ تعالیٰ ہی بہترین مددگار ہے اور اسی کی بارگاہ میں اس برائی کا حکم دینے والے نفس کی شکایت پیش کی جاتی ہے اور صرف اسی کی ذات پر بھروسہ کیا جاتا ہے تو یہ چند جملے ہیں انہیں یاد کرلو۔

فصل: اب ایک دوسرے طریقہ و مثال سے سمجھو کہ جب کوئی بہت بڑا بادشاہ تحفہ و تحائف پیش کرنے کی اجازت دیدے اور اس کی خدمت میں امراء و سلاطین اور کبراء اور رؤساء، عقلاء اور دولت مند حضرات قسم قسم کے قیمتی جواہر اور بہترین ذخیرے اور بے حساب مال و دولت کے تحائف پیش کرنے لگیں پھر اگر کوئی سبزی فروش معمولی قسم کی سبزی یا کوئی دیہاتی انگور کا خوشہ جس کی قیمت ایک پیسہ یا ایک دانہ برابر ہے لے کر ان بڑے بڑے رؤسا اور دولتمندوں کی جماعت میں گھس جائے جو بہترین اور عمدہ و قیمتی تحائف لے کر کھڑے ہیں اور بادشاہ کی خدمت میں بطور نذرانہ و ہدیہ پیش کرے پھر وہ بادشاہ اس فقیر و حقیر کا نذرانہ قبول کرلے اور اس کے لئے بہترین اور نفیس خلعت دینے اس کی عزت و احترام کا حکم دے تو کیا یہ اس بادشاہ کا اس کے ساتھ انتہائی فضل و کرم نہ ہوگا پھر اگر یہ فقیر اس ہدیہ کا بادشاہ پر احسان جتانے لگے اور اپنے اس ہدیہ پر اترائے اور اسے بہت بڑا سمجھے اور بادشاہ کے احسان و انعام کو فراموش کردے تو کیا ایسے شخص کو دیوانہ اور بدحواس یا بے وقوف اور بے ادب و گستاخ اور انتہائی جاہل و ناسمجھ نہیں کہا جائے گا؟ لہذا اب تم پر لازم ہے کہ جب تم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں رات کو قیام کرو (نماز پڑھو) اور دو رکعت نماز کی ادائیگی سے فارغ ہوکر غور و فکر کرو کہ اس رات

میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حضور کتنے خدام اس روئے زمین کے مختلف خطوں اور گوشوں میں کھڑے ہوں گے اسی طرح جنگلوں اور صحراؤں میں سمندروں اور پہاڑوں میں اور شہروں میں کتنے اللہ کے بندے بارگاہ الٰہی میں دست بستہ کھڑے ہوں گے اور کتنے صدیقین، خائفین، مشتاقین، مجتہدین اور عاجزی کرنے والوں کی جماعت اللہ تعالیٰ کے لئے کھڑی ہوں گی اور اس وقت اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے دربار میں کتنی ستھری عبادت اور کتنی خالص بندگی ڈرنے والی جانوں اور پاکیزہ زبانوں اور رونے والی آنکھوں اور خوفزدہ دلوں، کدورتوں سے پاکیزہ سینوں اور پرہیزگار اعضاء کی طرف سے پیش ہورہی ہوں گی اور تمہاری نماز اگرچہ تم نے اس کی حسن ادائیگی اور اس کے احکام اور اخلاص کی رعایت میں بھرپور کوشش کی ہوگی لیکن پھر بھی اس بادشاہ بزرگ و برتر کے دربار میں پیش ہونے کے لائق کہاں ہوگی اور ان عبادتوں کے مقابلے میں اس کی کوئی حقیقت نہیں جو وہاں پیش ہورہی ہیں اور کیوں نہ ہو کہ تم نے ان عبادتوں کو غافل دل سے ادا کیا ہے اور ان میں طرح طرح کے عیوب ونقائص بھی ہیں اور بدن بھی گناہوں کی پلیدی سے نجس وناپاک ہیں اور زبان قسم قسم کے گناہوں اور بیہودگیوں سے آلودہ ہیں تو ایسی ناقص نماز کہاں سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہونے کے قابل ہوگی اور اللہ رب العزت کے حضور ایسا ہدیہ پیش کرنے کی جرات کون کرسکتا ہے؟

ہمارے شیخ حضرت ابوبکر وراق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اے عقلمندو! غور کرو کیا تم نے کبھی آسمان کی طرف اپنی نماز بھیجتے وقت ایسی توجہ کی ہے جیسی تم مالداروں کے گھروں میں کھانا بھیجتے وقت کرتے ہو۔ حضرت ابوبکر وراق فرمایا کرتے تھے جب میں کسی نماز سے فارغ ہوتا ہوں تو میں اس عورت سے زیادہ شرمندہ وپشیمان ہوتا ہوں

جو عورت زنا سے فارغ ہو کر شرمندہ ہوتی ہے۔

پھر رب کریم سبحانہ وتعالیٰ محض اپنے فضل وکرم اور احسان سے ان دو رکعتوں کی قدر و منزلت بلند فرماتا ہے اور ان دو رکعتوں پر بے حد وحساب اجر وثواب کا وعدہ فرماتا ہے حالانکہ تو اس کا بندہ اور اسی کا دیا ہوا رزق کھاتا ہے اور یہ عبادت و بندگی بھی اس کی حسن توفیق اور اسی کی دی ہوئی آسانی وسہولت سے کرتا ہے ان عنایات کے باوجود تو اپنی بندگی اور عبادت پر اتراتا ہے اور تمہارے اوپر جو اللہ تعالیٰ کے احسانات ہیں انہیں فراموش کر دیتا ہے اللہ کی قسم! یہ انتہائی تعجب کی بات ہے ایسا کام اور اس قسم کا خیال صرف اسی جاہل و بے وقوف ہی سے صادر ہو سکتا ہے جس کے اندر کوئی سمجھ نہیں اور اس غافل سے جس کے پاس ذہن ہی نہ ہو یا اس مردہ دل انسان کا کام ہو سکتا ہے جس میں بھلائی نام کی کوئی چیز ہی نہ ہو ان جامع اصول کو اچھی طرح یاد کر لو ہم اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل وکرم کے وسیلہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں بہترین توفیق عطا فرمائے۔

فصل: پھر ان گزارشات کے بعد میں کہتا ہوں کہ اے لوگو! اس ریاء وعجب کی گھاٹی میں غفلت وسستی کرنے سے باز آ جاؤ ورنہ گھاٹے وخسارے میں رہو گے اس لئے کہ یہ گھاٹی بہت مشکل، دشوار، کڑوی اور بہت نقصان دہ ہے اور یہ گھاٹی عبادت و بندگی کی راہ میں تمہیں پیش آنی ہے کیونکہ یہ گزشتہ تمام گھاٹیوں کی جڑ اور بنیاد ہے اور ان کے نتائج یہیں آ کر ختم ہوتے ہیں اگر تم اس گھاٹی سے بچ کر نکل گئے تو تمہیں کامیابی ونفع حاصل ہوگا اور اگر تم نے دوسرا پہلو اختیار کر لیا (اس گھاٹی سے بچ نہ سکے) تو تمہاری تمام تر کوششیں رائیگاں اور برباد ہو جائیں گی اور امیدیں خاک میں مل جائینگی اور عمر عزیز برباد ہو جائے گی گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ اس گھاٹی میں تین اہم امور پیش نظر ہیں۔

پہلا معاملہ: یہ ہے کہ یہ معاملہ بہت دقیق و باریک ہے اور سخت نقصان دہ اور خطرناک ہے ان تینوں کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں (۱) معاملہ کی باریکی یہ ہے کہ اعمال میں ریاء و عجب کے راستے بہت ہی باریک ہیں کہ ان پر دینی امور میں بصیرت اور مہارت رکھنے والا، زندہ دل اور عقلمند و ہوشیار آدمی کے علاوہ کوئی شخص مطلع و آگاہ نہیں ہوسکتا ایک جاہل و مغرور اور احمق و غفلت کی نیند سونے والا ریاء اور عجب کی باریکیوں کو کیسے جان سکتا ہے

حکایت: میں نے چند علمائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ سے نیشاپور میں سنا ہے بیان کرتے ہیں کہ حضرت عطاء سلمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک بڑا عمدہ اور انتہائی خوبصورت کپڑا تیار کیا اور لے کر بازار گئے اور بزاز (کپڑا فروش) کو دکھایا تو اس نے بہت کم قیمت لگائی اور کہا اس کپڑے میں فلاں فلاں عیب ہے تو حضرت عطاء نے اس سے کپڑا واپس لے لیا اور بیٹھ کر رونے لگے اور خوب روئے تو اس بزاز کو اس بات پر شرمندگی ہوئی اور حضرت عطاء سے معذرت کرنے لگا اور حضرت عطاء کی لگائی ہوئی قیمت دینے کو تیار ہو گیا تو حضرت عطاء نے فرمایا میں اس لئے تھوڑی رو رہا تھا کہ تم اس کی قیمت بڑھا دو بلکہ میرے رونے کی وجہ یہ ہے کہ میں یہ کام جانتا ہوں میں نے اس کپڑے کو خود تیار کیا ہے اور اس کی مضبوطی اور درستگی اور عمدگی و خوبصورتی پر پوری پوری محنت و کوشش کی ہے کہ اس میں کسی قسم کا کوئی عیب و نقص نہ رہے مگر جب میں نے اس کے عیوب کو جاننے والے اور مہارت رکھنے والے کے سامنے پیش کیا تو اس کے وہ عیب ظاہر کر دیئے جن سے میں بے خبر و ناآشنا تھا تو ہمارے ان اعمال کا کیا حال ہوگا جب کل قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کیے جائیں گے معلوم نہیں ان میں کتنے عیوب و نقائص ظاہر ہوں گے جس سے آج ہم غافل و بے خبر ہیں۔

حکایت: ایک بزرگ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک رات سحری کے وقت شاہراہ عام کے ایک کمرے میں سورۂ طٰہٰ پڑھ رہا تھا جب میں نے یہ سورت ختم کرلی تو مجھے نیند آ گئی میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک آدمی آسمان سے اترا جس کے ہاتھ میں ایک صحیفہ تھا اس نے وہ صحیفہ میرے سامنے کھول کر رکھ دیا تو اس میں وہی سورت طٰہٰ لکھی ہوئی تھی اور ہر کلمہ کے نیچے دس نیکیاں لکھی ہوئیں تھیں مگر ایک کلمہ کی جگہ خالی تھی اور اس کے نیچے بھی کچھ مٹا ہوا نظر آ رہا تھا میں نے پوچھا اللہ کی قسم میں نے تو یہ کلمہ بھی پڑھا تھا مگر اس کا ثواب کیوں نہیں لکھا ہے۔ اور نہ یہ کلمہ لکھا ہوا ہے۔ اس شخص نے جواب دیا تم صحیح کہتے ہو یقیناً تم نے پڑھا تھا اور ہم نے لکھا بھی تھا مگر عرش سے ایک پکارنے والے کی پکار سنی اس نے کہا اس کلمہ کو مٹا دو اور اس کا ثواب بھی مٹا دو تو ہم نے اسے مٹا دیا وہ بزرگ کہتے ہیں میں اپنے خواب ہی میں رونے لگا اور میں نے اس آدمی سے پوچھا آخر تم نے ایسا کیوں کیا؟ اس شخص نے جواب دیا ایک آدمی یہاں سے گزر رہا تھا تو تم نے یہ کلمہ بلند آواز سے پڑھا (اسے سنانے کی غرض سے) اس لئے اس کا ثواب ختم کر دیا گیا لہٰذا اے میرے بھائیو! اسے اچھی طرح ذہن نشین کرلو۔

دوسرا معاملہ: دوسرا معاملہ سخت نقصان دہ ہے رہی معاملے میں نقصان کی شدت تو اس کی دو وجہ ہے۔

(۱) پہلی وجہ: یہ ہے کہ ریاء اور عجب وخود پسندی اتنی بڑی آفت و مصیبت ہے جو ایک لمحہ میں واقع ہو جاتی ہے تو بعض دفعہ ستر سال کی عبادتوں کو ضائع کر دیتی ہے۔

حکایت: بیان کیا جاتا ہے کہ ایک آدمی نے حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ساتھیوں کی دعوت کی تو اپنے گھر والوں سے کہا کہ اس تھال میں کھانا سجا کر لاؤ جو میں دوسرے حج کے موقع پر لایا تھا پہلے حج پر جو تھال لایا تھا اس میں نہیں تو حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی طرف غور سے دیکھا اور فرمایا اس مسکین نے اتنی سی بات میں اپنے دونوں حجوں کو باطل وضائع کر دیا۔

(۲) دوسری وجہ: شدت نقصان کی دوسری وجہ یہ ہے کہ تھوڑی سی عبادت و بندگی جو ریاء اور عجب سے پاک اور ستھری ہو تو اللہ تعالیٰ کے دربار میں اس عبادت کی اتنی قدر و قیمت ہے کہ جس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا اور بہت سی ایسی عبادتیں جن میں ریاء و عجب شامل ہو تو اس کی کوئی حقیقت اور قیمت نہیں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اسے بچا لے چنانچہ حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ مقبول عمل کبھی کم نہیں ہوتا اور مقبول عمل کیسے اور کیوں کر کم ہو سکتا ہے۔

حضرت ابو عمران ابراہیم بن یزید نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ فلاں فلاں عمل کا کتنا ثواب ہے؟ انہوں نے فرمایا جب وہ عمل قبول ہو جائے تو اس کے اجر و ثواب کی کوئی حد نہیں ہے۔

اور وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ تم سے پہلے (گزشتہ امتوں میں) ایک شخص تھا جس نے ستر سال تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کی اس طرح کہ ہفتہ کے دن سے روزہ رکھتا تو ہفتہ کے دن افطار کرتا اس نے اللہ تعالیٰ سے ایک ضرورت کا سوال کیا تو اس کی وہ حاجت وضرورت پوری نہ ہوئی وہ اپنے آپ کو ملامت کرنے لگا اور کہنے لگا کہ اگر تیرے پاس کوئی نیکی و بھلائی ہوتی تو تیری حاجت ضرور

پوری کر دی جاتی تو اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ بھیجا تو اس فرشتے نے کہا کہ اے آدم کے بیٹے! تیرا یہ وقت جب تو نے اپنے نفس کو ملامت کیا اور اس کو حقیر جانا وہ تیری گزشتہ تمام عبادتوں سے افضل و بہتر ہے۔

میں (امام غزالی) کہتا ہوں عقلمند اور سمجھدار آدمی کو وہب بن منبہ کی اس گفتگو پر غور کرنا چاہئے کیا یہ شدید نقصان نہیں کہ ایک شخص ستر سال تک عبادت کی محنت و مشقت برداشت کرے اور دوسرا آدمی ایک گھڑی فکر کرے تو اس کی ایک گھڑی کی فکر اس ستر سالہ عبادت سے افضل اور بہتر ہو جائے تو کیا یہ بہت بڑا نقصان نہیں کہ تو ایک گھڑی کی عبادت پر قادر ہے جو ستر سال کی عبادت سے زیادہ بہتر ہے اور تو اسے بغیر کسی حاجت کے چھوڑ دیتا ہے؟ اللہ کی قسم! کیوں نہیں بے شک یہ تو بہت بڑا نقصان ہے اور اس سے غافل اور بے خبر رہنا اس نقصان سے بھی بہت بڑا نقصان ہے اور ایسی خصلت جس کی یہ قدر و قیمت ہو اور ایسی خطرناک ہو تو اس خصلت سے بچنا اور پرہیز کرنا بہت ضروری ہے اور اسی معنی کی وجہ سے عابدوں میں سے عقلمند اور ہوشمند لوگوں کی نگاہیں ایسی باریکیوں پر ہوتی ہیں پھر اولاً وہ لوگ ایسی باریکیوں کو پہچاننے کا اہتمام کرتے ہیں پھر ثانیاً اس کی رعایت و حفاظت کا بھرپور خیال رکھتے ہیں اور ظاہری طور پر انہیں کثرت اعمال کی پرواہ و فکر نہیں ہوتی اور کہتے ہیں شان صفائی میں ہے کثرت میں نہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ ایک ہیرا ہزار کوڑیوں سے بہتر ہے لیکن جن لوگوں کا علم کم ہوتا ہے اور جو لوگ ان باریکیوں کے جاننے سے قاصر ہیں تو وہ ان حقائق سے بے خبر ہیں اور ایسے لوگ دلوں کے عیوب و بیماریوں سے بے خبر ہیں اور ایسے لوگ اپنی جانوں کو رکوع و سجود کی کثرت سے اور کھانے پینے وغیرہ سے روک کر تھکا دیتے ہیں تو انہیں

ان کے ظاہری اعمال کی کثرت اور تعداد نے دھوکا دے رکھا ہے اور انہوں نے اس بات کی طرف کوئی توجہ نہ دی اور نہ ہی غور کیا کہ اعمال کی صفائی اور پاکیزگی میں کس قدر فائدہ ہے اور ایسے اخروٹوں کی زیادتی میں کوئی فائدہ نہیں جن میں مغز و گودا نہ ہو اور ایسے مکانوں کی چھتوں کی بلندیاں کوئی نفع نہیں دیتیں جن کی بنیادیں مضبوط نہ ہوں اور ان حقائق کو علماء ہی جان سکتے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے روشن فرما دیا ہو اور اللہ تعالیٰ ہی اپنے فضل و کرم سے ہدایت کا والی و مددگار ہے۔

معاملے کے خطرات کا بڑا ہونا اور اس کی وجوہات: معاملہ کے خطرناک ہونے کی چند وجوہات ہیں۔

(۱) پہلی وجہ: یہ ہے کہ معبود حقیقی ایسا بادشاہ ہے جس کے جلال اور عظمت کی کوئی انتہا نہیں اور تم پر اس کے اس قدر انعامات و احسانات ہیں جو شمار اور بیان سے باہر ہیں اور تمہارا بدن خفیہ اور پوشیدہ عیبوں سے ملوث ہے اور بے شمار آفتوں سے بھرا ہوا ہے اور معاملہ خطرناک ہے اگر نفس کی جلد بازی کی وجہ سے اس میں کوئی غلطی و لغزش ہوگئی تو عیب دار بدن اور برائی کی طرف مائل و راغب ہونے والے اور برائی کا حکم دینے والے نفس سے کسی خالص عمل کے استخراج کی ضرورت ہوگی اس طریقہ پر کہ اللہ رب العالمین کے جلال اور اس کی عظمت کے لائق ہو اس کی نعمتوں اور احسانات کی کثرت کے بدلے پیش کرنے کے قابل ہو اور اس کے دربار میں پسندیدگی اور قبولیت کا شرف حاصل ہو جائے ورنہ تمہارا وہ عظیم الشان فائدہ فوت ہو جائے گا جس کا فوت ہونا کوئی نفس برداشت نہیں کر سکتا اور بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس کی وجہ سے ایسی مصیبت پہنچ جائے جسے برداشت کرنے کی تمہارے اندر طاقت نہ ہو اللہ

کی قسم یہ بہت ہی خطرناک چیز ہے۔

اور رہا اس بادشاہ کے جلال اور اس کی عظمت کا معاملہ تو وہ اس طرح ہے کہ مقربین ملائکہ ہر وقت رات و دن اس کی خدمت میں کھڑے رہتے ہیں یہاں تک کہ بعض ان میں سے اپنی پیدائش کے وقت ہی سے قیام میں ہیں اور بعض ان میں سے رکوع میں اور بعض سجدے میں اور بعض ان میں سے تسبیح و تہلیل میں مصروف ہیں تو قیام کرنے والے کا قیام اور رکوع کرنے والے کا رکوع اور سجدہ کرنے والے کا سجدہ اور تسبیح بیان کرنے والے کی تسبیح اور لا الہ الا اللہ کہنے والے کی تہلیل صور پھونکنے تک برابر رہیں گی لیکن پھر بھی ان کی عبادت پوری نہ ہوگی پھر جب یہ سارے فرشتے اس عظیم خدمت سے فارغ ہوجائیں گے تو سب کے سب پکار اٹھیں گے تو پاک ہے ہم تیری کما حقہ عبادت نہیں کرسکتے یعنی تیری عبادت کا حق ادا نہیں کرسکتے۔

اور یہ تمام رسولوں کے سردار اور ساری دنیا سے بہتر تمام مخلوق سے زیادہ جاننے والے اور فضیلت رکھنے والے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں ارشاد فرماتے ہیں 'میں تیری ثناء نہیں بیان کرسکتا جس ثناء کا تو مستحق ہے (احمد عن ابی اسامہ)

فرماتے ہیں میں تیری وہ ثناء نہیں بیان کرسکتا جس ثناء و تعریف کا تو مستحق ہے اور تیری وہ عبادت نہیں کرسکتا جس کا تو اہل ہے۔

اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں 'کوئی شخص اپنے عمل کی وجہ سے جنت میں نہیں داخل ہوگا صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا آپ بھی؟ فرمایا ہاں! میں بھی مگر اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ لیا ہے (صحیح البخاری، صحیح مسلم عن ابی ھریرۃ)

اور رہا اللہ تعالیٰ کے انعامات و احسانات کا اندازہ تو وہ خود فرماتا ہے: وَاِنْ تَعُدُّوْا

نِعۡمَتَ اللّٰہِ لَا تُحۡصُوۡھَاؕ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَظَلُوۡمٌ کَفَّارٌ (پ۱۳ سورۃ ابراھیم آیت۳۴) اور اگر تم اللہ کی نعمتیں گنو تو شمار نہ کر سکو گے۔

اور جیسا کہ حدیث میں آیا ہے: لوگوں کے اعمال کے تین دفتر ہوں گے (۱) نیکیوں کا دفتر (۲) برائیوں کا دفتر (۳) تیسرا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا دفتر اگر نیکیوں کا دفتر نعمتوں کے مقابل لایا جائے تو جو نیکی لائی جائے گی اس کے بدلے و مقابل میں نعمت رکھ دی جائے گی یہاں تک کہ نیکیاں نعمتوں ہی میں ختم ہو جائیں گی اور برائیاں اور گناہ باقی رہ جائیں گے تو اس میں اللہ کی مرضی ہے چاہے عذاب دے چاہے بخش دے۔

اور رہے نفس کے عیوب اور ان کی آفتوں کا معاملہ تو ہم نے اس کو نفس کے بیان (چوتھی گھاٹی) میں پہلے ذکر کر دیا ہے۔ اور خطرناک معاملہ تو یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں ستر سال تک مشغول رہتا ہے اور اس کی مشقتوں کو برداشت کرتا ہے لیکن وہ اپنے عیوب و نقائص اور برائیوں سے غافل و بے خبر ہوتا ہے اور بعض مرتبہ تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان میں سے ایک بھی عبادت مقبول نہیں ہوتی اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ سالہا سال محنت و کوشش کرتا ہے اور اسے ایک گھڑی ضائع و برباد کر دیتی ہے اور ان عیوب اور آفتوں سے بے خبر رہنے سے زیادہ خطرناک بات یہ ہوتی ہے کہ کبھی اللہ تعالیٰ بندے کو دیکھتا ہے اور بندہ اللہ تعالیٰ کی عبادت لوگوں کو دکھانے کے لئے کرتا ہے اس طرح کہ ظاہر میں تو یہ عبادت اللہ تعالیٰ کے لئے کرتا ہے اور باطن میں مخلوق کے لئے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے ایسا مردود قرار دیتا ہے کہ پھر کوئی اسے مقبول نہیں بنا سکتا اور اللہ تعالیٰ ہی اس سے پناہ عطا فرمائے۔

حکایت: میں نے بعض علماء رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق بیان کرتے سنا ہے کہ حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کو ان کے وصال کے بعد خواب میں دیکھا گیا تو ان سے ان کا حال پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے دربار میں کھڑا کرلیا اور فرمایا اے حسن بصری! کیا تمہیں یاد ہے کہ ایک دن تم مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے جب لوگوں نے تمہیں دیکھا تو تم نے اپنی نماز میں حسن وخوبی پیدا کرلی اگر تیری پہلی نمازیں خالص میرے لئے نہ ہوتیں تو آج میں تجھے اپنے دربار سے دھکا دے کر نکال دیتا اور تجھے اپنے سے بالکل علیحدہ کردیتا (والعیاذ باللہ)

اور جب خالص عبادت کا معاملہ مشقت اور دشواری وباریکی کی وجہ سے اس حد عظیم تک پہنچ گیا تو صاحب بصیرت و عقلمند لوگوں نے اس معاملے میں غور وخوض کیا اور اپنی جانوں پر ڈرتے رہے یہاں تک کہ ان میں سے بعض حضرات اپنے ان اعمال کی طرف توجہ بھی نہیں کرتے جو لوگوں پر ظاہر ہوجائیں یہاں تک کہ حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ میرا جو عمل ظاہر ہوجائے میں اسے شمار نہیں کرتی اور حضرت ابو یعقوب مکفوف فرماتے ہیں کہ اپنی نیکیوں کو اس طرح چھپاؤ جس طرح تم اپنی برائیوں کو چھپاتے ہو کسی اور بزرگ نے فرمایا اگر تم اپنی نیکیاں کسی خیمہ وغیرہ میں چھپا سکتے ہو تو چھپادو بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت رابعہ بصریہ رحمہا اللہ تعالیٰ سے پوچھا گیا آپ اپنے کونسے عمل پر سب سے زیادہ امید رکھتی ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ میں اپنے عمل کی بڑائی سے مایوسی پر امید رکھتی ہوں۔

حکایت: بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت ابو عبد اللہ محمد بن واسع اور حضرت مالک بن

دینار بصری رحمہا اللہ تعالیٰ کی آپس میں ملاقات ہوئی تو حضرت مالک نے کہا یا تو اللہ تعالیٰ کی عبادت ہوگی یا جہنم تو حضرت محمد بن واسع نے کہا یا تو اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوگی یا دوزخ تو حضرت مالک بن دینار نے کہا مجھے آپ سے بڑھ کر کسی اور معلم و استاد کی ضرورت نہیں۔

حکایت: حضرت ابو یزید طیفور بن عیسیٰ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے تیس سال تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کی مشقت برداشت کی تو میں نے ایک آدمی کو دیکھا جو مجھ سے کہہ رہا تھا اے ابو یزید! اس کے خزانے عبادت سے بھرے ہوئے ہیں اگر تم اس کی بارگاہ تک پہنچنا چاہتے ہو تو تم ذلت اور مسکینی اختیار کرلو۔

حکایت: میں نے استاد ابوالحسن سے سنا ہے وہ استاد حضرت ابوالفضل (رحمہا اللہ تعالیٰ) سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوالفضل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ میں جو کچھ اللہ تعالیٰ کی عبادت وطاعت کرتا ہوں وہ سب اللہ تعالیٰ کے دربار میں مقبول نہیں ہیں پھر ان سے پوچھا گیا کہ آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ آپ کے اعمال مقبول نہیں ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا اس لئے کہ کسی عمل کے مقبول ہونے کے لئے جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے انہیں میں یقینی طور پر جانتا ہوں اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ ان کو پورا نہیں کر رہا ہوں اس لئے میں نے جان لیا کہ میرا کوئی عمل مقبول نہیں ہے پھر ان سے پوچھا گیا کہ پھر آپ عمل کیوں کرتے ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ میری کسی دن اصلاح فرمادے اور نظر رحمت فرمادے تو نفس اچھے اور نیک عمل کرنے کا عادی ہوجائے تو اسے ابتداء سے نیک کام کا عادی بنانے کی ضرورت نہ پڑے (کچھ نہ کچھ عادت پڑی ہوگی اس لئے عمل چھوڑنے کی ضرورت

نہیں ہے) دیکھا تم نے کہ یہ ان بڑے بڑے لوگوں کا حال ہے جو ریاضت اور مجاہدے کے میدان کے شہسوار ہیں اور مشکل سے مشکل گھاٹیوں کو پار کرنے والے اور ثابت قدم رہنے والے ہیں تو تمہاری حالت شاعر کے اس قول کے مطابق ہے۔

فَاطْلُبْ لِنَفْسِكَ صُحْبَةٌ مَعَ غَيْرِهِمْ
وَقَعَ الْاِيَاسُ وَخَابَتِ الْاٰمَالُ

اپنے نفس کے لئے غیر مخلوق (اللہ تعالیٰ) کی صحبت تلاش کر کیونکہ مایوسی طاری ہوگئی ہے اور امیدیں ختم ہوچکی ہیں۔

هَيْهَاتَ تُدْرِكُ بِالتَّوَانِيْ سَادَةً
كَدُّوا النُّفُوْسَ وَسَاعَدَ الْاِقْبَالُ

افسوس کہ سستی کے بدلے سرداری کی خواہش کرتا ہے نفسوں سے کوشش کراؤ اور اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کرنے میں مدد کرو۔

پھر مجھے یاد آیا کہ میں اس باب میں وہ حدیث بیان کردوں جو صادق المصدوق صلوات اللہ علیہ وعلی الہ وسلامہ سے مروی ہے جس کو ہم نے بہت سی کتابوں میں بیان کیا ہے حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ حضرت خالد بن معدان سے روایت کرتے ہیں انہوں نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ مجھے آپ کوئی ایسی حدیث سنائیں جو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے خود سنی ہو اور آپ نے اسے یاد کیا ہو اور روزانہ ہر قسم کی شدت و سختی میں اس حدیث کا تذکرہ کرتے ہوں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہاں! ایسی حدیث میں بیان کرتا ہوں پھر حضرت معاذ بڑی دیر تک روتے رہے پھر فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کا شوق حد سے بڑھ گیا ہے پھر

فرمایا ایک مرتبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں تھا کہ آپ سواری پر سوار ہوئے اور مجھے بھی اپنے پیچھے بٹھالیا پھر ہم چلے تو آپ نے اپنی نگاہ مبارک آسمان کی طرف اٹھائی پھر فرمایا تمام خوبیاں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو اپنی مخلوق میں جو چاہتا ہے حکم فرماتا ہے سرکار نے فرمایا اے معاذ! میں نے عرض کیا لبیک یا سید المرسلین! (حاضر ہوں اے تمام رسولوں کے سردار) فرمایا اے معاذ! میں تم کو ایک ایسی بات بتاتا ہوں کہ اگر تم نے اسے یاد رکھا تو تمہیں فائدہ ہوگا اور اگر تم نے اسے ضائع کردیا تو اللہ عزو جل کی بارگاہ میں قیامت کے دن تمہاری حجت ختم ہوجائے گی اے معاذ! بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ نے آسمان وزمین کو پیدا فرمانے سے پہلے سات فرشتوں کو پیدا فرمایا ہر آسمان کے لئے اس کی شرافت وبزرگی کے اعتبار سے ایک فرشتہ خازن ودربان مقرر ہے پھر کراماً کاتبین بندوں کے اعمال لے کر (آسمان میں) چڑھتے ہیں اور اس عمل میں سورج کی طرح روشنی وچمک ہوتی ہے یہاں تک کہ آسمان دنیا یعنی پہلے آسمان پر پہنچ جاتے ہیں اور فرشتے اس عمل کو بہت زیادہ سمجھتے ہیں اور اس کی پاکیزگی وستھرائی اور توصیف بیان کرتے ہیں پھر جب وہ عمل کراماً کاتبین کے ساتھ دروازے پر پہنچتا ہے تو اسی دروازے کا دربان فرشتہ کراماً کاتبین سے کہتا ہے اس عمل کو عمل کرنے والے کے منہ پردے مارو میں غیبت کا فرشتہ ہوں میرے رب نے مجھے حکم فرمایا کہ میں اس شخص کا عمل اوپر نہ چڑھنے دوں جو لوگوں کی غیبت وچغلی کرتا ہے وہ مجھے چھوڑ کر دوسرے کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

پھر دوسرے دن فرشتے بندہ کا عمل لے کر اوپر چڑھتے ہیں ان کے پاس بہت اچھے اور منور اور روشن عمل ہوتے ہیں کراماً کاتبین اس عمل کو بہت زیادہ اور پاکیزہ تصور کرتے

ہیں یہاں تک کہ جب وہ دوسرے آسمان پر پہنچتے ہیں تو فرشتہ کہتا ہے ٹھہر جاؤ اور اس عمل کو کرنے والے کے منہ پر مار دو اس لئے کہ اس عمل سے اس کی نیت دنیا کمانے کی تھی اللہ تعالیٰ کی رضاء جوئی نہ تھی میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں ایسے بندے کا عمل اوپر نہ جانے دوں جو مجھے چھوڑ کر کسی اور کی طرف متوجہ ہوتا ہے پھر فرشتے شام تک اس پر لعنت بھیجتے رہتے ہیں۔

پھر فرشتے (کراماً کاتبین) بندے کا عمل اوپر لے جاتے ہیں اور اس عمل سے بہت خوش ہوتے ہیں ان اعمال میں صدقہ، روزہ اور اس کے علاوہ بہت سی نیکیاں ہوتی ہیں جسے فرشتے بہت زیادہ سمجھتے ہیں اور پاکیزہ جانتے ہیں جب وہ تیسرے آسمان تک پہنچتے ہیں تو دربان فرشتہ کہتا ہے ٹھہر جاؤ اور اس عمل کو اس کے کرنے والے کے منہ پر مار دو میں تکبر والوں کا فرشتہ ہوں مجھے میرے رب نے حکم فرمایا ہے کہ میں کسی بھی ایسے بندے کا عمل اوپر نہ جانے دوں جو میرے علاوہ کسی اور کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور یہ شخص لوگوں پر ان کی مجلسوں میں اپنی بڑائی بیان کرتا ہے اور کراماً کاتبین بندے کا عمل لے کر اوپر چڑھتے ہیں وہ عمل بہت زیادہ روشن و چمکدار ستاروں کی طرح چمکتے ہیں ان اعمال میں سے ہلکی سی آواز آتی ہے اور ان میں تسبیح، روزے، نماز اور حج اور عمرہ ہوتے ہیں پھر جب چوتھے آسمان پر پہنچتے ہیں تو اس آسمان کا فرشتہ جو وہاں کے لئے متعین ہے کہتا ہے ٹھہر جاؤ اور اس کا یہ عمل اس کے منہ پر مار دو میں عجب وخود پسندی اور (اپنی عبادت پر) اترانے والوں کا فرشتہ ہوں مجھے میرے رب نے حکم دیا ہے کہ میں اس بندے کے عمل کو اوپر نہ جانے دوں جو میرے غیر سے نفع حاصل کرتا ہے بے شک یہ شخص جب بھی کوئی عمل کرتا تو اس پر اتراتا۔ وہ فرشتے شام تک اس پر لعنت کرتے

رہتے ہیں۔

پھر فرشتے بندے کا عمل لے کر اوپر چڑھتے ہیں وہ عمل اس طرح مزین و آراستہ ہوتے ہیں جیسے دلہن اپنے شوہر کے پاس جانے کے وقت سجتی اور آراستہ ہوتی ہے حتیٰ کہ کراماً کاتبین ان اعمال کو لے کر پانچویں آسمان تک پہنچتے ہیں جن اعمال میں جہاد، حج اور عمرہ وغیرہا جیسے عمدہ و بہترین اعمال ہوتے ہیں اور وہ اعمال سورج کی طرح روشن و منور ہوتے ہیں تو پانچویں آسمان کا فرشتہ کہتا ہے میں حسد کرنے والے کا فرشتہ ہوں یہ شخص لوگوں سے ان چیزوں پر حسد کرتا تھا جو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے فضل و کرم سے عطا فرمائی ہیں۔تو یہ شخص ان سے ناراض ہے جن سے اللہ تعالیٰ راضی و خوش ہے۔ مجھے میرے رب نے حکم دیا ہے کہ میں اس بندے کا عمل اوپر نہ جانے دوں جو مجھے چھوڑ کر دوسروں کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

پھر فرشتے بندے کا عمل لے کر اوپر جاتے ہیں ان اعمال میں عمدہ وضو اور بہت ساری نمازیں، روزہ، حج اور عمرہ ہوتے ہیں یہاں تک کہ وہ فرشتے اعمال لے کر چھٹے آسمان تک پہنچتے ہیں تو اس آسمان کا نگہبان کہتا ہے کہ میں رحمت کا فرشتہ ہوں اس عمل کو کرنے والے کے منہ پر دے مارو کہ اس نے کبھی کسی انسان پر رحم نہیں کیا اگر کسی بندے پر کوئی مصیبت پہنچتی تو یہ اس کی مصیبت پر خوش ہوتا مجھے میرے رب نے حکم دیا ہے کہ میں ایسے بندے کا عمل اوپر نہ جانے دوں جو میرے سوا کسی اور کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

پھر فرشتے بندے کا عمل لے کر اوپر چڑھتے ہیں اس میں بہت سے صدقات، روزہ، نماز اور جہاد اور تقویٰ و پرہیزگاری ہوتی ہیں اس عمل کی آواز رعد کی طرح ہوتی ہے اور بجلی کی روشنی کی طرح روشن ہوتی ہے جب وہ فرشتے اس عمل کو لے کر ساتویں

آسمان تک پہنچتے ہیں تو ساتویں آسمان پر متعین دربان فرشتہ کہتا ہے میں ذکر کا فرشتہ ہوں یعنی اپنی عبادت لوگوں میں سنانے اور شہرت کے لئے کرنے والوں کا فرشتہ ہوں اس نے اس عمل سے مجلس میں اچھا کہے جانے اور شہرت اور دوستوں میں بلندی اور بڑوں اور علماء کے نزدیک جاہ ومرتبہ حاصل کرنے کی نیت کی تھی میرے پروردگار نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اس بندہ کے عمل کو اوپر نہ جانے دوں کہ میرے سوا اوروں کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور ہر وہ عمل جو خالص اللہ تعالیٰ کے لئے نہ ہو وہ ریا ہے اور اللہ تعالیٰ ریا کار کا عمل قبول نہیں فرماتا۔

اور کراماً کاتبین بندے کے اعمال نماز' روزہ' زکوٰۃ' حج' عمرہ' اعمال حسنہ فضول باتوں سے خاموشی اور اللہ تعالیٰ کا ذکر لے کر اوپر جاتے ہیں اور ساتوں آسمان کے فرشتے ان کی اتباع میں ہوجاتے ہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے دربار کے تمام حجابات (پردے) ختم ہوجاتے ہیں پھر یہ فرشتے اللہ جل جلالہ کی بارگاہ میں بے حجاب کھڑے ہوجاتے ہیں اور یہ سب کے سب فرشتے اس بندے کے لئے گواہی دیتے ہیں کہ اس کے اعمال نیک اور خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تم سب میرے بندے کے عمل پر نگراں ہو اور میں اس کے دل میں جو کچھ ہے اس کا نگران اور محافظ ہوں بے شک اس بندے نے اس عمل سے مجھے خوش اور راضی کرنے کی نیت نہ کی تھی بلکہ اس بندہ کا میرے سوا دوسروں کو خوش کرنا مقصود تھا اس نے میرے لئے خالص عمل نہیں کیا اور میں خوب جانتا ہوں کہ اس نے اس عمل سے کیا نیت وارادہ کیا ہے اس پر میری لعنت ہو اس نے لوگوں کو بھی دھوکہ دیا اور تمہیں (فرشتوں کو) بھی دھوکہ دیا لیکن مجھے دھوکہ نہیں دے سکتا میں تو علام الغیوب (غیب کی خبریں جانتا) ہوں' دلوں کے

خطرات سے بھی باخبر ہوں مجھ سے کوئی چیز پوشیدہ اور چھپی ہوئی نہیں ہے اور کوئی چھپی چیز مجھ سے اوجھل و غائب نہیں ہوتی آئندہ ہونے والی چیز کو اس طرح جانتا ہوں جس طرح گزری ہوئی چیزوں کو جانتا ہوں (گزری ہوئی چیزوں کو موجودہ چیزوں کی طرح جانتا ہوں) اور میں پہلے کے لوگوں کو اسی طرح جانتا ہوں جس طرح بعد والوں کو جانتا ہوں میں پوشدہ باتوں اور دلوں کے ارادوں سے اچھی طرح واقف و باخبر ہوں تو بتاؤ میرا بندہ مجھے اپنے عمل سے کیسے دھوکا دے سکتا ہے؟ دھوکہ تو اس مخلوق کو دیا جا سکتا ہے جو کچھ نہ جانتے ہوں اور میں تو تمام چھپی ہوئی چیزوں کو بخوبی جانتا ہوں اس بندے پر لعنت ہو اور ساتوں آسمان کے فرشتے اور تین ہزاران کے متبعین فرشتے عرض کرتے ہیں اے ہمارے رب! تیری اور ہماری لعنتیں برستی رہیں تو ساتوں آسمان والے کہتے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت اور تمام لعنت کرنے والوں کی لعنت ہو پھر حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ رونے لگے اور چیخ چیخ کر روئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے جو کچھ بیان فرمایا ہے اس سے نجات اور چھٹکارا حاصل کرنے کی کیا صورت ہے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے معاذ! یقین میں اپنے نبی کی اقتداء اور پیروی کرو میں (حضرت معاذ) نے عرض کیا آپ تو اللہ کے رسول ہیں یعنی آپ معصوم ہیں اور میں تو معاذ بن جبل ہوں (معصوم نہیں ہوں) مجھے کیسے نجات اور چھٹکارا حاصل ہو سکتا ہے؟ حضور نے فرمایا ہاں! اے معاذ! اگر تمہارے عمل میں کمی و کوتاہی ہو تو تم اپنی زبان کو لوگوں کی غیبت سے روکو اور خصوصیت کے ساتھ اپنے قرآن پڑھنے والے بھائیوں سے اور تمہارے وہ عیوب جنہیں تم جانتے ہو وہ تمہیں لوگوں کی غیبت و برائیوں سے روکیں اور اپنے بھائیوں کی برائی بیان کر کے اپنی تعریف و پاکیزگی نہ بیان کرو اور اپنے

بھائیوں کو ذلیل ورسوا کر کے اپنی بڑائی نہ کرو اور اپنے آپ کو بلند واونچا نہ کرو اور اپنے عمل میں ریاء کاری نہ کرو کہ تم لوگوں میں پہچانے جاؤ اور دنیا میں اس طرح مشغول نہ ہو کہ تم آخرت کا معاملہ بھول جاؤ اور جب تمہارے پاس دو آدمی ہوں تو کسی ایک سے سرگوشی یا چھپ کر بات نہ کرو اور لوگوں پر بڑائی حاصل کرنے کی کوشش نہ کرو کہ دنیا و آخرت دونوں کی بھلائیاں تم سے چھن جائیں اور تم اپنی مجلس میں فحش اور بے حیائی کی باتیں نہ کرو کہ لوگ تمہاری بداخلاقی کی وجہ سے تم سے گریز کرنے لگیں اور لوگوں پر احسان نہ جتاؤ اور لوگوں کی اپنی زبان سے غیبت وبرائی کر کے انکا پردہ چاک نہ کرو کہ جہنم کے کتے تمہیں پھاڑ ڈالیں گے۔

اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اپنے مقدس کلام میں فرمایا: وَ النّٰشِطٰتِ نَشْطًا (پ۳۰ سورۃ النازعات آیت۲) اور نرمی سے بند کھولیں۔ یعنی مومنین کی جانیں نرمی کے ساتھ نکالیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جہنم کے کتے گوشت کو ہڈیوں سے جدا کر دیں گے۔

میں (حضرت معاذ) نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! ان خصلتوں پر کون کار بند رہ سکتا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے معاذ! میں نے تم سے جو کچھ بیان کیا ہے وہ اس شخص پر آسان ہے جس پر اللہ تعالیٰ آسان فرمائے اور ان خصلتوں میں سے تمہارے لئے یہی کافی ہے کہ تم لوگوں کے لئے وہی چیز پسند کرو جو تم اپنے لئے پسند کرتے ہو اور جو تم اپنے لئے ناپسند کرتے ہو وہ لوگوں کے لئے بھی ناپسند کرو جب تم یہ صورت اختیار کرلو گے تو تم تمام ہلاکتوں سے نجات پا جاؤ گے۔

حضرت خالد بن معدان رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ جس کثرت سے اس حدیث کو بیان فرماتے قرآن کریم کی بھی اتنی کثرت سے تلاوت نہ فرماتے

اور اس کا ذکر اپنی مجلسوں میں کرتے اے لوگو! جب تم نے یہ حدیث سن لی اور تم میں سے ہر ایک شخص ویسا ہی ہے جس کا اس عظیم حدیث میں ذکر ہوا تو جب تم نے یہ حدیث سن لی گویا تم نے بہت بڑی خبر سن لی جس کا خطرہ وانجام بہت دردناک ہے جس کے اثر سے دل اڑنے لگتے ہیں اور عقلیں پریشان ومتحیر ہوجاتی ہیں ان امور کے اٹھانے سے سینے تنگ ہیں اور اس کی ہیبت سے نفوس گبھراتے ہیں تو اپنے آقا ومولیٰ کی رحمت کا دامن مضبوطی سے پکڑلو جو سارے جہان کا معبود ہے اور عاجزی وانکساری اور رات و دن آہ وزاری کرنے والوں کے ساتھ آہ وزاری کرکے اپنے مولیٰ کے دروازۂ رحمت کو تھام لو اس لئے کہ ان معاملات سے نجات اور چھٹکارہ صرف اسی کی رحمت سے وابستہ ہے اور اس عظیم ومشکل سمندر سے حفاظت وسلامتی صرف اسی کی نظر کرم اور اسی کی توفیق وعنایت کے ذریعے حاصل ہوسکتی ہے لہذا غفلت کی نیند سے بیدار ہوجاؤ اور اس کام کا حق ادا کردو اور اس خوفناک گھاٹی میں اپنے نفوس سے جہاد کروتا کہ تم ہلاک ہونے والوں کے ساتھ ہلاک نہ ہوجاؤ۔

اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ ہی سے مدد مانگو بے شک وہ بہترین مددگار ہے اور وہی تمام رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے گناہوں سے بچنے کی اور اس کی عبادت و بندگی کرنے کی قوت وطاقت بھی صرف اللہ بلند وبرتر ہی کی توفیق سے ہے۔

فصل: حاصل کلام یہ ہے کہ جب تم نے اچھی طرح دیکھ لیا اور اللہ تعالیٰ کی طاعت و عبادت کی قدر ومنزلت کا اندازہ لگالیا اور تم نے مخلوق کی عاجزی اور ان کی کمزوری اور ان کی جہالت بھی ملاحظہ کرلی لہذا اپنے دل سے ان کی طرف توجہ مت کرو اور ان کی تعریف وتوصیف اور ان کی مدح وثنا اور ان کی تعظیم وتوقیر سے بے نیاز ہوجاؤ کہ ان

میں کوئی فائدہ نہیں ہے اس لئے ان باتوں میں سے کسی بات کا بھی اپنی عبادت و بندگی میں ارادہ نہ کرو اور جب تمہیں دنیا کی کمینگی اور اس کی حقارت اور اس کے بہت جلد ختم ہونے کا علم ہو گیا تو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں بھی اس کی طرف دھیان نہ دو اور اپنے نفس سے کہو اے نفس! اللہ رب العالمین کی حمد و ثنا کرنا اور اس کا شکر ادا کرنا عاجز اور جاہل مخلوق کی مدح و ثنا سے بدرجہا بہتر ہے جو مخلوق حقیقت میں تیرے عمل کی قدر و قیمت کو جانتے ہی نہیں اور وہ اس بات سے بھی بے خبر ہیں کہ تمہیں اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کیا کیا مشقتیں پڑیں اور تمہارے اعمال میں تمہارے حق کی اور تمہاری مشقتوں میں تمہارے حق کی رعایت نہیں کرتے بلکہ بعض اوقات تم پر کسی ایسے آدمی کو فوقیت و فضیلت دیتے ہیں جو آدمی تم سے ہزارہا درجے کمتر اور حقیر اور ذلیل ہے اور انتہائی ضرورت کے وقت تمہیں فراموش کر دیتے ہیں اور اگر ایسا نہ بھی کریں تو ان کے بس میں کچھ بھی نہیں ہے اور ان کی طاقت و قدرت کی کہاں تک رسائی ہے پھر وہ بھی تو اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہیں اللہ تعالیٰ انہیں جیسے چاہے اور جدھر چاہے پھیر دے لہذا اے نفس ذرا عقل و سمجھ سے کام لے اور اپنی عزیز طاعت اور پیاری عبادت کو اس مخلوق کی وجہ سے ضائع و برباد نہ کر اور تجھ سے اس کی ثنا فوت نہ ہو گی جس کی ثنا فخر کل ہے اور اس کی عطائیں تجھ سے فوت و ضائع نہ ہوں گی جس کی عطائیں مکمل ذخیرہ ہیں کسی شاعر نے بالکل سچ کہا ہے۔

سَهَرُ الْعُيُوْنِ لِغَيْرِ وَجْهِكَ بَاطِلٌ
وَبُكَاؤُهُنَّ لِغَيْرِ فَقْدِكَ ضَائِعُ

تیری ذات کی یاد (کے سوا آنکھوں کا جاگنا باطل ہے اور تیرے فراق (کے غم) کے

سوا آنکھوں کا رونا ضائع و بے کار ہے۔
اور اپنے نفس سے کہو اے نفس! کیا ہمیشگی کی جنت بہتر ہے یا دنیا کی مختصر حرام پونجی اور دنیا کے تھوڑے فانی اسباب۔ حالانکہ تجھے اس بات کی طاقت اور قدرت ہے کہ تجھے تیری طاعت و عبادت کے بدلے ہمیشگی کی نعمتیں حاصل ہوں لہذا اے نفس! تو خسیس اور کمزور ہمت والا نہ ہو کیا تو نہیں دیکھتا کہ کبوتر جب فضاء کی بلندی میں اڑتا ہے تو اس کی قدر و منزلت بڑھ جاتی ہے اور اس کی قیمت زیادہ ہو جاتی ہے اس لئے تو اپنی تمام تر ہمت آسمان کی طرف بلند کر اپنے دل کو اس ایک اللہ تعالیٰ کے لئے خالی کر دے جس کے قبضہ میں تمام امور ہیں اور بے کار چیزوں کی وجہ سے اپنی کمائی ہوئی عبادت و طاعت کو ضائع نہ کر اور اسی طرح جب تو اچھی طرح غور و فکر کر لے گا تو اللہ کی نعمتیں اور بڑے بڑے احسانات اس طاعت میں اپنے اوپر دیکھے گا اولاً تجھے طاعت کے اسباب عطا فرمائے گا پھر ثانیاً تیری الجھنوں اور پریشانیوں کو دور فرمائے گا یہاں تک کہ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے فارغ ہو جائے گا ثالثاً اس کے بعد اللہ تجھے اپنی تائید و توفیق سے خاص فرمائے گا اور عبادت تیرے لئے آسان فرما دے گا اور اللہ تعالیٰ اس طاعت کو تیرے دل میں اس طرح مزین فرما دے گا کہ تو اس کی طاعت پر کاربند ہو جائے گا پھر رابعاً وہی اپنی عظمت و جلال اور تجھ سے اور تیری طاعت و عبادت سے اور تجھ پر اپنی نعمتوں کی کثرت سے بے نیازی کے باوجود تجھے اس مختصر اور معمولی عمل پر اس قدر ثنا جمیل اور ثواب عظیم عطا فرمائے گا جس کا تو کسی طرح مستحق بھی نہیں ہے پھر خامساً وہ تیرے اس معمولی عمل و کوشش کی جزا عطا فرمائے گا اور اس معمولی سے عمل پر تیری ثنا جزیل فرمائے گا اور اس عمل کی وجہ سے تجھے مقام محبوبیت عطا فرمائے گا یہ سب کچھ

صرف اپنے فضل عظیم کی وجہ سے عطا فرمائے گا کسی اور وجہ سے نہیں ورنہ تیرا کون سا حق ہے اور تیرے اس حقیر اور عیب دار عمل کی کیا قدر و قیمت ہے لہذا اے نفس! اپنے رب کریم و رحیم سبحانہ وتعالیٰ کے احسان کو یاد کر کہ اس نے تجھ پر اپنی طاعت وعبادت کی بجا آوری میں کس قدر احسان فرمایا اور اے نفس! اپنے عمل کی طرف توجہ کرنے سے شرم کر بلکہ ہر حال میں ہمارے اوپر اللہ تعالیٰ ہی کا فضل و احسان ہے اور اس طاعت کے حصول کے بعد اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حضور تیرا شغل عاجزی و انکساری کے سوا کچھ نہیں ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس طاعت وعبادت کو قبول فرمالے اے نفس! کیا تو نے اللہ کے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول نہیں سنا کہ جب بیت اللہ شریف کی تعمیری خدمت سے فارغ ہوئے تو کس طرح اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں روئے گڑگڑائے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسے قبولیت کا شرف بخشا تو حضرت ابراہیم نے عرض کی: رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (پ۱ سورۃ البقرۃ آیت ۱۲۷)

اے ہمارے رب! ہماری توبہ قبول فرما بے شک تو سنتا جانتا ہے۔

اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی دعا سے فارغ ہوئے تو عرض کیا: رَبَّنَا وَ تَقَبَّلْ دُعَآءِ (پ۱۳ سورۃ ابراھیم آیت ۴۰) اے ہمارے رب! اور میری دعا سن لے۔

پھر اے نفس! اگر اللہ تعالیٰ نے اس حقیر اور کھوٹی عبادت کو قبول فرما کر احسان و اکرام فرمایا تو اس نے اپنی نعمت کو پورا فرما دیا اور اس نے احسان عظیم فرمایا تو یہ کتنی اچھی سعادت، دولت، عزت اور رفعت و بلندی کا مقام ہے اور اس وقت یہ خلعت اور نعمت اور ذخیرہ اور کرامت تجھ پر کتنی زیب دے گی اور اگر دوسرا طریقہ ہوا تو اس میں خسارہ اور نقصان اور محرومی ہے لہذا اے نفس! تیار ہو اور اس انعام و اکرام والے طریقہ میں

مشغول ہوجا جب تم اس قسم کے عمل پر ہمیشگی کروگے اور اپنی طاعت وعبادت سے فارغ ہوتے وقت اپنے دل پر اس کی بار بار تکرار کرتے رہوگے اور اللہ عزوجل سے مدد طلب کروگے تو وہ تمہیں مخلوق اور نفس کی طرف متوجہ ہونے سے بچالے گا اور تمہیں ریاء کاری اور عجب میں مشغول ہونے سے محفوظ رکھے گا اور تمہیں اللہ تعالیٰ اس مواظبت اور ہمیشگی کی وجہ سے خالص اپنی عبادت وبندگی کے لئے تیار کردے گا اور ہر حال میں اپنے احسانات وانعامات کے ذکر پر قائم فرمادے گا اور تمہیں ظاہری طاعات وعبادات حاصل ہوں گی جو امید کے قابل ہوں اور ہر قسم کے عیب ونقص سے پاک ہوں اور ایسی خالص نیکیاں حاصل ہوں گی جو امید کے قابل ہوں جس میں کسی قسم کی آمیزش نہ ہوگی اور ایسی مقبول عبادتیں نصیب ہوں گی جن میں کوئی عیب ونقص نہ ہوگا بلکہ اگر ایسی طاعت وعبادت زندگی میں صرف ایک بار میسر ہوجائے پھر اس کے بعد کبھی میسر نہ ہو جب بھی یہ عبادت حقیقت میں بہت ہے میری عمر کی قسم! اگرچہ ایسی خالص عبادت وطاعت شمار میں کم ہو لیکن اس کے معنی بہت ہیں اور اس کی قدر ومنزلت عالی شان ہے اور نفع بہت زیادہ ہے اور اس کا انجام بہت اچھا ہے اور اس جیسی عمدہ توفیق ملنا بہت عزیز وپیاری ہے اور اس جیسی عبادت کی توفیق مل جانا بھی بندے پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے پھر اس تحفہ سے بڑا تحفہ کونسا تحفہ ہوسکتا ہے جس کو اللہ رب العالمین قبول فرمالے اور اس کوشش وعمل سے بہتر کونسی کوشش اور کونسا عمل ہوسکتا ہے جس کی تعریف خود بے قراروں کی دعائیں قبول کرنے والا کرے اور جس کوشش پر رب العلمین مدح وثنا فرمائے اور اس پونجی سے زیادہ معزز کونسی پونجی ہوسکتی ہے جسے رب العلمین پسند فرمائے اور جس سے رب العلمین راضی ہو لہذا اے مسکینو! ڈرو اور

ہوشیار رہو جاؤ کہ تم گھاٹا اٹھانے والوں میں سے نہ ہو جاؤ اور جب معاملہ اس حد تک پہنچ جائے گا کہ تمہاری عبادت مذکورہ بالا صفات سے متصف ہو جائے تو تم اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے مخلص، اس کے عذاب سے ڈرنے والے اور اللہ تعالیٰ کے احسانات و انعامات کو یاد رکھنے والے لوگوں میں سے ہو جاؤ گے اور تم اس خطرناک گھاٹی کو اپنے پیچھے چھوڑ جاؤ گے یعنی اس خطرناک گھاٹی کو عبور کرلو گے اور اس خطرناک گھاٹی کی آفتوں سے محفوظ ہو جاؤ گے اور اس کی بھلائیاں اور اس کے ثمرات اپنے ساتھ لے جاؤ گے اس کی کرامتوں اور شرافتوں پر ہمیشہ کے لئے فائز و کامیاب رہو گے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی اپنے فضل و کرم سے توفیق عطا فرمانے میں اور گناہوں سے بچانے میں بہترین والی و مددگار ہے عبادت کرنے کی اور گناہوں سے بچنے کی طاقت و قوت نہیں مگر اللہ بلند و برتر کی توفیق سے۔

ساتویں گھاٹی حمد و شکر کا بیان

پھر تم پر ان مذکورہ چھ گھاٹیوں کو عبور کرنے کے بعد اور ایسی عبادت کے حاصل کرنے کے بعد جو مذکورہ ہر قسم کی آفتوں اور برائیوں سے پاک و منزہ ہو اس نعمت عظیمہ اور احسان کریمہ پر حمد و شکر بجالانا بھی واجب و ضروری ہے اللہ تعالیٰ تمہیں اور ہمیں اس کی نیک توفیق عطا فرمائے۔

اور حمد و شکر کا بجالانا تم پر دو وجہوں سے لازم ہے۔

(۱) پہلی وجہ... نعمت عظیمہ کے دوام کے لئے۔

(۲) دوسری وجہ.... زیادہ حاصل ہونے کے لئے۔

لیکن نعمت کا دوام اس لئے ضروری ہے کہ شکر کرنا نعمتوں کو مقید کرنا ہے اس شکر کی وجہ

سے یہ نعمتیں دائم و برقرار رہتی ہیں اور شکر ترک کر دینے کی وجہ سے وہ نعمتیں بھی زائل و ختم ہو جاتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ ط (پ۱۳ سورۃ الرعد آیت ۱۱) بے شک کسی قوم سے اللہ اپنی نعمت نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اپنی حالت نہ بدلے۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: بِاَنْعُمِ اللّٰہِ فَاَذَاقَھَا اللّٰہُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ (پ۱۴ سورۃ النحل آیت ۱۱۲) تو وہ اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرنے لگی تو اللہ نے اسے یہ سزا چکھائی کہ اسے بھوک اور ڈر کا لباس پہنایا۔

اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے: مَا یَفْعَلُ اللّٰہُ بِعَذَابِکُمْ اِنْ شَکَرْتُمْ وَ اٰمَنْتُمْ (پ۵ سورۃ النساء آیت ۱۴۷) اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا اگر تم حق مانو اور ایمان لاؤ۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: بے شک نعمتیں بھی وحشی جانوروں کی طرح بھاگتی ہیں لہذا انہیں شکر کے ذریعے پابند و مقید کرو۔

اور رہا نعمتوں کا زیادہ حاصل ہونا تو جب شکر نعمتوں کی زنجیر ہے تو شکر بہت زیادہ پھل دیتا ہے اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَلَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ (پ۱۳ سورۃ ابراھیم آیت ۷) اگر احسان مانو گے تو میں تمہیں اور زیادہ دوں گا۔

اور دوسرے مقام پر ارشاد فرماتا ہے: وَالَّذِیْنَ اھْتَدَوْا زَادَھُمْ ھُدًی وَّاٰتٰھُمْ تَقْوٰھُمْ (پ۲۶ سورۃ محمد آیت ۱۷) اور جنہوں نے ہدایت پائی تو اللہ نے ان کی ہدایت اور زیادہ فرمادی۔

ایک اور مقام پر فرماتا ہے: وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا ط وَاِنَّ اللّٰہَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ (پ۲۱ سورۃ العنکبوت آیت ۶۹) اور جن لوگوں نے ہماری راہ میں کوشش کی ہم انہیں اپنے راستے ضرور دکھائیں گے۔ پھر جب حکمت والا آقا اپنے غلام کو دیکھتا ہے کہ وہ اس کی نعمت کا حق ادا کر رہا ہے تو اس غلام پر اور زیادہ احسان و انعام فرماتا ہے اور وہ آقا اس غلام کو اس کا اہل سمجھتا ہے اور اگر غلام آقا کی نعمت کا حق ادا نہ کرے تو آقا اس غلام سے اپنی نعمتیں چھین لیتا ہے۔

نعمتوں کی قسمیں

نعمتوں کی دو قسمیں ہیں (۱) دنیاوی (۲) دینی

پھر دنیوی نعمت کی دو قسمیں ہیں (۱) نفع کی نعمت (۲) دفع کی نعمت

نفع کی نعمت: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں مصلحت اور نفع کی چیزیں عطا فرمائے پھر منافع کی دو قسمیں ہیں (۱) پیدائشی اعتبار سے کامل اس خلقت کی سلامتی و عافیت میں (۲) مرغوب شہوت ولذت والی چیزیں مثلاً کھانے' پینے' لباس اور نکاح وغیرہ کے فوائد۔

دفع کی نعمت: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فساد و خرابی پیدا کرنے والی اور تکلیف دینے والی چیزوں کو تم سے پھیر دیتا ہے۔

دفع کی نعمت کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) پہلی قسم نفس میں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں آفتوں اور بیماریوں سے محفوظ رکھے۔

(۲) دوسری قسم یہ ہے کہ ان چیزوں کا دفع کرنا جن سے تمہیں کوئی نقصان پہنچ سکے یا کوئی انسان یا جن یا موذی جانور تجھے برائی یا تکلیف پہنچانے کا قصد و ارادہ کریں۔

اور رہیں دینی نعمتیں تو اس کی بھی دو قسمیں ہیں

(۱) نعمت توفیق (۲) نعمت عصمت

نعمت توفیق: وہ نعمت دینی ہے کہ اللہ تعالیٰ پہلے تمہیں اسلام کی توفیق دے پھر سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع و پیروی کی پھر طاعت وعبادت کی توفیق عطا فرمائے۔

نعمت عصمت: یہ ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ تجھے کفر وشرک سے محفوظ رکھے پھر بدعت وگمراہی سے پھر تمام گناہوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اوراس نعمت دنیوی اور دینی کی تفصیل اس کائنات کے مالک جل جلالہ کے سوا کوئی نہیں جانتا جس نے تم پر بے شمار احسانات وانعامات فرمائے ہیں چنانچہ اللہ بزرگ و برتر ارشاد فرماتا ہے: وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ط (پ۱۳ سورۃ ابراھیم آیت ۳۴) اوراگر تم اللہ کی نعمتیں شمار کرو تو شمار نہ کرسکو گے۔

اور تمام نعمتوں کا دائمی ہونا اسی وقت ہوسکتا ہے جب اللہ تعالیٰ تم پر ان نعمتوں کا احسان فرمائے اور ان نعمتوں میں ہر طریقہ سے زیادتی واضافہ فرمائے کہ جن نعمتوں کو تمہارا وہم وگمان بھی شمار نہیں کرسکتا اور نہ وہاں تک پہنچ سکتا ہے۔ اور یہ تمام کی تمام نعمتیں صرف ایک ہی چیز سے متعلق ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور اس کا شکر بجالانا ہے اور وہ خصلت جس کی یہ قدر وقیمت ہو اور اس میں اس قدر فائدے ہوں تو مناسب ہے کہ ہر حال میں بغیر کسی غفلت وسستی کے اس خصلت (حمد وشکر) کو لازم پکڑ لیا جائے اس لئے کہ یہ ایک بہت قیمتی اور انمول ہیرا ہے اور بہت عمدہ کیمیا (سونا، چاندی) ہے اور اللہ تعالیٰ ہی اپنے فضل وکرم اور اپنی رحمت سے توفیق عطا فرماتا ہے۔

حمد وشکر کی حقیقت اوراس کے معانی واحکام

سوال: حمد اور شکر کی حقیقت اور اس کے معانی اور احکامات بیان فرمائیں۔

جواب: یاد رکھو کہ علمائے کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم نے حمد اور شکر کے درمیان تفصیل اور تفسیر کرنے میں کچھ فرق کیا ہے وہ یہ ہے۔

پہلا فرق:

حمد: تسبیح وتہلیل کی قسم سے ہے گویا حمد اعمال ظاہرہ کا نام ہے۔

شکر: صبر اور تفویض (سپرد کرنا) کی صورتوں میں سے ہے۔

گویا شکر اعمال باطنہ کو کہتے ہیں اس لئے کہ شکر کفر کے مقابل ہے اور حمد مذمت و ملامت کے مقابل ہے۔

دوسرا فرق: حمد وشکر میں دوسرا فرق یہ ہے کہ حمد عام اور کثیر الوقوع ہے اور شکر خاص اور قلیل الوقوع (کم پایا جاتا) ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَ قَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ (پ۲۲ سورۃ السبا آیت ۱۳) اور میرے بندوں میں شکر کرنے والے کم ہیں۔

لہٰذا اس سے ثابت ہوا کہ حمد اور شکر دونوں کے جدا جدا معنی ہیں پھر ان کے درمیان ایک فرق یہ بھی ہے۔

حمد: کسی عمدہ اور اچھے کام پر تعریف وخوبی بیان کرنے کو کہتے ہیں۔ اور یہ مفہوم ہمارے شیخ حضرت ابوبکر وراق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قول سے سمجھ میں آتا ہے۔

شیخ کے کلام کا مقتضا بھی یہی ہے۔

شکر: کے معنی میں علمائے کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے بہت سے اقوال ہیں۔

چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ اللہ

تعالیٰ (جو ساری کائنات کا رب ہے) کی ظاہر و باطن دونوں میں اپنے تمام اعضاء سے طاعت و بندگی کرنے کو شکر کہتے ہیں۔

اور ہمارے بعض مشائخ نے بھی شکر کا یہی مفہوم بیان کیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں ظاہر و باطن دونوں میں طاعات کی ادائیگی کا نام شکر ہے۔

پھر ہمارے ان بعض مشائخ نے دوسرے قول کی طرف رجوع کرلیا اور فرمایا ظاہر و باطن میں گناہوں سے بچنے کا نام شکر ہے۔

اور ہمارے دوسرے بعض مشائخ نے کہا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اختیار کرنے سے باز رہنے کا نام شکر ہے۔ تم اپنے دل اور زبان اور اپنے تمام اعضاء کی اس طرح حفاظت کرو کہ ان تینوں سے کسی طرح بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ ہو سکے۔

اس قول اور شیخ اول کے قول میں فرق یہ ہے کہ ان دوسرے شیخ نے حفاظت کو گناہوں سے باز رہنے پر ایک زائد معنی کی حیثیت سے ثابت کیا ہے لیکن نافرمانی سے بچنے اور اجتناب کا حق تو یہ ہے کہ بندہ معاصی کے دواعی کے ہوتے ہوئے نافرمانی نہ کرے اور نہ بندے کے نفس میں ایسا معنی حاصل ہو کہ جس میں بندہ مشغول ہو جائے اور ناشکری میں مبتلاء ہو جائے۔

اور ہمارے شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا منعم کی نعمت کے مقابلہ میں ایسی تعظیم کی جائے جو منعم کی نافرمانی و ناشکری سے روک دے اس کا نام شکر ہے۔

سوال: اگر تم یہ کہو کہ محسن کے احسان کے مقابلے میں محسن کی تعظیم کی جائے تو اس صورت میں یہ کہنا بھی صحیح ہوگا کہ اللہ تعالیٰ بندے کا شکر کرے۔

جواب: یہ تو بہت اچھی بات ہے اور اس شکر میں بہت تفصیل ہے جس کو ہم نے اپنی

کتاب 'احیاء علوم الدین' وغیرہ میں بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے (لہذا احیاء علوم الدین میں پڑھ لیں) لیکن اس تفصیل کا ما حاصل یہ ہے کہ بندے کا شکر کرنا یہ ہے کہ وہ اپنے محسن کی تعظیم اس طرح کرے کہ بندہ اپنے محسن کی نافرمانی سے باز رہے اور اپنے محسن کی تعظیم اسی وقت ممکن ہے کہ بندہ اپنے محسن کے احسان کو یاد کرے اور شکر کرنے والے کا حال شکر کرنے سے بہتر ہے اور نافرمانی و ناشکری کرنے والے کا حال ناشکری میں بدتر ہے۔

میں (امام غزالی) کہتا ہوں کہ منعم کا اس کی نعمت کے مقابلہ میں کم سے کم حق یہ ہے کہ اس کی نعمت کے ساتھ اس کی نافرمانی نہ کی جائے اور سب سے بدترین حال اس شخص کا ہے جو منعم و محسن کی نعمت کو اس کی نافرمانی پر ہتھیار کے طور پر استعمال کرے لہذا جب منعم کے حق کا سب سے کم درجہ یہ ہے کہ اس کی نعمت کے ساتھ اس کی نافرمانی نہ کی جائے تو بندے پر شکر کا حقیقت میں یہ فرض ہے کہ وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی نعمتوں کے تذکرے کے مطابق اس کی ایسی تعظیم کرے جو خود بندے اور اللہ کی نافرمانی کے درمیان حائل ہو جائے جب بندہ نے ایسی تعظیم کر لی تو اس نے شکر کا حق ادا کر دیا پھر اس تعظیم کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کی طاعت و بندگی میں کوشش اور عبادت میں جدو جہد کرنا ہے اس لئے کہ یہ نعمت کے حقوق میں سے ہے لہذا نافرمانی سے بچنا اور اس سے محفوظ رہنا بھی ضروری ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہے۔

سوال: شکر کا موقع و مقام کیا ہے؟

جواب: جان لو کہ شکر کا موقع و مقام دینی اور دنیاوی نعمتیں ہیں اپنی حیثیت و مقدار کے مطابق لیکن دنیا میں مصیبتوں اور سختیوں میں مبتلاء ہونا خواہ یہ مصیبتیں اور سختیاں

اپنے نفس میں ہوں یا اہل وعیال میں یا مال و دولت میں ہوں علمائے کرام بندے کو مصیبتیں اور سختیاں پہنچنے کے متعلق کلام فرماتے ہیں کہ ان سختیوں اور مصیبتوں پر بندے کو شکر کرنا لازم ہے یا نہیں؟ تو بعض علماء فرماتے ہیں کہ بندے کو ان مصائب پر ان کی حیثیت کے مطابق شکر کرنا لازم نہیں بلکہ ان پر صبر کرنا لازم ہے باقی شکر تو وہ نعمتوں پر ہوتا ہے نہ کہ کسی نعمت کے سوا دوسری چیز (مصیبت' بلاء) پر بعض علماء فرماتے ہیں کہ کوئی سختی اور مصیبت ایسی نہیں کہ جس کے پہلو میں اللہ تعالیٰ کی نعمت اور اس کا احسان نہ ہو تو وہ نعمت جو اس سختی سے ملی ہوئی ہو اس (نعمت) پر بندے کو شکر بجالانا ضروری ہے نفس سختی و مصیبت پر نہیں بلکہ ایسے وقت میں صبر کرنا لازم ہے اور یہ وہ نعمتیں ہیں جن کے متعلق حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ جب بھی میں کسی مصیبت و سختی میں مبتلاء ہوا تو اس پر میں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے چار نعمتوں کا مشاہدہ کیا۔

پہلی نعمت.... یہ کہ وہ مصیبت دین میں نہیں آئی

دوسری نعمت.... یہ کہ اس مصیبت سے بڑی کوئی مصیبت نہیں آئی

تیسری نعمت.... اس مصیبت کی وجہ سے رضا سے محروم نہیں ہوا

چوتھی نعمت... میں نے اس مصیبت پر ثواب کی امید رکھی

اور کہا گیا ہے کہ یہ بھی ایک نعمت ہے کہ وہ سختی و مصیبت ختم ہو جاتی ہے ہمیشہ نہیں رہتی اور یہ سختی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے نہ کہ دوسرے کی طرف سے۔

اور اگر یہ مصیبت و سختی مخلوق کے سبب سے ہو تو یہ تمہارے لئے نفع بخش ہے اور اس مخلوق کے لئے نقصان دہ ہے نہ کہ اس کے لئے نفع بخش اور تمہارے لئے نقصان دہ تو

اس صورت میں بندے کو شکر کرنا لازم وضروری ہے اس نعمت کے بدلے جو سختی سے ملی ہوئی ہے۔

اور دوسرے علمائے کرام نے اس کے متعلق فرمایا اور یہی ہمارے شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اولیٰ وبہتر ہے کہ دنیا کی سختیوں اور مصیبتوں پر بندے کو شکر کرنا لازم ہے اس لئے کہ یہ سختیاں حقیقت میں نعمتیں ہیں کیونکہ اس کے بدلے میں بندے کو آخرت میں عظیم منافع اور بے حساب ثواب اور بہترین بدلہ ملتا ہے جو بدلے اور ثواب وغیرہ اس منافع کے پہلو میں ان سختیوں کی مشقتوں کو تلاش کرتے ہیں اس نعمت سے بڑھ کر اور کون سی نعمت ہوگی ان سختیوں اور مصیبتوں (جو حقیقت میں نعمتیں ہیں) کی مثال اس شخص کی طرح ہے جسے کڑوی اور بدمزہ دوا پلائی جائے خطرناک بیماری کو دفع کرنے کے لئے یا کسی بڑی اور خوفناک بیماری کی وجہ سے کوئی تمہاری فصد کھولے یا پچھنہ لگائے تو اس کی وجہ سے نفس کی صحت، بدن کی سلامتی، زندگی کی راحت میسر ہوگی تو اس کا تمہیں کڑوی دوا پلا کر تکلیف دینا اور فصد کا زخم لگانا حقیقت میں عظیم الشان نعمت اور بہت بڑا احسان ہے اگرچہ اس کی ظاہری صورت مکروہ وناپسندیدہ ہے اور اس سے طبیعت نفرت کرتی ہے اور نفس اس سے وحشت محسوس کرتا ہے اور پھر بھی تم اس شخص (دوا پلانے والے) کا شکریہ ادا کرتے ہو بلکہ اپنی حیثیت کے مطابق اسے اچھا معاوضہ بھی دیتے ہو تو یہی حکم ان سختیوں اور مصیبتوں کا بھی ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سختیوں پر بھی اسی طرح حمد وشکر بجالاتے تھے جس طرح خوشی پر اس کا شکر ادا کرتے تھے فرماتے ہیں ''تمام خوبیاں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں غمی پر بھی اور خوشی پر بھی۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ جل جلالہ نے کیسے فرمایا: فَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَیْــٴًـا وَّ

یَجْعَلَ اللّٰہُ فِیْہِ خَیْرًا کَثِیْرًا ۝ (پ۴ سورۃ النساء آیت۱۹) تو قریب ہے کہ کوئی چیز تمہیں ناپسند ہو اور اللہ اس میں بہت بھلائی رکھے۔

اللہ تعالیٰ نے جس کا نام بھلائی رکھا وہ تمہارے خیال کی پہنچ سے بہت زیادہ ہے اور اس کی تائید اس قول سے ہوتی ہے کہ نعمت صرف وہ ہی نہیں ہوتی جس میں خوشگوار لذت و مزہ ہو اور طبیعت کے تقاضہ کی وجہ سے نفس جس کی خواہش کرے اور یہ وہ چیز ہے جس سے درجات کی بلندی میں اضافہ ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ زیادتی کے معنی میں بھی نعمت کا استعمال ہوتا ہے اور جب مصیبت و سختی بندے کے درجات کی بلندی اس کے شرف و بزرگی کی زیادتی کا سبب ہے تو حقیقت میں یہ سختی نعمت ہے اگرچہ ظاہر میں اسے سختی اور مصیبت شمار کرتے ہو اس بات کو اچھی طرح جان لو کہ یہ مصیبت حقیقت میں نعمت ہے اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔

شاکر وصابر کا بیان

سوال: شاکر اور صابر میں کون افضل ہے؟

جواب: جان لو کہ اس میں علمائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے

(۱) بعض علماء فرماتے ہیں کہ شکر کرنے والا صبر کرنے والے سے بہتر ہے اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان عالی شان ہے: وَ قَلِیْلٌ مِّنْ عِبَادِیَ الشَّکُوْرُ (پ۲۲ سورۃ السباء آیت۱۳) اور میرے بندوں میں شکر کرنے والے کم ہیں۔

تو اللہ نے مشکورین کو اخص الخواص بنایا اور اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ الصلاۃ و السلام کی تعریف میں فرمایا: اِنَّہٗ کَانَ عَبْدًا شَکُوْرًا ۝ (پ۱۵ سورۃ بنی اسرائیل آیت۳) بے شک وہ (حضرت نوح) بڑا شکر گزار بندہ تھا۔

اور حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کی مدح میں فرماتا ہے: شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ (پ۱۴ سورۃ النحل آیت۱۲۱) اس کے احسانوں پر شکر کرنے والا۔

اور شاکر صبر کرنے والے سے اس لئے بھی افضل ہے کہ شاکر انعام و عافیت کے مرتبہ و مقام پر ہوتا ہے اور اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ اگر مجھے نعمتوں سے نوازا جائے اور میں شکر کروں تو یہ میرے نزدیک اس بات سے زیادہ بہتر و پسندیدہ ہے کہ میں کسی بلا و مصیبت میں مبتلا ہوں اور صبر کروں

(۲) بعض علماء فرماتے ہیں بلکہ شکر کرنے والے سے صبر کرنے والا زیادہ بہتر ہے اس لئے کہ صبر کی مشقت بہت بڑی ہے لہذا اس کا ثواب بھی بہت زیادہ ہوگا اور اس کا مرتبہ و مقام بھی بہت بلند و بالا ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ (پ۲۳ سورۃ ص آیت۴۴) بے شک ہم نے اسے صبر کرنے والا پایا کیا اچھا بندہ (ایوب علیہ السلام) ہو

اور دوسرے مقام پر فرماتا ہے: اِنَّمَا یُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ (پ۲۳ سورۃ الزمر آیت۱۰) صبر کرنے والوں ہی کو انکا پورا بے شمار ثواب دیا جائے گا۔

ایک اور مقام پر فرماتا ہے: وَ اللّٰهُ یُحِبُّ الصّٰبِرِیْنَ (پ۴ سورۃ آل عمران ۱۴۶) اور صبر کرنے والوں کو اللہ دوست رکھتا ہے۔

میں (امام غزالی علیہ رحمۃ الباری) کہتا ہوں حقیقت میں صبر کرنے والے کے سوا کوئی شکر گزار نہیں ہوتا اور حقیقت میں شکر کرنے والے کے سوا کوئی صابر نہیں ہوتا اس لئے کہ شکر کرنے والا آزمائش و مشقت میں ہے اور وہ مشقت سے خالی نہیں یعنی سختی و مصیبت جھیلے بغیر چارہ کار نہیں لازما وہ اس پر صبر کریگا اور بے صبری کا مظاہرہ نہ کرے

گا اس لئے کہ شکر احسان وانعام کرنے والے کی ایسی تعظیم ہے جو اس کی نافرمانی سے باز رکھتی ہے اور بے صبری کے نافرمانی وگناہ ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔

صبر کرنے والا بھی نعمت سے خالی نہیں جیسا کہ ہم نے ذکر کیا کہ پہلے معنی کے مطابق حقیقت میں سختیاں بھی نعمت ہیں جب بندہ ان سختیوں پر صبر کریگا تو حقیقت میں یہ بھی شکر ہی ہوگا کیونکہ اپنے آپ کو جزع وفزع اور بے صبری سے روکنا اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہے اور بعینہ شکر بھی اسی کو کہتے ہیں اس لئے کہ شکر ایسی تعظیم ہے جو نافرمانی سے محفوظ رکھتی ہے اور اس لئے بھی کہ شکر کرنے والا اپنے آپ کو ناشکری سے روکتا ہے اور اگر نافرمانی سے صبر کرے اور اپنے آپ کو شکر پر آمادہ کرے اور طاعت پر صبر کرے تو حقیقت میں شکر کرنے والا صابر بھی ہوجائے گا اور صبر کرنے والے نے اللہ کی تعظیم کی یہاں تک کہ اس کی تعظیم نے مصیبت وبلاء کی بے صبری سے روک دیا اور صبر پر آمادہ کردیا تو اس نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کردیا اور وہ حقیقت میں شکر کرنے والا ہے اور اس لئے بھی کہ نفس کا نافرمانی وناشکری سے روکنا جبکہ نفس ناشکری کا ارادہ کرتا ہے اور یہ بھی ایک سختی وشدت ہے جس پر شکر کرنے والا صبر کرتا ہے اور صابر کی توفیق اور معصیت سے بچنا بھی ایک نعمت ہے جس نعمت پر صبر کرنے والا شکر ادا کرتا ہے لہذا اس تقریر سے ثابت ہوا کہ صبر اور شکر دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوسکتے۔

اور اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ بصیرت جو صبر وشکر دونوں پر آمادہ کرتی ہے وہ ایک ہی ہے اور وہ ہمارے بعض علمائے کرام رحمھم اللہ تعالیٰ کے قول کے مطابق استقامت کی بصیرت ہے انہیں تمام وجوہات کی وجہ سے ہم نے کہا ہے کہ صبر اور شکر دونوں ایک دوسرے سے الگ نہیں ہیں لہذا ان چند کلمات کو اچھی طرح ذہن نشین کرلو اور یہ سب

اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہے۔

فصل: اے آخرت کے راستہ پر چلنے والے مرد! تم پر لازم ہے کہ اس آسان گھاٹی (حمد وشکر) کو عبور کرنے کے لئے ہمت اور کوشش کرو اور یہ اتنی آسان گھاٹی ہے اور اس میں مشقت بھی کم ہے نفع و بدلہ بہت زیادہ ہے اس کا وجود انتہائی گراں قدر ہے اور اس کی قدرومنزلت بہت زیادہ ہے اس سلسلے میں دو باتوں پر غور کرنا چاہیئے۔

(۱) پہلی بات یہ ہے کہ نعمت اسی کو دی جاتی ہے جو نعمت کی قدرو قیمت کو جانتا ہے اور نعمت کی قدرو قیمت سے شکر کرنے والا ہی واقف ہے۔

اور ہماری اس بات کی دلیل اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا یہ فرمان ہے جو اللہ تعالیٰ نے کفار سے حکایت کرتے ہوئے اور ان کا جواب دیتے ہوئے فرمایا: اَھٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰہُ عَلَیۡھِمۡ مِّنۡۢ بَیۡنِنَا ؕ اَلَیۡسَ اللّٰہُ بِاَعۡلَمَ بِالشّٰکِرِیۡنَ (پ۷، سورۃ الانعام آیت ۵۳) (کفار مسلمانوں سے حسد کے طور پر کہیں گے) کیا یہ لوگ ہم میں سے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے احسان فرمایا۔ کیا حق ماننے والوں کو اللہ خوب نہیں جانتا۔

ان کافر جاہلوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ نعمت عظیمہ اور احسانات کریمہ انہیں کو عطا کیے جاتے ہیں جو بہت زیادہ مالدار ہوں اور حسب ونسب میں اشرف واعلیٰ ہوں تو وہ جہلاء کہنے لگے ان فقیروں کا کیا حال ہے ان کفار و جہلا کے گمان میں وہ غلام اور خود آزاد تھے ان کو یہ نعمت عظیمہ عطا کی جائے اور ہمیں نہ دی جائے چنانچہ ان جاہلوں کافروں نے تکبر و مذاق کے طور پر ان فقراء کے متعلق کہا: اَھٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰہُ عَلَیۡھِمۡ مِّنۡۢ بَیۡنِنَا ؕ (پ۷، سورۃ الانعام آیت ۵۳) کیا یہی لوگ ہم میں سے ہیں جن پر اللہ نے احسان کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس روشن وعظیم الشان نکتہ سے جواب میں فرمایا: اَلَیۡسَ

اَللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ (پ۷، سورۃ الانعام آیت ۵۳) کیا حق ماننے والوں کو اللہ خوب نہیں جانتا۔

اس کلام کا مدعا و مطلب یہ ہے کہ آقا کریم اسی کو نعمت عطا فرماتا ہے جو نعمت کی قدر کو جانتا ہے اور اس کی قدر و منزلت وہی جانتا پہچانتا ہے جو اس نعمت پر دل و جان سے متوجہ ہو اور دوسری چیزوں کو چھوڑ کر اسی کو پسند کرتا ہو اور اسی کو ترجیح دیتا ہو اور اس کے حصول میں جن مشکلوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور جن مشقتوں کو برداشت کرنا پڑتا ہے ان سب کی پرواہ بھی نہ کرتا ہو پھر ان نعمتوں کا شکریہ ادا کرنے کے لئے ہمیشہ انعام و احسان کرنے والے کے دروازے پر کھڑا رہتا ہو اور ازل سے ہمارے علم میں ہے کہ یہ کمزور لوگ اس کی قدر و منزلت کو جانیں گے اور اس کا شکر ادا کرنے کے لئے کھڑے رہیں گے لہذا اس نعمت عظیمہ کے تم میں سے یہ کمزور و فقیر لوگ ہی زیادہ مستحق وحقدار ہیں اور تمہاری دولت و ثروت اور دنیاوی جاہ وحشمت اور حسب ونسب کا کوئی اعتبار نہیں اور تم لوگ دنیا کی تمام تر نعمتوں اور اس کے ساز وسامان اور حسب ونسب کی بلندی کو بڑا مقام دیتے ہو اور اسے شمار کرتے ہو اور دین، علم اور حق اور اس کی معرفت کو کچھ نہیں سمجھتے اور جبکہ اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ اور تم لوگ تو دنیا اور اس کی جاہ وحشمت ہی کی تعظیم کرتے ہو اور اسی پر فخر کرتے ہو کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر تم اس دین و علم اور حق کو قبول کرتے ہو تو اس پر احسان جتاتے ہو تم میں سے جو یہ چیزیں (دین، علم اور حق) کر آیا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ تم ان چیزوں کو حقیر سمجھتے ہو اور ان کی پرواہ بھی نہیں کرتے ہو اور یہ کمزور و فقیر لوگ ان چیزوں پر اپنی جانیں قربان کرتے ہیں اور ان کی بقا کے لئے اپنی روحیں نچھاور کرتے ہیں اور انہیں اپنے خون سے سینچتے ہیں اور اس سلسلے میں ان

سے جو چیز فوت ہو جاتی ہیں یا جو ان سے دشمنی رکھتے ہیں ان کی پرواہ بھی نہیں کرتے تا کہ اے جاہلو! تمہیں معلوم ہو جائے کہ یہی وہ لوگ ہیں جو اس نعمت کی قدر و منزلت کو پہچانتے ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں ان نعمتوں کی عظمت راسخ ہو چکی ہے اور اس کے علاوہ تمام چیزوں کا زائل ہو جانا ان کے نزدیک آسان ہے اور اس میں ہر قسم کی مشقتوں کا برداشت کرنا انہیں پسند ہے تو یہ لوگ اپنی تمام عمر اس نعمت کے شکر ادا کرنے میں لگے رہتے ہیں اسی وجہ سے یہ لوگ اس احسان کریمہ اور نعمت عظیمہ کے حقدار و اہل ہو گئے اور ہم نے اپنے علم ازلی میں ہی ان نعمتوں کو ان کمزوروں کے لئے خاص فرما دیا اور تم جیسے نااہلوں اور جاہلوں کو محروم کر دیا ان کلمات کو اچھی طرح یاد کر لو۔

پھر میں (امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہوں انہیں کمزوروں کی طرح لوگوں میں سے ہر اس فریق و جماعت کو جن کو اللہ تعالیٰ نے دینی، علمی اور عملی نعمتوں میں سے کسی نعمت کے ساتھ خاص فرمایا ہے تو جب تم حقیقت میں غور و فکر کرو گے تو تم ان لوگوں کو اس نعمت کی قدر و قیمت کا سب سے زیادہ جان کار اور اس کی سب سے زیادہ عزت و تعظیم کرنے والا اور اس کے حصول میں سب سے زیادہ کوشاں اور عزت و احترام میں سب سے زیادہ بڑا اور اس کا شکر ادا کرنے میں سب سے زیادہ مضبوط و مستحکم پاؤ گے اور جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اس نعمت سے محروم کر دیا تو ان کی لاپرواہی اور ان کی تقدیر کے مطابق اور ان کی بے ادبی کی وجہ سے محروم کیا ہے پھر اگر علم اور عبادت کی تعظیم و تکریم عام لوگوں اور بازاری و تجارت پیشہ لوگوں کے دلوں میں بھی ویسی ہوتی ہے جیسی کہ علماء اور عبادت گزاروں کے دلوں میں ہوتی ہے تو وہ لوگ کبھی بازاروں کو اختیار نہیں کرتے

بلکہ ان کے لئے اس کا چھوڑ دینا آسان ہوتا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ کوئی فقیہ جب کسی ایسے مسئلے کے حصول میں کامیاب ہوجاتا ہے جس مسئلہ میں اسے التباس تھا تو اس کا دل کتنا خوش ہوتا ہے اور اسے بہت بڑی خوشی حاصل ہوتی ہے اور اس کے دل میں اس مسئلے کا کتنا بلند مقام ہوتا ہے یہاں تک کہ اگر اسے ہزار دینار مل جاتا تو اتنی خوشی نہ ہوتی۔ اور بعض دفعہ کسی دینی مسئلہ میں سال بھر بلکہ دس سال بلکہ بیس بیس سال یا اس سے بھی زیادہ مدت تک غور وفکر کرتا رہتا ہے اور پھر بھی وہ فقیہ اس سے اکتاتا اور گبھراتا نہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے اس کی سمجھ عطا فرمادیتا ہے تو وہ فقیہ اس کو اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت اور اس کا احسان سمجھتا ہے اور اس کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو تمام مالداروں اور شرفاء سے زیادہ شریف سمجھتا ہے بلکہ کبھی اس مسئلہ کو کسی تاجر یا کسی سست طالب علم کے سامنے بیان کردیتا ہے یہ سمجھتے ہوئے کہ وہ بھی علم کی محبت ورغبت میں میرے ہی جیسا ہے لیکن وہ تاجر یا سست طالب علم اس مسئلہ کو کما حقہ سننا بھی گوارہ نہیں کرتا اور کبھی گفتگو لمبی ہوجائے تو اکتا جاتا ہے یا سوجاتا ہے اور اگر اس کے سامنے کسی مسئلہ کو پوری وضاحت کے ساتھ بیان کرتا ہے تو اسے کوئی اہمیت نہیں دیتا اور نہ اس پر توجہ کرتا ہے بالکل اسی فقیہ کی طرح اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرنے والے کا حال ہے کہ وہ ریاضت اور نفس کو شہوات ولذات سے بچانے اور اپنے اعضاء کو حرکات و سکنات میں پابند کرنے کی کتنی کوشش کرتا ہے صرف اس امید پر کہ اللہ تعالیٰ اسے پوری طہارت اور آداب کے ساتھ دو رکعت نماز ادا کرنے کی توفیق عطا فرمادے اور اللہ تعالیٰ کے حضور کتنی آہ وزاری کرتا ہے ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ اسے صفائی اور حلاوت کے ساتھ ایک گھڑی کی اجازت عطا فرمادے پھر اگر ایک مہینہ بلکہ سال بھر میں بلکہ ساری

زندگی میں ایک مرتبہ بھی کامیابی مل جاتی ہے تو وہ اسے بہت بڑا احسان اور سب سے عظیم نعمت شمار کرتا ہے اور وہ اس کامیابی پر بہت خوش ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا بے انتہا شکر ادا کرتا ہے اور ان مشقتوں اور تکلیفوں کی کچھ پرواہ بھی نہیں کرتا جو اسنے راتوں کو جاگ کر اور اپنی نیندوں کو قربان کر کے برداشت کی ہیں اور اپنی لذتوں اور خواہشوں کو چھوڑا ہے پھر تم ان لوگوں کو دیکھو گے جو اپنے متعلق گمان کرتے ہیں کہ وہ عبادت میں رغبت رکھتے ہیں وہ پسند کرتے ہیں کہ کوئی خالص عبادت حاصل ہو جائے اگر گمان کرنے والوں میں سے کسی کو اس طرح کی کوئی خالص عبادت حاصل ہو جائے مثلاً ان کے رات کے کھانے کا ایک لقمہ کم ہو جائے یا وہ فقیر کوئی فضول و لایعنی بات سے رہ جائے یا ان کی آنکھوں سے ایک گھڑی کی نیند و آرام چھوڑ دے تو ان جہلاء کے نفوس اس فقیر کی ان تمامتر کوششوں اور اس نقصان کے باوجود سخاوت نہیں کریں گے اور نہ ان کے دل خوش ہوں گے اور اگر اتفاق سے انہیں خالص عبادت حاصل ہو بھی جائے تو وہ اسے کوئی اہمیت نہیں دیتے نہ اس کا کوئی بڑا شکر ادا کرتے ہیں بلکہ ان حضرات کو تو خوشی اس وقت ہوتی ہے اور وہ اس وقت حمد کرتے ہیں جب ان کو کوئی درہم مل جائے یا روٹی کا کوئی ٹکڑا مل جائے یا عمدہ قسم کا سالن مل جائے یا ایک لمبے وقت تک بدن کی صحت و سلامتی کے لئے نیند آ جائے تو اس وقت کہتے ہیں الحمد للہ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہے پھر یہ غافل و عاجز لوگ ان نیک بختوں اور کوشش و مجاہد کرنے والوں کے برابر کیسے ہو سکتے ہیں یہی وجہ ہے کہ یہ مسکین و غافل لوگ اس بھلائی سے محروم ہیں اور وہ نفوس قدسیہ جنہیں اللہ تعالیٰ کی توفیق و تائید حاصل ہے اسی بھلائی کی وجہ سے کامیاب و کامران ہیں اور اسی طرح احکم الحاکمین سبحانہ نے ہدایت کے معاملہ کی تقسیم فرما دی ہے

اور وہی سب سے زیادہ جاننے والا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے مندرجہ ذیل فرمان کی تفصیل ہے: اَلَیۡسَ اللّٰہُ بِاَعۡلَمَ بِالشّٰکِرِیۡنَ (پ، سورۃ الانعام آیت ۵۳) کیا اللہ حق ماننے والوں کو خوب نہیں جانتا۔ لہذا اسے سمجھو اور اس تفصیل کے حقوق کی حفاظت ورعایت کرو۔ جان لو کہ جس بھلائی کی تم خواہش وتمنا کرتے ہو اس سے صرف اپنے نفس کی وجہ سے محروم ہو سکتے ہو لہذا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر ومنزلت پہچاننے کی کوشش کرو اور اس کی کما حقہ تعظیم کرو تو تم اس نعمت کے اہل اور اس کی عطاؤں کے حقدار ہو جاؤ گے پھر وہ تم پر اس کے باقی رکھنے کے ساتھ احسان بھی فرمائے گا جس طرح اس نے تم پر ابتداء میں احسان فرمایا جسے ہم دوسرے اصول میں بیان کریں گے بے شک اللہ تعالیٰ ہی بڑا مشفق ومہربان ہے۔

دوسرا اصول: جو شخص نعمت کی قدر ومنزلت کو نہ جانے پہچانے تو اس سے وہ نعمت چھین لی جاتی ہے اور جو شخص نعمت کی قدر وقیمت نہیں جانتا وہ ناشکرا ہے اور اس نے ناشکری کی اور اس اصل کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان مقدس ہے: وَاتۡلُ عَلَیۡہِمۡ نَبَاَ الَّذِیۡۤ اٰتَیۡنٰہُ اٰیٰتِنَا فَانۡسَلَخَ مِنۡہَا فَاَتۡبَعَہُ الشَّیۡطٰنُ فَکَانَ مِنَ الۡغٰوِیۡنَ ○ وَلَوۡ شِئۡنَا لَرَفَعۡنٰہُ بِہَا وَلٰکِنَّہٗۤ اَخۡلَدَ اِلَی الۡاَرۡضِ وَاتَّبَعَ ہَوٰىہُ ۚ فَمَثَلُہٗ کَمَثَلِ الۡکَلۡبِ ۚ اِنۡ تَحۡمِلۡ عَلَیۡہِ یَلۡہَثۡ اَوۡ تَتۡرُکۡہُ یَلۡہَثۡ ؕ ذٰلِکَ مَثَلُ الۡقَوۡمِ الَّذِیۡنَ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا ۚ (پ۹ سورۃ الاعراف آیت ۱۷۵، ۱۷۶) اور اے محبوب! انہیں اس کے احوال سنا دو جسے (بلعم بن باعوراء) ہم نے اپنی آیتیں (نشانیاں) دیں تو وہ ان سے صاف نکل گیا تو شیطان اس کے پیچھے لگا تو وہ گمراہوں میں سے ہو گیا اور ہم چاہتے تو اپنی آیتوں کے سبب اسے اٹھا لیتے مگر وہ تو زمین پکڑ گیا اور اپنی خواہش کا

تابع ہوا تو اس کا حال کتے کی طرح ہے جو حملہ کرے تو زبان نکالے اور چھوڑ دے تو زبان نکالے یہ ان لوگوں کا حال ہے جنہوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں۔

اس کلام کا مفہوم یہ ہے کہ ہم نے اپنے اس بندے پر بڑی بڑی نعمتیں اور دین کے معاملے میں بڑے بڑے احسانات کیے اور ہم نے اس بندے کو بڑا رتبہ اور بلند مقام حاصل کرنے کے لئے اپنے دربار رحمت سے قوت و طاقت عطا کی تاکہ وہ ہمارے دربار میں عظیم المرتب اور بڑے جاہ وجلال والا ہوجائے لیکن وہ ہماری ان نعمتوں کی قدرومنزلت سے جاہل و بےخبر رہا اور اس خسیس اور ذلیل وحقیر دنیا کی طرف مائل ہوگیا اور اپنے نفس کی ذلیل وردی خواہشوں کو اختیار کرلیا اور یہ نہ جان سکا کہ ساری دنیا اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین کی نعمتوں میں سے ایک نعمت کے بھی برابر نہیں اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا اس نعمت کے مقابلے میں مچھر کے ایک پر کی حیثیت سے بھی کم ہے تو اس شخص کی مثال اس کتے کی سی ہے جو عزت وراحت اور توہین ومشقت میں تمیز نہیں کرسکتا اور جو رفعت وشرافت کو حقارت وذلت سے الگ نہیں کرسکتا تو ایسا شخص ان دونوں حالتوں میں زبان نکالتا ہے اور اس کتے کے نزدیک تمام عزت و بزرگی صرف روٹی کے ایک ٹکڑے میں ہے جسے وہ کھاتا ہے یا دسترخوان کی ایک ہڈی میں ہے جو اس کی طرف پھینک دی جاتی ہے خواہ تم اسے اپنے ساتھ تخت پر بٹھاؤ یا اسے مٹی وگندگی میں اپنے سامنے کھڑا کرو سب برابر ہے اسے اس کی پرواہ نہیں اس کی تو ہمت اور اس کی عزت وکرامت اور اس کی نعمت سب کچھ اسی روٹی کے ایک ٹکڑے یا دسترخوان کی ایک ہڈی میں ہے لہذا جب اس بدبخت اور برے بندے نے ہماری نعمت کی قدرو قیمت کو نہ پہچانا اور ہم نے اس کو جو عزت و بزرگی دی تھی اس کے حقوق کو نہ پہچانا تو اس

کی بصیرت ختم ہوگئی اور ہمیں چھوڑ کر دوسروں کی طرف متوجہ ہونے کی وجہ سے اور ہماری نعمتوں کا تذکرہ چھوڑ کر حقیر و ذلیل دنیا اور خسیس لذت میں مشغول ہونے کی وجہ سے مقام قرب میں اس کا ادب بری صورت اختیار کر لیا تو ہم نے اس کی طرف تدبیر کی نظر سے دیکھا اور ہم نے اسے عدل و انصاف کے میدان میں لاکر کھڑا کر دیا اور ہم نے اس کے متعلق قہر و جلال اور جبروتی حکم سے فیصلہ فرمایا تو ہم نے اس سے اپنی تمام خلعتیں و نوازشیں اور کرامتیں چھین لیں اور اس کے دل سے اپنی معرفت کھینچ لی تو وہ ہماری تمام ان نعمتوں اور نوازشوں سے ننگا ہو کر نکل گیا جو ہم نے اسے اپنے فضل و کرم سے عطا کی تھیں تو وہ دھتکارا ہوا کتا اور مردود و متکبر شیطان ہو گیا۔ ہم اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور اس کے دردناک عذاب سے اس کی پناہ مانگتے ہیں پھر پناہ مانگتے ہیں بے شک وہ ہم پر بڑا شفیق و مہربان ہے۔

پھر اب ایک بادشاہ کی مثال پر قناعت و اکتفاء کر لو کہ وہ اپنے کسی غلام کی عزت کرے اور اسے اپنا خصوصی لباس عطا کرے اور اسے اپنا مقرب بنائے اور اسے اپنے تمام خادموں اور دربانوں کا سردار بنا دے اور اسے اپنے دروازے کی ملازمت کا حکم دے پھر حکم دے کہ اس غلام کے لئے کہیں دوسری جگہ محل بنایا جائے اور اس غلام کے لئے تخت بچھایا جائے اور اس کے لئے انواع و اقسام کے کھانے چن دیئے جائیں اور اس کے لئے لونڈیاں آراستہ و مزین کی جائیں اور اس کے لئے خدام کھڑے کر دیئے جائیں یہاں تک کہ جب وہ غلام اس ملازمت سے واپس ہو تو بادشاہ اس غلام کو اس محل میں ایک مخدوم و مکرم بادشاہ کی حیثیت سے بیٹھائے اور اس کی خدمت کی حالت اور اپنے ملک و ولایت کی حالت میں صرف ایک گھڑی کا فرق و فاصلہ ہو یا اس سے بھی کم

اب اگر یہ غلام اس بادشاہ کے دروازے پر جانوروں کی نگرانی کرتے ہوئے کسی نوکر کو روٹی کھاتے ہوئے دیکھ کر یا کسی کتے کو ہڈی چباتے دیکھے تو وہ بادشاہ کی خدمت چھوڑ کر اس نوکر کی طرف دیکھنے لگے اس کی طرف متوجہ ہو جائے اور شاہی خلعتوں اور کرامتوں کی طرف توجہ نہ کرے اور اس نوکر کی طرف دوڑے اور اپنا ہاتھ پھیلا کر روٹی کا ٹکڑا مانگنے لگے یا کتے کے ساتھ ہڈی پر مزاحمت کرنے لگے اور ان دونوں پر رشک کرنے لگے اور وہ غلام ان دونوں کی حالت کو بڑا سمجھے تو کیا بادشاہ جب اس غلام کو اس حالت میں دیکھے گا تو وہ یہ نہیں کہے گا کہ یہ بے وقوف اور ذلیل ہے اور اس نے ہماری عطا کی ہوئی عزت وکرامت کا حق نہ پہچانا اور ہمارے انعام و اعزاز کی قدرو منزلت کو نہ جانا کہ ہم نے کس قدر اس کو خلعت عطا کر کے اپنے دربار میں حاضر کیا اور اپنی عنایات ونوازشات اس پر صرف کیے اور ہم نے اس کے لئے دولت کے ذخیرے اور انواع واقسام کی نعمتیں مہیا کرنے کا حکم دیا لیکن یہ ذلیل اور عظیم الجہل اور بدتمیز و کم عقل شخص ہے اس سے خلعتیں چھین لو اور اس کو ہمارے دروازے سے دھتکار کر اور دھکا دے کر بھگا دو۔ یہی حال اس عالم کا ہے جب وہ دنیا کی طرف مائل ہو جائے اور یہی حال اس عابد کا ہے کہ جب وہ نفسانی خواہشات کی پیروی کرنے لگے جب کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی عبادت اور اپنی نعمتوں کی پہچان اور اپنی شریعت و احکام کی معرفت سے سرفراز فرمایا اور پھر وہ عالم یا عابد اللہ تعالیٰ کے اس اعزاز ونوازش کی قدرو منزلت کو نہ پہچانے تو ایسا شخص اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ حقیر اور انتہائی ذلیل ہے کہ وہ حقیر چیز کی رغبت اور اس کی حرص ولالچ رکھتا ہے اور اس کے دل میں یہ چیز اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی تمام پیاری پیاری مثلاً علم، عبادت، دانائی اور حقائق سے

زیادہ محبوب و معظم ہے۔اور یہی حال اس شخص کا جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی طرح طرح کی توفیق اور عصمت سے خاص فرمایا اور اپنی عبادت و بندگی کے انوار سے مزین فرمایا اور اکثر اوقات اسی کی طرف اپنی نظر رحمت کو دائم رکھا اور اس کی وجہ سے اپنے فرشتوں پر فخر فرمایا اور اپنے دروازہ رحمت پر قیادت و وجاہت عطا فرمائی اور اسے شفاعت کا مقام عطا فرمایا اور اسے عزت کی منزل پر قائم کر دیا یہاں تک کہ جب وہ اس حیثیت کا مالک ہو گیا کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کو پکارے تو وہ قبول فرمائے اور لبیک فرمائے اور اگر وہ کوئی چیز اس سے مانگے تو اسے عطا فرمائے اور اسے ہر چیز سے بے نیاز کر دے اور اگر وہ ساری دنیا والوں کی شفاعت کرے تو ان کے متعلق ان کی شفاعت قبول فرمائے اور وہ اسے راضی کر دے اور اگر وہ کسی بات پر قسم کھالے تو وہ اس کی قسم کو پورا فرما دے اور اگر اس کے دل میں کسی چیز کا خیال پیدا ہو جائے تو سوال کرنے سے پہلے پہلے اسے وہ چیز عطا فرما دے تو جس شخص کا یہ حال ہو اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کی قدر نہ جانے یا اس عظمت و منزلت کی قدر کو نہ دیکھے اور بے حیا نفس کی ذلیل خواہشوں کی طرف مائل ہو جائے یا باقی نہ رہنے والی ذلیل و حقیر دنیا کے حصول میں الجھ کر رہ جائے اور ان خلعتوں یا تحفوں اور احسانوں اور عطاؤں کو نہ دیکھے۔

پھر وہ ان چیزوں کا لحاظ نہ کرے جن کو اللہ تعالیٰ نے دینے کا وعدہ فرمایا ہے اور جو ثواب عظیم اور ہمیشہ رہنے والی نعمتیں آخرت میں اس کے لئے تیار کی گئیں ہیں تو یہ کتنا ہی حقیر و ذلیل شخص ہے جب کہ وہ ان نعمتوں کو چھوڑ کر گھٹیا و بے کار خواہشوں کی طرف مائل و راغب ہو اور کتنا بدبخت بدتر بندہ ہے کتنا خطرناک ہے اگر وہ اپنے ان برے کاموں کو جانے اور اس کا یہ کام بڑا بے حیائی کا ہے اگر وہ سمجھے۔ہم احسان و رحم

فرمانے والے اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ اپنے فضل عظیم اور اپنی وسیع رحمت سے ہمارے حالات درست فرمادے بے شک وہ سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے لہذا اے لوگو! تم پر لازم ہے کہ تم اپنی کوششوں کو خرچ کروتا کہ تم اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کی قدرومنزلت کو پہچانو اور جب اللہ تعالیٰ تم پر دین کی نعمت کا انعام واحسان فرمائے تو تم دنیا اور اس کے ساز وسامان کی طرف توجہ کرنے سے بچو اس لئے کہ دنیا اور اس کے ساز وسامان کی طرف متوجہ ہونا تمہاری طرف سے تمہارے پروردگار کی عطا کردہ نعمت دین کی ایک طرح سے تحقیر ہوگی۔ کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں سنا جو سید المرسلین صلوات اللہ و سلامہ علیہ سے فرمایا: وَلَقَدْ اٰتَیْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ ۝ لَا تَمُدَّنَّ عَیْنَیْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَ لَا تَحْزَنْ عَلَیْهِمْ وَ اخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ ۝ (پ۱۴ سورۃ الحجر آیت ۸۷، ۸۸) اور بے شک ہم نے تمہیں سات آیتیں دیں جو بار بار پڑھی جاتی ہیں اور عظمت والا قرآن، اپنی آنکھ اٹھا کر اس چیز کو نہ دیکھو جو ہم نے ان (کفار) کے کچھ جوڑوں کو برتنے کے لئے دی اور ان (ان کے ایمان نہ لانے) کا کچھ غم نہ کرو اور مسلمانوں کو اپنی رحمت کے پروں میں لے لو۔

اس آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ جسے قرآن عظیم دیا جائے تو اس کا حق یہ ہے کہ وہ حقیر دنیا کی طرف عمدگی و پسندیدگی کی نظر سے ہرگز نہ دیکھے چہ جائے کہ دنیا کی رغبت و خواہش کرے تو چاہیئے کہ وہ اس دولت عظیم پر اللہ تعالیٰ کا ہمیشہ ہمیشہ شکر ادا کرے اس لئے کہ یہ وہ فضیلت و بزرگی ہے جس کی خواہش وحرص اللہ تعالیٰ کے خلیل حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنے والد کے بارے میں کی کہ اللہ تعالیٰ اس کرامت و بزرگی

کی وجہ سے میرے والد تارخ بن ناخور پر احسان وانعام پر فرمائے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو قبول نہ فرمایا اور اللہ تعالیٰ کے حبیب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی کرامت کے ذریعے اپنے چچا ابوطالب پر احسان کرنے کی خواہش کی تو اسے بھی اللہ تعالیٰ نے قبول نہ فرمایا اور باقی رہا دنیا کے ساز وسامان کا معاملہ تو یہ وہ چیز ہے جو اللہ تعالیٰ ہر کافر' فرعون' ملحد (جو دین حق سے منحرف ہوجائے) زندیق (جو قیامت' وحدانیت پر ایمان نہ رکھے) جاہل اور فاسق کو بھی عطا فرماتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی مخلوق میں سب سے زیادہ ذلیل ہیں ان کا یہ حال ہے کہ یہ دنیا کے ساز وسامان میں بالکل غرق ہوجاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اس دنیاوی ساز وسامان سے ہر نبی' صفی' صدیق' عالم اور ان عابدوں کو جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام مخلوقات میں معزز وبہتر ہیں دور رکھتا ہے حتیٰ کہ ان لوگوں کو کبھی کبھی روٹی کا ٹکڑا اور کپڑے کا چیتھڑا بھی میسر نہیں ہوتا اور (اس کے باوجود) ان پر اللہ تعالیٰ احسان جتاتا ہے کہ ان لوگوں کو دنیا کی گندگی سے آلودہ نہیں فرمایا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام سے فرمایا جس وقت کہ انہیں فرعون کے پاس بھیجا اور اگر میں چاہوں تو تمہیں مزین وآراستہ کردوں تاکہ فرعون کو اس کے ملاحظہ کرنے سے معلوم ہوجائے کہ اس کی طاقت وقوت اس سے عاجز ہے تو میں یقیناً یہ کرسکتا ہوں لیکن میں تم دونوں سے دنیا کو لپیٹ دوں گا اور اسے تمہارے نزدیک بھی نہ آنے دوں گا اور میں اپنے دوستوں سے ایسا ہی کرتا ہوں اور بے شک میں ان کو دنیا کی نعمتوں سے اس طرح ہانک دیتا ہوں جس طرح مشفق چرواہا اپنے اونٹوں کو خطرناک جگہوں سے روک دیتا ہے اور میں انہیں دنیا کے عیش وآرام سے الگ کردیتا ہوں اور یہ اس لئے نہیں کہ وہ میری نظر میں ذلیل

ہیں بلکہ اس لئے کہ وہ میری کرامت و بزرگی سے پورا حصہ حاصل کرسکیں۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَلَوْلَآ اَنْ یَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ یَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُیُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَیْهَا یَظْهَرُوْنَ ۝ وَلِبُیُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَیْهَا یَتَّكِـٴُـوْنَ ۝ (پ۲۵ سورۃ الزخرف آیت ۳۳،۳۴) اور اگر یہ خطرہ نہ ہوتا کہ سب لوگ ایک دین پر ہوجائیں گے تو ہم ضرور اللہ کا انکار کرنے والوں کے لئے چاندی کی چھتیں اور سیڑھیاں بنا دیتے جن پر وہ چڑھتے۔

پس ان دونوں امور کے درمیان جو فرق ہے اس میں غور کرو اگر تم سمجھ دار ہو اور کہو تمام خوبیاں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے ہمارے اوپر اپنے اولیاء و اصفیاء جیسی نعمتوں سے احسان فرمایا اور ہم سے اپنے دشمنوں کے فتنوں کو دور فرمایا تاکہ ہم اس سے محفوظ رہیں اور ہم کامل شکر اور حمد اعظم و اکبر اور احسان کبریٰ اور نعمت عظمیٰ کے ساتھ مخصوص ہوجائیں اور ہمیں اس کا کامل حصہ مل جائے جو نعمتِ اسلام ہے اس لئے کہ یہ نعمت اولیٰ ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ اس نعمت کا شکر ادا کرنے سے اپنے رات و دن کے کسی حصے میں بھی سستی نہ کرو پھر اگر تم اس نعمت کی قدر و منزلت جاننے سے عاجز ہو تو کم از کم درحقیقت اتنا جان لو کہ اگر تم دنیا کے ابتداء ہی میں پیدا کردیئے جاتے اور اس وقت سے ہمیشہ اسلام کی نعمت کے شکر ادا کرنے میں مشغول و مصروف رہتے تب بھی تم اس کا حق ادا نہیں کرسکتے تھے بلکہ اس فضل عظیم کے بعض حقوق بھی ادا نہ ہوں گے۔

میں (امام غزالی) کہتا ہوں جان لو کہ میرے مبلغ علم کے مطابق جو اس نعمت کی قدر و منزلت ہے یہ کتاب اس کی متحمل نہیں ہوسکتی اور اگر میں اس کے متعلق ایک لاکھ صفحات بھی لکھ کر بھر دوں جب بھی میرا علم اس سے کہیں زیادہ ہوگا اس اعتراف کے باوجود کہ

جو کچھ میں جانتا ہوں وہ جاننے والوں کے مقابلے میں ایسا ہے جیسا کہ دنیاوی سمندروں کے سامنے پانی کا ایک قطرہ کیا تم نے نہیں سنا کہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب فرما کر خداوند قدوس ارشاد فرماتا ہے: مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ (پ۲۵ سورۃ الشوریٰ آیت ۵۲) اس سے پہلے نہ تم کتاب جانتے تھے اور نہ احکام شرع کی تفصیل۔

پھر حضور کو مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ط (پ۵ سورۃ النساء آیت ۱۱۳) اور تمہیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ تعالیٰ کا تم پر بڑا فضل ہے۔

اور اللہ تعالیٰ قوم بنی اسد کو مخاطب کر کے فرماتا ہے: بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ (پ۲۶ سورۃ الحجرات آیت ۱۷) بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اس نے تمہیں اسلام کی ہدایت کی اگر تم سچے ہو۔

کیا تم نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان نہیں سنا جو حضور نے کسی کو کہتے ہوئے سنا ہے تمام خوبیاں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں کہ اس نے اسلام کی دولت عطا فرمائی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک تم نے اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت پر تعریف وحمد بیان کی۔

اور جب حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس خوشخبری سنانے والا آیا تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے پوچھا تم نے یوسف علیہ السلام کو کس دین پر چھوڑ کر آئے؟ خوشخبری سنانے والے نے جواب دیا دین اسلام پر تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا اب نعمت پوری ہوگئی اور کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کلمہ سے زیادہ محبوب و پسندیدہ

کوئی کلمہ نہیں اور نہ شکر ادا کرنے میں اس سے زیادہ بلیغ کوئی کلمہ ہے کہ کہا جائے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَنْعَمَ عَلَیْنَا وَھَدَانَا اِلٰی دِیْنِ الْاِسْلَامِ تمام خوبیاں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے ہم پر انعام فرمایا اور ہمیں دین اسلام کی ہدایت عطا فرمائی۔ اور اسلام جیسی نعمت کے شکر کی ادائیگی میں غفلت وسستی سے بچو اور اسلام اور معرفت اور توفیق اور عصمت کے جس حال پر تم فائز ہو اس پر دھوکہ کھانے سے گریز کرو اس لئے کہ ان حالات کے باوجود امن و بے فکری اور غفلت کی کوئی جگہ نہیں ہے کیونکہ تمام امور و اعمال کا تعلق ان کے انجام سے ہے چنانچہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے جو شخص اپنے دین پر مطمئن و بے فکر ہو جاتا ہے تو اس سے دین کی دولت چھین لی جاتی ہے۔ اور ہمارے شیخ ابوبکر وراق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے جب تم کافروں کا حال اور ان کے دوزخ میں ہمیشہ رہنے کے بارے میں سن لو تو تم اپنے نفس پر مطمئن نہ ہو اس لئے کہ معاملہ خطرناک ہے اور تمہیں یہ بھی نہیں معلوم کہ انجام کیا ہوگا۔ اور تم یہ بھی نہیں جانتے کہ تمہارے لئے غیب میں کیا فیصلہ ہو چکا ہے۔ لہذا اپنے اوقات کی صفائی اور اس کی خوشگواری سے دھوکہ نہ کھاؤ اس لئے کہ اس کے نیچے بہت گہری آفتیں ہیں اور بعض حضرات نے کہا اے عصمتوں سے دھوکا کھانے والے! بے شک عصمتوں کے نیچے کئی قسم کی آفتیں ہیں اللہ تعالیٰ نے ابلیس لعین کو مختلف قسم کی عصمتوں سے مزین و آراستہ فرمایا اور ابلیس کا حال یہ ہے کہ حقیقت میں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ملعون ہے اور اللہ تعالیٰ نے بلعم بن باعوراء کو اپنی ولایت کے انوار سے مزین و آراستہ فرمایا تھا حالانکہ وہ اس کے نزدیک حقیقت میں دشمن تھا۔ حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے کتنوں پر احسان فرما کر مہلت دی مگر وہ دھوکہ کھا گئے اور کتنے

لوگ اچھی اور عمدہ باتوں سے فتنے میں مبتلاء ہو گئے اور کتنے لوگ اللہ تعالیٰ کی پردہ پوشی سے دھوکہ کھا گئے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ بندہ سب سے زیادہ کس چیز سے دھوکا کھاتا ہے؟ انہوں نے فرمایا الطاف اور کرامتوں سے اسی وجہ سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے: سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (پ۹ سورۃ الاعراف آیت ۱۸۲) جلد ہی ہم انہیں آہستہ آہستہ عذاب کی طرف لے جائیں گے جہاں سے انہیں خبر بھی نہ ہوگی۔

اہل معرفت حضرات (ان میں حضرت سفیان ثوری بھی ہیں) فرماتے ہیں کہ ہم ان پر نعمتیں پوری کرتے ہیں اور ہم ان کو شکر ادا کرنا بھلا دیتے ہیں چنانچہ کسی شاعر نے کہا ہے۔

اَحْسَنْتَ ظَنَّكَ بِالْاَيَّامِ اِذْ حَسُنَتْ
وَلَمْ تَخَفْ سُوْءَ مَا يَاْتِيْ بِهِ الْقَدَرُ

جب تمہارے دن اچھے ہوتے ہیں تو تم اچھا گمان کرتے ہو اور تقدیر جو بُرے دن لے آتی ہے اس کا خوف نہیں کرتے۔

وَسَالَمَتْكَ اللَّيَالِيْ فَاغْتَرَرْتَ بِهَا
وَعِنْدَ صَفْوِ اللَّيَالِيْ يَحْدُثُ الْكَدَرُ

اور تمہاری راتیں سلامتی سے گزرتی ہیں تو تم اس سے دھوکہ کھاجاتے ہو اور راتوں کی صفائی کے وقت کدورتیں پیدا ہو جاتیں ہیں اور صفائی ختم ہو جاتی ہے۔

اور جان لو کہ جب تم بہت زیادہ قریب ہو جاؤ گے تو تمہارا معاملہ بھی بہت زیادہ خوفناک

اور دشوار ترین ہو جائے گا اور عبادت کا معاملہ بہت زیادہ سخت اور بہت دقیق ہوگا اور تم پر بہت بڑا خطرہ ہوگا اس لئے کہ جب کوئی چیز بلندی کی انتہا پر پہنچ جاتی ہے تو جب وہ نیچے گرتی ہے تو بہت بری طرح گرتی ہے چنانچہ کسی شاعر نے کہا ہے۔

مَا طَارَ طَيْرٌ فَارْتَفَعْ
اِلَّا كَمَا طَارَ وَقَعْ

جب کوئی پرندہ اڑ کر بلندی پر پہنچ جاتا ہے تو اسی طرح گرتا ہے جس طرح اڑتا ہے۔

تو جب معاملہ اتنا دشوار ترین ہے تو اب مطمئن و بے فکر ہونے اور شکر ادا کرنے سے غفلت و سستی اختیار کرنے اور اپنے حال کی حفاظت میں آہ وزاری کو چھوڑ دینے کی کوئی راہ نہیں ہے۔ حضرت ابراہیم بن ادہم فرماتے تھے ہم تم کیسے مطمئن ہو سکتے ہیں جبکہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ صلوات اللہ تعالیٰ و سلامہ علیہ فرماتے ہیں: وَاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ○ (پ۱۳ سورۃ ابراھیم آیت ۲۵) اور مجھے اور میرے بیٹوں کو بتوں کے پوجنے سے بچا۔

اور حضرت یوسف صدیق علیہ السلام فرماتے ہیں: اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ج تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا (پ۱۳ سورۃ یوسف آیت ۱۰۱) تو میرا کام بنانے والا ہے دنیا و آخرت میں مجھے مسلمان اٹھا۔

اور حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ کہتے رہتے اے اللہ تعالیٰ مجھے محفوظ رکھ (اے اللہ! بچالے)

گویا کہ حضرت سفیان کسی کشتی میں ہیں جس کے غرق ہونے کا ہر وقت اندیشہ ہے اور ہمیں حضرت محمد بن یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے خبر ملی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے

حضرت سفیان ثوری کو ایک رات غور سے دیکھا تو ساری رات روتے رہے تو میں نے ان سے پوچھا کیا آپ گناہوں پر روتے ہیں؟ حضرت محمد بن یوسف کہتے ہیں کہ حضرت سفیان نے ایک تنکہ اٹھایا اور فرمایا گناہ تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس تنکہ سے بھی زیادہ حقیر ہیں میں تو اس بات سے ڈرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کہیں مجھ سے اسلام کی دولت نہ چھین لے اور میں اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں۔

اور میں نے بعض بزرگوں سے سنا ہے فرماتے ہیں کہ بعض انبیائے کرام علیہم السلام نے اللہ تعالیٰ سے بلعم بن باعوراء اور اس کے مردودِ بارگاہ ہونے کے متعلق پوچھا کہ وہ ان آیات وکرامات کے بعد کیسے مردود ہوگیا؟ تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا جو کچھ میں نے اس کو عطا فرمایا اس پر اس نے ایک دن بھی شکر ادا نہ کیا اور اگر وہ ایک مرتبہ بھی میرا شکر ادا کرتا تو میں کبھی اس کا دین نہ چھینتا لہذا اے لوگو! ہوشیار ہوجاؤ اور شکر کے رکن کی بہت زیادہ حفاظت کرو اور دین کی نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرو ان میں سب سے بڑی و بلند نعمت اسلام اور معرفت کی دولت ہے اور اس کی سب سے چھوٹی توفیق تسبیح پڑھنے کی توفیق ہے یا فضول ولایعنی بات سے بچنے کی توفیق ہے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی نعمتیں تم پر پوری فرمادے اور تم کو ان نعمتوں کے زوال کی تلخی میں مبتلاء نہ فرمائے اس لئے کہ سب سے تلخ اور سب سے زیادہ مشکل عزت واکرام کے بعد ذلت ہے اور قرب کے بعد دوری اور وصال کے بعد فراق ہے اور اللہ تعالیٰ بزرگی، کرم کرنے والا، بہت مہربان ورحم والا ہے۔

فصل: اس پوری گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ جب تم اپنے اوپر اللہ تبارک وتعالیٰ کے بڑے بڑے احسانات اور اپنے پاس اس کی بڑی بڑی معزز اور مکرم نعمتیں دیکھو جن کو

تمہارا دل شمار نہیں کر سکتا اور نہ تمہارا وہم وخیال احاطہ کر سکتا ہے یہاں تک کہ تم دیکھو کہ تم نے ان مشکل گھاٹیوں کو پیچھے چھوڑ دیا ہے اور تم نے علوم وبصیرتیں حاصل کر لی ہیں اور تم بڑے بڑے گناہوں سے پاک ہو گئے اور عبادت کی تمام رکاوٹوں سے آگے نکل گئے اور ہر قسم کی برائیوں سے چھٹکارا پا گئے برائیوں پر آمادہ کرنے والی چیزوں سے نجات حاصل کر چکے اور بری چیزوں سے بچ گئے تو تمہیں کتنی اچھی خصلتیں اور بلند وبالا رتبے حاصل ہو گئے جن خصلتوں کی ابتداء بصیرت اور تعریف سے ہوئی اور اس کی انتہاء قرب الٰہی اور شرافت وبزرگی پر ہوئی تو تم ان نعمتوں اور احسانوں میں اپنی عقل و توفیق کے مطابق غور کرو اور اپنی طاقت وقوت کے مطابق اللہ تعالیٰ کا شکر اس طرح ادا کرو کہ اللہ تعالیٰ تمہاری زبانوں کو اپنی حمد وثنا میں مشغول کر دے اور تمہارے دل کو اپنی عظمت وجلال سے بھر دے اور اللہ تعالیٰ تمہیں ایسے مقام پر پہنچا دے جو تمہارے اور تمہارے گناہوں کے درمیان حائل ہو جائے اور تمہیں تمہاری ہمت وطاقت کے مطابق اپنی طاعت وبندگی پر آمادہ فرمائے جبکہ تم اللہ تعالیٰ کے انعام واحسان کے حق ادا کرنے سے کوتاہی کے معترف ومقر ہو اور جب تم اس کا شکر ادا کرنے سے غافل ہو جاؤ یا خاموش ہو جاؤ یا پھسل جاؤ تو اس کی بارگاہ میں آہ وزاری کرو اور کوشش کرو اور وسیلہ اختیار کرو اور اللہ کے حضور یوں عرض کرو اے اللہ! اے میرے مولی! جس طرح تو نے بغیر استحقاق کے صرف اپنے فضل وکرم سے احسان کی ابتداء فرمائی اسی طرح بغیر کسی استحقاق کے اپنے فضل وکرم سے اپنے احسان کو مکمل فرما۔

اور اللہ تعالیٰ کو اس کے دوستوں کی طرح پکارو کہ جنہوں نے اس کی ہدایت کا تاج پایا اور اس کی معرفت کی شیرنی چکھی اس کے باوجود یہ لوگ اپنے نفس پر دھتکار دیئے جانے

اور اہانت و ذلت کی جلن و حرارت اور دوری اور گمراہی کی وحشت اور قرب الٰہی سے معزولی اور زوال کی تلخی سے ڈرتے رہتے ہیں۔ تو وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے دروازے پر فریاد کرتے رہے اور گڑگڑاتے رہے اور اس کی بارگاہ میں گڑگڑاتے ہوتے اپنی ہتھلیاں پھلاتے رہے اور اپنی خلوتوں اور تنہائیوں میں چیخ چیخ کر دعائیں مانگتے رہے۔ اللہ رب العزت فرماتا ہے: رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝ (پ۳ سورۃ آل عمران آیت۸) اے ہمارے رب! ہمیں ہدایت دینے کے بعد ہمارے دل ٹیڑھے نہ فرما اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما تو بڑا دینے والا ہے۔

میں (امام غزالی) کہتا ہوں اس آیت کا مطلب یہ ہے اور اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے ہم نے تجھ سے ہی نعمت پائی اور دوسری نعمت کے امیدوار ہیں بے شک تو ہی جواد و وہاب ہے پس جس طرح تو نے شروع میں ہمیں فضیلت عطا فرمائی اسی طرح انتہاء میں اپنی رحمت کی تکمیل فرما تم پر افسوس ہے کیا تم نے نہیں سنا کہ اللہ رب العالمین نے اپنے مسلمان بندوں کو سب سے پہلی جو دعا سکھائی جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے لئے منتخب فرمایا وہ دعا اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ (پ۱ سورۃ الفاتحۃ آیت۵) اے اللہ ہمیں سیدھے راستے پر چلا۔

یعنی اے اللہ تعالیٰ! ہمیں ہمیشہ اس پر ثابت قدم رکھ اسی طرح تم بھی اس کی بارگاہ میں گریہ وزاری کرتے رہو اس لئے کہ یہ معاملہ بہت عظیم ہے اور کہا گیا کہ حکماء نے غور و خوض کیا تو دنیا کی تمام مصیبتوں اور مشقتوں کو پانچ چیزوں میں منحصر پایا۔

(۱) سفر میں بیماری (۲) بڑھاپے میں فقیری و محتاجی (۳) جوانی میں موت (۴) بینائی

کے بعد نابینا ہونا (۵) اور معرفت الٰہی و ایمان کے بعد کافر ہو جانا۔

اس قول سے بھی بہتر اور عمدہ کسی کا قول ہے۔

لِكُلِّ شَيْءٍ إِذَا فَارَقْتَهُ عِوَضٌ
وَلَيْسَ لِلّٰهِ إِنْ فَارَقْتَ مِنْ عِوَضِ

ہر چیز کا کوئی نہ کوئی عوض و بدلہ ہے جب تم اسے چھوڑ دو لیکن اگر تم نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ دیا تو اس کا کوئی عوض نہیں۔

کسی اور نے کہا

إِذَا أَبْقَتِ الدُّنْيَا عَلَى الْمَرْءِ دِيْنَهُ
فَمَا فَاتَهُ مِنْهَا فَلَيْسَ بِضَائِرِ

جب کسی انسان کا دین دنیا باقی رکھے (دنیا کی وجہ سے اس کا دین برباد نہ ہو) تو دنیا کی چیزوں سے جو کچھ ضائع ہو جائے تو یہ اس کے لئے نقصان دہ نہیں ہے۔

اور اسی طرح ان تمام نعمتوں کے بارے میں گریہ وزاری کرتے رہو جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر احسان فرمائے اور ساتوں گھاٹیوں میں کسی گھاٹی کے عبور کرنے میں تمہاری تائید فرمائی تاکہ اس نے تم کو جو کچھ نعمتیں عطا کی ہیں ان پر تمہیں ہمیشہ ثابت قدم رکھے اور تمہاری خواہش اور تمہاری تمنا سے زیادہ عطا فرمائے پھر جب تم اس مقام پر پہنچ جاؤ گے تو تم اس خطرناک گھاٹی (حمد و شکر) کو بھی طے کر لو گے اور تم دو معزز و مکرم خزانوں کے حصول میں کامیاب ہو جاؤ گے وہ دو خزانے یہ ہیں (۱) طاعت پر استقامت (۲) زیادتی نعمت کی طلب۔

پھر اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں تمہیں عطا کی ہیں وہ ہمیشہ تمہارے پاس رہیں گی اور اس

کے زائل ہونے کا کوئی خطرہ نہ ہوگا اور جو نعمتیں تمہیں نہیں عطا ہوئیں وہ سب تمہیں عطا فرمادے گا حالانکہ تم ان نعمتوں کو اچھی طرح مانگ بھی نہیں سکتے اور نہ اس کی آرزو وتمنا کر سکتے ہو لہذا تم ان کے فوت ہونے سے نہ ڈرو جب تم طاعت پر استقامت وزیادتی نعمت کی طلب میں کامیاب ہو جاؤ گے تو تم ان لوگوں میں سے ہو جاؤ گے جو علمائے عارفین باللہ' عامل بالدین القویم' گناہوں سے توبہ کرنے والے' عیبوں سے پاک نفوس' دنیا سے بالکل الگ رہنے والے' اللہ تعالیٰ کی طاعت وعبادت کے لئے تنہائی اختیار کرنے والے' شیطان کو مغلوب کرنے والے دل اور اعضاء سے کما حقہ تقویٰ اختیار کرنے والے' امیدوں میں کوتاہی برتنے والے' نصیحت کرنے والے' اللہ سے ڈرنے والے' تواضع وانکساری کرنے والے' اللہ پر توکل کرنے والے' اپنے تمام امور اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنے والے' اللہ کی تقدیر پر راضی رہنے والے' اللہ کی آزمائشوں پر صبر کرنے والے' اللہ کے عذاب سے ڈرنے والے' اللہ کی رحمت کی امید رکھنے والے' خلوص والے' اللہ تعالیٰ کے احسانات کو یاد رکھنے والے اور اپنے آقا و مولیٰ اللہ رب العالمین کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے والے ہیں پھر ان مرتبوں پر فائز ہونے کے بعد تم ان لوگوں میں سے ہو جاؤ گے جو دین حق پر قائم رہنے والے' مکرم ومعزز اور صدیق ہیں لہذا تم اس مذکورہ گفتگو پر اچھی طرح غور کرو اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق کا والی و مددگار ہے۔

سوال: اگر معاملہ ایسا ہی ہے جیسا کہ آپ نے ذکر کیا (معرفت' عمل' توبہ وغیرہ) تو اس معبود کی عبادت کرنے والے اس مقصد تک پہنچنے والے بہت کم لوگ ہوں گے اور کون آدمی ایسی مشقتوں کو برداشت کرنے کی طاقت رکھے گا اور کون ان شرطوں اور

سنتوں کو حاصل کر سکتا ہے؟

جواب: جان لو کہ اللہ تعالیٰ بھی ایسا ہی فرماتا ہے جیسا کہ تم نے اپنے سوال میں ذکر کیا ہے چنانچہ فرماتا ہے: وَ قَلِیْلٌ مِّنْ عِبَادِیَ الشَّكُوْرُ (پ۲۲ سورۃ السبا آیت ۱۳) اور میرے بندوں میں شکر کرنے والے کم ہیں۔

اور فرماتا ہے: لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْكُرُوْنَ (پ۱۲ سورۃ یوسف آیت ۳۸) اور لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے (لوگ عقل نہیں رکھتے، لوگ نہیں جانتے)

پھر یہ معاملہ اللہ تعالیٰ جس پر آسان فرمادے تو اس کے لئے آسان ہے بندے کے ذمہ عبادت میں کوشش کرنا ہے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہدایت عطا فرمائے گا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَ الَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَاؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ ۝ (پ۲۱ سورۃ العنکبوت آیت ۶۹) اور جن لوگوں نے ہماری راہ میں کوشش کی ہم انہیں اپنے راستے ضرور دکھائیں گے۔

اور جب ایک کمزور بندہ اپنے فرائض کو پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے تو رب قدیر، غنی، کریم اور رحیم کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے یعنی کیا تم بغیر کسی معالج و واسطہ کے کوئی کام کر سکتے ہو؟

سوال: اگر تم کہو کہ عمریں تو مختصر اور چھوٹی ہیں اور یہ گھاٹیاں بڑی لمبی اور سخت ہیں تو عمر کیسے باقی رہے گی کہ یہ تمام شرطیں پوری ہوسکیں اور یہ گھاٹیاں طے ہوسکیں؟

جواب: میری عمر کی قسم! یقیناً یہ گھاٹیاں بہت طویل ہیں اور ان کی شرطیں بھی بہت سخت ہیں لیکن جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو منتخب فرمالیتا ہے تو اس کی لمبائی کو مختصر اور چھوٹی کر دیتا ہے اور اس کی سختیوں کو اس پر آسان و سہل فرمادیتا ہے یہاں تک کہ

بندہ ان گھاٹیوں کو طے کرنے کے بعد کہتا ہے کہ یہ راستہ کتنا آسان، قریب اور مختصر ہے اور یہ معاملہ کتنا آسان اور سہل ہے۔

اور اسی لئے جب میں اس گھاٹی پر کھڑا ہوا تو میں نے یہ اشعار پڑھے۔

(۱) عَلَمُ الْمَحَجَّةِ وَاضِحٌ لِمُرِيْدِهٖ
وَاَرَى الْقُلُوْبَ عَنِ الْمَحَجَّةِ فِيْ عَمًى

سیدھے راستے کا علم چاہنے والے کے لئے ظاہر ہے اور میں دلوں کو دیکھتا ہوں کہ وہ سیدھے راستہ سے اندھے ہیں۔

وَلَقَدْ عَجِبْتُ لِهَالِكٍ وَنَجَاتُهٗ
مَوْجُوْدَةٌ وَلَقَدْ عَجِبْتُ لِمَنْ نَجَا

اور میں ہلاک و برباد ہونے والے پر تعجب کرتا ہوں حالانکہ اس کی نجات موجود تھی اور میں نجات پانے والے پر بھی تعجب کرتا ہوں (حالانکہ اس کی ہلاکت بھی موجود تھی)

یہاں تک کہ بعض لوگ ایسے ہیں جو ان گھاٹیوں کو ستر سال میں طے کرتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جو بیس سال میں اور بعض دس سال میں طے کرتے ہیں اور بعض ایسے لوگ ہیں جنہیں سال بھر میں ہی یہ مقام حاصل ہو جاتا ہے اور بعض ایک مہینہ میں بلکہ ایک ہفتہ میں بلکہ پل (گھڑی) بھر میں طے کر لیتے ہیں یہاں تک کہ بعض اللہ کے ایسے بندے بھی ہیں جنہیں یہ مقام اللہ سبحانہ کی خاص توفیق اور عنایت سے ایک لحظہ میں حاصل ہو جاتا ہے۔

کیا تم اصحاب کہف کے واقعہ کو یاد نہیں کرتے کہ ان کی مدت کتنی مختصر تھی جب انہوں نے اپنے بادشاہ دقیانوس کے چہرے میں تبدیلی دیکھ کر بولے: رَبُّنَا رَبُّ

السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَا مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَاۤ اِذًا شَطَطًا ۝ (پ۱۵ سورۃ الکھف آیت۱۴) کہ ہمارا رب! وہ ہے جو آسمان اور زمین کا رب ہے ہم اس کے سوا کسی معبود کو نہ پوجیں گے ایسا ہو تو ہم نے ضرور حد سے گزری ہوئی بات کہی۔

ان حضرات کو یہ معرفت عطا ہوئی اور اس راستہ کی حقیقتیں دیکھ لیں اور انہوں نے اس راستہ کو بھی طے کرلیا تو وہ اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنے والے سیدھے راستے پر چلنے والے ہوگئے اس لئے انہوں نے کہا: فَاْوٗۤا اِلَى الْكَهْفِ یَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَ یُهَیِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا (پ۱۵ سورۃ الکھف آیت۱۶) تو غار میں پناہ لو تمہارا رب تمہارے لئے اپنی رحمت پھیلا دے گا اور تمہارے کام میں آسانی کے سامان بنا دے گا۔

اور یہ سارے معارف وحقائق ان کو ایک ساعت یا ایک لحظہ کی مدت میں حاصل ہوگئے کیا تمہیں فرعون کے جادوگروں کا واقعہ یاد نہیں ہے کہ جب انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ دیکھا ان کی مدت صرف ایک لحظہ بھر تھی: قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ رَبِّ مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ ۝ (پ۱۹ سورۃ الشعراء آیت۴۷، ۴۸) جادوگر بولے ہم ایمان لائے ساری کائنات کے رب اور موسیٰ وہارون کے رب پر۔

تو انہوں نے ایک ہی لحظہ میں اس راستے کو دیکھ لیا اور اسے طے بھی کرلیا تو وہ ایک گھڑی میں بلکہ اس سے کم وقت میں اللہ تعالیٰ کو پہچاننے والوں، اللہ کے فیصلے پر راضی ہونے والوں، اللہ تعالیٰ کی آزمائشوں اور مصیبتوں پر صبر کرنے والوں اور اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے والوں اور اللہ تعالیٰ کا دیدار چاہنے والوں میں سے ہوگئے اور پکار اٹھے: قَالُوْا لَا ضَیْرَ٘ اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ۝ (پ۱۹ سورۃ الشعراء آیت۵۰) کچھ

نقصان نہیں ہم اپنے رب کی طرف پلٹنے والے ہیں۔

حکایت: ہم سے ایک حکایت بیان کی گئی ہے کہ حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ دنیا میں ایک بادشاہ تھے انہوں نے بادشاہی چھوڑ دی اور اس راستہ پر چل پڑے تو ان کے لئے بلخ سے مروروز (خراسان کے ایک شہر کا نام ہے) تک کی مسافت طے کرنے کے برابر ہی کی دیر ہوگی یہاں تک کہ وہ ایک ایسے مقام پر پہنچ گئے کہ ایک آدمی پل پر سے زیادہ پانی میں گر رہا تھا تو آپ نے گرنے والے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ ٹھہر جاؤ تو وہ آدمی فضاء میں اپنے مقام پر ٹھہر گیا اور گرنے سے بچ گیا۔

حکایت: حضرت رابعہ بصریہ بہت بوڑھی باندی تھیں انہیں بصرہ کے بازار میں گھمایا جاتا تھا لیکن ان کے بوڑھی ہونے کی وجہ سے کوئی شخص ان کی طرف توجہ اور التفات نہیں کرتا تھا تو ایک تاجر کو ان پر رحم آ گیا اس نے انہیں سو درہم میں خرید کر آزاد کر دیا پھر رابعہ بصریہ نے اس راستے کو منتخب کر لیا اور اللہ تعالیٰ کی عبادت شروع کر دی ابھی ان کا ایک سال بھی پورا نہیں ہوا تھا کہ بصرہ کے زاہدین وقراء اور علماء حضرات ان کے رتبہ و درجات کی بلندی کی وجہ سے ان کی زیارت کو آنے لگے لیکن جس کو اللہ تعالیٰ کی عنایت شامل نہ ہو اور فضل ورحمت کا معاملہ اس کے ساتھ نہیں کیا گیا تو اسے اس کے نفس کے سپرد کر دیا جاتا ہے تو ایسا شخص بعض دفعہ ایک ہی گھاٹی کے راستے میں ستر سال تک پڑا رہتا ہے اور اس راستے کو طے نہیں کر پاتا اور بہت چیختا چلاتا ہے کہ یہ راستہ کتنا تاریک اور کتنا مشکل ہے اور یہ معاملہ کتنا تنگ اور دشوار ہے مگر سب کی اصل ایک ہی ہے اور وہ غالب، جاننے والے، علم وحکمت والے کی تقدیر ہے (تقدیر الٰہی)

سوال: جسے اللہ تعالیٰ نے توفیق دی اسے توفیق خاص سے کیوں نوازا گیا اور جسے

توفیق نہ دی اسے کیوں محروم کیا گیا حالانکہ عبودیت کی رسی دونوں میں مشترک ہے؟

جواب: یہ سوال کرتے وقت اللہ تعالیٰ کے جلال کے پردے سے آواز دی جائے گی کہ ادب کو ملحوظ رکھو اور ربوبیت کے اسرار اور عبودیت کی حقیقت کو پہچانو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ جو کچھ کرتا ہے: لَا یُسْـَٔلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَ هُمْ یُسْـَٔلُوْنَ٥ (پ۱۷ سورۃ الانبیاء آیت ۲۳) اللہ سے نہیں پوچھا جاتا جو وہ کرے اور ان سب (بندوں) سے سوال ہوگا۔

میں (امام غزالی) کہتا ہوں کہ دنیا میں اس (عبادت) راستہ کی مثال آخرت میں پل صراط کی طرح ہے اور عبادت کے راستے کی گھاٹیوں اور اس کی مسافتوں اور ان کے عبور کرنے میں مخلوق کے احوال مختلف ہیں اس لئے کہ ان میں سے بعض حضرات پل صراط سے چمکنے والی بجلی کی طرح گزر جائیں گے اور بعض آندھی طوفان کی طرح اور بعض تیز رفتار گھوڑے کی طرح اور کچھ لوگ پرندوں کی طرح اور بعض پیدل چلتے ہوئے اور بعض گھسٹتے ہوئے یہاں تک کہ وہ کوئلے کی طرح ہو جائیں گے اور کچھ لوگ اس کی آواز سنیں گے اور بعض لوگ شکنجوں میں جکڑ دیئے جائیں گے اور انہیں جہنم میں پھینک دیا جائے گا یہی حال اس راستہ کا دنیا میں اپنے مسافروں کے ساتھ ہے گویا یہ دو راستے ہیں ایک دنیا کا راستہ اور دوسرا آخرت کا راستہ، پل صراط اس کی ہولناکیاں لوگ آنکھوں سے دیکھیں گے اور دنیا کا راستہ دلوں کا راستہ ہے اور اس کی ہولناکیوں کو صرف بصیرت و عقل والے دیکھتے ہیں۔ اور آخرت میں چلنے والوں کے احوال مختلف ہوں گے کیونکہ ان کے حالات دنیا میں بھی مختلف ہوں گے لہذا ان مختلف چلنے والوں کے حالات پر کما حقہ غور کرو اور اس پر عمل بھی کرو اور توفیق اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔

فصل: پھر جان لو کہ آخرت کے راستہ پر چلنے والوں کے متعلق جو کچھ تحقیق ہے وہ یہ ہے کہ آخرت کا راستہ لمبا اور چھوٹا ہونے میں ان مسافتوں کی طرح نہیں ہے جن مسافتوں کو آدمی اپنی طاقت وقوت اور کمزوری کے مطابق اپنے قدموں سے چل کر طے کرتے ہیں بلکہ یہ راستہ ایک روحانی راستہ ہے جس پر دل چلتے ہیں اور فکر سے اپنے عقائد و بصیرت کے مطابق طے کرتے ہیں اور اس کی اصل ایک آسمانی نور ہے اور نظر الٰہی ہے یہ نور جس بندے کے دل میں واقع ہو جائے تو وہ اس نور سے دیکھتا ہے تو حقیقت میں دونوں جہان کے معاملے کو دیکھ لیتا ہے۔ پھر یہ وہ نور ہے کہ بندہ بعض دفعہ سو سال تک تلاش کرتا رہتا ہے پھر بھی اسے نہیں پاتا اور نہ ہی اس کے نشان کا پتہ چلتا ہے اور یہ صرف بندے کی طلب اور کوشش میں کوتاہی اور اس راستہ کی لاعلمی و جہالت کی وجہ سے ہوتا ہے اور بعض بندے اس نور کو پچاس سال میں پالیتے ہیں اور بعض دفعہ دس سال کی مدت میں اور بعض ایک دن میں ہی حاصل کر لیتے ہیں اور بعض بندے تو رب العزت جل مجدہ کی عنایت و توفیق سے ایک گھڑی اور آن ولحظہ میں پالیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی ہدایت کا والی و مددگار ہے لیکن بندہ کو کوشش کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس لئے بندے پر اس کی تعمیل واجب ہے اور تمام معاملات تقسیم شدہ اور مقدر ہو چکے ہیں اور رب تبارک وتعالیٰ عادل حاکم ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو چاہتا ہے حکم فرماتا ہے

سوال: یہ خطرہ کتنا عظیم ہے اور یہ معاملہ کتنا سخت و دشوار ہے اور یہ کمزور بندہ کتنا محتاج ہے تو یہ سارے اعمال اور کوشش اور ان شرطوں کا حصول کس لئے ہے؟

جواب: میری عمر کی قسم! بے شک تم اپنے اس قول میں سچے ہو کہ معاملہ بہت دشوار ہے اور خطرہ بہت عظیم ہے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: لَقَدْ خَلَقْنَا

الْاِنْسَانَ فِیْ كَبَدٍO (پ۳۰ سورۃ البلد آیت۴) بے شک ہم نے آدمی کو مشقت میں پیدا کیا۔

اور دوسرے مقام پر فرماتا ہے: اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ الْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا وَ اَشْفَقْنَ مِنْهَا وَ حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًاO (پ۲۲ سورۃ الاحزاب آیت۷۲) بے شک ہم نے آسمانوں اور زمینوں اور پہاڑوں پر امانت (طاعت و فرائض) پیش فرمائی تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے اور آدمی نے اٹھالی بے شک وہ اپنی جان کو مشقت میں ڈالنے والا بڑا نادان ہے (مزید تفصیل تفسیر میں دیکھیں مترجم)

اور اسی لئے سید المرسلین صلوات اللہ تعالیٰ و سلامہ علیہ و علیہم اجمعین نے فرمایا اور اگر تم اس بات کو جان لیتے جس کا مجھے علم ہے تو تم زیادہ روتے اور کم ہنستے (مسند احمد، سنن الترمذی، سنن النسائی، سنن ابن ماجہ عن انس)

اور وہ روایت جسے بیان کیا جاتا ہے کہ ایک آواز دینے والا آسمان سے آواز دیتا ہے کاش مخلوق پیدا نہ ہوتی اور جب پیدا ہوگئی ہے تو کاش وہ اپنی پیدائش کا مقصد سمجھتی اور جب مقصد سمجھ لیا ہے تو کاش اس کے مطابق عمل کرتی۔ سلف صالحین رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی ایسا ہی فرماتے ہیں چنانچہ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ عذاب کے خوف سے فرماتے ہیں میں پسند کرتا ہوں کہ میں کوئی گھاس ہوتا کہ مجھے جانور کھاتے اور حضرت سیدنا فاروق اعظم عمر رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو یہ آیت تلاوت فرماتے سنی: هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ یَكُنْ شَیْـًٔا مَّذْكُوْرًاO (پ۲۹ سورۃ الدھر آیت۱) بے شک آدمی پر ایک وقت وہ گزرا کہ کہیں اس کا نام بھی نہ تھا۔

تو انہوں نے فرمایا کاش یہ چیز اسی وقت (جب انسان کسی قابل نہ تھا) ختم ہوجاتی۔

اور حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں پسند کرتا ہوں کہ میں اپنے گھر والوں کا مینڈھا ہوتا اور وہ میرا گوشت تقسیم کردیتے اور میرا شوربہ پی لیتے اور میں پیدا نہ کیا جاتا۔ اور حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ آدم کی اولاد احمق پیدا ہوئی ہے اور اگر یہ احمق نہ ہوتی تو دنیا میں اس کی زندگی کبھی خوشگوار نہ ہوتی۔ اور حضرت فضل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں کسی مقرب فرشتے اور نبی مرسل اور نیک بندہ پر رشک نہیں کرتا کیا قیامت کے دن یہ لوگ عتاب نہیں کیے جائیں گے (اور ایک نسخہ صحیحہ میں یہ ہے کہ کیا قیامت کے دن یہ لوگ قیامت کی ہولنا کیوں کا مشاہدہ نہیں کریں گے) میں تو صرف ان لوگوں پر رشک کرتا ہوں جو پیدا نہ کیے گئے اور حضرت عطاء سلیمی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے فرماتے ہیں اگر آگ روشن کر کے کہا جائے کہ جو شخص اپنے آپ کو اس میں ڈالے گا وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے گا تو مجھے ڈر ہے کہ میں آگ تک پہنچنے سے پہلے ہی خوشی کے مارے مر جاؤں گا۔

اے لوگو! جب تم نے مذکورہ بزرگوں کے اقوال سن لئے تو تمہارے کہنے کے مطابق واقعی معاملہ بہت سخت ہے بلکہ تمہارے وہم وگمان سے بھی بہت زیادہ سخت و اعظم ہے لیکن یہ ایک ایسا معاملہ ہے جو علم قدیم میں طے ہو چکا ہے اور ازل ہی سے تقدیر میں نافذ ہو چکا ہے اور جاننے والے غالب نے اسے جاری فرمایا ہے لہذا بندہ کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے اور اللہ کی رسی مضبوطی سے تھامنے اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی بارگاہ میں گریہ وزاری میں کوشش کرنے کے سوا کوئی تدبیر و چارہ نہیں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے اور اپنے فضل وکرم سے اسے عذاب سے محفوظ رکھے۔

اور باقی رہا تمہارا یہ سوال کہ یہ سب کیوں ہے۔ تو تمہاری گفتگو اور تمہارا سوال تمہاری

عظیم غفلت پر دلالت کرتا ہے بلکہ درست وصحیح یہ ہے کہ تم کہو یہ تمام چیزیں جن کی کمزور بندہ طلب وجستجو کرتا ہے اس کے مقابلہ میں ان کی کیا حقیقت ہے۔ کیا تمہیں معلوم کہ یہ کمزور بندہ کیا تلاش کرتا ہے۔ وہ کم سے کم دو چیزیں ہیں (۱) دنیا وآخرت کی سلامتی (۲) دونوں جہان کی بادشاہی۔

دنیا وآخرت کی سلامتی: دنیا اور اس کی آفتیں اور اس کے فتنے اور اس کے شر وفساد اس قدر ہیں کہ اس سے مقرب فرشتے بھی محفوظ نہ رہ سکے اور یقیناً تم نے ہاروت وماروت کا واقعہ سنا ہوگا یہاں تک مروی ہے کہ جب بندے کی روح آسمان کی طرف لے جائی جاتی ہے تو آسمان کے فرشتے تعجب سے کہتے ہیں کہ یہ بندہ اس دنیا سے بچ کر آ گیا جہاں ہمارے منتخب وبہترین فرشتے بھی محفوظ نہ رہ سکے اور آخرت کی ہولناکیاں اور اس کی سختیاں ایسی ہیں کہ جس سے انبیاء ورسل علیہم السلام بھی چیخ اٹھے۔ مجھے بچالے مجھے بچالے آج کے دن میں تجھ سے صرف اپنی جان کی امان کا سوال کرتا ہوں (عن ابی ھریرۃ) حتیٰ کہ بیان کیا جاتا ہے کہ اگر کسی مرد کے پاس ستر نبیوں کے عمل برابر بھی عبادت واعمال ہوں جب بھی وہ یہی گمان رکھتا ہے کہ نجات مشکل ہے پھر جو شخص چاہے کہ ان فتنوں سے محفوظ رہے تو اسے چاہئے کہ وہ اسلام کے ساتھ دنیا سے جائے تو سلامتی نصیب ہو جائے گی اسے کوئی مصیبت نہ پہنچے گی اور آخرت کی ہولناکیوں سے بچ کر جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جائے گا اسے کسی قسم کی کوئی تکلیف بھی نہ پہنچے گی تو غور کرے کہ کیا یہ کوئی معمولی کام ہے۔

اور باقی رہی بادشاہت اور کرامت تو یاد رکھو کہ حکومت وبادشاہت تصرف ومشیت کا نافذ ہونا ہے اور یہ نفاذ حقیقت میں دنیا میں اللہ عزوجل کے ان دوستوں اور اس کے

برگزیدہ بندوں کے لئے ہے جو اللہ تعالیٰ کی تقدیر و فیصلہ پر راضی ہیں چنانچہ ان حضرات کے لئے خشکی اور سمندر اور زمین سب کچھ ایک قدم ہے اور پتھر و ڈھیلہ ان کے لئے سونا و چاندی ہیں اور تمام جن وانس اور چرندو پرند اللہ کے برگزیدہ بندوں کے مطیع و فرماں بردار ہیں اور یہ حضرات جو چیز چاہتے ہیں وہ چیز موجود ہو جاتی ہے اس لئے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف کچھ چاہتے ہی نہیں اور اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے ہو جاتا ہے یہ لوگ کسی مخلوق سے نہیں ڈرتے لیکن ان سے تمام مخلوق ڈرتی ہے یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کی طاعت و عبادت نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ کے سوا تمام مخلوق ان کی غلامی و خدمت کرتی ہیں اور دنیا کے بادشاہوں کو اس رتبہ و مقام کا دسواں حصہ بھی نصیب نہیں ہوتا بلکہ یہ دنیاوی بادشاہ لوگ اس سے بھی بہت کم اور زیادہ ذلیل و حقیر ہیں لیکن آخرت کی بادشاہت کے متعلق اللہ تعالیٰ خود ارشاد فرماتا ہے: وَاِذَا رَاَیْتَ ثَمَّ رَاَیْتَ نَعِیْمًا وَّ مُلْكًا كَبِیْرًا ○ (پ۲۹ سورۃ الدھر آیت ۲۰) اور جب تو ادھر نظر اٹھائے تو ایک چین دیکھے اور بڑی سلطنت۔

اس سے بڑھ کر اور کیا بادشاہت ہو سکتی ہے کہ جس کے متعلق خود اللہ رب العزت فرماتا ہے: وَّ مُلْكًا كَبِیْرًا ○ (پ۲۹ سورۃ الدھر آیت ۲۰) بے شک وہ بہت بڑی سلطنت ہے۔

اور یہ تو تمہیں معلوم ہے کہ دنیا کی ساری چیزیں اس کے مقابلے میں بہت کم ہیں اور اس کی ابتداء سے لے کر انتہاء تک ساری زندگی بہت کم ہے اور ہم میں سے کسی ایک کا حصہ اس تھوڑے سے بھی تھوڑا ہے پھر بھی ہم میں سے کسی ایک کو دنیا حاصل کرنے کے لئے اپنا مال اور اپنی جان خرچ کرنی ہوتی ہے یہاں تک کہ بعض اوقات اس تھوڑے سے بھی تھوڑی مقدار حاصل ہوتی ہے اور پھر اس کی بقاء بھی بہت کم ہوتی ہے اور اگر

اسے وہ تھوڑی پونجی حاصل ہو جائے تو لوگ معذور سمجھتے ہیں بلکہ لوگ اس پر رشک کرتے ہیں اور جو کچھ اس نے حاصل کرنے میں مال اور جان خرچ کیا ہے اسے زیادہ نہیں سمجھتا جیسا کہ امرء القیس نے کہا ہے۔

بَکٰی صَاحِبِی لَمَّا رَاَی الدَّرْبَ دُوْنَہٗ
وَاَیْقَنَ اَنَّا لَاحِقَانِ بِقَیْصَرَا

میرے دوست نے جب اپنے سامنے شہر روم میں داخل ہونے کی جگہ دیکھی تو رونے لگا اور اس نے یقین کر لیا کہ ہم قیصر شاہ روم سے ملاقات کرنے والے ہیں۔

فَقُلْتُ لَہٗ لَا تَبْکِ عَیْنُکَ اِنَّمَا
نُحَاوِلُ مُلْکًا اَوْ نَمُوْتُ فَنُعْذَرَا

تو میں نے اس سے کہا تمہاری آنکھیں نہ روئیں ہم تو بادشاہ سے حیلہ کر کے دولت حاصل کر ہی لیں گے یا ہم مر جائیں گے تو دنیا ہمیں معذور سمجھے گی۔

پھر اس شخص کا کیا حال ہوگا جو ہمیشہ رہنے والی جنت میں بہت بڑی بادشاہت طلب کرتا ہے تو کیا وہ اس کے مقابلے میں جو دو رکعت اللہ تعالیٰ کے لئے پڑھتا ہے یا دو درہم اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے یا دو راتیں جاگتا ہے انہیں کافی سمجھتا ہے ہرگز ہرگز نہیں بلکہ اگر اس کے پاس دس لاکھ جانیں اور دس لاکھ روحیں اور دس لاکھ عمریں ہوں ہر عمر دنیا کی عمر کے برابر اور اس سے بھی زیادہ ہو پھر وہ اس مقصد عزیز کے لئے ان تمام کو خرچ کرے تب بھی یہ بہت کم ہے اور اگر وہ ان سب کو خرچ کرنے کے بعد اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے تو یہ اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم اور بہت غنیمت ہوگا۔ لہذا اے مسکینو! اس غفلت کی نیند سے بیدار ہو جاؤ پھر میں نے غور کیا کہ جب بندہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا

ہے اور اس کی طاعت کو لازم جانتا ہے اور اپنی ساری زندگی اسی راستے پر چلتا رہتا ہے تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ بندے کو جو کچھ عطا فرماتا ہے وہ چالیس کرامتیں وفضیلتیں اور خلعتیں ہوتی ہیں ان میں سے بیس وہ جو دنیا میں ملیں گی وہ یہ ہیں۔

(۱) پہلی نعمت وکرامت یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس کا ذکر فرماتا ہے اور اس بندے کی تعریف کرتا ہے اور وہ بندہ کتنا معزز ومکرم ہے کہ اللہ رب العالمین اپنے ذکر وتعریف سے احسان فرماتا ہے۔

(۲) دوسری نعمت یہ ہے کہ اللہ جل جلالہ بندے کی تعریف وتعظیم فرماتا ہے اور اگر تمہاری طرح کوئی کمزور وضعیف بندہ تمہارا شکریہ ادا کرے اور تمہاری عزت وتعظیم کرے تو تم اس کی تعظیم وشکر کو کافی سمجھتے ہو تو اولین وآخرین کا معبود تمہاری جو تعظیم و تعریف فرمائے گا اس کا عالم کیا ہوگا۔

(۳) تیسری کرامت وفضیلت یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس بندے سے محبت فرماتا ہے اور اگر محلے کا رئیس یا شہر کا حاکم تم سے محبت کرے تو تم اس پر فخر محسوس کرتے ہو اس محبت سے بڑے بڑے مقامات میں فائدہ ونفع اٹھاتے ہو پھر اللہ رب العالمین کی محبت کی کیا شان ہوگی۔

(۴) چوتھی نعمت یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے کاموں کا وکیل ہو جاتا ہے اور اس کے تمام معاملات کی نگرانی وتدبیر فرماتا ہے۔

(۵) پانچویں نعمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی روزی کا ذمہ لے لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بغیر کسی محنت ومشقت کے اسے رزق بھیجتا رہتا ہے۔

(۶) چھٹی نعمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا مددگار رہتا ہے اور اللہ ہر دشمن سے اس کے

لئے کافی ہے اور ہر برائی کا ارادہ کرنے والے کو روکتا ہے۔

(۷) ساتویں نعمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بندے کا انیس ہوجاتا ہے تو کسی حال میں گبھراہٹ و وحشت محسوس نہیں ہوتی اور تغیر و تبدل کا اسے کوئی خوف نہیں ہوتا۔

(۸) آٹھویں نعمت یہ ہے کہ نفس کی عزت ہوتی ہے تو دنیا اور دنیا والوں کی خدمت اسے ذلیل و خوار نہیں کرتی بلکہ وہ اس پر بھی راضی نہیں ہوتا کہ بادشاہ اور دنیا کے جابر لوگ اس کی خدمت کریں۔

(۹) نویں نعمت یہ ہے کہ ہمت بلند ہوتی ہے دنیا اور دنیا والوں کی گندگیوں میں آلودہ ہونے سے بچ جاتا ہے اور دنیا کے کھیل، تماشوں کی طرف متوجہ نہیں ہوتا اور عقلمندوں کا شیوہ ہے کہ بچوں اور عورتوں کے ساتھ لہو ولعب سے دور رہتے ہیں۔

(۱۰) دسویں نعمت یہ ہے کہ دل غنی ہوجاتا ہے تو وہ دنیا کے ہر غنی سے زیادہ غنی ہوتا ہے اس کا نفس ہمیشہ پاکیزہ اور سینہ کشادہ و فراخ رہتا ہے اسے کسی حادثہ، بے چینی و گبھراہٹ میں مبتلا نہیں کرتا اور نہ کسی چیز کے گم ہوجانے کا کوئی غم ہوتا ہے۔

(۱۱) گیارھویں نعمت یہ ہے کہ دل روشن و منور ہوجاتا ہے تو اپنے دل کے اس نور کے ذریعے علوم و اسرار اور حکمتوں پر آگاہ و مطلع ہوجاتا ہے کہ جن پر اس کے سوا کوئی اور بغیر بڑی کوشش و محنت اور عمر طویل کے مطلع نہیں ہوتا۔

(۱۲) بارھویں نعمت یہ ہے کہ سینہ کشادہ ہوجاتا ہے کہ دنیاوی مصیبتوں اور تکلیفوں اور لوگوں کے مکر و فریب اور عیاریوں اور ان کی مکاریوں سے دل تنگ نہیں ہوتا۔

(۱۳) تیرھویں نعمت و کرامت یہ ہے کہ لوگوں پر اس کی ہیبت اور خوف طاری ہوجاتا ہے تو نیک و بد سب اس کا ادب و احترام کرتے ہیں اور ہر فرعون اور متکبر اس سے ڈرتا

ہے۔

(۱۴) چودھویں نعمت یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں میں محبت پیدا ہو جاتی ہے اور یہ محبت اللہ تعالیٰ اس کے لئے لوگوں کے دلوں میں پیدا فرما دیتا ہے تو تمام قلوب اس کی محبت پر مجبور ہو جاتے ہیں اور تمام لوگ اس کی عزت واحترام کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

(۱۵) پندرھویں نعمت یہ ہے کہ ہر چیز میں برکاتِ عامہ کا ظہور ہوتا ہے یہاں تک کہ اس کی گفتگو، نفس، کام، کپڑے، مکان حتیٰ کہ چلنے کی جگہ اور اس کے بیٹھنے کی جگہ اور اس کی صحبت اختیار کرنے والوں میں برکات کا ظہور ہو جاتا ہے۔

(۱۶) سولہویں فضیلت یہ ہے کہ اس کے لئے تمام روئے زمین خواہ سمندر ہو یا جنگل سب کے سب مسخر ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ اگر وہ ہوا میں اڑنا اور پانی پر چلنا چاہے یا ساری روئے زمین کو ایک گھڑی سے بھی کم میں طے کرنا چاہے تو طے کر سکتا ہے۔

(۱۷) سترھویں نعمت یہ ہے کہ تمام حیوانات خواہ درندے ہوں یا پرندے یا وحشی جانور ہوں یا کیڑے مکوڑے سب مسخر ہو جاتے ہیں پھر وحشی جانور اس سے انس ومحبت کرتے ہیں اور شیر اپنی دمیں ہلانے لگتے ہیں۔

(۱۸) اٹھارہویں نعمت یہ ہے کہ وہ تمام روئے زمین کے خزانوں کی کنجیوں کا مالک ہو جاتا ہے تو جس جگہ ہاتھ رکھ دے اسی جگہ خزانہ ابل پڑے اور اگر پانی کی ضرورت ہو تو جہاں اپنا پاؤں مارے پانی کے چشمے جاری ہو جاتے ہیں اگر کھانے کی خواہش ہو تو جہاں اتر جائے وہیں دستر خوان مل جائے۔

(۱۹) انیسویں فضیلت وکرامت یہ ہے کہ اللہ رب العزت جل جلالہ کے دروازے کی قیادت ووجاہت نصیب ہو جاتی ہے تو اللہ کی مخلوق اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کی خدمت

کر کے وسیلہ ڈھونڈھتی ہے اور اس کی وجاہت و برکت کے ذریعے لوگ اللہ تعالیٰ سے حاجتیں مانگتے ہیں۔

(۲۰) بیسویں فضیلت و کرامت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کی دعا مقبول ہوتی ہے اللہ تعالیٰ سے جو کچھ مانگتا ہے اللہ تعالیٰ اسے عطا فرماتا ہے اور اگر وہ کسی کی سفارش کرتا ہے تو اس کی سفارش قبول ہوتی ہے اور اگر اللہ کی قسم کھالے تو وہ جیسا چاہتا ہے اللہ تعالیٰ پورا فرما دیتا ہے یہاں تک کہ ان سالکین بندوں میں سے کوئی پہاڑ کی طرف اشارہ کرے تو وہ اپنی جگہ سے ہٹ جائے یہ لوگ زبان سے سوال کرنے کے محتاج نہیں ہوتے بلکہ ان کے دل میں جس چیز کا خیال آجائے وہ چیز موجود ہوجاتی ہے اور ہاتھ سے اشارہ کرنے کی بھی ضرورت نہیں پڑتی۔

یہ تو دنیاوی کرامتیں اور بزرگیاں ہیں اور اخروی کرامتیں اور فضیلتیں یہ ہیں۔

(۲۱) اکیسویں کرامت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اولاً اس پر موت کے سکرات کو آسان فرما دیتا ہے اور یہ وہ چیز ہے کہ جس سے انبیائے کرام صلوات اللہ و سلامہ علیہم اجمعین کے دل بھی ڈرتے ہیں یہاں تک کہ انہوں نے اللہ سے سوال کیا کہ سکرات موت کو آسان فرمادے یہاں تک کہ ان میں سے بعض کے نزدیک موت پیاسے کے لئے میٹھے پانی پینے سے بھی زیادہ خوشگوار ہوتی ہے اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ ۝ (پ۱۴ سورۃ النحل آیت ۳۲) وہ جن کی جان فرشتے ستھرے پن میں نکالتے ہیں۔

(۲۲) بائیسویں کرامت و بزرگی یہ ہے کہ معرفت الٰہی اور ایمان پر ثابت ہوتے ہیں اور وہ انتہائی گھبراہٹ کا مقام ہے اور اس ثابت قدمی کے زوال پر پوری بے صبری

سے آہ وفغان کرتا ہے اللہ عزوجل فرماتا ہے: یُثَبِّتُ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِالۡقَوۡلِ الثَّابِتِ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَ فِی الۡاٰخِرَۃِ (پ۱۳ سورۃ ابراھیم آیت۲۷) اللہ ایمان والوں کو دنیاوی اوراخروی دونوں زندگیوں میں حق بات پر ثابت قدم رکھتا ہے۔

(۲۳) تیئسویں بزرگی وفضیلت یہ ہے کہ بہشت و برزخ کی راحت، پاک رزق، جنت کی بشارت، رب کی رضا اور امان پہنچتا ہے چنانچہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے: اَلَّا تَخَافُوۡا وَ لَا تَحۡزَنُوۡا وَ اَبۡشِرُوۡا بِالۡجَنَّۃِ الَّتِیۡ کُنۡتُمۡ تُوۡعَدُوۡنَ ۝ (پ۲۴ سورۃ حم السجدۃ آیت۳۰) کہ نہ ڈرواور نہ غم کرواور خوش ہواس جنت پر جس کا تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے۔

تواسے آخرت میں پیش آنے والی ہولنا کیوں کا کوئی خوف نہیں ہوتا اور دنیا میں جو کچھ چھوڑ آیا ہے اس کا بھی کچھ غم نہیں ہوتا۔

(۲۴) چوبیسویں فضیلت وکرامت یہ ہے کہ ہمیشگی کی جنت اور اللہ تعالیٰ کا قرب وجوار مل جاتا ہے۔

(۲۵) پچیسویں بزرگی یہ ہے کہ پوشیدگی میں اس کی روح کو جلوت حاصل ہوجاتی ہے تو اس کی روح کو آسمانوں اور زمینوں کے فرشتوں پر انعام والطاف اورعزت واحترام سے اٹھایا جاتا ہے اوراس کے بدن کو ظاہر میں اس کے جنازے کی تعظیم کے ذریعے جلوت حاصل ہوتی ہے اوراس کے جنازے کی نماز میں لوگوں کی بھیڑ لگ جاتی ہے تجہیز وتکفین میں جلدی کرتے ہیں لوگ اس تعظیم اور جنازے کی شرکت سے بہت زیادہ ثواب کی امید رکھتے ہیں اوراسے بہت غنیمت جانتے ہیں۔

(۲۶) چھبیسویں کرامت یہ ہے کہ قبر کے سوال وجواب کے فتنوں سے محفوظ ومامون

ہوجاتا ہے اور صحیح جواب القا ہوتا ہے اس لئے وہ اس سوال کی ہولناکی سے مطمئن و مامون ہوجاتا ہے۔

(۲۷) ستائیسویں نعمت یہ ہے کہ قبر کشادہ اور روشن ومنور ہوجاتی ہے تو وہ قیامت تک جنت کے باغوں میں سے ایک باغ میں رہتا ہے۔

(۲۸) اٹھائیسویں بزرگی یہ ہے کہ اس کی روح وجان مانوس ومکرم ہوجاتی ہے تو اسے سبز پرندوں کے پوٹوں میں اس کے نیک ساتھیوں کے ساتھ رکھ دیا جاتا ہے اور انہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے جو کچھ عطا فرماتا ہے اس پر وہ خوش رہتے ہیں۔

(۲۹) انتیسویں کرامت وعظمت یہ ہے کہ بڑی عزت وکرامت میں انکا حشر ہوتا ہے یعنی عمدہ جوڑے اور خلعت اور تاج پہنایا جاتا ہے اور براق پر سوار کیا جاتا ہے۔

(۳۰) تیسویں کرامت یہ ہے کہ ان کا چہرہ روشن ومنور ہوجاتا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ○ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ○** (پ۲۹ سورۃ القیامۃ آیت ۲۲، ۲۳) قیامت کے دن کچھ منہ تر وتازہ ہوں گے اپنے رب کو دیکھتے ہوں گے۔

اور دوسرے مقام پر فرماتا ہے: **وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ○ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ○** (پ۳۰ سورۃ العبس آیت ۳۸، ۳۹) اس دن کتنے منہ روشن ہوں گے ہنستے خوشیاں مناتے۔

(۳۱) اکتیسویں کرامت یہ ہے کہ تمام ہولناکیوں سے محفوظ ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: **اَفَمَنْ يُّلْقٰى فِي النَّارِ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ يَّاْتِيْٓ اٰمِنًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ** (پ۲۴ سورۃ حم السجدۃ آیت ۴۰) تو کیا جو آگ میں ڈالا جائے گا وہ اچھا ہے یا وہ جو قیامت میں امان سے آئے گا۔

(۳۲) بتیسویں بزرگی یہ ہے کہ قیامت کے دن سیدھے ہاتھ میں نامہ اعمال دیا جائے گا اور ان میں سے بعض حضرات ایسے بھی ہوں گے جنہیں سرے سے اس کی بھی ضرورت نہ ہوگی۔

(۳۳) تینتیسویں نعمت یہ ہے کہ ان کا حساب و کتاب آسان ہوگا اور بعض ان میں ایسے بھی ہوں گے کہ ان کا سرے سے حساب ہی نہ ہوگا۔

(۳۴) چونتیسویں نعمت یہ ہے کہ ان کی نیکیوں کا وزن زیادہ اور بوجھل و وزنی ہوگا اور ان میں سے بعض ایسے بھی ہوں گے جنہیں وزن کے لئے کھڑا بھی نہیں کیا جائے گا۔

(۳۵) پینتیسویں بزرگی یہ ہے کہ وہ حوض کوثر پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوں گے تو جو اسے ایک ہی مرتبہ پئے گا پھر دوبارہ کبھی بھی پیاسا نہ ہوگا۔

(۳۶) چھتیسویں فضیلت یہ ہے کہ یہ لوگ پل صراط سے آسانی کے ساتھ گزر جائیں گے اور انہیں دوزخ سے نجات حاصل ہوگی یہاں تک کہ ان میں سے بعض حضرات کی یہ شان ہوگی کہ وہ جہنم کی آواز بھی نہ سنیں گے اور وہ اپنی چاہی ہوئی نعمتوں میں ہمیشہ رہیں گے اور ان کے لئے جہنم کی آگ بھی بجھا دی جائے گی۔

(۳۷) سینتیسویں کرامت یہ ہے کہ وہ لوگ قیامت کے میدان میں انبیائے کرام و رسل عظام علیہم السلام کی طرح شفاعت کریں گے۔

(۳۸) اڑتیسویں کرامت یہ ہے کہ انہیں جنت میں ہمیشگی بادشاہت ملے گی۔

(۳۹) انتالیسویں کرامت یہ ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی رضاء و خوشنودی حاصل ہوگی۔

(۴۰) چالیسویں کرامت و بزرگی یہ ہے کہ اللہ رب العلمین، اولین و آخرین کے معبود

جل جلالہ کا بغیر کسی جہت اور زمان اور مکان کے دیدار ولقاء نصیب ہوگا۔

پھر میں (امام غزالی) کہتا ہوں کہ یہ فضیلتیں اور کرامتیں میں نے اپنی ناقص فہم و فراست اور اپنے کم مبلغ علم کے مطابق شمار کی ہیں اور اپنے علم وفہم کے باوجود میں نے نہایت مجمل ومختصر بیان کیا ہے اور میں نے اصول اور چند جملے ذکر کئے ہیں اور اگر میں ان میں سے بعض کرامتوں کی تفصیل بیان کرتا تو یہ کتاب اس کی متحمل نہیں ہوسکتی کیا تم نہیں دیکھتے کہ میں نے ہمیشہ کے ملک کو ایک ہی خلعت شمار کیا ہے اگر میں اس بعض کی تفصیل بیان کرتا تو یہی چالیس خلعتوں اور انعاموں سے زیادہ ہوجاتی مثلاً حور، محلات اور لباس وغیر ذالک پھر ان میں سے ہر ایک قسم اس قدر تفصیل پر مشتمل ہے کہ ان کا احاطہ صرف عالم الغیب والشہادہ کرسکتا ہے جو ان انعامات کا خالق و مالک ہے اور ہمیں ان تفاصیل کی معرفت کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ ہمارا پروردگار اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے: فَلَا تَعۡلَمُ نَفۡسٌ مَّاۤ اُخۡفِیَ لَهُمۡ مِّنۡ قُرَّةِ اَعۡیُنٍ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ (پ۲۱ سورۃ حم السجدۃ آیت ۱۷) تو کسی نفس کو نہیں معلوم جو آنکھوں کی ٹھنڈک ان کے لئے چھپا رکھی ہے۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے جنت میں ایسی چیزیں پیدا فرمائی ہیں جو نہ تو کسی آنکھ نے دیکھیں اور نہ کسی کان نے سنیں اور نہ کسی انسان کے دل میں ان کا خیال گزرا (صحیح البخاری، صحیح مسلم عن ابی ہریرۃ)

اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: قُلۡ لَّوۡ كَانَ الۡبَحۡرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّیۡ لَنَفِدَ الۡبَحۡرُ قَبۡلَ اَنۡ تَنۡفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّیۡ وَلَوۡ جِئۡنَا بِمِثۡلِهٖ مَدَدًا ۝ (پ۱۶ سورۃ الکہف آیت ۱۰۹) تم فرما دو اگر میرے رب کی باتوں کے لئے سمندر سیاہی ہو تو ضرور سمندر ختم

ہو جائے گا اور میرے رب کی باتیں ختم نہ ہوں گی۔ کے تحت مفسرین کرام فرماتے ہیں: یہ وہ کلمات ہیں جن کو اللہ تعالیٰ جنتیوں سے جنت میں لطف ومہربانی کے ساتھ فرمائے گا اور جن لوگوں کی یہ حالت وکیفیت ہوگی تو ہم ان کے ہزار در ہزارویں (دس لاکھویں) حصے کو بھی کیسے پہنچ سکتے ہیں کہ ہم تو انسان ہیں یا اس کے علم کو مخلوق کا علم کیسے احاطہ کرسکتا ہے ہرگز نہیں کرسکتا کہ مخلوق کا علم اتنا وسیع نہیں ہے بلکہ ہمتیں جواب دے جاتی ہیں اور عقلیں حیران ہو جاتی ہیں اور ان کے سمجھنے سے قاصر ہیں اور حق بھی یہ ہے کہ انسان کا حال ایسا ہی ہو (ان کی ہمیتیں پست ہوں اور ان کی عقلیں سمجھنے سے قاصر ہوں) اور یہ حال غالب جاننے والے کے فضلِ عظیم کے تقاضے کے مطابق اور اس کی قدیم سخاوت کے موافق ایک قسم کی عطا وبخشش ہے۔ خبردار! اس عظیم الشان مقصد ومطلب کے لئے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہئے اور کوشش کرنے والوں کو اپنی کوشش ہمیشہ جاری رکھنی چاہئے اور ان عاملوں اور کوشش کرنے والوں کو جاننا چاہئے کہ یہ سب کچھ اس کرامت کی قسموں کے سامنے اور اس کے مقابلے میں بہت کم اور نہایت قلیل ہے جس کے وہ محتاج وضرورتمند ہیں اور جس کا یہ عاملین ومجتہدین اللہ سے سوال کرتے ہیں اور اپنا ہاتھ پھیلاتے ہیں اور یہ بھی جاننا چاہئے کہ بندوں کے لئے چار چیزیں انتہائی ضروری ہیں (۱) علم (۲) عمل (۳) اخلاص (۴) خوف۔

لہذا سب سے پہلے بندوں کو راستہ کی معلومات کرنی چاہئے ورنہ وہ ایک اندھا آدمی ہے پھر اس علم کے مطابق عمل کرے ورنہ وہ اپنے مطلوب سے محروم رہے گا اس کے بعد عمل میں اخلاص پیدا کرے ورنہ وہ نقصان وخسارے میں ہوگا پھر اس کے بعد امان حاصل ہونے تک آفتوں سے ڈرتا رہے ورنہ دھوکے میں رہے گا۔

حضرت ذوالنون مصری علیہ الرحمہ نے بالکل سچ فرمایا ہے علماء کے سوا تمام مخلوق مردہ ہے اور علماء میں بھی عاملین کے علاوہ سب غفلت کی نیند سورہے ہیں اور اخلاص کے ساتھ عمل کرنے والوں کے سوا سارے عمل کرنے والے دھوکے میں ہیں اور تمام مخلص حضرات بہت بڑے خطرے میں ہیں۔

میں (امام غزالی) کہتا ہوں چار قسم کے آدمیوں پر بہت زیادہ تعجب وافسوس ہوتا ہے۔

(۱) ایک وہ عقلمند جو عالم نہ ہو کیا وہ سامنے پیش آنے والی ہولناکیوں کی معرفت کا اہتمام نہیں کرتا کیا وہ ان دلائل اور عبرتوں اور ان آیتوں اور وعیدوں کے سننے اور ان خیالات سے دل کی بے قراری اور نفس کے خطرات وغیرہ کو دیکھ کر موت کے بعد پیش آنے والے ثواب وعقاب کی تیاری نہیں کرتا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اَوَ لَمۡ یَنۡظُرُوۡا فِیۡ مَلَکُوۡتِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ مَا خَلَقَ اللّٰہُ مِنۡ شَیۡءٍ (پ۹ سورۃ الاعراف آیت ۱۸۵) کیا انہوں نے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی وسلطنت میں نگاہ نہ کی اور جو جو چیز اللہ نے بنائی۔

دوسرے مقام پر ارشاد فرماتا ہے: اَلَا یَظُنُّ اُولٰٓئِکَ اَنَّہُمۡ مَّبۡعُوۡثُوۡنَ ۝ لِیَوۡمٍ عَظِیۡمٍ ۝ (پ۳۰ سورۃ المطففین آیت ۴، ۵) کیا ان لوگوں کو گمان نہیں کہ انہیں عظمت والے دن (قیامت) کے لئے اٹھنا ہے۔

(۲) دوسرا شخص وہ عالم جو اپنے علم کے مطابق عمل نہیں کرتا کیا وہ اپنے سامنے پیش آنے والی بہت بڑی ہولناکیوں اور مشکل ترین گھاٹیاں یقینی طور پر جان کر اس کے متعلق غور و فکر نہیں کرتا اور یہ بہت بڑی خبر ہے جس سے تم منہ پھیرتے ہو۔

(۳) تیسرا شخص وہ عامل جس کے عمل میں اخلاص نہ ہو کیا وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر

غور نہیں کرتا: فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا (پ۱۶ سورۃ الکھف آیت ۱۱۰) تو جسے اپنے رب سے ملنے کی امید ہو تو اسے چاہئے کہ نیک کام کرے اور اپنے رب کی بندگی میں کسی کو شریک نہ کرے۔

(۴) چوتھا وہ مخلص آدمی ہے جو ڈرتا نہ ہو کیا وہ اللہ عزوجل کے ان معاملات کی طرف غور نہیں کرتا جو وہ اپنے برگزیدہ بندوں اور اپنے دوستوں اور اپنے خادموں کے ساتھ کرتا ہے اور جو اس کے اور اس کی مخلوق کے درمیان واسطہ ہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنی سب سے معزز و مکرم مخلوق نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے فرماتا ہے: وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ○ بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ○ (پ۲۴ سورۃ الزمر آیت ۶۵) اور بے شک تمہاری طرف اور تم سے پہلے والوں کی طرف وحی کی گئی کہ اے سننے والے اگر تم نے اللہ کا شریک ٹھہرایا تو ضرور تیرا سب کچھ کیا دھرا بیکار و برباد ہو جائے گا اور ضرور تو خسارے میں رہے گا بلکہ اللہ ہی کی بندگی کر اور شکر کرنے والوں میں سے ہو جا۔

اور اس جیسی اور بھی آیتیں ہیں حتیٰ کہ بیان کیا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے تھے کہ سورۂ ھود اور اس جیسی دوسری سورتوں (سورۂ واقعہ، اذا الشّمس کورت، عم یتسائلون) نے مجھے بوڑھا کر دیا (طبرانی عن علقمہ بن عامر)

پھر خلاصہ کلام اور اس کی تفصیل وہی ہے جو اللہ رب العلمین نے اپنی کتابِ عزیز (قرآن کریم) کی ان چار آیتوں میں فرمایا ہے۔

(۱) اللہ عزوجل فرماتا ہے: اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ○ (پ۱۸ سورۃ المؤمنون آیت ۱۱۵) تو کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ہم نے تمہیں بیکار پیدا

کیا اور تمہیں ہماری طرف لوٹنا نہیں ہے۔

(۲) پھر اللہ جل اسمہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ج وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ (پ۲۸ سورۃ الحشر آیت۱۸) اور ہر جان کو دیکھنا چاہئے کہ اس نے کل کے لئے کیا بھیجا ہے اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے۔

(۳) پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ط وَ اِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (پ۲۱ سورۃ العنکبوت آیت۶۹) اور جن لوگوں نے ہماری راہ میں کوشش کی ہم انہیں اپنے راستے ضرور دکھائیں گے۔

(۴) پھر اللہ تعالیٰ ان سب کو بڑے عمدہ اور جامع طریقہ پر فرماتا ہے: وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ط اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (پ۲۰ سورۃ العنکبوت آیت۶) اور بے شک وہی سب سے زیادہ سچا ہے اور جو اللہ کی راہ میں کوشش کرے تو اپنی ہی بھلائی کی کوشش کرتا ہے بے شک اللہ سارے جہان سے بے پرواہ ہے۔

اور ہم اللہ تعالیٰ کے حضور اپنے قدم کی تمام لغزشوں اور قلم کی تمام غلطیوں کی معافی مانگتے ہیں اور اپنے ان تمام اقوال سے اللہ تعالیٰ کی مغفرت کے طلب گار ہیں جو ہمارے اعمال کے موافق نہیں اور ہم ہر ان باتوں سے بخشش چاہتے ہیں جن کا دعویٰ کیا اور ان کو دین الٰہی کے علم کی حیثیت سے ظاہر کیا ان میں بہت سی خامیاں اور کوتاہیاں ہیں اور ہم اسی سے ہر ان خطرات وخیالات سے معافی مانگتے ہیں جس نے ہمیں تصنع اور ریاء اور زینت پر ابھارا جو کچھ ہم نے اپنی کتاب میں لکھا یا ہر اس کلام سے جس کو ہم نے پرویا اور نظم کیا یا ہر اس علم سے جس سے ہم نے فائدہ پہنچایا۔

اور ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اور ہمارے بھائیوں کی جماعت کو ان کے علم کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اور ہم خالص اسی کی رضا وخوشنودی چاہیں اور ہم سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمارے اس علم کو ہمارے لئے وبال و آفت نہ بنائے اور جب ہمارے اعمال ہمیں بتائے جائیں اور ہمارے نیکیوں کے ترازو میں رکھے جائیں گے بے شک وہ بڑا جواد اور کرم فرمانے والا ہے۔

ہمارے شیخ امام حجۃ الاسلام ابو حامد الغزالی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہی وہ کلمات ہیں جن کا ہم نے ارادہ کیا تھا کہ آخرت کے راستہ پر چلنے کی کیفیت کی شرح میں بیان کریں گے (الحمد للہ) ہم اپنے مقصود میں کامیاب ہو گئے اور اسے پورا کرلیا۔ تمام خوبیاں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس کے احسان سے تمام نیکیاں پایہ تکمیل کو پہنچتی ہیں اور اسی کے فضل وکرم سے برکتیں نازل ہوتی ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنی سب سے بہترین مخلوق حضرت محمد النبی اور آپ کی آل واولاد پر ہر حال میں رحمتیں نازل فرمائے جنہوں نے سب سے افضل معبود اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف دعوت دی اور بہت زیادہ اور پاکیزہ (ریاء وسمعہ سے ستھری) اور برکت والی سلامتی نازل فرمائے۔ آمین

تمت بالخیر

احقر العباد عطاء المصطفیٰ اعظمی ۳/ذی الحجہ ۱۴۱۵ ھجری، ۳/ مئی ۱۹۹۵ عیسوی